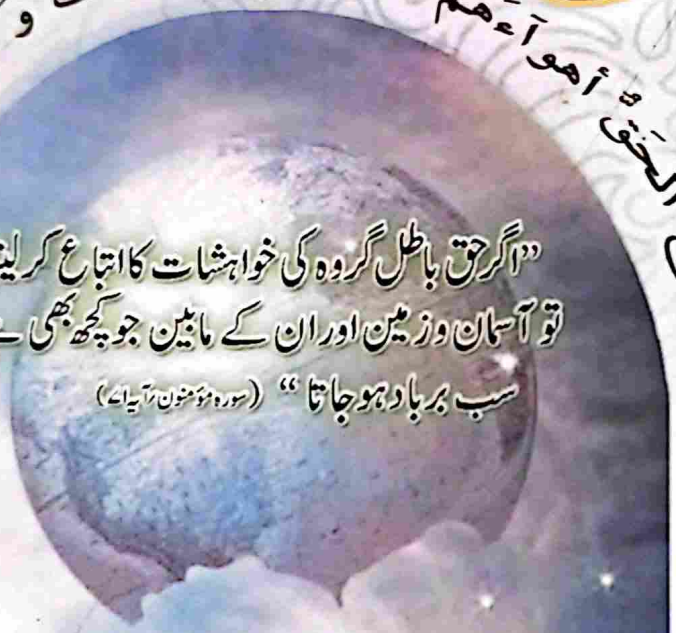
صلح امام حسن علیہ السلام



وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ

"اگر حق باطل گروہ کی خواہشات کا اتباع کر لیتا
تو آسمان و زمین اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے
سب برباد ہو جاتا" (سورہ مؤمنون آیہ ۷۱)

تاریخ کی عظیم ترین شجاعانہ مصالحت

مؤلف

علامہ مجاہد شیخ راضی آل یاسین

عرض ناشر

مؤسسہ الامام المنتظر کا بنیادی ہدف مکتب اہل بیت کی ترویج اور نشر واشاعت ہے اس سلسلہ میں علمی اور تحقیقی کتب کی تالیف یا ترجمہ مؤسسہ کا ایک اہم مقصد ہے۔ تاکہ اردو معاشرہ اس تشنگی سے سیراب ہو سکے انہی میں سے ایک کتاب علامہ شیخ راضی آل یاسین کی صلح الحسن ہے۔

صلح امام حسن تاریخی لحاظ سے ایک اہم موضوع ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر متاسفانہ ہمارے درمیان اس موضوع پر علمی اور تحقیقی کتابیں بہت کم لکھی جا چکی ہیں اکثر و بیشتر کتب نے امام حسن کے حالات زندگی کے ضمن میں صرف صلح کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس موضوع کے تمام جوانب کو صحیح معنوں میں پرکھنے کیلئے اور اس موضوع کے تمام جوانب کی منظر کشی کو سیاسی اور اجتماعی لحاظ سے پیش کرنے کیلئے امام علیہ السلام کے اقدامات کو سمجھنے کیلئے اور ان اقدامات کے تحت جو نتائج سامنے آئے اس صلح سے امام کا ہدف و مقصد واضح کرنے کیلئے کہ امام علیہ السلام کس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ ان تمام مطالب کو جاننے کیلئے عالم مجاهد علامه شیخ راضی آل یاسین نے جو قلم فرسائی کی ہے وہ نہایت مدلل مضبوط اور علمی ہے اس میں ان تمام مطالب پر سیر حاصل تحقیق بحث کی گئی ہے۔ اور اپنے موضوع پر لکھی جانے والی بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کا عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ رهبر معظم انقلاب حضرت آیة الله خامنه ای نے کیا ہے۔ مؤسسه الامام المنتظر نے عربی اور فارسی دونوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

امید ہے قارئین کرام اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں گے اردو دان حضرات کیلئے یہ کتاب ایک گرانقدر تحفہ ہے۔

آخر میں مؤسسه الامام المنتظر کتاب صلح امام حسن علیہ السلام کے مترجم مولانا سید مراد رضا رضوی اور کتاب کے مصححین اور اصل کتاب کے ساتھ مطابقت کرنے والے برادران مولانا ہادی حسن فیضی، مولانا اخلاق حسین اور سید محمد حسن نقوی کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

قم۔ ایران

مؤسسه الامام المنتظر

اس کے ساتھ ہی مؤسسہ الامام المنتظر نے جن علمی شخصیات کی کتب کا اردو ترجمہ پیش کر چکا ہے اس کی ایک فہرست قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

نمبر شمار	کتاب کا نام	مؤلف
۱	مفاتیح الجنان	خاتم المحدثین مرحوم شیخ عباس قمیؒ
۲	مصباح الھدایہ بنام چراغ ہدایت	آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی موسوی بھبھانی
۳	عدالت اجتماعی (معاشرتی انصاف)	آیت اللہ ہاشمی رفسنجانی (خطبات نماز جمعہ)
۴	اہل بیت قرآن وحدیث کی روشنی میں	علامہ محمدی ری شہری
۵	محبت قرآن وحدیث کی روشنی میں	علامہ محمدی ری شہری
۶	عقل قرآن وحدیث کی روشنی میں	علامہ محمدی ری شہری
۷	علم وحکمت قرآن وحدیث کی روشنی میں	علامہ محمدی ری شہری
۸	کیمائے محبت بنام پھر اس نے خدا کو پالیا	علامہ محمدی ری شہری
۹	معطیات آیہ المودۃ المحاضرات فی الثورۃ الحسینہ بنام آیت مودت کی روشنی میں قیام امام حسینؑ	آیت اللہ سید محمود ہاشمی شاہرودی
۱۰	ثواب الاعمال وعقاب الاعمال بنام نسیم بہشت	شیخ صدوقؒ
۱۱	تلخیص المراجعات بنام تلاش حق (سوال وجواب کے انداز میں)	علامہ سید عبدالحسین شرف الدین موسوی
۱۲	صلح الحسن بنام صلح امام حسن علیہ السلام	علامہ مجاہد شیخ راضی آل یاسین
۱۳	فرہنگ قرآن	مؤلف آیت اللہ رفسنجانی

☆☆☆☆☆☆

فہرست مطالب

نمبر شمار	عنوان	شمارہ صفحہ
۱	تعارف: (مؤلف شیخ راضی آل یاسین اور رہبر معظم کے مختصر حالات زندگی):	۱۳
۲	مقدمہ ناشر: (حقیقت صلح وحواشی مقدمہ):	۱۹
۳	مقدمہ: (مصلح بزرگ مرحوم آیۃ اللہ، سید عبدالحسین شرف الدینؒ عاملی)	۳۴
۴	پیش لفظ مؤلف:	۴۷
۵	☆ پہلا باب / امام حسن علیہ السلام کے حالات زندگی ☆	۵۳
۶	ولادت:	۵۵
۷	القاب:	۵۵
۸	ازواج:	۵۵
۹	اولاد:	۵۶
۱۰	اوصاف:	۵۷
۱۱	عبادت:	۵۷
۱۲	اخلاق:	۵۸
۱۳	مناقب:	۶۲
۱۴	شہادت:	۶۳
۲۴	مدفن:	۶۵
۲۵	☆ دوسرا باب / سیاسی موقف ☆	۶۷
۲۵	● پہلی فصل / بیعت سے قبل:	۶۹

CamScanner

۲۶	● دوسری فصل/بیعت:	۸۵
۲۷	● امامت کے اثبات کیلئے شیعہ امامیہ کی روش:	۸۷
۲۸	● تیسری فصل/کوفہ بیعت کے ایام میں:	۹۹
۲۹	۱۔ اموی ٹولہ:	۱۰۴
۳۰	۲: خوارج:	۱۰۵
۳۱	۳۔ شکاکین:	۱۰۷
۳۲	۴۔ الحمراء:	۱۰۷
۳۳	● چوتھی فصل/جنگ کا فیصلہ:	۱۱۳
۳۵	● پانچویں فصل/فوج اور کمانڈری:	۱۳۳
۳۶	اس سوال کے چند جواب ہیں:	۱۴۲
۳۷	● چھٹی فصل/لشکر کی تعداد:	۱۴۵
۳۸	بحث اور جائزہ:	۱۵۰
۳۹	● ساتویں فصل/فوج کے عناصر:	۱۵۷
۴۰	● آٹھویں فصل/عبید اللہ بن عباس:	۱۶۹
۴۱	● نویں فصل/معرکہ آرائی کا آغاز:	۱۷۷
۴۲	● دسویں فصل/دائرہ تردید:	۱۹۹
۴۳	● گیارہویں فصل/عقیدہ یا حکومت؟:	۲۱۱
۴۴	● بارہویں فصل/فداکاری/قربانی:	۲۳۱
۴۵	امام حسن علیہ السلام کا جہاد:	۲۳۴
۴۶	امام حسنؑ کا صبر:	۲۳۶
۴۷	۳۔ امام حسنؑ کی فداکاری:	۲۴۳

۴۸	● تیرہویں فصل رحقیقت صلح:	۲۴۷
۴۹	(۱):۔تاریخ یعقوبی:	۲۴۷
۵۰	(۲):۔تاریخ طبری:	۲۴۸
۵۱	(۳):۔کامل بن اثیر:	۲۴۹
۵۲	(۴):۔شرح نہج البلاغہ رابن ابی الحدید:	۲۴۹
۵۳	(۵):۔ارشاد رشیخ مفید:	۲۵۰
۵۴	خدا کی راہ میں شہید ہونا:	۲۵۷
۵۵	مدائن کی غیر معمولی حالت کی دور سے ایک جھلک:	۲۵۸
۵۶	امام حسنؑ کے اغراض ومقاصد کے مقابلہ میں معاویہ کا کردار:	۲۶۲
۵۷	نتائج بحث:	۲۷۲
۵۸	☆تیسرا باب رصلح☆	۲۸۵
۵۸	● پہلی فصل رصلح سے دونوں فریق کا مقصد:	۲۸۷
۵۹	● دوسری فصل رصلح کی قرارداد:	۲۹۷
۶۰	● دونوں کی دستخط کے ہمراہ قرارداد صلح کا متن:	۲۹۸
۶۱	پہلی شرط:	۲۹۸
۶۲	دوسری شرط:	۲۹۹
۶۳	تیسری شرط:	۲۹۹
۶۴	چوتھی شرط:	۳۰۰
۶۵	پانچویں شرط:	۳۰۱
۶۶	● تیسری فصل رصلح نامہ کی اہم شرطوں پر ایک تحقیقی نظر:	۳۰۳
۶۷	ا۔دونوں فریق کی تصریح:	۳۰۵

۶۸	معاویہ اور خلافت:	۳۰۶
۶۹	۲۔ موضوع بیعت:	۳۱۲
۷۰	۳۔ تسلیم امر:	۳۱۶
۷۱	۴۔ معاویہ کے بعد خلافت کا حال:	۳۱۹
۷۲	۵۔ قرارداد صلح کی باقی شرطیں:	۳۲۳
۷۳	● چوتھی فصل / کوفہ میں ملاقات:	۳۲۵
۷۴	● پانچویں فصل / نئے محاذ پر:	۳۳۷
۷۵	● چھٹی فصل / قرارداد صلح کی شرطوں سے وفا:	۳۴۵
۷۶	ا۔ پہلی شرط سے وفا (معاویہ کی حکومت):	۳۴۶
۷۷	دوسری شرط سے وفا: (جانشین معین نہ کرنا):	۳۴۸
۷۸	۳۔ تیسری شرط سے وفا (حضرت علیؑ کو برا کہنے سے روکنا):	۳۶۲
۷۹	۴۔ چوتھی شرط وفا (دارابجرد کا خراج):	۳۶۷
۸۰	۵۔ پانچویں شرط سے وفا (امنیت):	۳۶۷
۸۱	● ساتویں فصل / معاویہ اور علی علیہ السلام کے شیعہ:	۳۶۹
۸۲	● آٹھویں فصل / معاویہ اور شیعوں کی معزز شخصیتیں:	۳۷۷
۸۳	الف: وہ شہداء جو بے دفاع قتل کیے گئے:	۳۸۱
۸۴	ا۔ حجر بن عدی کندی:	۳۸۱
۸۵	حجر کے قتل کا سبب:	۳۸۳
۸۶	حجر کے واقعہ میں کوفہ کی حالت:	۳۸۶
۸۷	مسلمانوں کی نگاہوں میں اس واقعہ کی اہمیت:	۳۹۱
۸۸	حجر اور ان کے ساتھیوں کے سلسلے میں وارد حدیثیں:	۳۹۵

۸۹	حجر کے شہید ساتھی:	۳۹۵
۹۱	۲۔عمرو بن حمق خزاعی:	۴۰۰
۹۲	۳۔عبداللہ بن یحییٰ حضرمی اوران کے ساتھی:	۴۰۳
۹۳	۴۔رشید ہجری (۲):	۴۰۵
۹۴	۵۔جویریہ بن مسہر عبدی:	۴۰۶
۹۵	۶۔اوفی بن حصین:	۴۰۷
۹۶	پھانسی کے علاوہ دوسرے شکنجے:	۴۰۹
۹۷	ب: دباؤ اور دھمکی کا راستہ:	۴۱۰
۹۸	۱۔عبداللہ بن ہاشم مرقال:	۴۱۰
۹۹	۲۔عدی بن حاتم طائی:	۴۱۳
۱۰۰	۳۔صعصعہ بن صوحان:	۴۱۸
۱۰۱	۴۔عبداللہ بن خلیفہ طائی:	۴۲۱
۱۰۲	اختتام ماجرا:	۴۲۳
۱۰۳	خاتمہ سخن:	۴۳۱
۱۰۴	حسن و حسین علیہما السلام کے حالات کا تقابلی جائزہ:	۴۳۱
۱۰۵	یاروانصار کے لحاظ سے ہر ایک کی خاص صورت حال:	۴۳۲
۱۰۶	دشمن کے اعتبار سے ہر ایک کی خاص حالت:	۴۳۳
۱۰۷	کتابنامہ	۴۳۷

تعارف

☆ کتاب کے مؤلف اور فارسی مترجم کے مختصر حالات زندگی ☆

کتاب صلح الحسن علیہ السلام عراق کی مشہور و معروف علمی شخصیت شیخ راضی آل یاسین کی تالیف کردہ ہے جن کا تعلق عراق کے علمی گھرانے سے ہے، جو اپنے وقت کے متبحر عالم تھے آپ کا شجرہ طیبہ آل صدر سے ملتا ہے آپ نے نجف اشرف اور کاظمین دونوں کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا اور دونوں بلند و بالا مقامات پر اپنی فعالیت جاری رکھی آپ کا شجرہ طیبہ علوی سادات سے متعلق ہے آپ کے اساتذہ شیخ راضی بن شیخ عبدالحسین بن شیخ باقر بن شیخ محمد حسن آل یاسین کاظمی ہیں جو ۱۳۱۴ھ کو کاظمین میں پیدا ہوئے آپ کے بھائی شیخ محمد رضا اور شیخ محمد کاظم شیرازی، آپ کے ماموں سید حسن صدر، سید احمد بن حائری، سید عبدالحسین شرف الدین وغیرہ ہیں جن سے آپ نے علوم دینیہ حاصل کئے ہیں آپ اپنے خاندان آل یاسین کی وراثت کے چشم و چراغ ہیں آپ ہی نے اس گرانبہا میراث کو باقی رکھا آپ علم و اخلاق زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے بڑی ہی تواضع اور انکساری کے ساتھ علوم حاصل کئے۔

عراق کے انقلاب کے موقع پر آپ کاظمین میں ہونے والی میٹنگوں میں شریک ہوتے تھے، اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد آپ ۱۳۵۱ھ میں ان کے قائم مقام ہوئے اور آپ مرموقین کے امام جماعت تھے آپ کو ایک ایسا مرض لاحق ہوا جس کا عراق میں علاج نہیں ہوسکتا تھا لہذا آپ کو علاج کیلئے لبنان جانا پڑا اور آپ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ میں وہیں پر انتقال کر گئے تو آپ کے جنازہ کو عراق لایا گیا اور نجف اشرف میں آپ کے خاندان آل یاسین کے مقبرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ نے متعدد کتابیں تألیف کی ہیں جیسے اوج البلاغہ جس میں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے خطبے جمع کئے ہیں۔ تاریخ کاظمیہ جو ایک بہت ضخیم کتاب ہے اور تاریخ اسلام کے ایک اہم اور حساس موضوع صلح الحسن نامی کتاب تالیف کی جو اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ اسلام کا یہ موضوع نہایت ہی تشنہ تھا تو مؤلف نے اس موضوع کی تشنگی کو دور کیا یہ کتاب ایک گرانبہا اور قیمتی مآخذ کے طور پر ہمارے پاس موجود ہے۔ جو اپنے موضوع کے اعتبار سے فصل الخطاب ہے اور مفصل (حق و باطل کے درمیان حد فاصل ہے) یہ کتاب کئی فصلوں پر مشتمل ہے جس میں بڑے ہی اچھے انداز میں منظم طریقہ سے مطالب کو نقل کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ عربی سے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ ایران کی مشہور و معروف شخصیت حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی نے کیا ہے آپ نے ایران کے اسلامی انقلاب سے پہلے سیرت ائمہ علیہم السلام کے موضوع پر تاریخ اسلام کا جائزہ لیا اور اس دوران آپ نے اس موضوع "صلح حسنؑ" کا شدید خلاء محسوس کیا اور اس پر مستقل کتاب لکھنا چاہتے تھے اور مطالعہ کے دوران آپ نے بہت سے مطالب جمع کئے تھے لیکن جب آپ نے شیخ راضی آل یاسین کی کتاب "صلح الحسنؑ" (جو اس موضوع پر لکھی جانے والی سب سے مدلل کتاب ہے جو ۱۳۷۲ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی) کا مطالعہ کیا تو یہ کتاب آپ کو بہت ہی جامع نظر آئی تو آپ نے اپنے تمام مکتوبات ایک طرف رکھ دیئے اور اس کتاب کے ترجمہ میں مصروف ہو گئے۔

رہبر معظم کی زندگی کے مختلف پہلو پر ایک نظر

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کا تاریخ کے ان افراد میں شمار ہوتا ہے جن کی زندگی کا ہر لمحہ بشریت کیلئے مشعل راہ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا مطالعہ ہمارے لئے صحیح و درست انقلاب کی نوید صبح بنے گا۔

آپ ۱۳۱۸ھ ش "۱۹۳۹ء" میں ایران کے صوبہ خراسان کے صدر مقام اور حضرت امام رضاؑ کے شہر مشہد مقدس کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے آپ اپنے گھر کے ماحول، بچپن کے حالات اور نوجوانی کے بارے میں فرماتے ہیں: ہم آٹھ بہن بھائی تھے، شروع میں جس نے ہمیں انبیاء کے حالات و واقعات سے روشناس کیا وہ ہماری ماں ہی ہیں۔ ہم اصل میں تبریز کے رہنے والے ہیں یعنی ہمارے والد صاحب اصل میں صوبہ تبریز کے شہر خامنہ کے رہنے والے تھے، اس طرح ہم بچپن ہی سے فارسی اور ترکی دونوں زبانوں سے آشنا ہوئے، مجھے چار پانچ سال کی عمر میں اسکول بھیجا گیا۔

آپ کی ابتدائی زندگی بہت ہی فقر و فاقہ اور سختی میں گذری جس کے بارے میں آپ خود ہی فرماتے ہیں: اشیاء کے سستے ہونے کے باوجود نہایت ہی سختی میں زندگی گذرتی تھی، یہاں تک کہ ہم ہمیشہ گندم کی روٹی بھی نہیں کھا سکتے تھے، معمولا جو کی روٹی کھاتے تھے۔

ہمارا گھر مشہد کے ایک فقیر نشین محلے میں واقع تھا یہ گھر تقریبا ۶۰، ۷۰ مربع میٹر زمین پر مشتمل تھا، ہمارے گھر کا صرف ایک ہی کمرہ اور ایک تاریک زیر زمین (تہہ خانہ) تھا۔

تعلیمی اعتبار سے بھی آپ کی ذات نمونہ عمل ہے آپ سولہ سال کی عمر میں درس خارج میں مشغول ہوئے۔

آپ کی زندگی سے یہ بھی ایک درس ملتا ہے کہ فقر و فاقہ کے باوجود اگر انسان کوشش کرے تو دونوں جہان کی سعادت سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ جسے ابتدا میں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا زحمت و مشقت کے بعد اب دولت و ثروت اس کے قدم چوم رہی ہے، لیکن پھر بھی قناعت کا یہ عالم ہے کہ کبھی دہی تو کبھی سوکھی روٹی پر ہی گزارہ کر لیتے ہیں!

سیاسی زندگی کا آغاز

آپ ایک متقی، پرہیزگار اور شجاع مجاہد ہیں آپ نے ہمیشہ دشمن کے مقابلہ میں قلم، سخن اور اسلحہ کے ذریعہ جہاد کیا آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز حضرت امام خمینیؒ کی عظیم اسلامی تحریک کے ساتھ شروع ہوتا ہے، اس دوران آپ کو کئی مرتبہ گرفتار کیا گیا اور مختلف قسم کی سزائیں برداشت کرنا پڑیں، لیکن کبھی بھی آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی اور آپ ہمیشہ اپنے نظریاتی اصولوں پر ثابت قدم رہے۔

انقلاب کے بعد اہم ذمہ داریاں

اسلامی انقلاب کی عظیم کامیابی کے بعد آپ کی جدوجہد جاری رہی اور آپ انقلاب کے تمام محاذوں پر اپنے وفادار دوستوں کے ساتھ خدمت و وفاداری کیلئے موجود رہے اور ہیں یہاں تک کہ کئی مرتبہ شہادت کی بھی نوبت آئی۔ ہم مختصر طور پر آپ کی بعض ذمہ داریوں اور مخلصانہ خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ سیستان و بلوچستان میں اہم ذمہ داری

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی حسینی خامنہ ای مدظلہ العالی ۱۳۵۸ھ ش میں شورائے انقلاب کی رکنیت کے علاوہ اسلامی جمہوریہ کے بانی حضرت امام خمینیؒ کی طرف سے اس امر کیلئے معین کئے گئے کہ صوبہ بلوچستان میں باہر سے وابستہ خان لوگوں کی سازشوں اور انقلاب مخالف کاروائیوں کا جائزہ لیں اور ان سے مقابلہ کریں۔

حضرت امام خمینیؒ نے آپ کے ماضی کے پرخلوص کردار کو دیکھ کر ایک بیان میں آپ کو تہران کی نماز جمعہ کی امامت کیلئے منتخب کیا۔

حضرت امام خمینیؒ نے آپ کو مکمل اختیار دے کر دفاعیہ کی سپریم کمیٹی میں اپنا مشیر مقرر کر دیا۔

5 مجلس شورائے اسلامی (پارلیمنٹ) کے ابتدائی دور کے انتخابات میں آپ تہران کے نمائند
حیثیت سے منتخب ہوئے اور بھاری اکثریت "تقریباً چودہ لاکھ ووٹ" سے پہلے دور میں ہی منتخب ہو

آیۃ اللہ خامنہ ای نے ۷ جولائی ۱۹۸۱ء میں اپنے شجاعانہ اور واضح بیان میں بنی صدر اور منافقین (۱) کی خیانت سے پردہ اٹھایا۔ جب آپ اس کے ایک مہینہ بعد تہران میں واقع مسجد ابوذر میں خطاب فرما رہے تھے تو آپ پر بزدلانہ حملہ ہوا جس میں آپ کا ہاتھ اور سینہ شدید زخمی ہو گیا اور آپ بیالیس دن ہسپتال میں زیر علاج رہے لیکن پھر بھی آپ کا دایاں ہاتھ معذور ہی رہا۔

6 صدارت

اسلامی جمہوری ایران کے صدر شہید محمد علی رجائی کی شہادت کے بعد آپ اس عہدہ پر فائز ہوئے اور اسی سال ۱۵ اکتوبر کو ۱۸۶۸۷۹ ووٹوں میں سے ۱۶۸۵۷۹ (۹۵ فیصد) ووٹ لیکر صدر جمہوریہ منتخب ہوئے ۲۰ اگست ۱۹۸۵ء کو دوسری بار بھی صدر جمہوریہ منتخب ہوئے، اپنی صدارت کے دوران: شام، لیبیا، پاکستان، ہندوستان، چین، الجزائر، موزمبیک، انگولا، تنزانیہ، زمبابوے، یوگسلاویہ (سابق) رومانیہ، شمالی کوریا کے دورے پر گئے، اسی طرح اقوام متحدہ کے ۴۲ بیالیسویں عمومی اجلاس میں نیویورک میں امریکہ کا سفر کیا، یوں آپ سفر کے دوران انقلاب اسلامی کے اغراض و مقاصد سے دنیا کو روشناس کراتے رہے۔

اتوار ۴ رجون ۱۹۸۹ء "۱۴ خرداد ۱۳۶۸ھ ش" کو بانی انقلاب حضرت آیۃ اللہ العظمی امام خمینیؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا عالم اسلام خاص کر ملت تشیع اور ایرانی عوام کیلئے یہ وقت بہت بڑی آزمائش و امتحان کا تھا چونکہ اسلام اور انقلاب کے دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی وفات سے انقلاب کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن اللہ کی مدد اور امام زمانہؑ کی خاص توجہ کے باعث یہ نازک لمحہ بھی کامیابی کے ساتھ گذر گیا اور امام خمینیؒ کے ایک خاص شاگرد اور آپ کے دست پروردہ حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی انقلاب کے افق پر روشن آفتاب بن کر اُبھرے اور آپ کا انتخاب بھی اتفاقی نہیں تھا۔

---

(۱)۔ منافقین سے مراد وہ لوگ جو انقلاب کے دشمن عناصر تھے معاشرہ میں بدامنی پھیلا رہے تھے اور مسلسل ظاہری طور پر انقلاب کے ساتھ تھے لیکن اندرون میں انقلاب کے مخالف اور انقلاب کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔

آیۃ اللہ بھاوالدینی کی پیشین گوئی: کوئی بھی شخص امام خمینیؒ نہیں بن سکتا لیکن آقائے خامنہ ای امامؒ کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور جس سے رہبری کی امید کی جاسکتی ہے وہ آپ ہی کی ذات ہے۔ یہ خدا کا ایک لطف تھا کہ مسلمانان عالم کے امور ایک فقیہ، وقت شناس، مدبر، امین، مجاہد اور مرجع کے امانت دار ہاتھوں تک پہنچے۔

آیۃ اللہ ہاشمی رفسنجانی کا کہنا ہے امام خمینیؒ کے حضور میں ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں صدر، وزیراعظم، اسپیکر، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور جناب حجۃ الاسلام احمد خمینیؒ صاحب موجود تھے، میٹنگ میں آئندہ قیادت کے متعلق بحث چلی کہ ممکن ہے کسی وقت کسی مشکل سے دوچار ہونا پڑے اور قیادت کے انتخاب میں کوئی مشکل پیش آئے تو اس موقعہ پر رہبر کبیر انقلاب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ نے فرمایا: کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی آپ کے پاس افراد ہیں سوال کیا گیا: کون ہے؟ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ اس وقت آیۃ اللہ خامنہ ای کی موجودگی میں فرماتے ہیں کہ "آقای خامنه ای"۔

آیۃ اللہ خامنہ ای پر امام خمینیؒ کو بہت زیادہ اعتماد تھا، آپ کی زندگی امام خمینیؒ کے حضور میں ایک مجاہد کی رہی ہے آپ پر امام خمینیؒ کی خاص توجہ تھی۔

امام خمینیؒ ہر وقت آپ کے دیدار کے مشتاق رہتے، اکثر اوقات آپ آقای خامنہ ای سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے: جب بھی تم سفر پر جاتے ہو تو میں تمہارے سفر سے واپس لوٹنے تک مضطرب و پریشان رہتا ہو لہذا زیادہ سفر مت کیا کرو۔

آیۃ اللہ العظمیٰ خامنہ ای کی فقہا کی نظر میں علمی منزلت

1 حضرت آیۃ اللہ مشکینی فرماتے ہیں کہ حضرت مستطاب آیۃ اللہ حاج سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی مقام اجتہاد و فقاہت پر فائز ہیں اور ان میں احکام شرعی کے استنباط کی صلاحیت موجود ہے جو رہبریت کے عظیم منصب کیلئے لازمی و ضروری ہے۔ اسی طرح ولایت کیلئے دوسرے تمام ضروری شرائط بھی آپ کی ذات والا صفات میں موجود ہیں۔

2 حضرت آیۃ اللہ جوادی آملی فرماتے ہیں کہ حضرت آیۃ خامنہ ای کا اجتہاد اور عدالت مورد تائید ہے اور امت اسلامیہ کیلئے آپ کی رہبریت کی تقویت و استحکام کیلئے کسی قسم کے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرنا ضروری ہے۔

3 حضرت آیۃ اللہ یزدی فرماتے ہیں کہ جمہوری اسلامی ایران کے رہبر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی

بلند مرتبہ فقیہ اور مجتہد ہیں جو احکام کے استنباط میں مؤثر علوم پر مکمل طور پر تسلط رکھتے ہیں لغت، ادبیات، اصول، حدیث اور تفسیر کے علاوہ علم رجال اور درایہ جیسے علوم جو مستحکم فتوا دینے میں بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ان میں بھی خود آپ ایک صاحب فن استاد اور عالم ہیں۔

حضرت آیۃ اللہ جنتی فرماتے ہیں کہ رہبر معظم کی تقلید میں کوئی اشکال نہیں ہے بلکہ ان کی تقلید انقلاب اور اسلام کی تقویت کا سبب ہے اور ان دشمنوں کی ناامیدی کا موجب ہے جو اس تقلید کی راہ سے انقلاب کی بنیادیں کھوکھلی کر دینا چاہتے ہیں۔

حضرت امام خمینیؒ کا نظریہ جناب حجۃ الاسلام احمد خمینیؒ کی زبانی آپ فرماتے ہیں کہ: میں نے کئی مرتبہ امام خمینیؒ سے سنا ہے کہ آپ حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی صاحب کو ایک مسلم مجتہد اور رہبریت کیلئے بہترین فرد جانتے تھے۔

حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی کے سلسلہ میں امام خمینیؒ کے نظریات: میں نے آقائے خامنہ ای مدظلہ العالی کی خود پرورش کی ہے، آپ ان نادر افراد میں سے ہیں جو آفتاب کے مانند درخشاں ہیں اور میں ان کو اسلامی جمہوری ایران کا ایک مضبوط بازو سمجھتا ہوں۔

اللہ نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ عمومی افکار کی ہدایت ایسے صدر کے انتخاب کی جانب فرمائی جو اسلامی اصول کا پابند، دین اسلام کے راستہ پر گامزن مجاہد اور دین وسیاست کا عالم ہے، حکم قرآن "اشداء علی الکفار و رحماء بینھم" کے مطابق کفار کیلئے سخت اور مومنین کیلئے مہربان ہیں۔ میرا یہ مشورہ ہے کہ آقائے خامنہ ای مدظلہ العالی آقائے مطہری کی جگہ پر آئیں یہ بہت ہی بہتر ہے وہ فہیم ہیں گفتگو کر سکتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں۔ یہ خدا کی ایک نعمت ہے جو اس نے ہمیں عطا کی ہے۔ جو راتوں کو عبادت میں مشغول اور دنوں میں خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ میں آقائے خامنہ ای مدظلہ العالی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ سرحدوں پر مجاہدوں کی وردی اور معاشرہ میں علماء کے لباس میں مظلوموں کے حامی ہیں۔ دنیا کے سلاطین اور صدور میں آپ کی شخصیت بے نظیر ہے۔

قم۔ایران

مؤسسہ الامام المنتظر

مقدمہ ناشر

حقیقت صلح

اس سے پہلے کہ ہم صلح کی حقیقت سے بحث کریں کہ صلح کی حقیقت کیا تھی اور کیوں واقع ہوئی؟ آیئے
1 ذرا اسلام کو سمجھئے کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ (۱) اسلام کی حقیقت دو چیزوں میں مضمر ہے قرآن مجید اور سنتِ نبویؐ
قرآن مجید اسلام کیلئے جسم کی مانند ہے۔ سنت نبویؐ اس کی روح ہے۔ اگر اسلام سے سنتِ نبویؐ و
احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الگ کیا جائے تو یہ اسی طرح ہے جس طرح انسان کے بدن سے روح الگ کی جائے
سنتِ نبویؐ حقیقتاً روح اسلام ہے۔ حاکمان وقت نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
2,3 احادیث کے نقل پر پابندی لگادی۔ (۲) اس کے ساتھ ہی احادیث نبوی کو جلادینے کا حکم دیا گیا۔ (۳) معاویہ کے
4 دور سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے بالمقابل وضع احادیث کا کام شروع ہوا۔ (۴) احادیث پیغمبر کو ٹھکرادیا گیا اپنی
5 طرف سے حکم وضع کیے گئے اس کے ساتھ ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو ختم کرنے کی کوششیں کیں گئیں۔ (۵)
6 حدیثیں گھڑیں گئیں طرح طرح کی نامناسب باتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی گئیں۔ (۶) نتیجہ یہ ہوا کہ اس
وسیع پروپیگنڈے کے تحت امتِ اسلامی حق سے دور تر اور باطل سے قریب تر ہوتی ہوگئی۔

اب ان حالات میں وارث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبطِ اکبر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کیا کرے؟

7 ہر طرف سے اسلام سے دشمنی ہورہی ہے، بانی اسلام سے بغض و عداوت کی جارہی ہے۔ (۷)
8 عظیم باپ پر برملا سب و لعن جاری ہے (۸)، اس عظیم ذمہ داری کو فرزند رسول کیسے سنبھالیں۔ کیا تدابیر اتخاذ
کریں؟ کیونکہ حقیقی اسلام کا دفاع آپ کی ذمہ داری ہے، نہ خاندانی اعتبار سے بلکہ ایک امام، رہبر اور پیشوای
امت کی حیثیت سے آپ محافظ اسلام اور سنت نبوی ہیں۔ کیسے دفاع کریں؟ دفاع کا ایک راستہ یہ ہے کہ دشمن
سے جنگ کریں اور اسے شکست دیں لیکن حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ جنگ ظاہری طور پر سوائے شکست

اور ناکامی کے کچھ نہ تھی۔ دشمن کے شدید پروپیگنڈے کے تحت امام کی سپاہ، تعداد کے اعتبار سے کم، طاقت کے لحاظ سے نہایت کمزور اور روحی لحاظ سے شکست خوردہ حالت تھی اور امام کے مدمقابل معاویہ تھا جو بہت ہی مکار اور فریب کار اور زیرک شخص تھا۔ جو ظواہر اسلام کا خاص خیال رکھتا تھا۔

لیکن در پردہ وہ اسلام کا ازلی دشمن تھا جو خفیہ طور پر اسلام کے خلاف سازشیں تیار کر رہا تھا اب ایک ہی راستہ باقی تھا اگر چہ ظاہری طور پر شکست ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔ لیکن اس ہوا ہوس میں ڈوبے ہوئے بلکہ اقتدار کے نشہ میں مست ہوتے ہوئے بنی امیہ کے اس پست فطرت انسان کی پیشکش صلح کو قبول کیا جائے جس میں دو اہم فائدے ہیں۔

۱) امام حسن علیہ السلام نے اس صلح کے ذریعہ معاویہ کے راستے میں خود اس سے ایک خفیہ دشمن پیدا کیا اور خود اس کے ہاتھوں اس کی نیست و نابود ہونے کے وسائل کو مہیا کیا اور یہ ممکن ہو گیا کہ بنی امیہ کے مضبوط و مستحکم قلعہ کو خود اس کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا جائے اور نتیجتاً ان کی فتح کو بے اثر کر دیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کچھ ہی ایام گزرے تھے کہ جو شق امام حسن علیہ السلام کے ذریعہ صلح کی شرطوں میں رکھی گئی تھی وہ خود معاویہ کے ہاتھوں پھٹ گئی جس دن عراق کا لشکر نخیلہ میں معاویہ کے لشکر میں پیوست ہوا وہ اپنی کامیابی کے نشہ میں خطبہ دینے کیلئے اٹھا اور کہا اے اہل عراق خدا کی قسم میں نے تم سے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کیلئے جنگ نہیں کی میں نے تم سے صرف حکومت کی خاطر جنگ کی ہے اور خداوند عالم نے مجھ کو میرے مقصد میں کامیاب کر دیا۔ حالانکہ تم نہیں جانتے تھے اب جان لو میں نے قرارداد صلح میں جو شرطیں حسن بن علی علیہما السلام کے ساتھ رکھی تھیں وہ ابھی میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

پس دشمن کو مہلت دی تا کہ وہ اپنے چہرہ سے صحیح طریقے سے نقاب اٹھالے اسے میدان مل جائے۔ تا کہ وہ خود اپنے آپ کو متعارف کرالے کہ وہ کس رذالت، خیانت اور کمینگی کا مرکز ہے اور سب سے اہم یہ کہ لوگ اسے پہچان لیں کہ وہ اسلام کا درجہ اوّل کا دشمن ہے نہ کہ خیر خواہ۔

۲) اپنے جدّ امجد اور عظیم باپ کی محنتوں کے سایہ میں تربیت پانے والے اصحاب کی حفاظت کریں تا کہ اس طرح اسلام ناب محمدی کی کچھ حد تک آبیاری جاری رہے تا کہ یہی لوگ کربلا کا ذخیرہ بنیں کہ اس دن حق اور باطل روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔

خلاصہ امام حسن علیہ السلام کے دور میں دشمن ظواہر کا خاص خیال رکھتا تھا اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا تھا لوگ اس کے کفر ونفاق سے باخبر نہ تھے۔ لذا اس جہاد میں خون دل کے ساتھ دشمن کو دیکھتے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ دشمن اپنے حقیقی چہرہ کے ساتھ میدان میں آئے تا کہ اس کا قلعہ قمع کریں لیکن اجل نے مہلت نہ دی پھر اس وراثت کو بھائی کے حوالے کیا اور فرمایا: "لایوم کیومک یا ابا عبداللہ" معاویہ کے مرنے کے بعد جب یزید نے حکومت سنبھالی تو علی الاعلان احکام اسلامی کی مخالفت کرنے لگا اور دین کے ساتھ دشمنی کرتا ہوا میدان میں آگیا اپنے انکار کا آغاز رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع کرتا ہے اور کہنے لگا:

لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا جَاءَ خَبَرٌ وَلَا وَحْيٌ نَزَلَ

بنی ہاشم نے حکومت کرنے کیلئے ڈھونگ رچایا ہوا تھا کوئی خبر نہیں آئی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی

علی الاعلان شراب پینا، جوا کھیلنا، محارم کے ساتھ شادی کی اجازت دینا، اب امام حسین علیہ السلام جس دن کی انتظار میں تھے وہ دن آگیا آپ اپنے یار وانصار اہل وعیال اور بنی ہاشم کے جوانوں کے ہمراہ دین اسلام کی حفاظت کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ کر کربلا کی طرف روانہ ہوئے تا کہ اس عظیم قربانی کے نتیجہ میں نئے سرے سے اسلام کے درخت کی آبیاری کریں۔

پس امام حسن علیہ السلام کا کام دشمن کو متعارف کرانا تھا۔

دشمن شناسی جو دشمن تیس سال سے زائد عرصہ حق کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا امام اس عظیم کام دشمن شناسی میں کامیاب ہوئے اور امام حسین علیہ السلام کیلئے ایک راستہ فراہم ہوا جونہی دشمن عیاں ہوا اسے مہلت نہ دی فوراً اس کا قلعہ قمع کر دیا اور فرمایا: "ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی فیاسیوف خذینی"

قم – ایران

مؤسسہ الامام المنتظر

مقدمہ ناشر

حواشی

حاشیہ: (۱) ۔حقیقت اسلام: جس نظام اور ضابطہ کو اللہ تعالی نے انسان کی فلاح و رستگاری کو معین کیا ہے اور انسان کی نجات کا ذریعہ ہے اس کا نام ہے اسلام.

اسلام کا معنی ہے تسلیم ہونا پابند ہونا، دین کے مجموعہ قوانین کی پابندی کرنا فکری اعتقادی اخلاقی اور عملی لحاظ سے اس پر عمل پیرا ہونا اب دیکھنا یہ ہے کہ ۱۰ برس تک پیغمبر اکرم ﷺ نے جس اسلام کی تبلیغ کی اور اسے لوگوں تک پہنچایا اسلام کے تمام قوانین پر عمل کیا اور عمل کرایا اور حقیقت اسلام سے متعارف کرانے کے بعد ارشاد فرمایا سیاتی زمان علی امتی لایبقی من القرآن الا رسمه ولا من الاسلام الا اسمه یسمون به و هم ابعد الناس عنه (ثواب الاعمال (صدوق) ۳۰۱ بحار الانوار ۱۹۰/۵۲)۔

عنقریب میری امت پر ایک دن ایسا آئے گا کہ اسلام کے نام کے علاوہ اور قرآن کی تحریر کے سوا کچھ باقی نہ بچے گا۔" اور لوگ اس نام پر مسلمان پہچانے جائیں گے۔ لیکن وہ لوگ اسلام سے بہت دور ہونگے۔

اسلام کیا ہے اور کیسے اپنے محتوا سے محروم ہو کر رہ گیا۔ اور اس سے صرف ایک نام باقی ہے۔

اسلام کو سمجھنے کے لئے اس کی حقیقت کو چار وجودوں میں ڈھالتے ہیں تا کہ ہمارے لئے واضح ہو جائے کہ اسلام کیا ہے۔

1 (پہلا وجود): یہ اسلام کا اسمی وجود ہے جو ان اصطلاحات پر مشتمل ہے جو اسلام نے عربی لغت اور زبان سے اپنائیں اور انہیں ایک نئے مفہوم کے ساتھ معاشرے کے سامنے پیش کیا۔

جیسے وضو لغت میں طہارت اور پاکیزگی کا نام ہے۔ صلوٰۃ لغت میں دعا کے معنی میں ہے۔ اسی طرح صوم، حج، جہاد، زکوٰۃ اور اسی طرح اعتقادی اور اخلاقی اصطلاحات اور مفاہیم۔ لیکن دین اسلام میں وحی کی بنیاد پر مخصوص طریقے سے بجالانے کو کہا جاتا ہے۔

2 (دوسرا وجود): یہ اسلام کا مفہومی اور ذہنی وجود ہے جو شارع اسلام نے اپنی منتخب کی ہوئی اصطلاحات کو دیئے ہیں۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلے عملی طور پر خود ان پر عمل کیا اور اپنے عمل سے دیکھایا اور پھر لوگوں کو ان کی تبلیغ کی کہ صحیح طریقے سے بجالائیں۔

3 (تیسرا وجود): جن اشخاص نے حضور اکرم ﷺ کے فرمودات اور ان اصطلاحات اور معانی کو سمجھا اور انہیں عملی جامہ پہنایا مثلاً وضو صحیح طریقے سے کیا، نماز صحیح طریقے ادا کی، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ اسلام کے اعتقادی اخلاقی اصول پر حضور اکرم ﷺ کے فرمودات کے مطابق عمل کیا۔ لحہ بہ لحہ حضورؐ کے ساتھ رہے۔ اس شخص نے عملی طور پر اپنے مسلمان ہونے کو ثابت کیا۔ اس طرح اسلام کے مؤمن افراد میں

اس دین کا عملی وجود ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس پر اشخاص کی اسلامی شخصیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت وجود میں آتی ہے، حضرت خدیجہ علیہا السلام کی شخصیت وجود میں آتی ہے، سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، یاسر، سمیہ، بلال جیسے افراد وجود میں آتے ہیں۔

(چوتھا وجود): پہلے مرحلہ سے لے کر تیسرے مرحلے تک فرض سازی پر کام ہوا، اسلامی اصول اور ضوابط سمجھائے گئے۔ عملی طور پر دیکھائے گئے۔ افرادی قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ انہیں افراد سے گروہ تشکیل ہوئے۔ گروہوں سے امتیں وجود میں آئیں اور آخری مرحلے میں امت معاشرہ قائم کرتی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی افراد سے مل کر معاشرہ قائم کیا۔

یہ اسلامی معاشرہ ہے جو پہلے تین وجودوں پر مبنی ہے اور ان کی عدم موجودگی میں خود اس کے وجود کا کوئی امکان نہیں اسلامی معاشرے کی بنیاد اس وقت مضبوط ہوتی ہے جب رسول اکرمؐ ان لوگوں کے ذریعے معاشرے کی تعمیر کریں اور وہ لوگ اسلام پر عمل کریں اور آپ سے اطاعت اور وفاداری کا عہد و پیمان باندھا۔

اب سوال یہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ" میرے بعد اسلام سے صرف ایک نام باقی رہ جائے گا۔ آخر کیا ہوا جو اسلام اس وقت مسلمانوں میں موجود تھا۔ اس کا حقیقی مفہوم ختم ہو گیا۔

جواب یہ ہے اگر صحیح معنوں میں عمل نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ نام کی حد تک ہے۔ لیکن مفہوم اور حقیقت سے خالی ہے۔ نماز کا جس طرح حکم دیا گیا ہے ادا نہ کی جائے، وضو کا جس طرح حکم دیا گیا ہے صحیح بجا نہ لایا جائے، روزہ، حج، زکوۃ، الختصر جس طرح اسلامی مفاہیم میں حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس کے مطابق ادا نہ کیا جائے تو حقیقت سے خالی ہے، نام کی حد تک ہے۔

لیکن گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبیؐ میں فرق یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کی شریعت اُن کی وفات کے بعد بالکل ختم ہو گئی، البتہ تدریجی انداز میں اس میں تحریف ہوتی گئی تبدیلیاں وجود میں آئیں اور حقائق کا کتمان کیا گیا لیکن ہمارے نبیؐ کی شریعت ختم نہیں ہوئی، اس لئے کہ اللہ تعالی نے وعدہ کیا ہے۔ یہ شریعت جاودان ہے اور تا قیامت باقی رہے گی، اس بقا کا انتظام بھی اللہ تعالی نے کیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد محافظین شریعت ائمہ معصومین علیہم السلام موجود تھے۔ اس کے باوجود ۱۱ھ ہجری سے ۶۱ ہجری تک اس نصف صدی میں دین اسلام کے حقائق میں تحریف واقع ہوتی رہی اور اس دور کے ائمہ نے اپنی نہایت جدوجہد کے ساتھ کوششیں جاری رکھی۔ جس میں امام حسن علیہ السلام کی صلح، امام حسین علیہ السلام کا وہ عظیم انقلاب (کربلا) دشمن کے تمام ناپاک عزائم کو ختم کر دیا۔ ان کے بعد والے ائمہ نے دین کے مفاہیم کو نئے سرے سے لوگوں تک پہنچایا اور بالآخر دین اسلام احیاء ہوا۔

اب بحث یہ ہے کہ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ اسلام دو چیزوں پر عمل کرنے کا نام ہے۔

قرآن مجید اور بیان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سنت پیغمبرؐ) اور پیغمبرؐ کے بعد ائمہ اطہار علیہم السلام جو وارث علم پیغمبرؐ اور منصب ولایت پیغمبر جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث ثقلین میں ارشاد فرمایا: "اِنی تارکٌ فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی کتاب اللہ حبل ممدود بین الارض والسماء وعترتی اھل بیتی لن یفترقا حتیٰ یردا علیہ الحوض" (سنن ترمذی، حدیث ۸۷۴، کنز العمال، ج ۱، ص ۴۴۔)

قرآن مجید میں صرف کلیات حقائق اور احکام بیان ہوئے ہیں، اگر ہم صرف قرآن پر اکتفاء کریں تو کبھی مسلمان نہیں رہ سکتے، کیسے نماز پڑھیں، کیسے روزہ رکھیں، کیسے حج بجا لائیں، کیسے معاشرتی امور شادی بیاہ کے مسائل کو بجا لائیں۔ اصل کلیات قرآن میں ہیں لیکن ان کی تفصیل اور تشریح

بیان پیغمبرؐ پر موکول ہے، ان کے بعد خدا اور رسول کے حکم سے ہادیان اُمت حضرت علیؑ سے لے کر امام مہدیؑ تک (سورہ نساء، آیہ ۵۹.)

اب پیغمبرؐ کے بعد کیا علل و عوامل سبب بنے دین تحریف کا نشانہ بنا آئیں تاریخ کی طرف رجوع کریں۔

تحریف کا پہلا عامل: نقل حدیث اور ضبط حدیث پر پابندی حدیث جلانے کا حکم اور اختراع حدیث کا کام

تحریف کا دوسرا عامل پیغمبر اسلام کی شخصیت کو ختم کرنا:

حاشیہ: (۲)۔ پہلا مرحلہ: نقل حدیث پر پابندی

پیغمبر کی وفات کے بعد اہل سنت کے مشہور عالم اور مؤرخ ذہبی لکھتے ہیں پہلے خلیفہ کے دور میں اس نے مسلمانوں کو جمع کیا اور کہا آپ کے پاس پیغمبر کی احادیث موجود ہیں اور نقل کرتے ہو ان احادیث کے بارے میں آپ کا آپس میں اختلاف بھی ہے۔ اور یہ اختلاف بعد میں بڑھ جائے گا اس بنا پر رسول خداؐ سے کوئی چیز نقل نہ کرو۔ جب کوئی شخص آپ سے سوال کرے تو جواب دیں ہمارے درمیان قرآن ہے۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو (تذکرۃ الحفاظ شمس الدین ذہبی ج ۱/۲-۳، چ ہند.)

اب دیکھیں کیسا عجیب بہانہ بنایا گیا باطل کو حق کا لباس پہنایا گیا یہ وہی بات ہے جس کی پیشین گوئی خود رسالت مآبؐ نے فتح خیبر کے بعد اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں جبکہ وہ اپنی تکیہ گاہ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو یہ خیال کرے کہ خدا نے تم پر کوئی چیز حرام نہیں کی مگر یہ کہ جو قرآن میں مذکور ہے؟ اور یہ گمان کرتا ہے کہ حرام بس وہی ہے جو قرآن میں موجود ہو اور اس کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں آگاہ رہو کہ خدا کی قسم میں نے تمہیں نصیحتیں کی ہیں اچھے کاموں کا حکم دیا ہے اور برے کاموں سے منع کیا ہے جو کچھ میں نے کہا ہے وہ واجب یا حرام ہونے کی حیثیت میں ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے خدا نے تمہارے لیے اس چیز کو جائز قرار نہیں دیا کہ تم بغیر اجازت اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو جاؤ (سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب تعشیر اہل الذمہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۰ حدیث ۳۰۵۰.)

۵۔ مسند احمد بن حنبل میں ایک اور حدیث ہے جس کے مطابق رسول اکرمؐ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

"لَا اَعْرِفَنَّ اَحَدًا مِنْكُمْ اَتَاهُ عَنِّيْ حَدِيْثٌ وَ هُوَ مُتَّكِئٌ فِيْ اَرِيْكَتِهٖ فَيَقُوْلُ: اَتْلُ بِهٖ عَلَيَّ قُرْاٰنًا"

''تم میں سے کسی ایک کے بارے میں یہ نہ سنوں کہ جب میری حدیث بیان کی جائے تو وہ شخص اس حالت میں جبکہ وہ اپنی تکیہ گاہ پر ٹیک لگائے ہوئے ہو کہے میرے لئے قرآن پڑھو قرآن سے لے آؤ۔ (مسند، ج ۲، ص ۳۶۷، چاپ قدیم.)

قرظہ بن کعب جو ایک صحابی ہیں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں جب خلیفہ عمر نے مجھے عراق کا حاکم بنا کر بھیجا تو ''صرار'' تک پیدل میرے ساتھ آئے اور مجھ سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہاری مشایعت کیوں کی ہے؟

میں نے جواب دیا: آپ میری عزت افزائی کرنا چاہتے ہیں۔

انھوں نے کہا: اس کے علاوہ ایک اور بات بھی میرے ذہن میں تھی وہ یہ کہ میں تمہیں بتاؤں کہ تم ایک ایسے شہر میں جا رہے ہو جہاں کے لوگوں کے قرآن پڑھنے کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح کانوں میں پہنچتی ہے چنانچہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم رسولؐ خدا کی احادیث نقل کر کے انہیں تلاوت قرآن سے باز رکھو ان لوگوں کو احادیث نہ سنانا میں اس کام کے ثواب میں تمہارے ساتھ شریک ہوں۔

قرظہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کی یہ باتیں سننے کے بعد میں نے رسولؐ اللہ کی ایک بھی حدیث نقل نہیں کی اہل عراق تازہ مسلمان ہوئے تھے اور

انھوں نے رسول اکرم کو نہیں دیکھا تھا یہ تازہ مسلمان جنہوں نے اپنے پیغمبر کو نہیں دیکھا تھا ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں گے اور ان کی خواہش ہوگی کہ آپ کی احادیث سنیں اور آپ کی سنت سے آشنا ہوں لہٰذا بدیہی امر ہے کہ وہ قرظہ سے کہتے ہوں گے کہ ہمیں احادیث سناؤ اور قرظہ جواب دیتے ہوں گے کہ میں احادیث نقل نہیں کرسکتا کیونکہ خلیفہ عمر نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا ہے (سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۸۵۔ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۲ حدیث ۲۸۔ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۷۔ جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔ شرف)

اس سلسلے کی ایک اور روایت ہے جو بہت عجیب ہے اور دیکھنے میں آتا ہے کہ اس میں بڑے دقیق معانی چھپے ہوئے ہیں اگر سابقہ امتوں کے لوگوں خود آسمانی حقائق کو چھپاتے تھے تو یہاں اس بات کی شدید ممانعت کی گئی کہ لوگ حدیث کو چھپائیں اور روایات کو نقل نہ کریں۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے خلیفہ عمر نے ایک شخص کو عالم اسلام کے مختلف مقامات پر بھیجا اور رسول اکرمؐ کے کچھ اصحاب کو مدینہ بلوایا یہ اصحاب ابوذر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن حذیفہ، ابودرداء اور عقبہ بن عامر وغیرہ تھے جب وہ سب جمع ہوگئے تو انھوں نے ان سے مخاطب ہوکر کہا: یہ احادیث کیا ہیں جو تم نے دنیا میں پھیلا رکھی ہیں؟

انھوں نے کہا: کیا تم ہمیں احادیث نقل کرنے سے منع کرتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں میں تمہیں منع نہیں کرتا تم لوگ یہیں مدینہ میں میرے پاس رہو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں تم میری نظروں سے اوجھل نہیں رہو گے اور اس شہر سے باہر نہیں جاؤ گے ہم زیادہ عقل مند ہیں اور بہتر جانتے ہیں کہ جو احادیث تم نقل کرتے ہو ان میں سے کون سی قبول کریں اور کون سی رد کریں لیکن دوسری لوگ نہیں جانتے کہ کیا قبول کریں اور کیا رد کریں۔

یہ اصحاب رسولؐ خلیفہ کے مرنے تک مدینہ سے باہر نہیں گئے اور خلیفہ کے پاس فی الواقع زیر نگرانی رہے۔ (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۳۹ حدیث ۴۸۶۵ پہلا ایڈیشن منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ المستدرک جلد ۱ صفحہ ۱۱۰۔)

یہ کیسی احادیث ہیں جنہیں حاکم وقت پہچانتا ہے اور ان میں سے قابلِ قبول اور نا قابلِ قبول کو ایک دوسرے سے جدا بھی کرسکتا ہے لیکن دوسرے صحابہ نہ تو ان سے واقف ہیں اور نہ ہی انہیں ایک دوسری سے الگ کرسکتے ہیں یہ یاد رکھنا

ایک بات یہ ہے کہ خلیفہ ان لوگوں کو جھٹلاتا نہیں کذب کی نسبت نہیں دیتا کیوں اس لئے کہ ان میں ابوذر جیسی ہستی بھی شامل ہے۔ جس کی صداقت کے متعلق حضور نے گواہی دی ہے۔

مجبوراً اس کا تجزیہ یوں کرسکتے ہیں کہ نا قابل قبول احادیث وہ تھیں جو اس وقت کی حکومت کی پالیسی سے موافقت نہیں رکھتی تھیں لہٰذا یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان احادیث کے بیان کرنے والوں کو زیر نگرانی رکھا جائے تاکہ وہ انہیں نشر نہ کرسکیں۔

کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ خلیفہ عمر نے تین صحابہ یعنی ابن مسعود، ابن درداء اور ابومسعود انصاری کو مدینہ میں نظر بند کردیا اور ان کا جرم یہ بتایا کہ وہ زیادہ حدیثیں نقل کرتے تھے اور ان کو کہا: تم نے رسولؐ اکرم سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں (ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۷۔ خطیب بغدادی: شرف اصحاب الحدیث صفحہ ۸۷۔)

یہ مدارک اس سلسلے کے چند نمونے تھے جو حدیثوں کی نشر و اشاعت کی ممانعت کے بارے میں موجود ہیں تاہم مسئلہ یہیں ختم نہیں ہوجاتا۔

حاشیہ: (۳) ۔دوسرا مرحلہ: حدیث نبوی کو جلانے کا حکم:

دوسرے خلیفہ کے زمانے میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے لیے احادیث لکھی ہوئیں تھی ان کے پاس موجود تھی مثال کے طور پر ایک صحابی کو پچاس حدیثیں یاد تھیں انہیں چمڑے یا شانے کی ہڈی وغیرہ پر لکھ کر احادیث کا ایک چھوٹا سا رسالہ تیار کرلیا دوسرے نے تیس حدیثیں جمع کرلیں اور تیسرے نے اسی طرح کسی اور تعداد میں حدیثیں جمع کرلیں لہٰذا آنحضرت کی احادیث پر مبنی بہت سی تحریریں لوگوں کے پاس موجود تھیں ایک دن خلیفہ نے منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو قسم دی کہ ایسی تمام تحریریں لے آئیں خلیفہ بے حد مقتدر تھا اور کسی میں مخالفت کی ہمت نہ تھی لہٰذا اس کے حکم کے مطابق تمام تحریریں لائی گئیں اور پھر اس نے حکم دیا کہ ان سب کو جلا دیا جائے (طبقات الکبریٰ جلد ۵ صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ اردو پا اور مطبوعہ بیروت صحہ ۱۸۸۔ خطیب بغدادی: تقیید العلم صفحہ ۵۲.)

حدیث کی نشر و اشاعت کی یہ کیفیت خلیفہ عمر کے زمانے میں ہوئی اور جہاں تک مدارک سے پتا چلتا ہے خلیفہ عثمان کے زمانے میں بھی اس بارے میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی خلیفہ عثمان نے اپنے عہد حکومت میں برسرِ منبر اعلان کیا کہ: جو احادیث خلیفہ ابوبکر اور خلیفہ عمر کے زمانے میں بیان نہیں کی گئیں وہ اب بھی بیان نہ کی جائیں البتہ جو احادیث خلیفہ عمر کے زمانے میں اور ان کی اجازت سے نقل کی گئی تھیں وہ اب نقل کی جاسکتی ہیں (۱) ''اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں خلیفہ عمر نے کہا تھا'' عملی اور عبادی مسائل کے علاوہ کوئی روایت نقل نہ کی جائے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ بیروت.)

لہٰذا حدیث کی اشاعت اور نقل اور روایات نبوی کے بیان پر پابندی خلیفہ عثمان کے طویل دورِ حکومت میں بھی برقرار تھی اور حکومت کی مشینری اپنی پوری قوت سے اس چیز کو کنٹرول کیے ہوئے تھی۔

حاشیہ: (۴) ۔تیسرا مرحلہ وضع حدیث اور جعل حدیث کا کام:

معاویہ کے زمانہ میں بھی حالات اسی نہج پر تھے بلکہ ان میں اور زیادہ شدت آگئی تھی۔ اس نے برسرِ منبر کہا تھا: اے لوگو رسول اکرم کی احادیث لکھنے سے پرہیز کرو سوائے ان احادیث کے جو خلیفہ عمر کے زمانے میں بیان کی گئی تھیں یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام ایک مضبوط پالیسی کے تحت ہو رہا تھا۔ حکومتیں بدلتی رہیں پالیسی نہ بدلی معاویہ کے دور میں جعل اور اختراعِ حدیث کا کام شروع ہوا ایک طرف سے پیغمبر کی حدیث پر سو سال تک پابندی دوسری طرف حاکمان وقت معاویہ جیسے لوگوں نے اختراع اور وضع حدیث کا کام شروع کرایا۔ بالآخر منع حدیث اور وضع حدیث کی بنیاد پر اسلام میں تحریف کا دروازہ کھلا حاکمانِ وقت چاہتے تھے ایسا اسلام متعارف کروائیں جس میں ان کی مرضی اور منشاء کے خلاف نہ ہو معاویہ اگر شام میں اپنے لیے کاخ خضراء بنائے تو اس کیلئے کوئی رکاوٹ نہ ہو کوئی یہ نہ کہے کہ پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اگر یزید خلیفہ بنے شراب پیئے بدرفتاری کرے کوئی یہ نہ کہے اس خلیفہ کا کردار اور عمل اسلام کے منافی ہے۔ اور شریعت اور سنت نبوی کے خلاف ہے۔

حاشیہ: (۵) ۔تحریف کا دوسرا عامل: پیغمبر اسلام کی شخصیت کو ختم کرنا

اس وسیلے نے جو پہلے عامل سے وابستہ ہے یہ شکل اختیار کی کہ مقتدر لوگوں نے پہلے مرحلے میں جہاں تک ان سے ہو سکا اسلام کے دوسرے رکن یعنی سنن نبوی کی نشر و اشاعت میں رکاوٹ ڈالی لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ جیسا کہ کنٹرول کے باوجود بھی غیر قانونی خرید و

فروخت کا جاری رہنا ممکن ہے اسی طرح اس بات کا بھی امکان ہے کہ لوگوں کے درمیان اتکاؤ کا ایسی حدیثیں پھیل جائیں جو حکومت کی پالیسی کے خلاف ہوں لہٰذا انھوں نے سوچا کہ اس پہلو کی جانب خصوصی توجہ دینی چاہیے اور اس کے لیے خاص منصوبہ تیار کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ میثم تمارؒ نے پھانسی پر لٹکے ہوئے بھی لوگوں کے لیے حدیثیں نقل کیں جو انھوں نے سنیں اور لکھ لیں،

رُشید ہَجری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے تا کہ وہ اسی حالت میں مرجائیں لیکن انھوں نے مرتے مرتے بھی اپنے ہمسایوں سے کہا: آؤ اور رونے دھونے کی بجائے مجھ سے حدیثیں سنو اور لکھ لو۔

ابوذرؓ کو شہر بہ شہر جلاوطن کیا گیا اور ان پر کڑی نظر رکھی گئی تا کہ وہ کچھ کہہ نہ پائیں، لیکن اس کے باوجود انھوں نے حدیثیں روایت کیں۔ سوال یہ تھا کہ ان حدیثوں کا کیا کیا جائے جو خلفاء کی مرضی کے خلاف نشر ہوئیں۔

ان سب باتوں کا علاج انھوں نے ایک بنیادی منصوبے کے مطابق کیا اور ان کا یہ منصوبہ وہ دوسرا عامل تھا جسے اسلام میں تحریف کے لیے استعمال کیا گیا۔ بخدا یہ چیز بڑی عجیب، دردناک اور رنجیدہ ہے۔ ہمیں بخدا خلفاء کے اس فعل پر رونا چاہیے کیونکہ یہ فعل ایک سہ پہلو تیر ہے جو اسلام کے قلب میں پیوست کر دیا گیا۔

اگر چہ اس سے کوئی جسم مجروح نہیں ہوا اور کسی کا خون نہیں بہا لیکن اس سے اسلام کی اس روح، فکر اور نصب العین کو قتل کر دیا گیا جس کی حفاظت کی خاطر سیکڑوں پاک بدن خاک و خون میں لتھڑ گئے تھے۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ دنیا کے پاک نہاد لوگوں کی دسیوں نسلیں ایک بار پھر اس قیمتی خون کی تاثیر کو واپس لانے کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیں۔

آخر انھوں نے ایسا کیا کام کیا؟ انھوں نے رسول اکرمؐ کے ارشادات کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے لیے ایک منصوبہ بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرتؐ کی کوئی حدیث لوگوں تک پہنچے تو وہ کسی طور بھی معتبر تصور نہ ہو، کہ اس سے کسی حقیقت کو ثابت کیا جا سکے یا اسکی مدد سے کوئی صحیح کام انجام دیا جا سکے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ اس بات کو ناممکن بنا دیا جائے کہ اس حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اسلام کو سمجھا جا سکے اور اس پر عمل کیا جا سکے۔

کیا یہ چیز واقعی ممکن ہے؟ کیا اس بات امکان ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی اُمت یہ اعلان کر دے کہ ان کے نبی کی باتیں قطعاً ناقابل اعتبار ہیں اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں؟

پھر جب یہ بات مان لی جائے تو ان کی شریعت میں سے کیا باقی رہ جائے گا؟ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اُمت اسلامی میں یہ عمل بھی انجام پایا۔ اس دینی تقدس پر مختلف اطراف سے حملہ کیا گیا اور اُسے مجروح کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس حملے اور اس بھرپور کوشش کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں رسول اکرمؐ کے ارشادات کی کیا قیمت باقی رہ گئی؟ کیا یہ بات معقول اور فطری نہ تھی کہ آنحضرتؐ کی احادیث پر سے۔ جو اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ ان کا اعتقاد اُٹھ جائے۔

تاہم خلفائے کے اس فعل کے اثرات اس سے کہیں زیادہ تھے جو ہم نے ان کے ایسے اقوال کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھے ہیں جیسے کہ "حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ" یا "بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ کِتَابُ اللہ" وہاں انھوں نے کہا تھا کہ ہمارے لیے خدا کی کتاب کافی ہے اور ہمیں اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں لیکن یہاں تو انھوں نے غضب کر دیا اور گویا ایک دلیل گھڑی کہ احادیث رسولؐ اصولاً بے وقعت اور غیر معتبر ہیں۔

نتیجہ: ان روایات نے رسول اکرمؐ کے ارشادات کو ناقابل اعتبار بنانے اور آنحضرتؐ کی شخصیت کو گھٹانے کے لیے جو میدان ہموار کیا

ہے اس نے صحیح اسلام کے ایک بہت بڑے حصّے کو پایۂ اعتبار سے گرادیا لہٰذا اگر رسول اکرمؐ نے کسی کو سرزنش کی ہے اور اس پر لعنت کی ہے یا کسی کی تعریف اور توصیف کی ہے تو اس کی کوئی صحیح بنیاد یا اہمیت نہیں ہے کیونکہ وہ انسان ہیں اور ہر انسان کی طرح خفا بھی ہوتے ہیں اور خوش بھی ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ دنیاوی مسائل کے بارے میں رہنمائی کرتے اور کچھ کہتے ہیں تو اس کی بھی کوئی بنیاد یا اعتبار نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ البتہ بعد میں اس قسم کی روایات کا دقیق مطالعہ کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ انہیں دینی بنیاد فراہم کی جائے۔ چنانچہ کہا گیا کہ: رسولؐ اکرم نے جو کچھ فرمایا اس کی بنیاد ان کی ذاتی رائے پر تھی۔ انھوں نے اجتہاد کیا اور اپنی رائے کا اظہار کیا اور پھر خلفاء سمیت جن دوسرے اشخاص نے ان معاملات میں آپ کی مخالفتیں کی اس طرح جس طرح دو مجتہدوں کے درمیان مخالفت سمجھی جاتی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں لہٰذا اگر آنحضرتؐ نے کوئی بات کہی یا کسی چیز کے بارے میں کوئی حکم دیا تو یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ (مرتضیٰ عسکری، مقدمہ مرأۃ العقول جلد اول۔ باب اجتہاد پیغمبرؐ) پس اگر خلفاء نے آپ کے اجتہاد کے مقابلے میں کوئی بات کہی تو انھوں نے بھی اجتہاد کیا لہٰذا یہ ایک اجتہاد کے مقابلے پر دوسرا اجتہاد ہے۔

لیکن قرآن مجید تو واضح اور قطعی الفاظ میں فرماتا ہے: "وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحىٰ" (سورہ نجم، آیات ۳، ۵) "یعنی پیغمبرؐ اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتے وہ تو بس وہی کہتے ہیں جو وحی ہوتی ہے" لیکن اس کے برخلاف اس بات پر اصرار کیا گیا اور ظاہری طور پر ثابت بھی کر دیا گیا کہ آنحضرتؐ اپنی مرضی اور نفسانی خواہشات کے مطابق باتیں کرتے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ارشاداتِ رسولؐ کی قدر و قیمت جاتی رہی اور ان کی حدیثیں دوسروں کی باتوں کے برابر سمجھی جانے لگیں۔ چنانچہ اگر آنحضرتؐ کی کوئی حدیث کسی طرح سے اسلامی ممالک کے کسی خطے میں لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی تو اسے اعتبار اور قدر و قیمت حاصل نہ ہوتی لہٰذا صحابہ یا خلفاء اس کی خلاف ورزی کر سکتے تھے اور اس کے مقابلے پر کھڑے ہو سکتے تھے۔

مثلاً رسول اکرمؐ تو "مُتْعَةُ الْحَجّ" اور "مُتْعَةُ النِساء" کے بارے میں قوانین الٰہی کی تبلیغ فرماتے ہیں لیکن خلیفہ عمر پوری جرأت کے ساتھ کہتے ہیں اور لوگ بھی اسے تسلیم کر لیتے ہیں کہ: "مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ وَ اَنَا اَنْهىٰ عَنْهُمَا وَ اُعَاقِبُ عَلَيْهِمَا" (بداية المجتهد جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۔ ابن قیم: زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ ابن قدامہ: المغنی جلد ۷ صفحہ ۵۲۷۔ ابن جزم۔ المحلی جلد ۷ صفحہ ۱۰۷۔)

چونکہ رسولؐ اکرم نے دنیاوی مسائل میں سے ایک مسئلے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اور خلیفہ نے ان کے خلاف کہا ہے اس لیے مکتب خلفاء کے نزدیک نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ خلیفہ کا قول مکمل طور پر معتبر بھی ہے لہٰذا مسلمانوں نے خلیفہ کے حکم کے مطابق عمل کیا اور آنحضرتؐ کے فرمان کو ترک کر دیا۔ یہ ہے مکتب خلفاء کا امتیاز!

امام علیؑ بن ابی طالبؑ اور امام مہدیؑ تک ان کے فرزندوں نے ارشاداتِ رسولؐ میں ایک لفظ اور ایک حرف بھی کم یا زیادہ نہیں کیا اور اپنی طرف سے ایک صرف بھی نہیں کہا۔ امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادقؑ یہ نہیں فرماتے تھے کہ "اَنَا اَقُوْلُ" یعنی میں کہتا ہوں یا "اَنَا اُحَرِّمُ" (یعنی میں حرام کرتا ہوں) زرارہ، محمد بن مسلم اور ہشام جیسے ان کے شاگردوں نے بھی کبھی اپنی ذاتی رائے یا نظریے کا اظہار نہیں کیا بلکہ یہی کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے یوں فرمایا ہے یا خدا نے یوں فرمایا ہے۔ (اس مکتب کے اصول تفکر کے نمونے کے طور پر ہم آپ کے لیے ایک عالم، راوی اور بزرگ صحابی عثمان بن سعید عمر کا قول نقل کرتے ہیں جو حضرت ولی عصرؑ ارواحنا فداہ کے نائب خاص تھے۔ جب انھوں نے ایک شیعہ کے سوال کے جواب میں ایک عمل کی حرمت کا فیصلہ دیا تو ان الفاظ کا اضافہ کیا: "لَا اَقُوْلُ هٰذَا مِنْ عِنْدِي، فَلَيْسَ لِيْ اَنْ اُحَلِّلَ وَ لَا اُحَرِّمَ، وَ لٰكِنْ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلام": یعنی میں یہ فیصلہ اپنی طرف سے نہیں دے رہا۔ میرے لیے کسی صورت میں روا نہیں کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار

دوں بلکہ میں فقط امام علیہ السلام کا قول نقل کر رہا ہوں۔ (اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۳۰) (وسائل الشیعہ جلد ۱۸ صفحہ ۱۰۰).

یہ کتب اہلبیتؑ کا امتیاز ہے۔ وَ الصَّلاۃ علیٰ محمد وٗ اٰلہٖ.

حاشیہ: (۶) ۔الف:۔ پیغمبر اسلام کی طرف بے جا لعن وطعن منسوب کرنا۔ (صحیح مسلم، کتاب ۴۵، باب ۲۵، ۸/۲۷، ح ۸۸، طبع محمد علی صبیح مسند احمد ج ۶، ص ۱۰۷، صحیح مسلم، ۸/۲۴، کتاب البر والصلہ، باب من لعنہ النبی اوسبتہ، طبع محمد علی صبیح.

ب:۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھول جانا۔ (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب ۳۳، ۶/۱۹۳ و ۱۹۴، طبع بولاق؛ کتاب صلاۃ المسافرین، باب الامر بتعھد القرآن ۲/۱۹۰، طبع محمد علی صبیح؛ مسند احمد ۶/۶۲.

ج:۔ رسول خدا کا دنیاوی امور میں بغیر اطلاع کے رہنا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکرہ من معایش الدنیا علی سبیل الرأی ۷/۹۵، ح ۱۳۹-۱۴۲؛ مسند احمد ۱/۱۶۲ و ۳/۱۲۳؛ سنن ابن ماجہ کتاب الرھون، باب تلقیح النخل ۲/۸۲۵، ح ۲۴۷۰ و ۲۴۷۱.

حاشیہ: (۷) ۔معاویہ کا غلط مقصد: اس تاریخی حادثے کا ایک مآخذ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کی شرح نہج البلاغہ ہے۔ اس سے زیادہ قدیم علی بن حسین مسعودی کی "مروج الذہب" ہے جو تاریخ اسلام کی بہت معتبر کتاب ہے۔ ان دونوں سے زیادہ قدیم اور اہم زبیر بن بکار کی کتاب "الموفقیات" ہے۔ چونکہ زبیر خاندانِ رسالت سے شدید تعصب رکھتا تھا لہٰذا اس حادثہ کو نقل کرنے میں زیادہ قابل اعتبار ہے۔ یہ کتاب تاریخ اسلام کے قدیم ترین منابع میں سے ہے اور گمان غالب ہے کہ یہ آج سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے لکھی گئی۔ زبیر بن بکار، مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے مطرف سے نقل کرتا ہے: میں اپنے والد مغیرہ کے ساتھ شام کے سفر پر گیا اور وہاں ہم معاویہ سے ملے "مغیرہ ان دنوں معاویہ کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا اور اس بات کا احتمال ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت سے ایک دوسرے کے دوست تھے)۔ میرے والد ہر رات معاویہ کی شبانہ محفل میں جاتے اور رات گئے گھر واپس آتے تھے.

اگرچہ وہ خود بھی عرب کے ذہین اور فہیم آدمیوں میں شمار ہوتے تھے لیکن جب بھی گھر آتے تو معاویہ کی ذہانت اور فہم وفراست کا ذکر بڑی حیرت سے کرتے تھے۔ ایک رات جب وہ معاویہ کے پاس سے گھر لوٹے تو انھوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ تب میں نے دیکھا کہ وہ سخت پریشان ہیں۔ میں کچھ دیر تک چپ رہا کیونکہ میرا خیال تھا کہ ممکن ہے میرے والد کی پریشانی کی وجہ کوئی ایسا فعل ہو جو ہم سے سرزد ہوا ہو یا شام میں ہماری آمد کے مقصد میں کوئی رخنہ پڑ گیا ہو یا میرے والد سے عہدے میں کچھ کمی ہو گئی ہو لیکن میں زیادہ دیر تک صبر نہ کر سکا اور آخر کار اپنے والد کو مخاطب کر کے کہا: آپ آج رات اس قدر مضطرب اور پریشان کیوں ہیں؟ میرے والد نے جواب دیا: بیٹے میں اس وقت ایک خبیث ترین اور پلید ترین شخص کے پاس سے آ رہا ہوں۔ میں نے پوچھا: کیوں کیا بات ہے؟

وہ جو ہر رات معاویہ کی شبانہ محفلوں میں شریک ہوا کرتے اور گھر آ کر معاویہ کی عقلمندی اور فہم وفراست کی بے حد تعریف کرتے تھے۔ آج رات وہ کہہ رہے تھے: میں خبیث ترین اور پلید ترین شخص کے پاس سے آ رہا ہوں لہٰذا میں نے پوچھا کہ آخر ہوا کیا ہے؟

میرے والد نے کہا: جب معاویہ کی مجلس میں کوئی اور نہیں تھا اور ہم دونوں بڑی خاص اور دوستانہ گفتگو کر رہے تھے، میں نے ان سے کہا: اے امیر المومنین آپ کی آرزوئیں پوری ہو گئی ہیں۔ اب اس پختہ عمر میں آپ عدل وانصاف سے کام لیں اور دوسروں کے ساتھ مہربانی کی نگاہ

ڈالیں اور ان کے ساتھ صلہ رحم کریں تو اس میں کیا حرج ہے؟ خدا کی قسم! اب ان کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں رہی جس سے آپ کے دل میں خوف یا وہم پیدا ہو۔ وہ آپ کے چچازاد ہیں۔ (بنی ہاشم، ہاشم بن عبد مناف اور بنی امیہ، عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد ہیں اس لحاظ سے عبد مناف ان کے مشترک دادا ہیں اور یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے چچازاد ہیں۔ دیکھیے کتاب نسب قریش صفحہ ۱۴۔

ان کے ساتھ نیکی اور صلہ رحم کریں تا کہ آنے والے وقتوں میں آپ کا نام نیکی سے لیا جائے۔

معاویہ نے جواب دیا: وائے ہو تم پر تمھاری یہ آرزو پوری ہونے والی نہیں۔ ابوبکر کو حکومت ملی اور انھوں نے عدل کیا اور تمام تکلیفیں برداشت کیں لیکن خدا کی قسم جب وہ مر گئے تو ان کے ساتھ ہی ان کا نام بھی مر گیا۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی وقت کوئی ابوبکر کا نام لے لیتا ہو۔ پھر حکومت عمر کو ملی۔ انھوں نے کوشش کیں اور دس سال تک تکلیفیں جھیلیں لیکن انھیں مرے ہوئے بمشکل چند دن گزرے تھے کہ ان کی کوئی یاد باقی نہ رہی بجز اس کے کہ کبھی کبھار کوئی کہنے والا کہہ دے: عمر!

پھر خلافت ہمارے بھائی عثمان کو ملی کہ نسب کے لحاظ سے کوئی شخص ان جیسا نہ تھا۔ انھوں نے جو کیا، سو کیا۔ پھر ان کے ساتھ جو سلوک ہوا سو ہوا لیکن جب وہ قتل ہو گئے تو خدا کی قسم! ان کا نام بھی مر گیا اور ان کے طور طریقے بھلا دیئے گئے لیکن ابن ابی کبشہ (اس سے رسول اکرمؐ مراد ہیں اور یہ وہ لقب ہے جو کفار قریش طعنے کے طور پر آنحضرتؐ کو دیا تھا)۔ (جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بعد ابوسفیان نے رسول اکرمؐ کا مذاق اڑانے کے لیے آنحضرتؐ کو ابن کبشہ کا نام دیا۔ دیکھیے: بلاذری، انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ اور ۳۲۷۔ مقریزی: امتاع الاسماع صفحہ ۱۵۸ اور ۱۵۸۔

کا نام ہر روز پانچ مرتبہ ساری دنیائے اسلام میں بلند آواز سے لیا جاتا ہے اور بڑی عزت کے ساتھ کہا جاتا: "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)۔ اے۔ برادر! اب تم خود سوچو کہ ان حالات میں کیا عمل باقی رہے گا اور کونسا نیک کام پائیدار ہوگا۔ نہیں! خدا کی قسم! جب تک میں اس نام کو دفن نہ کر دوں اور اس ذکر اور یاد کو خاک میں نہ ملا دوں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۴۶۳ پرانا ایڈیشن۔ مروج الذہب جلد ۳ صفحہ ۴۵۴۔ مطبوعہ دار الاندلس بیروت۔ الاخبار الموفقیات صفحہ ۵۷۶۔ مطبوعہ عراق۔

اس مقصد کے حصول کے لیے معاویہ کی کوشش معاویہ اپنی اس قسم پر قائم رہا اور اس نے آنحضرتؐ کا نام مٹانے کی انتہائی کوشش کی لہٰذا ۔ہمارے خیال کے مطابق۔ یہ احادیث معاویہ ہی کے عہد میں گھڑی گئیں۔ انھوں نے حدیث سازی کے مراکز قائم کیے اور انھیں پروان چڑھایا۔ اس منحوس حکمتِ عملی کو آگے بڑھانے کے لیے ابوہریرہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، مالک بن انس اور سمرہ بن جندب جیسے لوگ اس کے کارندے تھے۔ جن احادیث کے ذریعے رسول اکرمؐ کی شخصیت ان کا تقدس اور ان کی اہمیت اتنی کم ہو جاتی ہے کہ وہ ایک عام انسان کے درجے پر بلکہ اس سے بھی نیچے آجاتے ہیں اور مقائسہ کے مقام پر ابوبکر، عمر اور عثمان سے بلکہ معاویہ اور یزید سے بھی کم تر معرفی ہوتی ہے، ان میں سے کچھ حصہ انھیں لوگوں کا گھڑا ہوا ہے۔

اس سے پہلے ہم نے جو یہ کہا تھا کہ ایک سہ شاخہ تیر بھی ہے جس کے تین ہدف ہیں، وہ یہ تیر ہے۔ ان منصوبے پر عمل کر کے انھوں نے تین کام کیے: اول یہ کہ اسلام کے احکام میں تحریف کی۔ دوسرا رسول اکرمؐ کی شخصیت اور حیثیت پر ضرب لگائی اور تیسرا آنحضرتؐ کے بعد آنے والے حاکموں کو آپ سے اونچا لے گئے اور انھیں آپ سے زیادہ بڑی شخصیت بخشی! اب آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ واقعی یہ ایک سہ شاخہ تیر ہے۔

ایسی احادیث گھڑنے کا مقصد: ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسی حدیثیں کیوں گھڑی گئیں اور یہ کام کرنے والوں کے ارادے کیا تھے۔

ہمیں یقین ہے کہ ان دروغ بافیوں اور جعلسازیوں کے کئی ایک ہدف تھا۔

اس کام کے جو اہم مقاصد تھے ان میں سے ایک معاویہ کا وہی خطرناک مقصد تھا جس کے تحت وہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰه" کو دفن کر دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان احادیث نے کس عمدگی سے اپنا یہ منحوس مقصد حاصل کیا اور کس طرح پیغمبرؐ اسلام کے مبارک نام کو جھوٹ اور بیجا تہمتوں کے ڈھیر کے تلے دفن کرنا چاہا۔ بلاشبہ اگر امام حسینؑ قیام نہ فرماتے اور آئمہ اہلبیتؑ کی جانب سے کوشش نہ کی جاتیں تو ان خطرناک منصوبوں پر کامیابی سے عملدرآمد ہو جاتا اور مخالفین اپنا مقصد حاصل کر لیتے لیکن کربلا کے شہیدوں نے اپنا پاک خون بہا کر اور اہلبیتؑ رسولؐ نے بیحد تکالیف اٹھا کر آنحضرت کی پیغمبری کو جو اصولاً نابود ہو چکی تھی ایک دفعہ پھر زندہ کر دیا۔ انشاءاللہ ہم آئندہ مباحث میں اس موضوع پر مزید تحقیق کریں گے۔

معاویہ کی آرزو تھی کہ رسول اکرمؐ کا نام دفن کر دے اور اس نے ان احادیث کے ذریعے اپنے منصوبے پر عملدآمد شروع کیا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ رسولؐ اکرم کو غیر معتبر ثابت کر دیں اور بلاشبہ ان روایات کے مجموعے میں یہ کام انجام پا گیا۔ چنانچہ وہابیت جس نے پچھلی صدی میں قوت پکڑی اور اقتدار حاصل کیا وہ یہیں سے وجود میں آئی۔ رسولؐ اکرم اور ان کی شریعت کے بارے میں ان کے خیالات کا سرچشمہ یہی احادیث ہیں۔ اب شیعہ اور سنی علماء کتنی ہی زحمت اٹھائیں اور وہابیوں کے نظریات کو رد کریں ان کی کوششوں کا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں جب تک اس قسم کی احادیث کا علاج نہ کیا جائے اور انکی جڑیں خشک نہ کر دی جائیں۔ آپ ایک کھلی کھڑکی یا دروازے کے سامنے کاغذوں کا ایک دستہ رکھ دیں۔ جب ہوا چلے گی تو لازماً ان کاغذوں کو اڑائے گی اور الٹ پلٹ کر رکھ دے گی اور آپ انھیں کتنی ترتیب سے کیوں نہ رکھیں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اس کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں کہ کھڑکی یا دروازہ بند کر دیا جائے۔ ہمیں چاہیے کہ وہابیت کے تجزیے اور اس پر تنقید کی ابتدا یہاں سے کریں اور یہ نہیں کہ محمد بن عبدالوہاب یا ابن تیمیہ کے نظریات پر براہ راست تنقید کرنے لگیں۔ جب تک اس قسم کی جعلی روایات موجود ہیں اور وہ معتبر سمجھی جاتی ہیں وہابیت کے مسئلے کو قطعی طور پر حل کرنا ممکن نہیں ہے۔

حاشیہ: (۸) ۔النصائح الکافیہ تألیف ابن عقیل، ص ۱۹۔۲۰، شرح نہج البلاغہ، ابن الحدید ج ۳، ص ۱۵، ابن اثیر ج ۴، ص ۱۸۷، طبری، ج ۶، ص ۱۴۱، مسعودی حاشیہ ابن اثیر، ج ۶، ص ۹۹، طبری، ج ۶، ص ۹۶، ابن اثیر ج ۳، ص ۱۰۔

مقدمہ

مصلح بزرگ مرحوم آیۃ اللہ سید عبدالحسین شرف الدین الموسوی العاملیؒ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام امت کی طرف سے سخت ترین حالات سے دو چار ہوئے انہیں میں سے ایک حضرت امام حسن علیہ السلام کی معاویہ کے ساتھ صلح ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس صلح میں اتنی مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا جن کو کوئی بھی انسان خداوند عالم کی مدد کے بغیر برداشت نہیں کرسکتا ہے لیکن آپ نے اس عظیم امتحان کو بڑی ثابت قدمی اور سنجیدگی کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے مقصد (یعنی خداوند عالم، قرآن کریم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی رعایت اور مسلمانوں کی صلاح) میں بڑی ہی سربلندی اور فخر کے ساتھ کامیاب ہوئے اور یہ وہی مقصد تھا جس کو آپ ہر گفتار اور عمل کیلئے اختیار فرماتے تھے اور نظر میں رکھتے تھے۔

جنہوں نے آپ پر عیش پسندی اور عافیت طلبی کا الزام لگایا ہے نیز شیعوں کے جس ایک جذباتی گروہ کی یہ آرزو تھی: کاش آپ معاویہ کے ساتھ جہاد کرتے اور راہ خدا میں شہید ہو کر زندگی پاتے اور اپنے بھائی کی طرح کربلا کے میدان میں عاشور کے دن شہید ہو کر کامیابی حاصل کرتے... ان دونوں گروہوں کا عقل وخرد کے اعتبار سے موازنہ کیا جائے تو ان دونوں کی کوئی بھی قدر و قیمت نہیں ہے۔

تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ لوگ آج بھی اس صلح کے سلسلہ میں غلط فہمی اور کج فکری کے شکار ہیں اور ابھی تک کسی نے اس صلح کے فلسفہ کو مکمل تحقیق وجستجو اور عقلی ونقلی دلیلوں کے ذریعہ واضح نہیں کیا ہے۔

ہم نے اس سلسلہ میں متعدد مرتبہ ارادہ کیا لیکن یہ خداوند عالم کی حکیمانہ مشیت تھی کہ اس اہم مقصد کو پورا کرنے کیلئے سب سے زیادہ لائق وشائستہ شخص ہو، اور وہ ذات اس انوکھی کتاب ''صلح الحسنؑ'' کے مؤلف کی ہے جنہوں نے اس موضوع کے سلسلہ میں حق اور آخری بات کہی ہے وہ سچی قضاوت کرنے والے اور

حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والے ہیں۔

ہم نے اس کتاب کی چند فصلیں دیکھیں جو گرانقدر مؤلف کے علم و فضل کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مؤلف کے طرز تحریر میں تحقیق، دقت و عدالت، بیان و استدلال میں قاطعیت، باریک بینی جستجو اور اقوال کو نقل کرنے میں احتیاط، مناظرہ میں دلیرانہ انداز، موضوع کی مناسب چیزوں پر تسلط، آسان طرز، روانی اور سادہ بیانی کے ساتھ ساتھ جہاں پر ایجاز سے کام لیا گیا ہے وہاں پر مطلب کی ادائیگی، اور جہاں پر طولانی گفتگو کی ضرورت ہوئی ہے وہاں پر عبارتوں کی خوبصورتی اور گہرائی پائی جاتی ہے۔

کتاب منظم، انوکھے اور محکم افکار کا مجموعہ ہے۔ اس کی ہم آہنگی اور تسلسل نے اسے عقلی اور نقلی دلیلوں سے سرشار دلبریز ایک ایسے دریا کے مانند بنا دیا ہے جس سے بہت سی پر آب نہریں ملحق ہوتی ہیں (یعنی وہ ہر اعتبار سے موضوع سے مناسب اور مکمل قدر و قیمت کی موجب ہے) وہ جامعیت میں بے مثال اور عمق و گہرائی میں وضاحت کے ساتھ ان خصوصیات کا مرکزی نقطہ ہے۔

لیکن مؤلف اعلی اللہ مقامہ کی شخصیت اور ان کی منتخب خصلتوں کو قارئین محترم اس کتاب کی عمدگی میں مشاہدہ کر سکتے ہیں اگر ہم نے ان کو نہ دیکھا ہوتا تو ہم بلا جھجک کتاب کے تمام مطالب سے الہام کے ذریعہ ان کے چہرے کی منظر کشی کر سکتے تھے۔ اب یہ کتاب ان کا تعارف کراتی ہے کہ خندہ رو، کھلتا ہوا چہرہ، شیریں بیان مطمئن، کشادہ سینہ، نرم مزاج، سرشار ذہن، بے انتہاء علم و فہم، وسیع معلومات، خوبصورت انشاء، نکتہ سنج، لطیف کنایہ پرداز حکمت آموز باتوں کو استعاروں میں بیان کرنے والے رفتار و گفتار، علم انگیز، اخلاق کریمانہ اور فطرت سلیم کے مالک، آل محمد کے علم کا موجیں مارتا ہوا دریا، محقق دانشور.. اہل بیت علیہم السلام کے اسرار کے جاننے والے، مشکلوں کو واضح کرنے والے اور کھرے کھوٹے کو پرکھنے والے ...(اتنے سارے نمایاں اور ملکوتی اوصاف مؤلف کی شخصیت کا تعارف کراتے ہیں۔

اگر کوئی انسان اس کتاب کے مطالب کو بغور مطالعہ کرے اور حضرت امام حسن علیہ السلام اور معاویہ کے حالات کا جائزہ لے تو اس کو یہ بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور معاویہ کے مابین پیش آنے والا یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں تھا بلکہ ہر ایک اپنے سے پہلے والے مورچہ کا جانشین تھا بلکہ یہ دونوں متناقض اور متضاد سیرت اور

کردار کے مالک تھے، امام حسنؑ کی سیرت کتاب وسنت کی سیرت تھی یا یہ کہا جائے کہ حضرت رسول خدا ﷺ اور حضرت علیؑ کی سیرت تھی اور معاویہ کی سیرت "بنی امیہ" کی سیرت تھی یا یہ کہا جائے کہ ابوسفیان اور ہند کی نمائندگی تھی... دونوں کی سیرت ٹھیک ایک دوسرے کے مدمقابل تھی۔

جس شخص نے بھی ان دونوں خاندانوں اور ان دونوں نمایاں افراد کی سیرت کا دقیق مطالعہ کیا اور مکمل تحقیق کی ہے وہ اس مطلب کو پورے طور سے درک کرسکتا ہے۔

لیکن جب اسلام ظاہر ہوا اور خداوند عالم نے اپنے بندہ اور پیغمبر کیلئے کامیابی اور فتح مبین عطا فرمائی تو امویوں کی شرارت وفساد کا بھڑکتا ہوا شعلہ بجھ گیا اور ابوسفیان اور اس کے دوست واحباب کے رجحانات مغلوب ہوکر دب گئے، فرقان حکیم، صراط مستقیم اور پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت کی برکت سے تمام کفر ونفاق کا، جنازہ نکل گیا اور خداوند عالم کی جانب سے پیغمبر اکرم ﷺ کے لائے ہوئے اسلام سے باطل کے پردے ہٹ گئے۔

اس موقع پر ابوسفیان اس کی اولاد اور اس کے دوستوں کے پاس اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا اس طرح سے وہ اپنی جان کی حفاظت کرسکتے تھے (چونکہ اگر مقابلہ کرتے تو برباد ہوکر رہ جاتے)۔ لہذا ظاہری طور پر تو وہ ایمان لے آئے تھے لیکن ان کے دل محمد وآل محمد ﷺ کی دشمنی سے لبریز تھے اور ان کے سینوں میں کینہ کی آگ بھڑک رہی تھی اور ہمیشہ ان کے خلاف اپنے کینوں اور فریب کاریوں کا استعمال کرتے تھے۔ پیغمبر اکرم ﷺ ان کی پوشیدہ دشمنی سے باخبر ہونے کے باوجود بہت زیادہ مالی امداد اور محبت آمیز رفتار وگفتار کے ذریعہ ان سے دوستی ومحبت سے پیش آتے تھے اور ان کو اپنی طرف جذب کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور آپ یہ امید کرتے تھے کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں لہذا ہمیشہ ان سے کشادہ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے... بالکل وہی روش جو دوسرے منافقوں اور بدخواہوں کے ساتھ تھی۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی اس رفتار وکردار کی وجہ سے وہ (بنی امیہ) اپنی دشمنی کو پیغمبر اکرم ﷺ سے مخفی رکھتے اور خوف یا لالچ کی وجہ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے آہستہ آہستہ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے وطن مبارک یعنی مکہ میں بھی "بنی امیہ" کو فراموش کردیا تھا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد فتح وکامیابی کے میدانوں میں اموی افراد آنحضرت ﷺ کے

خاندان اور اصحاب کے عنوان سے پہچوائے جانے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو موقع ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین بن جائیں تو ان کے سایہ میں معاویہ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے ایک بہت بڑے والی اور گورنر کی شکل میں تبدیل کرلیا تا کہ وہ قول وعمل کے اعتبار سے ایک سب سے بڑے امیر اور حاکم کے مانند مشہور ہو جائے۔

معاویہ اپنی ہوشیاری اور چالاکی کے ذریعہ اسلام کو سلطنت کی طرف لاکر اس سے اسی طرح استفادہ کرنا چاہتا تھا جیسا کہ ایسے لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی خبر دی تھی:

وہ لوگ دین خدا کو فریب کاری کا ذریعہ خدا کے بندوں کو غلام اور خداوند عالم کے مال کو اپنی خاص ملکیت بنالیں گے... یہ کلام خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی نشانیوں میں سے ہے۔

معاویہ نے پہلے اور دوسرے خلیفہ کے دور میں ان کی حاکمیت سے استفادہ کرتے ہوئے ملک شام پر اپنی بیس سال کی حکومت میں اپنی کوششوں کے ذریعہ اپنے اقتدار کے پائے مضبوط ومحکم کر لیے تھے اور لوگوں کو اپنا ہم خیال اور اپنی عطا کا امیدوار بنالیا تھا۔ اسی وجہ سے ملک شام کے تمام لوگ اس کے طرفدار تھے اور اس کی مدد کرتے تھے اس طرح دنیائے اسلام میں اس کا مقام اتنا بلند وبالا ہو گیا کہ اسلام کے دوسرے علاقوں میں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور آپ کے اصحاب کے عنوان سے پہچوائے جانے لگے۔ یہاں تک وہ سابقین جیسے جناب ابوذر، عمار اور مقداد (جن سے خداوند عالم راضی تھا اور وہ خداوند عالم سے راضی تھے) سے بھی زیادہ مشہور ومعروف ہو گئے اس طرح دوسری مرتبہ امویوں کا بول بالا ہو گیا اور بنی ہاشم کے نام سے علی الاعلان بنی ہاشم ہی کے خاندان سے پنجہ لڑانے لگے اور خفیہ طور پر وہی اپنی پرانی مکاریوں اور دشمنی کو برقرار رکھا اور آہستہ آہستہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو شیطانی طریقوں سے اپنے چنگل میں پھنسا لیا اور اپنے خاص افراد کو مسلمانوں کے بیت المال سے بے حساب مال دیئے ان عہدوں پر فائز کیا جن کو خداوند عالم نے ان کیلئے حرام قرار دیا تھا ان طریقوں میں کامیابیوں سے اور خلفاء کا منظور نظر ہونے کی بنا پر خوب فائدہ اٹھایا۔

جب معاویہ کے شیطانی حربوں کے ذریعہ امویوں کا کام درست ہو گیا تو وہ سب برائی اور فساد کا مرکز

خلیفہ ثانی کی سختیاں: (خالد بن ولید۔ (ابو ہریرہ۔ (ابو موسیٰ اشعری) علامہ ابن مطعون
باقی گورنروں سے (حارث بن وھب)

بن کر احکام دین کی طرف دست درازی کرنے لگے اور ان میں تحریف کرنے لگے، لوگوں کی زندگی کے کاروان کو جاہلیت، آزاد خیالی اور بے دینی کی جانب موڑ دیا اور اپنے اصلی مقصد یعنی مال جمع کرنے اور اپنے خاندانی مقام کی حفاظت کرنے میں لگ گئے۔

عام لوگ ان تمام باتوں سے بے خبر تھے چاہے وہ اسلام کے اس مشہور و معروف پیغام کی بنا پر بے خبر تھے کہ اسلام گذشتہ چیزوں کو محو کر دیتا ہے (بخش دیتا ہے) لہٰذا بنی امیہ کے سابق شرمناک کارناموں پر بہت موٹا پردہ پڑ گیا تھا، خاص طور سے جب رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کو معاف کر دیا ہو اور ان کی محبت کو جلب کرنے کی کوشش فرمائی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خود خلفاء نے بھی اس ناپاک خاندان کے افراد کو اپنے سے نزدیک کر لیا تھا اور ان کو حکومت میں مسلمانوں سے بلند تر عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔ لہٰذا اموی خاندان اس بیس سال کے عرصہ میں آزادی کے ساتھ کسی مواخذہ اور روک ٹوک کے بغیر یا دوسروں کو برائی کرنے سے منع کئے بغیر اپنی کامیاب زندگی کی راہ پر گامزن تھا۔

دوسرے خلیفہ کے صوبوں کے عہدیداروں کے سلسلہ میں اتنے سخت تھے کہ اس سلسلہ میں کوئی بھی چیز ان کے آڑے نہیں آ سکتی تھی:

۱۵ ہزار

واقعہ

ایک مرتبہ جب ان کو یہ خبر ملی کہ "قنسرین" کے گورنر خالد بن ولید نے اشعث کو دس ہزار دینار دیئے ہیں تو وہ خالد پر اتنا غضبناک ہوئے کہ انہوں نے بلال حبشی کو یہ حکم دیا کہ اس کو خود اس کے عمامہ سے باندھ کر سر و پا برہنہ ارکان حکومت اور عوام الناس کے سامنے لایا جائے اور حمص کی جامع مسجد میں اس کو ایک پیر پر کھڑا کر کے اس سے یہ سوال کیا جائے کہ اس نے یہ رقم اپنی ذاتی رقم سے دی ہے یا بیت المال سے دی ہے؟ اگر اس نے اپنے پاس سے دیا ہے تو یہ اسراف ہے اور خداوند عالم فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے اور اگر ملت کا مال دیا ہے تو اس نے خیانت کی ہے اور خداوند عالم خیانت کرنے والوں کو دشمن رکھتا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس کو اس عہد سے برخاست کر دیا اور آخر عمر تک اس کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔

واقعہ

دوسری مرتبہ ابو ہریرہ کو طلب کیا اور کہا "جب ہم نے تجھ کو بحرین کا والی بنا کر بھیجا تو تیرے پاؤں میں جوتی تک نہیں تھی! اب میں نے سنا ہے کہ تو نے سولہ سو دینار کا گھوڑا فروخت کیا ہے؟" ابو ہریرہ نے جواب دیا:

میرے پاس کچھ گھوڑے تھے جنہوں نے نسل بڑھائی ہے اور کچھ لوگوں کے دیئے ہوئے تحفے تھے۔ خلیفہ نے کہا: ہم نے تمہاری زندگی کے اخراجات کا اندازہ کرلیا ہے یہ سب اس سے کہیں زیادہ تھے لہٰذا ان سب کو بیت المال کی طرف واپس کردیا جائے"

ابو ہریرہ نے کہا آپ کو میرا مال لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا کیوں میں تیری پشت پر کوڑے لگاؤں گا" اس کے بعد خلیفہ نے اٹھ کر اس پر اتنے تازیانے برسائے کہ وہ لہولہان ہوگیا۔ اس کے بعد کہا: اب جاؤ اور رقم لاکر واپس کرو" ابو ہریرہ کے پاس حکم ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا اس نے کہا ٹھیک ہے میں خداوند عالم کے یہاں حساب کرلوں گا۔ خلیفہ نے کہا: "یہ اس صورت میں ہے کہ جب تو نے وہ رقم حلال طریقہ سے حاصل کر کے اور اپنی خواہش سے خرچ کی ہوتی! گویا بحرین میں تیرے لئے مال جمع کیا جاتا ہے خداوند عالم اور بیت المال کیلئے جمع نہیں کیا جاتا ہے! تیری ماں نے تجھ کو فقط گدھے چرانے کیلئے ہی جنا ہے"

ابو ہریرہ بذات خود واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ: جس وقت عمر نے مجھ کو حکومت بحرین سے معزول کیا تو مجھ سے کہا اے خدا اور قرآن کے دشمن! تو نے خداوند عالم کے مال کو چرالیا ہے؟!

میں نے کہا میں خداوند عالم اور قرآن کا دشمن نہیں ہوں میں تو تیرے دشمنوں کا دشمن ہوں اور میں نے خداوند عالم کا مال بھی نہیں چرایا ہے۔

خلیفہ نے کہا: تو پھر تمہارے پاس دس ہزار درہم کہاں سے آگئے؟

میں نے کہا: میرے پاس کچھ گھوڑے تھے جنہوں نے بچے جنے اور نسل بڑھائی، اور اور تحفے بھی مسلسل آیا کرتے تھے اور میری درآمد بھی تھی ان سب باتوں کے باوجود خلیفہ نے وہ سب مجھ سے لے لئے۔

اس طرح کے واقعات عمر اور گورنروں کے مابین بہت زیادہ پیش آتے تھے اگر کوئی مطالعہ کرنے کا شوق رکھتا ہے تو وہ کتابوں کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ خلیفہ نے ابو موسیٰ اشعری، قدامہ بن مظعون اور حارث بن وھب (جو قبیلۂ بنی لیث بن بکر سے تھا) کو برخاست کر کے ان کے تمام اموال ضبط کرلیے تھے۔(۱)

---

(۱)۔ ان کو زبیر بن بکار نے کتاب "الموفقیات" میں نقل کیا ہے اور ابن حجر نے کتاب "الاصابہ" کے پہلے حصہ میں حارث بن وہب کی سوانح حیات میں نقل کیا ہے۔

خلیفہ عمر کسی وقت بھی والیوں اور عالموں کی نسبت کسی طرح کی کوئی نرمی اور مدارا نہیں کرتے تھے ... لیکن ان تمام باتوں کے باوجود معاویہ ان کا منتخب اور مقرب دوست تھا، ان دونوں کے مابین تضاد کے باوجود خلیفہ اس کے کسی کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتے تھے اور نہ ہی اس سے کوئی حساب لیتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی اس سے کہا کرتے تھے کہ: "میں تجھ کو امر و نہی نہیں کرتا ہوں" یعنی ہر کام کو اس کی رائے اور ارادہ پر چھوڑ دیتے تھے۔

اسی وجہ سے معاویہ سرکش ہو گیا جس نے اموی سازشوں کو نافذ کرنے کیلئے اس کے ارادے محکم کر دیئے۔

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کو معاویہ کی شیطنت آمیز فریب کاریوں نے ایک ہولناک موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا جو اسلام کو اسلام کے نام سے ڈرا رہا تھا اور نور حقیقت کو (حقیقت کے نام سے) خاموش کرنے کیلئے کمر باندھے ہوئے تھا۔ ان دونوں اماموں کے سامنے ان کے زمانہ میں خطرات کو دور کرنے کیلئے ان دونوں راستوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا یا تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں یا صلح کریں۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت حسن بن علیؑ کے مقابلہ کرنے کا نتیجہ دین کا دفاع کرنے والے خدا اور صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والے اس گروہ کی نابودی ہوگا۔

اس لئے کہ اگر اس دور میں حسن بن علیؑ خود کو اور بنی ہاشم اور اپنے دوستوں کو خطرے میں ڈال دیتے اور ان کو معاویہ جیسی بڑی طاقت کے سامنے لا کر کھڑا کرتے اور اسی طرح فداکاری اور جانبازی کا مظاہرہ کرتے جس طرح آپ کے برادر حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں عاشور کے دن مظاہرہ کیا تھا تو بیشک جنگ، اس طرف کے تمام افراد کے قتل کا باعث بن جاتی، اس طرح سے امویوں کی ایسی جیت ہوتی جس کے سلسلہ میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اس کے بعد معاویہ کیلئے میدان صاف ہو جاتا اور اس کو پھر کسی کا خوف اور ڈر نہ رہ جاتا اور اس کو ہر طرح سے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کا موقع فراہم ہو جاتا اور نتیجہ میں امام حسن علیہ السلام جن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہتے تھے ان ہی سے دوچار ہو جاتے۔ اور آپ کی فداکاری اور جانبازی بھی عوام الناس کی رائے میں اعتراض کے سوا کوئی اثر نہ رکھتی۔ (۱)

---

(۱) چونکہ معاویہ امام حسن علیہ السلام سے صلح کیلئے اصرار کرتا جا رہا تھا اور خداوند عالم اور امت کی منفعت کی خاطر ہر طرح کی شرط قبول کرنے کیلئے آمادگی کا اظہار کر رہا تھا آپ کو امت کی جان کی حفاظت کی یاد دلا رہا تھا۔ یہ پیشکش دونوں طرف کے افراد تک علی الاعلان سنائی گئی اور سب کو اس کی اطلاع ہو گئی، حالانکہ سب (امام حسن علیہ السلام، معاویہ اور دونوں طرف کی فوج) جانتے تھے کہ اگر جنگ ہوتی رہی تو معاویہ کو ہی فتح

اسی وجہ سے حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو اس کی سرکشی، کبر و نخوت اور گستاخیوں میں آزاد چھوڑ دیا تھا اور عوام الناس کے سامنے اس کا امتحان اسی طاقت کے ذریعہ لیا جو اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔

اسی کے باوجود صلح نامہ میں اس سے عہد لیا کہ وہ اپنی اور اپنے اعوان اور خیر خواہوں کی روش میں قرآن و سنت سے تجاوز نہ کرے، شیعوں کو امویوں کے بالمقابل گناہگار نہ سمجھے شیعوں کو وہ تمام حقوق دیئے جائیں جن سے دوسرے تمام افراد بہرہ مند ہو رہے ہیں... اور دوسری وہ تمام شرطیں تھیں جن کے متعلق حضرت امام حسن علیہ السلام جانتے تھے کہ معاویہ ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کرے گا اور ان کی خلاف ورزی کرے گا۔

یہ وہ منصوبہ تھا جس کو امام حسن علیہ السلام نے امویوں کے بدنما چہروں سے نقاب الٹنے اور معاویہ کے چہرے سے میک اپ کو صاف کرنے کیلئے آمادہ کیا تھا، امام علیہ السلام نے ایسا کام کیا کہ لوگ معاویہ اور اس کے ہمنوا افراد کو اسی جاہلیت کی حالت کے ساتھ پہچان لیں، جن کے دلوں میں اسلام کی ایک لحہ کیلئے محبت نہ آئی اور اسلام کی محبت نے ان کے بدر و حنین کے معرکوں سے کینہ بھرے دلوں کو ذرہ برابر بھی صاف نہیں کیا۔

خلاصہ یہ کہ امام علیہ السلام کی یہ روش صلح کے انداز میں ایک جھنجھوڑنے والا انقلاب اور مخصوص شرائط کی حامل تھی یعنی جس وقت حق و باطل مخلوط ہو گئے تھے اور باطل ایک خطرناک اور بڑی طاقت بن کر ابھر رہا تھا۔

امام حسن علیہ السلام اس روش کے پہلے بانی نہیں تھے اور نہ ہی اس روش و طریقہ کا آپ پر اختتام ہوا بلکہ آپؑ نے یہ طریقہ اپنے آباؤ اجداد سے میراث میں پایا تھا اور اسی طریقہ کو آپ نے اپنی آنے والی نسل کیلئے میراث میں

حاصل ہوگی۔ اس صورت میں اگر امام حسن علیہ السلام جنگ کرنے پر ہی مصر ہوتے اور آخر کار اس کے نتیجہ سے دوچار ہوتے تو ہر انسان خود کو ان کی ملامت کرنے میں حق بجانب اور ان کے سلسلہ میں ہر طرح کی ملامت کرنے سے دریغ نہ کرتا۔

اگر امام حسن علیہ السلام اس دن جنگ کیلئے یہ عذر پیش کرتے کہ معاویہ صلح کی شرطوں کو پورا نہیں کرے گا یا وہ دین اور امت کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تو اس دن کوئی آپ کی بات سننے کیلئے تیار نہ ہوتا کیونکہ معاویہ نے تمام شرطوں کو قبول کرنے کا اظہار کر کے سب کو دھوکہ دیدیا تھا۔ اس زمانہ میں ابھی امویوں کی مکروہ صورت اتنی بے پردہ اور آشکار نہیں تھی جو امام حسن علیہ السلام کے نظریہ کو قبول کرنے میں مددگار ثابت ہو یا معاویہ کو خوار کر دے اس لئے جیسا کہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ عوام الناس اس (معاویہ) کو ایک باقاعدہ مسلمان کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے اور وہ معاویہ کے پروپیگنڈہ کے سخت زیر اثر تھے۔ لیکن حضرت سید الشہداء کے زمانہ میں فریب کا یہ پردہ چاک چاک ہو چکا تھا اس بنا پر آپ کی فداکاری اور جانبازی ہی حقیقت اور اہل حقیقت کی مدد میں جاودانہ آثار چھوڑ سکتی تھی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا اس سلسلے میں کتاب کی چودھویں فصل کو ملاحظہ فرمایئے۔

چھوڑا۔ آپؑ بھی دوسرے ائمہ کی طرح کسی کام کو آگے بڑھانے یا اس کو روکنے میں مبدأ رسالت سے الہام اخذ کرتے تھے۔ آپؑ کا اس طریقہ کے ذریعہ امتحان لیا گیا جس میں آپؑ بردباری، متانت اور پاک دامنی کے ساتھ کامیاب و کامران ہوئے، جاہلیت کی گندگیاں آپؑ کو ہرگز آلودہ نہ کرسکیں اور آپؑ کو ہرگز اپنے سیاہ و تاریک و ناپاک جامے نہ پہنا سکیں۔

آپؑ نے اس روش کو صلح حدیبیہ (جو آپؑ کے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی یادگار تھی) سے سیکھا جس کو آپ نے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ حدیبیہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بعض اصحاب نے اس صلح کے سلسلہ میں سرزنش کی اسی طرح ساباط میں امام حسنؑ کے اصحاب نے ان کی سرزنش کی۔ لیکن آپ کے ارادہ میں کوئی کمزوری نہیں آئی اور نہ ہی آپؑ گھبرائے۔

آپ نے اس روش کو اپنے بعد کے آنے والے نو اماموں (جو نان جنت کے سرداروں کے بعد) کیلئے میراث کے عنوان سے چھوڑا اور ان حضرات نے اسی نمونہ سے الہام کے ذریعہ حکیمانہ اور مدبرانہ پالیسی کو مدنظر رکھا شرارتوں کے وقت اطمینان اور متانت سے اسی رائے کا انتخاب کیا حقیقت میں یہ طریقہ خاندان پیغمبر کی ہاشمی سیاست کا ایک گوشہ ہے جس کی بنیاد ہمیشہ حق کا کامیاب ہونا ہے نہ کسی شخص کی کامیابی۔

امام حسنؑ نے اس صلح کے ذریعہ معاویہ کے راستہ میں خود اسی سے ایک خفیہ دشمن پیدا کیا اور خود اسی کے ہاتھوں اس کے نیست و نابود ہونے کے وسائل مہیا کئے اور یہ ممکن ہوگیا کہ بنی امیہ کے مضبوط و مستحکم قلعہ کو خود اسی کے ذریعہ تباہ و برباد کردیا جائے اور نتیجتاً ان کی فتح کو بے اثر کردیا جائے۔

کچھ ایام گذرے نہیں تھے کہ جو شق امام حسنؑ کے ذریعہ صلح کی شرطوں میں رکھی گئی تھی وہ خود معاویہ کے ہاتھوں پھٹ گئی۔ جس دن عراق کا لشکر نخیلہ میں معاویہ کے لشکر میں پیوست ہوا وہ اپنی کامیابی کے نشہ میں خطبہ دینے کیلئے اٹھا: اے اہل عراق! خدا کی قسم میں نے تم سے نماز، روزہ، زکات اور حج کیلئے جنگ نہیں کی ہے، میں نے تم سے صرف حکومت کی خاطر جنگ کی ہے اور خداوند عالم نے مجھ کو میرے مقصد میں کامیاب کردیا حالانکہ تم یہ نہیں چاہتے تھے۔ اب جان لو! میں نے جو امتیازات حسن بن علیؑ کو دیئے ہیں وہ ابھی سے میرے قدموں کے نیچے ہیں!''

جب صلح ہو چکی تو پھر دوبارہ خطبہ دینے کیلئے اٹھا اور خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام کا تذکرہ کیا آپؑ اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو ناسزا باتیں کہیں۔ حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام اس کا جواب دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو امام حسن علیہ السلام نے ان سے فرمایا: میرے بھائی ٹھہر جاؤ! اس کے بعد خود امام حسن علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا: "اے علیؑ کا نام لینے والے! میں حسنؑ ہوں اور میرا باپ علیؑ ہے، تو معاویہ ہے اور تیرا باپ صخر ہے، میری والدہ فاطمہ علیہا السلام ہیں اور تیری ماں ھند ہے، میرے جد محترم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور تیرا جد عتبہ ہے، میری جدۂ محترمہ حضرت خدیجہ ہیں اور تیری دادی فتیلہ ہے۔ ہم دونوں میں سے جس کا حسب و نسب پست تر، جس کی اصل و نسل نکین تر، اور جس کا ماضی کفر و نفاق اور شر سے بھرا ہوا ہے خدا اس پر لعنت کرے۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگوں نے آمین کہا۔

اس کے بعد معاویہ کی سیاست نے پے در پے کتاب و سنت کے مخالف کام کرنے، دین کی حرام کردہ چیزوں کو انجام دینے کے ذریعہ اپنی حقیقی صورت ظاہر کر دی ہے۔ اس کی خلاف کاریوں کے نمونے کچھ یوں ہیں: نیک لوگوں کو قتل کرنا، ناموس کی آبروریزی کرنا، اموال لوٹنا، آزاد لوگوں کو قید خانہ میں ڈال دینا، اصلاح چاہنے والوں کو شہر بدر کر دینا، ان مفسد افراد کی حمایت کرنا جو اس کی حکومت میں وزیر اور عہدہ دار تھے جیسے عمرو عاص، مغیرہ بن شعبہ، خالد بن سعید، بسر بن ارطاۃ، ابن جندب ابن السمط، مروان ابن حکم، ابن مرجانہ، ابن عقبہ، زیاد بن سمیہ وغیرہ۔ زیاد بن سمیہ وہی ہے کہ معاویہ نے اس کے شرعی باپ عبید کی طرف اس کی نسبت سے انکار کیا اور اس کو اپنے باپ ابوسفیان سے منسوب کیا جس کے زیاد کی ماں سے ناجائز تعلقات تھے تا کہ اس کو اپنا بھائی کہہ سکے اور اس کو عراق کے شیعوں پر مسلط کر دیا اور اس کے ذریعہ عراق میں وہ آگ بھڑکائی جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے اس نے ان کے جوانوں کو قتل کر دیا، ان کی عورتوں کو کنیز بنا لیا، اور ان کو بے گلہ بان بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہر طرف منتشر کر دیا، ان کے گھروں کو جلا دیا، ان کے اموال کو لوٹ لیا مختصر یہ کہ اس نے جس طرح چاہا ان پر ظلم و ستم کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔

معاویہ نے آخری جرم و جنایت یہ کیا کہ اپنے رسوا و ذلیل بیٹے یزید کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کر دیا یعنی اس کو اپنا جانشین بنا دیا اور اس کو دین و دنیا سے کھلواڑ کرنے کیلئے آزاد چھوڑ دیا اور اس کے اس پلید بیٹے سے

واقعۂ عاشورہ، حرہ کا غم انگیز قتل عام اور کعبہ پر پتھروں سے حملہ کرنا جیسے سنگین جرائم سرزد ہوئے ہیں۔

معاویہ کی یہ آخری جنایت تھی جو اس کے دوران حکومت کے آغاز کے تمام جرائم سے مناسبت رکھتی تھی۔ اس آغاز اور اس انجام کے فاصلہ کے درمیان اس کی شرارتیں، جنایات اور جرائم اتنے زیادہ تھے کہ آدمی انگشت بدنداں ہو جاتا ہے کہ اس نے ان چند برسوں کے دوران اتنے زیادہ جرائم کیسے انجام دئے اور معاشرے نے ان کو کس طرح برداشت کر لیا؟! ان جرائم کو اگر پوری دنیا کی عمر اور پوری دنیا کی آبادی پر تقسیم کیا جائے پھر بھی قوت برداشت سے باہر تھے اور دنیا کو جلتے ہوئے جہنم میں تبدیل کر سکتے تھے۔

بہر حال اہم بات یہ ہے کہ بعد کے تمام واقعات نے امام حسنؑ کی روش کو مکمل طور پر روشن و واضح کر دیا۔ حضرت امام حسنؑ کا سب سے اہم مقصد زمانہ کے طاغوتوں کے چہروں سے نقاب اٹھانا اور اس خواب کی تعبیر سے روکنا تھا جس کو ان لوگوں نے آپ کے جد کی رسالت کے سلسلہ میں دیکھا تھا۔ یہ مقصد مکمل طور پر پورا ہوا ان چوروں کے چہروں سے نقاب الٹ گیا اور بنی امیہ کی رسوائی کا ڈھول بازاروں میں بجنے لگا اور اس نعمت پر خدا کا شکر ہے۔

یہ اسی تدبیر کی برکت تھی کہ آپ کے بھائی سید الشہداء وہ عظیم انقلاب برپا کر سکے جو صاحبان عقل و خرد کیلئے وباعث عبرت اور حقیقت کو واضح کرنے والا ہے۔

یہ دونوں بھائی (ان پر درود و سلام ہو) ایک ہی رسالت کے دو رخ تھے جن کی ذمہ داری اور عمل اپنی جگہ پر مخصوص حالات کے مدنظر اہمیت، فداکاری اور ایثار کے اعتبار سے بالکل ایک دوسرے کے برابر تھا۔

حضرت امام حسنؑ اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے تو حضرت امام حسینؑ بھی راہ خدا میں اپنی جان فدا کرنے میں آپ سے آگے نہیں تھے، آپ نے اپنی جان کو جہاد صامت کیلئے محفوظ رکھا اور جب اس کا وقت آ گیا تو اپنی جان دین اسلام پر قربان کر دی۔ لہٰذا شہادت کربلا حسینی ہونے سے پہلے حسنی تھی چونکہ امام حسنؑ نے اس کے اسباب مہیا فرما دیئے تھے۔

صاحبان عقل و فکر کی نظر میں حضرت امام حسنؑ کے ساباط کا دن یہ حضرت امام حسینؑ کے روز عاشورا سے زیادہ فداکاری کا مفہوم اپنے اندر لیئے ہوئے... اس لیے کہ حضرت امام حسنؑ نے اس دن میدان فداکاری میں (ظاہراً) ایک مغلوب کی مظلومانہ صورت میں ایک قوی مجاہد اور بہادر کا کردار ادا کیا ہے۔

اس وجہ سے شہادت عاشورا پہلے حسنی تھی اس کے بعد حسینی چونکہ امام حسن علیہ السلام نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کے اسباب مہیا فرمائے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی فتح اس چیز پر موقوف تھی کہ آپ اپنے حکیمانہ صبر و استقامت کے ذریعہ حقیقت کو آشکار کریں اور اسی روشنی کے زیر سایہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو وہ ابدی پرشکوہ نصرت اور کھلی فتح حاصل ہوئی۔

گویا وہ دونوں پاکیزہ گوہر اس راہ میں دوش بدوش گامزن تھے کہ: حکیمانہ صبر و استقامت کا کردار امام حسن علیہ السلام ادا فرمائیں اور امام حسین علیہ السلام بہادرانہ قیام و انقلاب برپا کریں تا کہ ان دونوں کردار کے زیر سایہ ایک منظور نظر مقصد تک پہنچ جائیں۔

ان دونوں واقعات (واقعۂ سباط اور واقعۂ عاشورا) کے بعد جب لوگوں نے واقعات پر نظر ڈالی تو ان کو اموی گروہ میں جاہلی تعصب، برائی اور پلیدی نظر آئی اس طرح کہ اگر تمام پست اور ظالمانہ تعصبات ایک جگہ جمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کیلئے خطرہ پیدا کرنا چاہیں تب بھی اس سے کم ہوں گے۔

لوگوں نے اموی افراد کا ان بندروں کی صورت میں مشاہدہ کیا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر جاتے ہیں اور امت اسلامی کے سامنے دیوؤں جیسے دانت، بھیڑیوں جیسے پنجے اور بچھو جیسی سیرت لیکر روبرو ہوتے ہیں۔

لوگوں نے ان میں وہی ان کی موروثی صورت کا مشاہدہ کیا کہ اسلامی تربیت ان کی شرارت کو بال برابر بھی کم نہ کر سکی اور اخلاق محمدی ان کی پستی و کمینگی کو ذرہ برابر بھی دور نہ کر سکا۔ وہی احد کے دن کی جگر خوارگی ہے کہ امویوں کے بدنام کینوں نے جس کو عاشورا کے دن وحشی جلادیت میں بدل دیا اور وہ اس حد تک پہنچ گئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے پر ہی قانع نہیں ہوتے بلکہ ان کے بدن کو بھی پامال کر دیتے ہیں، پھر وہ اس پر بھی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے برہنہ بدن کو جلتے ہوئے جنگل میں زمین کے درندوں اور آسمان کے پرندوں کی گذرگاہ پر ڈال دیتے ہیں اور آپ اور آپ کے خاندان کے مردوں کے سروں کو کاٹ کر نیزوں پر چڑھا کر شام تک لیجاتے ہیں... وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوتے یہاں تک کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کو اسیر کر کے شہروں میں گھماتے ہیں!!!۔

لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے صلح کر لی، لیکن یہ صلح بھی آپ کو ان کے وحشیانہ قتل و غارت اور ناپاک عزائم سے امن و امان میں نہ رکھ سکی آخر کار معاویہ نے دشمنی اور رذالت کے سبب آپ کو زہر دغا

سے شہید کر دیا۔ اور اس وقت حضرت امام حسینؑ نے امت کی آزادی کی روح بیدار کرنے اور ان کو ابھارنے کے اسباب مہیا دیکھے تو قیام کیا لیکن آپ کا قیام بھی امویوں کی وحشیانہ حرکت اور ان سے سرزد ہونے والے جرائم کو روک نہ سکا اور جہاں تک ممکن تھا ان لوگوں نے اپنی اس وحشیانہ حرکت کو جاری وساری رکھا۔

یہ فطری بات ہے کہ عمومی افکار و نظریات اس بھڑکتی ہوئی آگ کی روشنی میں اسرار تاریخ کا انکشاف کریں اور یہاں وہاں سے دقیق نظر، ہوشیاری اور حقیقت بینی کے ذریعہ آل محمد سے منحرف ہونے کے اسباب کو سمجھیں، ان کا چشم بصیرت سے مشاہدہ کریں، گوش و ہوش کے ساتھ ان کی آواز کو صدر اول میں سنیں اور نور آل محمدؐ کو خاموش کرنے یا امت اسلامیہ کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کیلئے ان شیطان اور ظالم امویوں کی ظاہر و باطن کارستانیوں کو پہچانیں۔

ہاں، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسینؑ کی برکت اور ان دونوں بھائیوں کی حکیمانہ تدبیر کے ذریعہ امویوں اور ان کے دوستوں اور مددگاروں کے تمام ظاہری اور باطنی حربے برملا ہو گئے۔

لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اسلام اور اموی گروہ کے مابین معاندانہ رابطہ ہے کیونکہ اگر معاویہ کا مقصد صرف حکومت حاصل کرنا ہوتا اور اس کی اسلام سے کوئی دشمنی نہ ہوتی تو اس کا وہ مقصد حضرت امام حسنؑ کے حکومت سے دست بردار ہونے کی وجہ سے حاصل ہو گیا تھا تو پھر امام حسنؑ کو زہر دینے کی کیا ضرورت تھی؟ ان پر اور ان کے یار و انصار پر طرح طرح کے ظلم و ستم کرنا اور ان کا قلع و قمع کرنا کس دلیل کے تحت تھا؟!۔

اگر بنی امیہ کا مقصد صرف اور صرف حکومت حاصل کرنا تھا تو امام حسینؑ کے واقعۂ عاشورا کے بعد تو ان کا اس ہدف تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو گیا تھا اور یزید جو چاہتا تھا وہ اسے حاصل ہو گیا تھا تو، انہوں نے یہ ظلم و ستم اور جنایات کا سلسلہ کیوں برقرار رکھا اور بے نظیر سنگدلی کے ساتھ بیشمار لوگوں کا ایسا وحشیانہ قتل عام کیوں کیا جس کی مثال ظلم و ستم کی تاریخ میں نہیں ملتی ؟؟!

ہم اس کا فیصلہ تاریخ اور علم و نور سے آشنا افراد پر چھوڑ دیتے ہیں اور ہم نے خود کتاب "المجالس الفاخرہ فی ماتم العترۃ الطاہرہ" کے مقدمہ میں نتائج، تمام دلائل اور شواہد کے ساتھ بیان کئے ہیں (قارئین کرام رجوع فرمائیں) اور یہاں پر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے انقلاب و قیام کے مابین

ہم آہنگی اور ان دونوں کے درمیان بنی امیہ کے منحوس اور بدنما چہرے سے نقاب الٹنے میں تعاون کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور پھر اس بات کو دہراتے ہیں کہ شہادت عاشورا پہلے مرحلہ میں حسنی تھی اور دوسرے مرحلہ میں حسینی.. باریک بین اور انصاف پسند افراد کی نظر میں ساباط کے دن میں فدا کاری اور جان نثاری کا مفہوم روز عاشورا سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف کی فضیلت کا سہرا مولانا و مقتدانا، علم الامة، ائمہ علیہم السلام کے رازداں، حجۃ الاسلام والمسلمین استاد شیخ راضی آل یاسین اعلی الله مقامه کے سر پر ہے۔

اس لئے بزرگان دین میں سے کسی ایک عالم دین نے اس اہم موضوع کے سلسلہ میں ایسی لاجواب اور انوکھی کتاب تالیف نہیں کی ہے۔ اس کتاب کی سطح اتنی بلند ہے کہ اس نے اسلامی کتب خانوں کے اس خلا کو پر کر دیا ہے جس کی اسلامی امت کو بے انتہا ضرورت تھی۔ خداوند عالم ان کو امت اور اپنے ائمہ کی جانب سے جزائے خیر دے، انہوں نے جو مشکلیں حل کی ہیں، جن اسرار کو ظاہر کیا ہے اور جن حقائق کو برملا کیا ہے۔ ان کو ان سب کے حساب سے بہترین جزا (صالح لوگوں کی بہترین جزاؤں کے مانند) عطا کرے اور اعلیٰ علیین میں محشور فرمائے (ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جن پر اللہ نے نعمتیں نازل کی ہیں اور یہی لوگ بہترین رفیق ہیں)

صور (جبل عامل)

۱۵ رجب ۱۳۷۲ھ

عبد الحسین شرف الدین موسوی عاملی

۷ صفر ۱۴۳۸ ق

پیش لفظ مؤلف

یہ کتاب جو قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہے یہ ان تاریخی حقیقتوں پر مشتمل بحثوں کا خلاصہ ہے جن میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے یہ مباحث نہ قابل شک وتردید ہیں اور نہ ہی احساسات وجذبات اور عصبیت کے زیر اثر ہیں، یہ تاریخ اسلام کے اس تاریک ومظلوم گوشہ سے متعلق ہیں جن کی نہ ہم سے پہلے مورخین نے اچھے طریقہ سے نشاندہی کی ہے اور نہ ہی نئے محققین نے اس کا تجزیہ وتحقیق (جیسا کہ اس کی تحقیق ہونی چاہئے) کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت امام حسنؑ کا زمانہ خلافت ایسا ہے جس کی تصویر گزشتہ لوگوں کے خاص مقاصد ومفادات اور بعد میں آنے والے لوگوں کی سستی اور تساہلی کے سبب بدنما نظر آتی ہے، اور آپ کے حق میں تاریخ کے مختلف ادوار میں حقائق کو بھلا دیا گیا اور تحریف کے ساتھ توڑ موڑ کر پیش کیا گیا اور اکثر ایسا عمداً کیا گیا ہے۔

دست تحریف نے حضرت امام حسنؑ کے پرنور چہرے کو لوگوں کی نظر میں سطحی اور ضعیف دکھایا ہے اور بے تحقیق اہل قضاوت نے (خواہ مشرقی ہوں یا مغربی) آپ کو ایک لاپرواہ، عورت پرست اور خلافت کو مال دنیا کے عوض بیچنے والے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اور اسی طرح آپ کی طرف بہت سی ناروا اور ظالمانہ نسبتیں دی ہیں جو نہ کوئی دلیل رکھتی ہیں اور نہ ہی حقیقت سے کوئی واسطہ یہ کتاب اسی لئے لکھی گئی ہے تاکہ اس میں اس مختصر دور کا جائزہ لیا جائے جو تاریخی واقعات کے اعتبار سے (چاہے ذاتی لحاظ سے یا سیاسی حکمت عملی کے لحاظ سے) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے اب تک تاریخ کے سب سے اہم ادوار میں شمار کیا جاتا ہے۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ: اس دور کا شمار زمانہ کے اہم ترین ادوار میں ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ اس دور کے درمیان ایک ایسی خلافت پائی گئی ہے جو دوسری خلافتوں کی تاریخ میں بے مثال اور نمونہ ہے۔ اور اسی دوران معنوی اور روحی حکومتوں اور وقتی حکومتوں کے درمیان جدائی کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ

پیشینگوئی کہ: "تیس سال کے بعد حکومت کاٹ کھانے والے بادشاہوں کے قبضہ میں چلی جائے گی" بالکل درست ثابت ہوئی، اور پھر اسی دور میں تاریخ اسلام میں پہلی بار قبائلی کینے ظاہر ہو گئے۔

اگر یہ کتاب (جو بڑی کوششوں کے بعد منظم و مرتب کی گئی ہے) ان تاریخی حقائق (جو منابع و مصادر میں بغیر کسی نظم و ترتیب اور بغیر تسلسل کے نقل ہوئی ہیں) کو صحیح طور پر قارئین کرام کیلئے واضح کرے اور واقعات کو جس طرح وہ رونما ہوئے ہیں بالکل اسی طرح یا تقریباً اسی کے مانند اس کتاب میں ثبت کرے تو اس نے اپنا فریضہ انجام دیدیا ہے۔

حضرت امام حسن بن علی علیہ السلام کی واقعی صورت و سیرت کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے: آپ ہوشیار، سیاستداں اور با تدبیر خلیفہ تھے آپ اتنے باہوش اور مشکل کشا تھے کہ معاویہ بن ابوسفیان کو بھی (اتنا چالاک اور ہوشیار و مکار ہونے کے باوجود) بچھاڑ دیا، آپ کی متعدد شادیوں کا تذکرہ، لوگوں کی نگاہ میں آپ کی عظمت اور معنوی مرتبہ کی دلیل ہے اور معاویہ سے آپ کی صلح، تاریخی قضاوت میں دشمنوں کے خلاف شمشیر براں ہے (نہ کہ خلافت و حکومت کا مال و دولت سے معاملہ کرنا ہے) المختصر آپ کا ہر سیاسی اقدام، آپ کی ہر سیاست چاہے ثبت ہو یا منفی (چاہے ظاہری فتح ہو یا نہ ہو) آپ کی عظمت و قدرت کی نشانی ہے جو لوگ سمجھ نہ سکے اور مؤرخین نے جس پر پردہ ڈال دیا۔

عظیم و بزرگ افراد کے فضائل اور کمالات پر پردہ ڈالنے کا سب سے برا طریقہ یہ ہے کہ بدذوق اور کج فکر افراد ان کی سوانح حیات بیان کرنے لگیں اور ان کی شخصیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگیں۔ اور بغیر کسی زحمت و مشقت کے اپنے علم و معرفت کے اظہار اور اچھی فکر کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے عظمتوں اور بزرگیوں کی طرف دست درازی کرنے میں اپنا فضل و شرف سمجھیں۔ اس طرح کے لوگوں کے فکر کرنے کا انداز و عمل صرف ان کے کم ظرف و ضعیف النفس ہونے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

حضرت امام حسن بن علی علیہ السلام کی ذات مبارک کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہونچتا کہ بیوقوف لوگ ان پر ظلم و ستم کریں لیکن بابصیرت افراد ان کے بارے میں انصاف سے کام لیں؟ اس میں کوئی شک و شبہہ ہی نہیں ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی زندگی میں پیش آنے والے مختلف واقعات، آپ کو خداوند عالم کے عطا کردہ فضائل و کمالات، آپ کے اغراض و مقاصد اور آپ کی دور اندیشی ایسی کہ آپ دنیا کے بزرگ ترین جاودانہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں۔

ہمارا ان سطروں کے لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ صحیح اور ناقابل تردید منطق، کے ذریعہ بغیر کسی شک وشبہہ اِس امام کی عظمت کو آشکار اور ظاہر دیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیاست پر کج فکر افراد کے اعتراضات واشکالات (جو اکثر غیر منصفانہ، کھوکھلے اور مخصوص حالات سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے ہیں) ہی واحد ایسا سبب ہیں جن سے آپ کی تاریخی زندگی میں مشکل پیدا ہوئی ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی شک وشبہہ نہیں ہے کہ ایک طرف گروہی رجحانات، دوسری طرف حاکم وقت کی پالیسی سے طرفداری اور تیسری طرف حقیقت سے ناواقف ہونا یہ سب باتیں یک طرفہ اور غلط فیصلے کرنے میں موثر رہی ہیں۔

ان لوگوں نے امام حسن علیہ السلام کو ایک شکست خوردہ رہبر کی نگاہوں سے دیکھا ہے لیکن وہ اس شکست کے علل واسباب کا جائزہ لینے کو بھلا بیٹھے ہیں یعنی جس کو وہ شکست کہتے ہیں اس کے متعلق بھی تحقیق کریں تاکہ ان کی سمجھ میں یہ آئے کہ جو کچھ رونما ہوا ہے وہ ان افراد کا کیا ہوا ہے جن پر امام حسن علیہ السلام حکم فرماتھے۔

یعنی امام ایسے لوگوں پر حکم فرماتھے جن کو جدید فتوحات کے نشہ نے اتنا بگاڑ دیا تھا کہ ان کی اصلاح کرنا ممکن نہ تھا۔ اس صورت میں ایک رہبر کا کیا گناہ ہوسکتا ہے اگر اس کی قوم خراب ہوجائے، اس کی فوج خیانت کرنے لگے اور معاشرہ اجتماعی وجدان سے مفقود ہوجائے؟!

ان لوگوں نے امام حسن علیہ السلام کو ایک ہوشیار سیاستداں کی حیثیت سے سمجھنے کو بھلا دیا ہے کہ آپ اپنے دشمن کے جذبات ونفسیات، معاشرہ کے میلانات، رجحانات اور زمانہ کے عوامل واسباب کا بڑی باریک بینی کے ساتھ مطالعہ اور تحقیق کرتے ہیں پھر نہایت سوجھ بوجھ کے ساتھ ایسا نقشہ کھینچتے ہیں جس کے نتیجے کی پیش بینی کرتے ہوئے اپنی مدبرانہ روش سے قوم کے مستقبل کی ضمانت لیتے ہیں اور اس کے یقینی نتائج کے ساتھ اپنے دشمنوں کی قبریں کھود ڈالتے ہیں، حوادث کی آندھیوں کے رخ کو بڑی مہارت سے موڑ دیتے ہیں اور ایک پیغمبر صلح'' کی صورت میں کامیابی کے ساتھ اصلاح کی دعوت دیتے ہوئے سربلند ہوکر حوادث کے طوفان سے نکل آئے ہیں پھر شہید ہوجاتے ہیں اس حال میں کہ اپنی خاطر ایک قطرہ خون گرنے سے بھی راضی نہیں ہیں۔

واقعاً اگر یہ خودساختہ اور جھوٹے نقاد انصاف کی نظر سے دیکھیں تو اس سے بڑھ کر کونسی عظمت ہوسکتی ہے؟

ہماری کتاب میں ان مشخص و معین نکات کو دقیق مطالعہ اور حق پسندی کے ساتھ منطقی، محققانہ اور ان شواہد پر مبنی استدلالات کے ذریعہ جو تاریخ کے گوشہ و کنار میں پراکندہ ہیں لفظ بہ لفظ ثابت کیا گیا ہے۔ یہ موضوعات اس کتاب کے مطالب کی اساس و بنیاد ہیں اور ان کے ثابت ہونے سے تمام فرعی موضوعات کو آسانی سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔

قارئین کرام آسانی سے اس بات کی طرف متوجہ ہو جائیں گے کہ ہماری کتاب امام حسن علیہ السلام کی عام سوانح حیات سے متعلق نہیں ہے بلکہ آپ کی سیاسی زندگی سے متعلق ہے۔ البتہ کتاب کے موضوع کو مکمل کرنے کیلئے آغاز کتاب میں ایک حصہ آپؑ کی سوانح حیات سے مخصوص کیا ہے اور کتاب کے اصلی مباحث کے درمیان کہیں کہیں موضوع کی ضرورت کے مطابق دوسرے موضوعات کے سلسلہ میں بھی گفتگو کی ہے۔

بیشک اتنا عمیق و دشوار موضوع اور اس طرح کے مختصر مطالب اور کم دلائل رکھنے والی بحث (خاص طور سے جبکہ ۱۳۲۸ سال گذرنے کے بعد تحقیق کی جارہی ہے) کے سلسلہ میں یہ امید نہیں کی جاسکتی ہے کہ جو کچھ اس کتاب کی فصلوں میں بیان کیا گیا اس سے زیادہ مطلب کسی پر واضح ہو سکے۔

ہمارا مختصر مطالب اور کم دلائل سے مراد ہے (جس کی کمی اور اس تک رسائی نہ ہونے کے متعلق گفتگو کی ہے) یہی عام کتابیں ہیں جن سے موضوع بحث کو واضح کرنے کیلئے استفادہ کیا جاسکتا ہے لیکن وہ سب یا تو تحریف سے دوچار ہیں یا ان میں مطالب خلط ملط کر دیئے گئے ہیں۔

لیکن وہ متعدد کتابیں جو خاص طور سے ہمارے موضوع سے متعلق لکھی گئی ہیں اور ان کے نام قدیم کتابوں میں لئے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک کتاب ہماری دسترس میں نہیں ہے اسی طرح ہماری گزشتہ دوسری میراثیں بھی متعدد عوامل کی بنا پر تلف ہوگئی ہیں۔ تاریخ اسلام کے اہم ترین حوادث و واقعات صحیح طور سے مرتب و منظم نہ ہونے اور اس کے خاص اور مؤثر حصوں کے واضح نہ ہونے کی اصل علت اور بنیادی سبب یہی بات ہے۔

وہ نایاب کتابیں جن کے نام مصادر میں تو درج ہیں لیکن بذات خود ان کا کوئی پتہ نہیں ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صلح الحسن و معاویہ مؤلف احمد بن محمد بن سعید بن عبد الرحمن السبیعی الھمدانی متوفی ۳۳۳ھ

۲۔ صلح الحسنؑ: مؤلف، عبد الرحمن بن کثیر الهاشمی (بنی ہاشم کے موالی میں سے ہیں خود بنی ہاشم کی نسل سے نہیں ہیں)۔

۳۔ قیام الحسنؑ: مؤلف، ابراهیم بن محمدبن سعید بن هلال بن عاصم بن سعد بن مسعود الثقفی متوفی ۲۸۳ھ۔

۴۔ قیام الحسنؑ مؤلف، هشام بن محمد بن السالب۔

۵۔ کتاب، عبد العزیز بن یحیی الجلودی البصری، امام حسنؑ کے واقعات کے متعلق۔

۶۔ اخبار الحسنؑ ووفاته: مؤلف، هیثم بن عدی الثعلبی متوفی ۲۰۷ھ۔

۷۔ اخبار الحسن بن علیؑ مؤلف، ابی اسحاق ابراهیم بن محمد الاصفهانی الثقفی۔(۱)

جو کتابیں ہمارے موضوع سے متعلق مآخذ اور مدارک ہیں جہاں پر ہمیں مآخذ کی ضرورت تھی تعجب سے کہتے ہیں کہ یہ تمام مآخذ اس اعتبار سے شریک ہیں کہ انہوں نے ایک واقعہ، یا ایک خطبہ، ایک اعلان یا ایک تعداد بھی برابر سے ذکر نہیں کی ہے بلکہ ایک واقعہ یا خطبہ کی تاریخ یا سپہ سالار کے نام یا دو یا تین آدمی کے درمیان سپہ سالاری کی ترتیب یا حضرت امام حسنؑ کے ساتھ متعدد محاذوں پر قاتلانہ حملہ یا صلح کی کیفیت کا ذکر یا آنحضرت کے شہید ہونے کی صورتحال یا پھر جنگوں میں کوئی بھی بڑا واقعہ ہو یا چھوٹا اس کے بیان میں ایک زبان اور ہماہنگ نہیں رہے ہیں۔

ان کتابوں کی بے سروسامانی میں جو گوناگون اسباب مؤثر رہے ہیں، بہت سارے موارد میں موضوع کے حساس پہلوؤں سے متعلق اپنا کام کر گئے ہیں اور اپنا اثر چھوڑ گئے ہیں جس طرح تاریخی حقائق کو بیان کرنے، ایک دوسرے سے ربط دینے اور اس میں نظم برقرار کرنے کیلئے جیسا کہ ہوا ہے اس کتاب کا فراہم کرنا مشکل مرحلہ تھا اسی طرح اس مقصد کی تکمیل کیلئے سب سے آسان اور فطری راہ قرائن اور شواہد سے استفادہ کرنا تھا۔

---

(۱)۔ان کتابوں کے مؤلفین کے اسماء فہرست ابن ندیم اور رجال نجاشی وغیرہ میں ان کے سوانح حیات کے ضمن میں ملاحظہ ہو سکتے ہیں نیز اس کتاب میں صلح حسن اور آپ کی شہادت سے متعلق موضوعات بھی مل جائیں، لہذا یہاں پر ان سب کے اسماء کا ذکر بے فائدہ ہے جبکہ خود ان کتابوں کا نام ونشان بھی نہیں۔

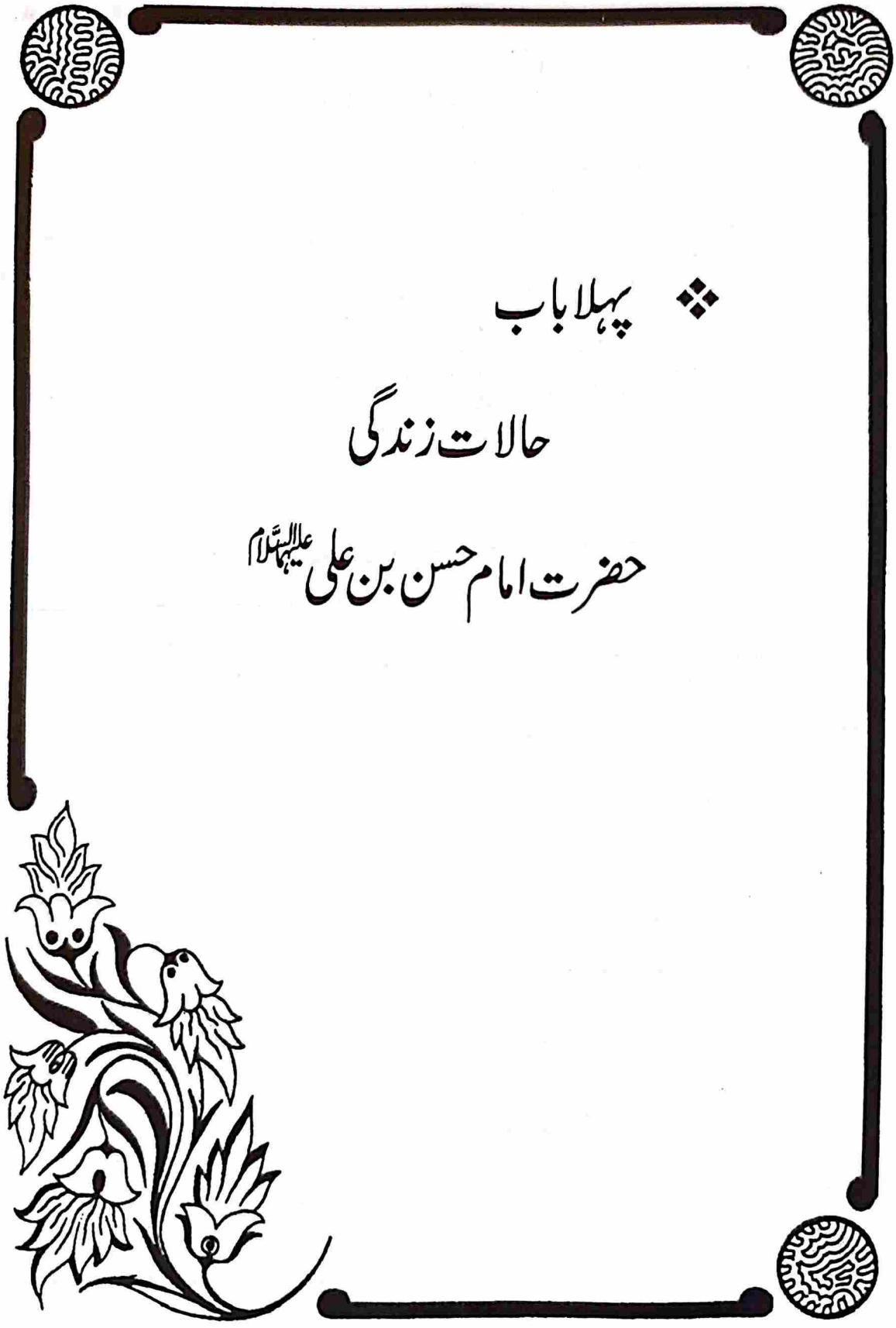
یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ضروری نظم ونسق کیلئے ان قطعی اور یقینی شواہد سے آگے نہیں بڑھے جو پراکندہ اور نامنظم روایات کے درمیان بہت زیادہ موجود ہیں۔ اس بنا پر موجودہ مدارک تمام نقائص کے باوجود جوان میں پائے جاتے تھے لیکن مجموعی طور پر اس کتاب کی تحقیقات کا ماخذ ومدرک اور اس کے نظم وترتیب کی بنیاد انہیں کتابوں پر رکھی گئی ہے اور یہ ہمارے لئے خداوند عالم کی طرف سے بہترین توفیق ہے جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔

ہر ایک واقعہ کی تحقیق اور اس کا فلسفہ بیان کرنے کیلئے ہم نے بڑی دقت سے کام لیا ہے اور کسی طرح کی کوئی جلدی نہیں کی اور ہر جگہ حکم نقل کے دوش بدوش عقل سے کام لیا ہے، وہ موارد جہاں بہت زیادہ غور وفکر ودقت کی ضرورت تھی وہاں پر ہم نے عظیم افراد کے ان شخصی اقوال میں اپنا مقصد تلاش کیا ہے جو بہت سے مؤرخین کی روایات سے بھی زیادہ مدلل اور حقیقت کو بیان کرنے والے ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہ کتاب ایک ناچیز اور حقیر سرمایہ ہے یہ فقط نئی بحثوں کیلئے ایک کنجی اور جدید تحقیقات کا ایک مقدمہ ہے کہ جن کی روشنی میں امام حسن علیہ السلام کی سوانح حیات سے متعلق تاریخ میں مخفی حقائق کو ان کی شایان شان کشف کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگئے تو ہم خیر کثیر اخذ کرلیں گے۔

وماتوفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب

مؤلف



❖ پہلا باب

حالات زندگی

حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علیٰ محمد و آلہ و صحبہ

سب تعریف خدا ہی کیلئے (سزاوار) ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے اور درود ہو محمد اور ان کی آل پر۔

آپ کے والد بزرگوار امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اور آپ کی والدہ سیدۃ نساء العالمین فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

بلاشبہ تاریخ میں یہ مختصر ترین اور کائنات میں یہ عظیم ترین نسب ہے۔

ولادت

مدینہ منورہ میں پندرہ رمضان المبارک ۳ھ کی شب میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ اپنے والدین کے سب سے پہلے فرزند تھے۔

ولادت کے بعد فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنی گود میں لیا دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور آپ کا عقیقہ کرایا، سر کے بال منڈوائے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی تھی جو ایک درہم سے کچھ زیادہ تھی۔ سر پر خوشبو ملنے کا حکم دیا اسی وقت سے نومولود کے سر کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ دینا اور عقیقہ کرنا رائج ہوا۔

آپ کا نام حسن رکھا اور زمانۂ جاہلیت میں اس سے پہلے یہ نام نہیں تھا۔ آپ کی کنیت ابو محمد رکھی اس کے علاوہ آپ کی کوئی اور کنیت نہیں ہے۔

القاب

سبط، سید، زکی، مجتبیٰ اور تقی ہیں۔

ازواج

("ام اسحق" بنت طلحہ بن عبید اللہ "حفصہ" بنت عبد الرحمن بن ابی بکر،

"ھند" بنت سہیل بن عمرو اور "جعدہ" بنت اشعث بن قیس یہ آپ کی آخری زوجہ تھی جس نے معاویہ کے گمراہ کرنے سے آپ کو زہر دغا سے شہید کیا تھا۔

تاریخ کی نشاندہی کی بنیاد پر امام حسن علیہ السلام کی پوری زندگی میں (دو روایتوں کے درمیان اختلاف کے مطابق) ازواج کی تعداد آٹھ یا دس سے زیادہ نہیں ہے اور جس میں ام ولد.(۱) بھی شامل ہیں۔

لوگوں نے تو اپنی مرضی کے مطابق اپنی طرف سے ان سے بہت زیادہ ازواج کی نسبت دی ہے اور ان کی تعداد کے تعیین میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ جن لوگوں نے تعداد کے ساتھ اتنی زیادہ ازواج کا ذکر کیا ہے اور جن بعض لوگوں نے تنقیدی طور پر اسے عیب جوئی کا ذریعہ قرار دیا ہے، ان لوگوں پر یہ بات مخفی رہ گئی کہ اگر اتنی زیادہ ازواج تھیں بھی تو وہ سب شریک حیات کے عنوان سے نہیں تھیں بلکہ کچھ ایسے حوادث و واقعات تھے کہ قانونی اور شرعی حالات جن کے متقاضی تھے اور ایسے حالات میں عقد و طلاق دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے ہیں یعنی اس وقت عقد و طلاق زیادہ ہوتے ہیں اور یہی ان شادیوں کی خاص حیثیت پر دلیل ہے۔

یقیناً اگر شرعی و قانونی حالات اس بات کا تقاضا کریں تو زیادہ نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ یہ بات خود ان اسباب کے پیش نظر جن سے وہ حالات پیش آتے تھے، لوگوں کے عقیدہ میں امامؑ کی قدرت کی نشانی ہے لیکن بے سوچے سمجھے عیب جوئی کرنے والے نے نہ اس کی حقیقت کو سمجھا اور نہ اپنی جہالت کو، اگر وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے "عبد اللہ بن عامر بن کریز" کو دیئے گئے جواب کو سن لیتے تو تنقید کیلئے اپنی زبان نہ کھولتے۔

اولاد

آپ کے پندرہ بیٹے اور بیٹیاں تھیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

زید، حسن، عمرو، قاسم، عبداللہ، عبدالرحمن، حسن اثرم، طلحۃ، ام الحسن، ام الحسین، فاطمہ، ام سلمہ، رقیہ، ام عبداللہ اور فاطمہ۔

آپ کی نسل صرف حسن اور زید دو بیٹوں سے چلی اور بقیہ دوسری اولاد سے آپ کی نسل چلنے کی نسبت دینا درست نہیں ہے۔

---

(۱) "ام ولد" وہ کنیزیں جو اپنے مالک سے بچہ دار ہوئی اور یہی چیز مالک کے مرنے کے بعد اس کی آزادی کا باعث بنتی ہے۔

اوصاف

کوئی شخص بھی شکل وصورت، اخلاق، کردار اور شرافت وبزرگی میں آپؑ سے زیادہ رسول اللہ سے مشابہ نہ تھا۔

اوصاف بیان کرنے والوں نے امام حسن علیہ السلام کے اوصاف یوں بیان کئے ہیں:

آپ کا چہرہ سفید اور سرخی مائل تھا، آنکھیں سیاہ، رخسار کشادہ، گھنی داڑھی، گھنگرالے بال، گردن کشیدہ، مناسب جسم، چوڑا سینہ، محکم ہڈی، کمر متناسب، میانہ قد، نہ زیادہ بلند اور نہ زیادہ کوتاہ، ملیح صورت اور آپؑ کا چہرہ تمام چہروں میں سب سے زیادہ خوبصورت چہرہ تھا۔

یا شاعر کے اس قول کے مطابق:

مادب فی فطن الاوهام من حسنٍ	الاوکان له الحظ الخصوصیُّ
صاحبان عقل کے دل میں کوئی حسن نہیں گزرا	مگر یہ کہ آپ کو اس حسن سے ایک خاص حصہ حاصل تھا
کان جبهته من تحت طرّته	بدر یتوجّه اللیل البهیمیّ
آپ کی پیشانی آپ کے گیسوؤں کی لٹوں کے نیچے ایسی لگتی ہے	جیسے تاریک رات میں بدر منیر
قد جلّ عن طیب اهل الارض عنبره	ومسکه فهو الطیب السماویُّ
آپ کی دل آویز خوشبو اہل زمین کے مشک	اور عنبر سے بہتر گویا وہ آسمانی عطر تھا

ابن سعد کا کہنا ہے کہ: [امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سیاہ رنگ خضاب لگاتے تھے]

واصل بن عطا کا کہنا ہے کہ [حسن بن علی علیہ السلام میں انبیاء اور بادشاہوں کی علامات پائی جاتی تھیں]

عبادت

آپؑ نے پچیس پیدل حج کئے جبکہ آپ کے پاس نجیب گھوڑے موجود تھے جب بھی آپ موت، قبر، محشر، صراط سے گذرنے کو یاد کرتے تھے تو گریہ فرماتے تھے، جب آپ خداوند عالم کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر حساب وکتاب کو یاد کرتے تھے تو غش کھا جاتے تھے اور جب آپ جنت ودوزخ کو یاد کرتے تھے تو مارگزیدہ انسان کی طرح مضطرب ہو جاتے تھے، خداوند عالم سے بہشت کی درخواست کرتے اور دوزخ سے اس (خدا) کی پناہ طلب کرتے تھے۔ جب وضو کر کے نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو آپ لرزنے لگتے تھے اور آپؑ کے چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔

آپ نے تین مرتبہ اپنا مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا اور دو مرتبہ اپنا سارا مال خداؑ کیلئے بخش دیا ان تمام باتوں

کے باوجود آپ ہمیشہ یادِ خدا میں غرق رہتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ: آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت گذار اور سب سے بڑے زاہد تھے (یعنی دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے)

اخلاق

آپ کی جبلت وفطرت میں انسانیت کی سب سے بلند و بالا نشانیاں موجود تھیں، جو بھی آپ کو دیکھتا تھا وہ آپ کو بزرگ اور عظیم انسان سمجھتا تھا، جو آپ سے معاشرت رکھتا تھا وہ آپ سے محبت کرتا تھا، ہر دوست و دشمن جو بھی آپ کے خطبہ یا تقریر و کلام کو سنتا تھا وہ اتنا گرویدہ ہو جاتا تھا کہ آخر تک آپ کے کلام کو سننے کا متمنی رہتا۔

ابن زبیر کا کہنا ہے (خدا کی قسم عورتیں حسن بن علی علیہما السلام جیسے افراد سے صبر و شکیبائی کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی۔(۱))

محمد بن اسحق کا کہنا ہے: "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی شخص نے بھی حسن بن علی علیہما السلام کے مانند عزت نہیں پائی۔ آپ کے بیت الشرف کے دروازے پر فرش بچھائے جاتے تھے جب آپ بیت الشرف سے باہر آ کر فرش پر تشریف فرما ہوتے تو راستہ بند ہو جاتا تھا اور کوئی شخص بھی آپ کے احترام کی وجہ سے آپ کے سامنے سے نہیں گذرتا تھا جب آپ اس چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے تو بیت الشرف میں تشریف لے جاتے پھر لوگ وہاں سے رفت و آمد کرتے تھے"

واقعہ ← مکہ مکرمہ کے راستہ میں آپ اپنے گھوڑے سے اتر کر پیدل چلنے لگے تو قافلہ میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اپنے گھوڑے سے نیچے اتر کر پیدل نہ چلا ہو اور آپ کی تأسی نہ کی ہو یہاں تک کہ سعد بن ابی وقاص بھی اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور آپ کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔

واقعہ ← "مدرک بن زیاد" جو حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی رکاب تھامے ہوئے تھے اور اُن کے لباس مرتب کر رہے تھے، نے ابن عباس سے کہا: تمہارا سن ان سے کہیں زیادہ ہے پھر بھی تم ان کا اتنا زیادہ احترام کرتے ہو؟"

ابن عباس نے جواب دیا: اے پست فکر انسان! تجھے کیا خبر یہ کون لوگ ہیں؟ یہ رسول خدا کے فرزند ہیں کیا مجھ پر یہ خداوند عالم کی عطا و بخشش نہیں ہے کہ میں ان کی رکاب تھاموں اور ان کے لباس مرتب کروں؟!"

---

(۱)۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۳۷۔

واقعہ

ان تمام شان و منزلت کے باوجود آپ کی تواضع کا عالم یہ تھا کہ آپ ایک روز ایسے فقراء کے پاس سے گذرے کہ وہ اپنی روٹیاں زمین پر رکھے ہوئے زمین پر بیٹھے کھا رہے تھے جیسے ہی انہوں نے حسن بن علی علیہما السلام کو دیکھا تو کہنے لگے: فرزند رسول آیئے اور ہمارے ساتھ کھانا کھا لیجئے! آپ فوراً اپنے مرکب سے نیچے اتر آئے اور فرمایا: خداوند عالم متکبروں کو دوست نہیں رکھتا ہے) اور ان کے ساتھ کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔ پھر ان کی اپنے یہاں دعوت کی ان کو کھانا بھی کھلایا اور لباس بھی عطا کیا۔

واقعہ

آپ اتنے کریم تھے کہ ایک حاجت مند شخص آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اپنی تمام ضرورت کی چیزیں لکھ کر ہمارے حوالہ کر دو! جب آپ نے اس کا خط پڑھا تو اس کو اس کی خواہش اور چاہت کے دو برابر عطا کیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا: فرزند رسول یہ خط اس کیلئے کتنا پُر برکت تھا؟

آپ ؑ نے فرمایا: "وہ ہمارے لئے زیادہ بابرکت تھا چونکہ اس نے ہم کو اہل نیکی بنایا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسی کو سوال سے پہلے عطا کرنا نیکی ہے لیکن جو کچھ سوال کے بعد عطا کیا جاتا ہے اس کی آبرو کے بدلے بہت کم قیمت ہوتی ہے، شاید اس نے ساری رات خوف و امید کے درمیان اضطراب کے ساتھ گذاری ہو اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کو اپنی حاجت پیش کرنے کے مقابلہ میں کچھ نہیں ملے گا یا کچھ مل جائے گا جس سے وہ خوش حال ہوگا۔ اِس وقت وہ تمہارے پاس لرزتے ہوئے۔ بدن اور ذلت و خواری کے ساتھ آ رہا ہے اگر اس وقت تم اس کو صرف اُس کی خواہش و ضرورت کے مطابق عطا کرو گے تو اُس نے جو اپنی عزت و آبرو تمہارے سامنے کھوئی ہے تم نے اس کی بہت کم قیمت عطا کی ہے۔"

واقعہ

جب آپؑ نے شاعر کو عطیہ دیا تو حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا: سبحان اللہ! جو شاعر معصیت خدا کرتا ہے اور بہتان باندھتا ہے آپ اس پر بخشش کر رہے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: بندۂ خدا! مال کی سب سے بہترین بخشش یہ ہے کہ تم اس کے ذریعہ اپنی آبرو کی حفاظت کرو اور خیر کو تلاش کرنے کی ایک قسم یہ ہے کہ شر سے بچو"۔

واقعہ

ایک شخص نے آپ سے کچھ طلب کیا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار درہم اور پانچ سو دینار عطا کرتے ہوئے فرمایا: "کسی کو یہ بوجھ اٹھانے کیلئے بلا لو، جب وہ شخص کسی دوسرے شخص کو بوجھ اٹھانے کیلئے لیکر آیا تو آپ نے اس کو اپنی ردا (عبا) دیتے ہوئے فرمایا: "یہ اس بوجھ اٹھانے والے کی اُجرت ہے"۔

واقعہ

ایک اعرابی (دیہاتی) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''جو کچھ ذخیرہ موجود ہے وہ سب اس کو دیدو'' چنانچہ بیس ہزار درہم موجود تھے جو سب کے سب اس کو دیدئے گئے۔ اس اعرابی نے عرض کیا: ''مولا آپ نے مجھ کو حاجت بیان کرنے اور اپنی شان میں کچھ مدح کرنے کی اجازت بھی نہیں دی''؟

آپؑ نے فوراً مندرجہ ذیل اشعار انشاء کیے:

نحن اناس نوالنا خضل
ہم لوگوں کی بخشش و عطا کی چراگاہ ایسی سرسبز و شاداب ہے
یرتع فیہ الرجاء والامل
جس میں امید و رجاء سیر ہوکر چرتی ہے
تجود قبل السوال انفسنا خوفاً
ہم سے سوال کرنیوالے کی آبروریزی کا خوف اس بات کا باعث ہوتا ہے
علی ماء وجہ من بسل
کہ ہم اس کے سوال کرنے سے پہلے اس کو عطا کردیتے ہیں

مدائنی سے مروی ہے: ''حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفرؑ حج کرنے جارہے تھے کہ راستہ میں ان کا زادراہ گم ہوگیا تو یہ حضرات بھوکے پیاسے ایک ایسے خیمہ کے پاس پہنچے جس میں ایک بوڑھیا زندگی بسر کررہی تھی انہوں نے اس سے پانی طلب کیا تو اس نے کہا: اس بکری کا دودھ نکال کر اس میں پانی ملا کر پی لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس سے کھانا طلب کیا تو اس نے کہا میرے پاس یہی گوسفند ہے اس کو ذبح کرکے گوشت کو بھون کر کھا جاؤ، اُن میں سے ایک نے گوسفند کو ذبح کیا اور کچھ گوشت بھون کر سب نے کھالیا اور اس کے بعد وہیں پر سو گئے، پھر چلتے وقت بوڑھیا سے کہا: ہم قریش سے ہیں، حج کرنے جارہے ہیں جب ہم حج سے واپس آجائیں تو تم ہمارے پاس آنا ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور وہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔

جب بوڑھیا کا شوہر آیا اور اس کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے کہا: وائے ہو تجھ پر، تو نے میرے گوسفند کو ذبح کرکے ناآشنا افراد کو کھلا دیا اور پھر کہتی ہو کہ وہ قریش سے تھے!

وقت گذرتا گیا اور بوڑھیا کی زندگی گذرنا مشکل ہوگئی تو وہ اس جگہ سے کوچ کرگئی اور اس کا مدینہ سے

گذر ہوا حسن بن علیؑ نے اس کو دیکھا تو پہچان لیا اس کے پاس گئے اور فرمایا: کیا تم مجھ کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپؑ نے فرمایا: میں وہی ہوں جو فلاں وقت تیرا مہمان ہوا تھا۔ آپؑ نے اس کو ایک ہزار گوسفند اور ایک ہزار دینار دینے کا حکم صادر فرمایا، اس کے بعد اس کو اپنے بھائی حسین بن علیؑ کی خدمت میں بھیجا تو آپؑ نے بھی اس کو اتنا ہی مال و دولت عطا کیا۔ پھر اس کو عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا تو انہوں نے بھی اس کو اتنا ہی مال و دولت عطا کیا۔

دو افراد ایک بنی ہاشم اور ایک بنی امیہ سے آپس میں بحث کر رہے تھے ایک کہہ رہا تھا کہ میری قوم زیادہ سخی ہے دوسرا کہہ رہا تھا کہ میری قوم زیادہ سخی ہے۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ دونوں اپنی قوم وقبیلہ کے دس افراد کے پاس جائیں اور ان سے کچھ طلب کریں۔ اموی بنی امیہ کے دس افراد کے پاس گیا تو ان میں سے ہر ایک نے اس کو دس دس ہزار درہم دیئے لیکن ہاشمی سب سے پہلے حسن بن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو ڈیڑھ لاکھ درہم دینے کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے بعد وہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کس کے پاس گئے تھے؟ اس نے کہا آپ کے بھائی امام حسنؑ کے پاس گیا تھا، فرمایا: میں اپنے بھائی سے زیادہ عطیہ نہیں دے سکتا لہٰذا آپ (امام حسینؑ) نے بھی اس کو ڈیڑھ لاکھ درہم عطا کئے۔ اموی شخص ایک لاکھ درہم دس افراد سے لیکر آیا اور ہاشمی شخص تین لاکھ درہم لیکر آیا جو اس کو دو حضرات نے عطا کئے تھے، اموی شخص اتنا فرق دیکھ کر تلملا اٹھا اور جن سے اس نے درہم لیے تھے ان کو واپس کر آیا، ہاشمی نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا لیکن حسینینؑ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا: اے برادر. چاہے تم ان کو اپنے پاس رکھو چاہے راستہ میں پھینک دو ہم جو کچھ کسی کو دیدیتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے ہیں۔

آپ نے ایک سیاہ فام غلام کو دیکھا کہ وہ اپنے سامنے روٹی رکھے ہوئے کھا رہا ہے ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور دوسرا لقمہ کتے کو دے دیتا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: تجھ کو ایسا کام انجام دینے کیلئے کس چیز نے رغبت دلائی؟ اس نے جواب دیا: مجھ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں خود کھاؤں اور اس کتے کو نہ کھلاؤں۔ حضرت امام حسنؑ نے اس سے فرمایا: میرے واپس آنے تک تم یہیں ٹھہرے رہنا۔ اور آپ اس غلام کے مالک کے پاس پہنچے اس کو خریدا اور جس باغ میں وہ رہتا تھا اس کو بھی خریدا اس کے بعد غلام کو آزاد کر کے وہ باغ اسی کو بخش دیا۔

ان کے علاوہ امام حسنؑ کی سخاوت و بخشش کے سلسلہ میں اخبار اور روایات بہت زیادہ ہیں جن کو ہم یہاں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

مروان کے بقول آپ اتنے زیادہ حلیم تھے کہ پہاڑوں سے برابری کرتے تھے۔

آپ اتنے بڑے زاہد و پارسا اور دنیا سے بے نیاز تھے کہ اس سلسلہ میں محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ متوفی ۳۸۱ھ نے آپ کی اس صفت سے مخصوص ایک کتاب بنام ''زہد الحسن'' تحریر کی امام حسنؑ کے زہد کے متعلق اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ آپ نے دین کی خاطر پوری دنیا کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

مناقب

آپ جوانان جنت کے سردار ہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل جن دو حضرات میں منحصر ہے ان میں سے ایک آپ ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نصاریٰ نجران سے مباہلہ کیلئے جانے والے چار حضرات میں آپ شامل ہیں۔ اصحاب کساء کے پانچ افراد میں بھی ایک آپ ہیں۔ آپ ان بارہ افراد کی ایک فرد ہیں جن کی اطاعت خداوند عالم نے اپنے بندوں پر واجب قرار دی ہے۔ قرآن کریم میں جن افراد کو ہر رجس و ناپاکی سے منزہ قرار دیا گیا ان کی ایک فرد آپ ہیں خدا نے جن سے دوستی کرنے کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اجر قرار دیا ان کی ایک فرد آپ بھی ہیں، اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کو ثقلین میں سے قرار دیا (کہ جو بھی ان سے تمسک رکھے گا کبھی گمراہ نہ ہوگا) ان میں سے بھی ایک آپ ہیں. آپ رسول خدا کے ریحان اور ان کے محبوب ہیں، آپ وہ ہیں جن کیلئے رسول اسلام نے یہ دعا فرمائی کہ پروردگار جو ان کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ۔

آپ کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو بیان کرنے کیلئے کافی وقت درکار ہے اور اتنی زیادہ مدت تک بیان کرنے کے بعد بھی انسان ان کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔

آپؑ کے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی آپؑ نے اپنی حکومت کی اس مختصر مدت میں تمام امور کو بطور احسن انجام دیا۔

۱۵ جمادی الاول ۴۱ھ میں (صحیح ترین روایت کے مطابق) معاویہ کے ساتھ صلح کی قرارداد لکھی گئی، آپ نے اس کام کو انجام دے کر دین کی بھی حفاظت کی اور مومنوں کو بھی قتل ہونے سے بچالیا اور اس امر میں آپ نے اس خاص تعلیم پر عمل کیا جس کو آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ذریعہ اپنے جد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ آپؑ کی ظاہری خلافت سات مہینے اور چوبیس دن تھی۔

صلح نامہ پر دستخط ہونے کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے اور وہیں پر سکونت اختیار کی آپ کا بیت الشرف وہاں کے مساکین اور زائرین کیلئے دوسرا حرم بن گیا۔ آپؑ ان دونوں حرموں میں جلوہ گاہ ہدایت،

مرکز علم و دانش اور مسلمانوں کی پناہ گاہ تھے۔ معرفت دین کی خاطر دور دراز شہروں سے آپ کے پاس افراد آتے اور پھر اس کو واپس جا کر دوسرے لوگوں تک منتقل کرتے۔ یہ سب آپ کے شاگرد، تحصیل علم کرنے والے اور آپ سے روایات نقل کرنے والے تھے۔ امام حسنؑ خداوند عالم کے بے انتہا عطا کردہ علم اور لوگوں کے درمیان بہت زیادہ قدر و منزلت رکھنے کے سبب امت کی رہبری، ان کی روحی و فکری قیادت، ان کے عقائد و افکار کو درست کرنے اور ان کو متحد کرنے کیلئے سب سے بلند درجہ کے حامل تھے۔

آپ نماز صبح ادا کرنے کے بعد طلوع آفتاب تک حضرت رسول خدا کی مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے۔

بزرگ اور چیدہ چیدہ افراد آپ کے گرد جمع ہوتے اور آپؑ ان سے محو گفتگو رہتے تھے۔ ابن صباغ کتاب "الفصول المهمه" پر یوں تحریر کرتے ہیں :

"لوگ آپؑ کے اطراف میں جمع ہوتے اور آپ اپنی باتوں سے علمی مشکلات کو حل کرتے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیا کرتے تھے"(۱)

جب آپؑ مناسک حج بجالاتے تھے تو آپ کو سلام کرنے والے لوگ ایسا ہجوم کرتے تھے کہ نزدیک تھا آپ پامال ہو جاتے۔

شہادت

آپ کو بارہا زہر دیا گیا (اس کی وضاحت اسی کتاب کی آخری فصل میں آئیگی)۔ آخری مرتبہ جب آپؑ نے خطرے کا احساس کیا تو اپنے بھائی امام حسینؑ سے فرمایا: "میں عنقریب تم سے جدا ہو جاؤنگا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں چلا جاؤنگا، جان لو! کہ مجھے زہر دیدیا گیا ہے جس سے میرا جگر چھلنی ہو گیا ہے میں خود اس کام کے سبب اور عامل سے باخبر ہوں اور خداوند عالم کی بارگاہ میں اس کے مسبب سے فیصلہ چاہونگا۔ اس کے بعد فرمایا: مجھ کو رسول خدا کے پہلو میں دفن کرنا چونکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بیت الشرف کی نسبت احق

---

(۱)۔ الفصول المهمه، ص ۱۵۹۔

(سب سے زیادہ حقدار اور سب سے اولیٰ) ہوں (۱) لیکن اگر دشمنوں نے دفن نہ ہونے دیا تو تمہیں خداوند عالم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمہاری قربت کی قسم میری خاطر خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہنے پائے یہاں تک کہ ہم رسول خدا سے ملاقات کریں اور ان کے حضور میں دشمنوں کے سلسلہ میں انصاف چاہیں اور لوگوں کے ظلم وستم کو ان سے بیان کریں۔"

اس کے بعد اپنے خاندان، اپنی اولاد اور جو کچھ آپ میراث کے طور پر چھوڑ کر جا رہے تھے سب کے متعلق حضرت امام حسین علیہ السلام کو وصیت فرمائی اور حضرت علی علیہ السلام نے آپ کو جو آخری وقت وصیت فرمائی تھی آپ نے انہیں وصیتیں کیں اور ان کے جانشین ہونے کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا آپ ۱۷ صفر ۴۹ھ (۲) ہجری میں

---

(۱)۔ پیغمبر کی نسبت آپ کی اولویت اس اعتبار سے ہے کہ آپ ان کے فرزند اور پارۂ جگر بلکہ آپ کا جزء تھے اور کوئی بھی، باپ کی نسبت اس کے بیٹے سے زیادہ اور کل کی نسبت اس کے جزو سے زیادہ نزدیک اور اولیٰ و برتر نہیں ہوتا ہے۔ لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیت الشرف سے آپ کی اولویت اس وجہ سے ہے کہ آپ شرعی طور پر اپنی والدۂ گرامی صدیقۂ طاہرہ کی میراث کے وارث اور صدیقۂ طاہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کی واحد وارث تھیں۔ جناب فاطمہ زہراؑ اپنے پدر بزرگوار کی اسی طرح وارث تھیں جس طرح حضرت سلیمان اپنے پدر بزرگوار حضرت داؤد کی میراث کے وارث تھے۔ اس مقام پر کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے (قرآن واحادیث میں) ارث کے عمومات تخصیص پا جائیں (یعنی حضرت فاطمہ زہراؑ اس عام حکم ارث سے مستثنیٰ ہوں)۔

کلمہ احق (یعنی سب سے اولیٰ اور سب سے زیادہ حقدار یہ افعل تفضیل کا صیغہ ہے اور اس سے ابوبکر اور عمر کی طرف اشارہ ہے جو اس بہانے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں دفن کیے گئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی بیٹی آنحضرتؐ کے گھر میں ایک حصہ رکھتی تھی۔ اس عمل پر ہے کہ زوجہ کو زمین کی بھی میراث ملتی ہے جبکہ علمائے اسلام میں آج تک اس مسئلہ میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ہاں، عائشہ اور حفصہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیت الشرف سے میراث پانے کے فرض کی بنا پر) بہتر (۷۲) حصوں میں سے دو حصوں کی حقدار تھیں، کیونکہ وہ پیغمبرؐ کی نو (۹) ازواج میں سے دو (۲) تھیں اور تمام ازواج کا سہم مجموعی طور پر گھر کا ایک آٹھواں حصہ تھا، یعنی ہر ایک زوجہ کا سہم، پورے گھر کے ایک آٹھویں حصہ کا ایک نواں (۹) حصہ تھا۔

آج ہمیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ کی وسعت کا علم نہیں ہے لیکن ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ اس میں بہتر (۷۲) قبریں بن سکتی ہیں! ورنہ یہ کہنا چاہئے کہ صدیقۂ طاہرہ کے وارثوں نے ان دونوں کے (ابوبکر وعمر) دفن کرنے کی اجازت دی ہے اس کے علاوہ کوئی اور راہ موجود نہیں ہے۔ (جبکہ ایسا بھی نہیں ہوا ہے) ہر صورت میں یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام حضرت صدیقہ طاہرہ کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بیت الشرف کی نسبت دوسرے تمام اشخاص سے اولیٰ اور احق تھے۔

(۲)۔ البتہ سرکار امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی تاریخ شہادت میں اختلاف ہے مؤلف محترم اپنے مختار نظریہ کو تحریر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ۵ صفر، ۷ صفر، ۵ ربیع الاول بھی تاریخوں میں موجود ہے۔ لیکن مشہور وہی ۲۸ صفر ہے۔ واللہ العالم (مترجم کتاب)

شہید ہو گئے۔

ابو الفرج اصفہانی تحریر کرتے ہیں کہ:

''معاویہ اپنے بیٹے یزید کیلئے بیعت لینا چاہتا تھا لہٰذا اس مقصد تک رسائی کیلئے حسن بن علیؑ اور سعد بن ابی وقاص سب سے بڑی رکاوٹ تھے اس وجہ سے اس خفیہ وسائل کے ذریعہ ان دونوں کو زہر دغا دلوا دیا''

یہ بات واضح ہے کہ اس طرح کے دردناک واقعات بے حس اور خواب غفلت میں پڑے ہوئے افراد کے جسم پر تازیانے کا کام کرتے ہیں کہ جس سے ان کا شعور و درک جاگ اٹھتا ہے اور ان کے اندر درد کا احساس زندہ ہو جاتا ہے۔ تمام اسلامی علاقوں میں یہ خبر یکے بعد دیگرے سب تک پہنچ گئی ہر طرف نالہ وشیون کی صدائیں بلند تھیں اور لوگوں کے نالہ وشیون سے ایک بغاوت کی خبر سنی جا رہی تھی ہر سال شور انقلاب بلند ہو کر حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان ہو رہا تھا۔ اور خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ﴾(۱)

''اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ لوٹائے جائیں گے۔

مدفن

سبط بن جوزی نے ابن سعد سے انہوں نے واقدی سے نقل کیا ہے:

حسن بن علیؑ نے احتضار کے وقت فرمایا: مجھ کو میرے بابا (حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو میں دفن کرنا تو بنی امیہ، مروان حکم اور مدینہ کے والی سعید بن العاص نے مزاحمت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیا! ابن سعد کا کہنا ہے کہ: مخالفوں میں سے ایک عائشہ بھی تھیں جنہوں نے یہ کہا تھا: رسول کے پہلو میں کسی کو دفن نہیں ہونا چاہئے''

ابو الفرج اموی اصفہانی یوں تحریر کرتے ہیں:

جب امام حسنؑ کا جنازہ دفن کرنے کیلئے روضۂ رسول کی طرف لے چلے تو وہ (عائشہ) خچر پر سوار تھیں اور وہاں پر موجود بنی امیہ، مروان، اس کے یاور و مددگار اور اس کی فوج سب عائشہ کے ہو گئے۔ اسی موقع پر

---

(۱)۔ سورۂ شعراء آیت ۲۲۷۔

کسی نے کہا: ''ایک دن خچر پر اور ایک دن اونٹ پر''

مسعودی نے بھی عائشہ کے بھورے رنگ کے اونٹ پر سوار ہونے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیتؑ کے خلاف دوسری مرتبہ امویوں کے کمانڈر کا رول ادا کرنے کو یوں نقل کیا ہے:

''محمد بن ابی بکر کے بیٹے قاسم نے عائشہ کے پاس آ کر کہا: پھوپھی! ابھی تک ہم ''سرخ اونٹ'' کی داستان سے اپنے سر نہیں دھو پائے ہیں اور آپ اس میں ''خاکستری خچر'' کی داستان کا مزید اضافہ کرنا چاہ رہی ہیں؟ عائشہ یہ سن کر واپس پلٹ گئیں''۔(۱)

انبوہ کثیر نے امام حسین علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہا: آپ ہم کو آل مروان کیلئے چھوڑ دیجئے خدا کی قسم وہ ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: ''میرے بھائی حسن بن علی نے مجھ سے وصیت کی ہے کہ میری خاطر خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہے، اگر ان کی یہ وصیت نہ ہوتی تو پھر تم دیکھتے کہ خداوند عالم کی تلواریں ان کے ساتھ کیا کرتی ہیں، انہوں نے ہمارے اور اپنے درمیان کے عہد کو توڑ دیا اور ہماری شرطوں کو پامال کر دیا ہے''

ان باتوں کے ساتھ آپ نے صلح کی شرطوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت حسن بن علیؑ کے جنازہ کو وہاں سے قبرستان بقیع لے جایا گیا اور آپ کی دادی فاطمہؑ بنت اسد کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ کتاب اصابہ میں واقدی سے اور اس نے... ثعلبہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: ''جس دن حسن بن علیؑ نے وفات پائی اور بقیع میں دفن کئے گئے تو میں اس دن حاضر تھا، اس دن لوگوں کا اتنا زیادہ مجمع تھا کہ اگر بقیع میں کوئی سوئی گر جاتی تو لوگوں کے سروں پر پڑتی اور زمین تک نہ پہنچتی''۔

---

(۱)۔ اس مؤدبانہ سرزنش کو بیہقی نے حسن بصری سے یوں نقل کیا ہے:

احنف بن قیس نے جنگ جمل کے دن عائشہ سے کہا: اے ام المومنین! کیا آپ نے اس (جنگ کے) سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ارشاد سنا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: نہیں، ہرگز نہیں۔

اس کے بعد کہا: کیا اس سلسلہ میں قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھی ہے؟

کہا: نہیں، قرآن وہی ہے جو تمہارے پاس ہے۔

کہا: جس وقت مسلمان اقلیت میں تھے اور مشرکین کی تعداد بہت زیادہ تھی تو کیا رسول اسلام نے اس وقت عورتوں سے اپنی نصرت و مدد کی درخواست کی تھی؟

کہا: ہرگز نہیں! احنف نے کہا: تو اس صورت میں ہمارا کیا گناہ ہے؟!'' (المحاسن والمساوی، بیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۵).

❖ دوسرا باب

سیاسی موقف

- پہلی فصل : بیعت سے پہلے
- دوسری فصل: بیعت
- تیسری فصل: کوفہ بیعت کے ایام میں
- چوتھی فصل :جنگ کا فیصلہ
- پانچویں فصل: فوج اور کمانڈری
- چھٹی فصل: لشکر کی تعداد
- ساتویں فصل: فوج کے عناصر
- آٹھویں فصل: عبیداللہ بن عباس
- نویں فصل: معرکہ آرائی کا آغاز
- دسویں فصل : دائرہ تردید
- گیارہویں فصل: عقیدہ یا حکومت
- بارہویں فصل: فداکاری/قربانی
- تیرہویں فصل: حقیقت صلح



● پہلی فصل :

بیعت سے پہلے

ہمارے زیر بحث موضوع کے متعلق دقیق طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ گذشتہ اور موجودہ واقعات اس پر کتنے مؤثر ہوئے ہیں لہٰذا اس کی وضاحت کیلئے اتنا کافی ہے کہ ہم تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر دوران نبوت کے بعد صدر اول کے مسلمانوں کے ان اجتماعی حالات کا جائزہ لیں جن کا مسلمانوں کو پہلی بار سامنا کرنا پڑا، وہ بھی ان تمام باتوں کے پیش نظر کہ نبی اکرم ﷺ کا مسلمانوں کے نفوس پر عمیق اثر تھا، آنحضرت ﷺ معاشرہ کے حالات کو سدھارنے اور اپنے پیروکاروں میں نشاط اور انقلاب کی حالت پیدا کرنے پر قادر تھے۔

چونکہ ہم ایک نتیجہ پر پہونچنا چاہتے ہیں لہٰذا گذشتہ واقعات پر سرسری نظر ڈالیں گے اور اپنے موضوع سے متعلق واقعات کا تذکرہ صرف ضرورت بھر کریں گے تاکہ ہم اس طریقہ سے اپنے موضوع پر گذشتہ واقعات کے اثر کا اندازہ لگا سکیں۔

تاریخ اسلام میں سب سے اہم واقعہ پیغمبر اکرم ﷺ کا داعی اجل کو لبیک کہنا اور اس آسمانی درخشندگی کا خاتمہ ہونا ہے جو پوری دنیا کو ضوبار کر رہی تھی۔ اس واقعہ کے بعد دنیا شرآفرین تاریکیوں میں ڈوب گئی اور زمین رسول اسلام کی وفات سے آسمان سے منقطع ہوگئی، اس لئے کہ وحی قاصد کی طرح زمین و آسمان کے درمیان رابطہ تھی، کیا زمین آسمان سے بے نیاز ہو سکتی ہے جبکہ اس کا رزق، اس کی زندگی، اس کا نشاط و سرور، اس کا نور اور اس کا دین آسمان سے ہے۔ یقیناً اگر یہ جدائی اور انقطاع آخری اور دائمی ہوتا تو دنیا کیلئے اس سے بڑی وحشت اور مسلمانوں کیلئے اس سے بڑے نقصان کا تصور نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن رسول اسلام ﷺ کو اس کا پہلے ہی سے علم تھا کہ وحی کے منقطع ہو جانے کے بعد مسلمان کس مشکل سے دوچار ہوں گے لہٰذا مومنوں سے اپنے خاص تعلق اور مہر و محبت کی وجہ سے ان کو خبر دی کہ ان کے اور آسمان کے درمیان ایک رشتہ برقرار رہے، کیا آسمانی وحی کے منقطع ہو جانے کے بعد آسمانی رسی سے متمسک

ہونے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہے؟لہذا آپ نے فرمایا ہے:"انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض، وعترتی اهل بیتی، ولن یفترقا حتی یردا علیَّ الحوض، فانظروا کیف تخلفونی فیهما"

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہوؤ گے ایک کتاب خدا ایسی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے اور ایک میری عترت (میرے اہل بیتؑ) ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے پھر دیکھو کہ میرے بعد تم ان دونوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو۔(۱)

ہم اپنی بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ دیکھیں کہ: مسلمان معاشرہ یا معاشرہ کیلئے رہبر بننے کا دعویٰ کرنے والوں نے عترت و خاندان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کونسا رویہ اپنایا تا کہ ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ انہوں نے پیغمبر کے خاندان کے سلسلہ میں پیغمبر کا کتنا احترام کیا اور کم سے کم ہم کو اپنی بحث سے متعلق مطالب سے تو آشنا ہونا ہی چاہئے۔

اگر ہر انسان کی عترت اس کا خاندان اور قبیلہ ہے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے سب سے زیادہ نمایاں شخص ہیں اور اگر عترت سے مراد اس شخص کی اولاد اور ذریت ہے تو حضرت امام حسنؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی ذریت میں سب سے بڑے شخص ہیں اور عرب کلمۂ عترت کو (خاندان اور اولاد) دونوں میں استعمال کرتے ہیں۔

ہاں یہ بات طے ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا: ایک گروہ پیغمبر اسلام کے فرامین کی توجیہ و تاویل کرنے لگا اور اپنی تاویل و توجیہات کے سمندر میں غرق

---

(۱)۔اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور یہی حدیث کتاب کنز العمال جلد ۱ حدیث ۸۷۴ صفحہ ۴۴ پر بھی تحریر ہے۔اسی طرح کی احادیث، کتب صحاح اور مسانید اہل سنت میں نقل ہوئیں ہیں ان میں سے بعض احادیث میں اس طرح نقل ہوا ہے:"انی تارک فیکم خلیفتین کتاب الله ممدود بین السماء و الارض، وعترتی اهل بیتی، و انهما لن یفترقا حتی یردا علیَّ الحوض"

"میں تمہارے درمیان دو جانشین چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا ایک ایسی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے، دوسرے میری عترت میرے اہل بیتؑ ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ قیامت میں حوض کوثر پر میرے پاس حاضر ہوں" (امام احمد اور طبرانی اپنی کتاب کبیر میں)

ہوگیا اور دوسرے گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین و ارشادات کو من وعن تسلیم کر کے ان کا اتباع کیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات پر متعدد مرتبہ اپنے جانشین کا اعلان فرمایا ہے لیکن ہم اس مطلب کو اس وقت بیان نہیں کر رہے ہیں اور ہم اس مقام پر عقیدہ تاویل کے طرفداروں کی تردید یا دوسرے گروہ کی باتوں کا اثبات بھی نہیں کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان دونوں کے مابین جو چیز موافقت یا مخالفت کا سبب ہوئی وہ اپنے وقت میں خاص موقعیت کی وجہ سے ہوئی ہے اور ہماری بحث واقعیت وحقیقت کو نہیں بدلے گی۔

لیکن ہم اہل تاویل کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریح ارشادات کی مخالفت کی توجیہ کے متعلق یہ کہتے ہیں: انہوں نے وحی کی نیابت (جس کو رسول اسلام نے قرآن وعترت سے مخصوص فرمادیا تھا اور اس حدیث اور دوسری متعدد احادیث میں اس مطلب کی طرف اشارہ فرمادیا تھا) کو ایک سیاسی نظر سے دیکھا اور بغیر اس کے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنا چاہیں اس کو ہر چیز سے پہلے مصلحت سے مربوط جانتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ سیاسی مسائل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی اطاعت ان بوڑھے تجربہ کار افراد کی صلاحدید پر ہے اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ کی موافقت کریں تو اس کو قبول کر لینا چاہئے اور اگر موافق نہ ہو، تو اس کو رد کر دینا چاہئے، ان کا نظریہ عمل کا معیار ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ عمل کا معیار وملاک نہیں ہے۔

اس طرح خاندان پیغمبر سے خلافت غصب کر لی گئی؛ اسی وجہ سے یہ ممکن ہوا (اور شاید) اسی وجہ سے بہت سے مسلمانوں نے بھی اچھا سمجھا) کہ ایک دن معاویہ جیسا پست شخص بھی اسلامی خلافت کے سلسلہ میں دوسروں سے لڑائی جھگڑا کرے اور خود کو دوسروں سے زیادہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے حکومت کیلئے سب سے زیادہ شائستہ سمجھے۔(۱)

اور قوم کے عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور ابو ہریرہ دوسی جیسے بوڑھے لوگ اس کے نظریہ کی تائید کریں۔

معاویہ کا یہ ادعا جس میں قداست و طہارت اسلام کی اہانت موجود ہے کوئی نیا ادعا نہیں ہے بلکہ اس کی اصل جڑیں اس سے پہلے کے مورد اور اس سے پرانی سازش اور اس سے بڑھ کر خطرناک سیاست میں

---

(۱)۔ اس سلسلہ میں معاویہ کے امام حسن علیہ السلام کے نام لکھے ہوئے خط کو شرح ابن الحدید، نہج البلاغہ، جلد ۴، صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تلاش کرنا چاہئے۔(۱)

یہ بات کسی پر مخفی نہیں رہ گئی تھی۔اس انحراف کا سنگ بنیاد وہی تھا جو اس دن مدینہ میں رکھا گیا تھا جس کے محور پر سقیفہ بنی ساعدہ وجود میں آیا تھا اور اس میں ایک ایسی رسی بٹ کر کام میں لائی گئی جو رسول اسلام کی فرمودہ حدیث کے مطابق زمین و آسمان کے درمیان متصل "حبل الٰھی" کے علاوہ تھی اور سقیفہ میں بٹی گئی اس رسی کیلئے ان لوگوں نے چاہا کہ آخر تک تاریخ کے ساتھ ہمراہ رہے۔

بولس سلامہ کی زبانی:

اس سقیفہ کے نیچے ایسے حوادث و واقعات رونما ہوئے ہیں جو مخفی احساسات و جذبات کو تحریک کرنے اور انحرافات کو ظاہر کرنے میں مددگار ثابت ہوئے انسانی خواہشات کی موجیں ہر طرف اس طرح پھیل گئیں جس طرح کانٹوں کے درخت کی ہری بھری تازہ شاخیں پھیل جاتی ہیں۔خلافت کے اصلی مالک نے ان تاویل کرنے والوں کے بالمقابل ایسا طریقہ اختیار کیا جو اُس کیلئے سزاوار اس کی عظیم شخصیت کی نشانی اور اسلام کی حفاظت کا

---

(۱)۔اس مطلب کی تائید کیلئے،اس سلسلہ میں خود معاویہ کے صریح کلام کی طرف رجوع کرنا چاہئے (تاریخ مسعودی ، کامل ابن اثیر ، ج ۶ ص ۷۸۔۷۹ کے حاشیہ میں اور ہمارے بہت سے گذشتہ شاعروں نے اسی بنیاد پر اشعار کہے ہیں:

"مہیار دیلمی" نے اپنے لامیہ قصیدہ میں اسی موضوع کو مدنظر رکھ کر کہا ہے:

وما الخبثان: ابن هند وابنه	وان طغى خطبهما بعد وجل
وہ دو پلید :معاویہ اور اس کا بیٹا	گر چہ ان دونوں کا کام گناہ سے پُر اور ہولناک تھا
بمبدعين في الذى جاء به	والما قفيا تلك السبل
جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا اس کے علاوہ موجود نہیں تھے	بلکہ انہوں نے راہ دوسروں سے سیکھی اور اسی پر گامزن تھے

ان کے استاذ "شریف رضی" بھی کہتے ہیں:

الا ليس فعل الآخرين وان علا	على قبح فعل الاولين بزائد
"اگر چہ اجاع کرنے والوں کا کام بڑا برا تھا"	لیکن پہلے والوں سے زیادہ (برا) نہیں تھا "

ان دونوں سے پہلے "کمیت اسدی" نے کہا ہے:

يصيب به الرامون عن قوس غيرهم	فيا اخرا اسدى له الشر اول
کیا تیرانداز اپنے علاوہ کسی دوسرے کی کمان سے تیر پھینکتے ہیں	تعجب ہے کہ تم نے اپنے گذشتہ والوں کی فراہم کردہ شر کی پیروی کی ہے

اسی طرح کے دوسرے بہت زیادہ اشعار موجود ہیں۔

ضامن بھی ہوسکتا تھا۔ کیونکہ خلق خدا اور اس جل آسمانی والٰہی کے مابین یہی ایک واسطہ تھا۔

جہاں تک مسلمانوں کے انکار اور کھوئے ہوئے حق کی جانب قوم کو متوجہ کرنے کی ضرورت تھی خلافت کے مسند نشین کی بیعت میں تاخیر کی اور اس کے بعد دستگاہ خلافت کے مجبور کرنے پر خاموش ہو گئے۔(۱)

اس پر آپ کے ایک چاہنے والے نے سوال کیا: لوگوں نے کس طرح آپ کو اس خلافت سے محروم کر دیا جبکہ آپ ان سب میں سب سے زیادہ حقدار تھے؟

آپ نے فرمایا: ''یہ ایک انحصار طلبی تھی جس کے بارے میں کچھ لوگوں نے حرص سے کام لیا اور دوسرے کچھ لوگوں نے بزرگواری کے ساتھ اس سے صرف نظر کر دیا اس قضیہ میں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور بازگشت کی جگہ قیامت ہے اور تم اس وقت جو تمہارے لئے مفید نہیں ہے اس کے چکر میں نہ پڑو۔''(۲)

اس بیان میں حضرت کے صبر و تحمل اور تسلیم کے باوجود مکمل طور سے ناراضگی اور باطنی غیظ و غضب کی علامت ہے۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کے نور کے پرتو کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ ان کی آنکھوں پر کینہ اور دشمنی کے پردے پڑ گئے تھے۔

آپ کے سابقہ کارنامے جہاد، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی قرابتداری، دامادی و برادری، آپ کا علم و عبادت اور آپ کے سلسلہ میں حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریح ارشادات (جو آج سے زیادہ اُس وقت دسترس میں تھے) ان میں سے آپ کی کسی بھی فضیلت کا انکار نہیں کرتے تھے لیکن ان ہی فضائل اور امتیازات کی وجہ سے ان سے بغض و کینہ رکھتے تھے، وہ آپ کی حق گوئی اور حق جوئی میں شدت اور آپ کی اس سیرت کے سبب آپ سے زیادہ دشمنی کرتے تھے کہ جس نے مقدس جہاد کے میدانوں میں اسلام کا علم لہرایا تھا اور اسی وجہ سے انہیں لوگوں میں سے بہت سے آپ کے خونی اور خونخواہ دشمن بن گئے۔

---

(۱)۔ معاویہ نے جو خط ابوامامہ باہلی کے ذریعہ حضرت کے پاس بھیجا تھا اس میں لکھا: ''تم نے ان کی (ابوبکر) کی بیعت کرنے میں سستی دکھائی اور تامل سے کام لیا یہاں تک کہ سرکش اونٹ کی طرح اس کی طرف کھینچ کر لائے گئے۔''

(۲)۔ عربی کی مشہور مثل '' قد ع عنک نهباً صیح فی حجراته '' ہے، جو آنحضرت کے بیان میں آئی ہے اور اس کے بعد اس طرح ہے: هلم الحطب فی ابن ابی سفیان... ابھی معاویہ کے واقعہ سے ٹٹولو کہ تازہ موضوع ہے نہ کہ اس سے جو کسی صورت گذر چکی ہے اور موجودہ فکر و عمل کی دسترس سے باہر ہے۔ اس علوی بیان میں زندہ ضمیروں اور کان کھلے رکھنے والوں کیلئے آزمودہ درس ہے۔ (فارسی مترجم)

وہ لوگ آپ کی جوانی پر بھی اعتراض کرتے تھے کیونکہ آپ ان دنوں اپنی عمر کی چوتھی دہائی گزار رہے تھے اور کتنے تعجب کی بات ہے اگر بوڑھے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت بلافصل کیلئے مثلاً ستر سال کی شرط کو ضروری ولازمی سمجھنے لگیں؟!

وہ اس بات کی طرف متوجہ نہیں تھے کہ اسلام میں امامت اور پیشوائے امت بھی نبوت جیسے منصب ہی کی طرح ایک منصب ہے؛ جو کچھ نبوت کیلئے روا ہے وہی امامت کیلئے بھی روا ہے اور جو کچھ پیغمبر کی عظمت کیلئے شائستہ نہیں ہے وہ امامت کیلئے بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اس صورت میں جس اجتہاد کا نتیجہ سن رسیدہ ہونے کی شرط ہے اس کی یقینی نص کے مقابل کیا اہمیت ہوسکتی ہے؟ اور سیاسی باتوں کا خداوند عالم کے فرمان اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صراحت کے بعد کیا وزن باقی رہ سکتا ہے؟!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی علیہ السلام کی عمر مبارک اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے آسمان پر اٹھائے جانے کے دن ان کی عمر مبارک دونوں برابر تھی۔ تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے اپنی نبوت کے آخری دن ۳۳ سال کے سن تک پہونچنا ممکن تھا لیکن حضرت علی علیہ السلام کیلئے اپنی پیشوائی اور امامت کے پہلے دن اپنے سن کے اس مرحلہ تک پہونچنا ممکن نہیں تھا؟!... جس مرحلہ کو خداوند عالم نے اُس دنیا میں بہشت میں رہنے والوں کیلئے مقرر فرمادیا ہے! اگر یہ سن انسان کی زندگی کا بہترین سن نہ ہوتا تو خداوند عالم ان کو بہشت میں اپنے منتخب بندوں کیلئے معین نہ فرماتا۔

وہ لوگ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی قرابت اور رشتہ داری کو آپ کیلئے دوسری کمی شمار کرتے تھے اور "ان کو نبوت اور خلافت کا ایک خاندان میں جمع ہونا پسند نہیں تھا"۔ اب نہیں معلوم وہ فضیلت کو نقص کیوں سمجھتے تھے اور رشتہ داری کو اس کے نہایت نزدیک ہونے کے باوجود مانع خلافت کیوں سمجھتے تھے لیکن دور کی رشتہ داری کو دلیل خلافت اور دوسرے بیگانہ رقیبوں کے مقابل تنہا برہان ودلیل سمجھتے تھے یہ ایسے سوالات ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہے۔

وہ لوگ خیال کرتے تھے کہ اسلام کی منفعت اور مسلمان معاشرہ کی مصلحت اسی میں ہے کہ خلافت کو خاندان پیغمبر سے جدا کردیں اور بلندترین دینی منصب کے تصرف کی راہ میں دوسرے خاندانوں کی سرگرمی اور قدرت نمائی کیلئے میدان کھلا رکھیں۔ وہ منصب جو فطری طور پر ماہرانہ وفاتحانہ تصرف وقدرت نمائی کے حدود سے بہت زیادہ دور ہے۔

مختصر یہ کہ جس اہم مقصد کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت اور عترت کیلئے اصرار اور احتیاط کے ساتھ مدنظر رکھے ہوئے تھے اور اسی بنا پر آپ نے خلافت اپنی عترت کے سپرد فرمائی اس مقصد کو ان افراد نے نظر انداز کردیا۔

اس کے بعد جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے بیدار دلوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کی حقانیت اور جھوٹے دعویداروں کی غلطی کی طرف متوجہ کیا کیونکہ ''خلافت کو عترت سے جدا کرنے ہی کی'' وجہ سے خلافت کے شیدائیوں کے درمیان خونچکاں تاریخی واقعات رونما ہوئے اور عالم اسلام میں اتنے بڑے بڑے دردناک حوادث وجود میں آئے جو مثالی اسلام کے محقق ہونے کی راہ میں نقصان دہ ثابت ہوئے۔ اس لیے کہ اگر اسلامی خلافت پہلے ہی دن سے اپنی حقیقی راہ پر گامزن رہتی یعنی خداوند عالم و رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اس میں کوئی خلل اندازی نہ کرتا اور انسانی سیاست و اجتہاد اس کو آلودہ نہ کرتے تو مسلمانوں کو ان تمام مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾.(۱)

''اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ اختیار ہے اور نہ کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں تو اُن کو اپنے کام (کرنے نہ کرنے) کا اختیار ہو اور (یاد رہے کہ) جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے''

کیا یہ خونی کشمکشیں اور مسلمانوں کے بڑے خاندانوں میں عرصہ دراز تک باقی رہنے والی دشمنیاں جو ایک نسل سے دوسری نسل تک پہونچتی تھیں یہ سب میدان خلافت کو ہر کس و ناکس کی خاطر کھلا رکھنے کے علاوہ کسی اور چیز کا باعث تھیں؟ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان، بنی زبیر اور بنی امیہ کے درمیان، بنی عباس اور بنی امیہ کے درمیان، علویین اور بنی عباس کے درمیان جو دردناک کشت و کشتار پیش آئیں کیا ان کا نتیجہ دینی قوانین کو توڑنے کے علاوہ کچھ اور تھا؟ وہی قوانین جن کو پیغمبر اسلام نافذ کرنے کیلئے حد درجہ احتیاط اور دقت فرماتے تھے۔ گویا کہ آپ پہلے سے ہی ان افسوسناک واقعات سے آگاہ تھے اور ان کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔

انہوں نے خاندان پیغمبر پر جو ظلم و ستم ڈھائے ان میں سے ہر ایک ظلم و ستم (قتل کر دینا، تختۂ دار پر لٹکا دینا، قید کر لینا یا شہر بدر کر دینا...) خود اپنی مثال آپ تھا، کیا یہ سب اسی پہلی غلطی کا نتیجہ نہیں تھا؟ وہی غلطی جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سیاست کو پامال کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت اور عترت کیلئے پیش کی تھی کہ

---

(۱)۔ سورۂ احزاب، آیت ۳۶.

اگر وہ سب اس کی رعایت کرتے تو نبی کی امت اور عترت محفوظ رہتی۔

جی ہاں! وہ اس دور اندیش سیاست کی گہرائی سے آگاہ نہیں تھے چونکہ وہ دوسری سیاست میں سرگرم عمل تھے لہذا نبوت وخلافت کو ایک گھر میں جمع ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

اُن کے پاس اس ظاہری عذر کے علاوہ اور کوئی ایسا دوسرا عذر نہیں تھا جس کو وہ لوگوں کے سامنے آشکارا طور پر کہہ سکیں لیکن ان کا باطنی عذر کیا تھا؟... باطنی امور سے واقف ذات کے علاوہ کوئی اس کو نہیں جانتا ہے لیکن غالباً یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس کا سبب اسلامی دعوت کی۔ مقدس جنگوں کے خونی واقعات ہیں یا وہ حسد ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے: ''یاکل الدین کما تاکل النار الحطب''۔ ''حسد دین کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے''۔

یقیناً حکومت کی چاہت اور اقتدار کی ہوا و ہوس انسان کی سب سے خطرناک نفسیاتی بیماری ہے اور رہبروں نیز رہبری کا دعویٰ کرنے والوں کے قوی مزاج کیلئے سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

نبوت و امامت اس لحاظ سے کہ دونوں الٰہی منصب ہیں لہٰذا سیاست کے مشہور و معروف معنی کے دائرۂ حدود سے خارج ہیں اور ہر وہ سیاست جو نبوت یا اس کے ماتحت کسی ادارہ میں مشاہدہ کی جائے وہ خود دین کا جزء ہے اور اسی سے مربوط ہے، اور تنہا لائق مرجع ان تمام امور میں صاحب دین اور دین کا رہبر (نبی یا امام) ہے اور اس سلسلہ میں اس کی رائے اور اسی کا کلام حرف آخر ہوگا۔

تاکہ اس بات کا شدید ارتباط ہمارے موضوع بحث سے زیادہ واضح ہو جائے، لہذا ہم ذیل میں حضرت امام حسن علیہ السلام کے اس عتاب آمیز خط کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو آپ نے اپنی خلافت کے آغاز میں معاویہ کے نام تحریر فرمایا تھا: (۱)

''... جب رسول خدا نے انتقال کیا تو ان کی حکومت کی میراث کے سلسلہ میں عرب جھگڑا کرنے لگے، قریش کہنے لگے: ہم ان کے قبیلہ، رشتہ دار اور ان کے نسب کے نگہبان ہیں اور تمہارے لئے ان کی حکومت و قدرت کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا صحیح نہیں ہے عربوں نے قریش کی اس حجت و دلیل کو تسلیم کر لیا

---

(۱)۔ "فلما توفی .. یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنازعت سلطانہ العرب، فقالت قریش: نحن قبیلتہ واسرتہ ←

اوران کے دعوے کے سامنے سر تسلیم خم کردیا ان کا احترام کیا اور مسند حکومت ان کے حوالے کردی۔ ہم نے بھی قریش سے وہی کہا جو قریش نے عربوں سے کہا تھا۔(۱)

لیکن انہوں نے عربوں جیسا ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا، قریش نے اپنے استدلال کی طاقت وقوت اور عربوں کے انصاف کی مدد سے حکومت پر اپنا قبضہ جمالیا لیکن جب ہمارے استدلال اور ان کے انصاف کی نوبت آئی تو انہوں نے ہم کو دور ہٹادیا اور اتفاق واجتماع کے ساتھ ہمارے بارے میں ظلم وستم کرنا روا سمجھا اور حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی، ہماری اور ان کی وعدہ گاہ خداوند عالم کی بارگاہ ہے وہی ہمارا مددگار اور سرپرست ہے۔

''جس دن ہمارے سارے حق اور ہمارے خاندان کی حکومت کو غاصبانہ طریقہ سے چھینا جارہا تھا ہم بڑے متعجب تھے۔ لیکن ہم نے ان کے اسلام میں سابقہ رکھنے کی وجہ سے ان سے لڑائی جھگڑا کرنے سے چشم پوشی کی تاکہ منافقین اور مخالفین کو کہیں اسلام کی شکست کی خاطر کوئی بہانہ یا اسے تباہ کرنے کا کوئی راستہ نہ مل جائے۔

واولیاءہ، ولا یحل لکم ان تنازعونا سلطان محمد وحقه . فرأت العرب ان القول ما قالت قریش وان الحجة فی ذلک لهم علی من نازعهم فی امر محمد. فانعمت لهم وسلمت الیهم، فم حاججنا. نحن قریشا بمثل ما حاججت به العرب، فلم تنصفنا قریش انصاف العرب لها. انهم أحلوا هذا الامر دون العرب بالانصاف والاحتجاج، فلما صرنا اهل بیت محمد واولیاءه الی محاجتهم، وطلب النصف منهم، باعدونا واستولوا بالاجتماع علی ظلمنا و مراغمتنا والعنت منهم لنا. فالموعدالله وهو الولی النصیر.

"ولقد کنا تعجبنا لتوثب المتوثبین علینا فی حقنا، وسلطان بیتنا. واذ کانوا ذوی فضیلة وسابقة فی الاسلام، امسکنا عن منازعتهم، محالة علی الدین ان یجد المنافقون والاحزاب فی ذلک مغمزا یثلمون به، او یکون لهم بذلک سبب الی ما أرادوا من الفساده.

"فالیوم فلیتعجب المتعجب من توثبک یا معاویة علی أمر لست من أهله، لا یفضل فی الدین معروف، ولا اثر فی الاسلام محمود، وانت ابن حزب من الاحزاب، وابن أعدی قریش لرسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولکتابه. والله حسیبک فسترد علیه وتعلم لمن عقبی الدار!!" شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد۴، صفحہ۱۲۔

(۱)۔ تاریخ اہل بیت علیہم السلام پر پڑنے والی سب سے بڑی ایک مصیبت یہ ہے کہ تاریخ میں ان بحثوں اور گفتگوؤں کا کوئی پتہ نہیں ہے اور ہمارے پاس صرف وہی تھوڑے سے مطالب موجود ہیں جو دشمن کے کنٹرول اور سنسر سے کسی طرح اتفاقاً محفوظ رہ گئے ہیں۔ اس مقام پر مجھے ایک بہترین جدید الفکر شاعر عبدالحسین ازری کا یہ شعر یاد آجاتا ہے:

اقرأ بعصرک ما الاهواء تکتبه	ینبئک عما جری فی سالف الحقب
اپنے زمانہ میں جو کچھ نفسانی خواہشات لکھتی ہیں ان کو پڑھو تاکہ	گزشتہ زمانہ کے لوگوں کے جو واقعات باقی رہ گئے ہیں تمہیں ان سے آگاہی ہو

''لیکن آج (اے معاویہ!) بجا ہے کہ تمام لوگ اس منصب اور مسند پر تیرے دست تجاوز بڑھانے سے تعجب میں پڑ جائیں! کہ تو کسی طرح بھی اس منصب کے لائق نہیں ہے نہ تجھ میں کوئی فضیلت وخصلت ہے اور نہ ہی کوئی نیک اور پسندیدہ بات ہے... اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تو رسول خدا اور قرآن کے سخت دشمنوں کے ایک گروہ کا فرزند اور پروردہ ہے!... خداوند عالم تیرے تمام افعال کو دیکھ رہا ہے اور عنقریب تو اس کے پاس پہونچنے والا ہے اور تجھ کو معلوم ہوگا کہ کس کا انجام نیک ہے!!''

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام، معاویہ کے مسند خلافت کو غصب کرنے کی سازش پر اپنے متعجب ہونے کو پہلے غاصبوں کی رفتار و کردار پر متعجب ہونے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور ان دونوں کو حرف ''فائے عطف'' کے ذریعہ ایک دوسرے سے متصل قرار دیتے ہیں، یہیں سے ان دونوں قضیوں کا رابطہ آشکار ہو جاتا ہے، نیز دوسرے حقائق (ان دونوں بھائیوں سے متعلق یا ان کے ماں باپ سے متعلق یا عام حقوق سے متعلق) بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

ہم چونکہ یہاں پر ان بحثوں سے جتنی باتیں ہمارے موضوع بحث سے کامل طور پر مربوط ہیں وہی بیان کرنا چاہ رہے ہیں لہٰذا ہم ان باتوں کو متصل ذکر کرنے سے اجتناب کر رہے ہیں۔

بیشک حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ سیاسی داؤں جس نے چند لمحہ میں اپنے وقت کا اکھاڑہ جیت لیا وہی سیاسی داؤں جس کے ایک سب سے بڑے کھلاڑی نے خود اس کا نام ''فلتة'' یعنی اچانک رکھا اس کے بعد معاویہ نے اس کا نام ''حق کو جبراً غصب کرنا اور امر (الٰہی) کی نافرمانی کرنا'' (۱) سیاسی داؤں کی کامیابی نے

---

(۱)۔ یہ بات صراحت کے ساتھ اس خط میں ذکر کی گئی ہے جس کو معاویہ نے محمد بن ابی بکر کیلئے بھیجا تھا اس خط میں معاویہ نے محمد بن بکر کے نام لکھا تھا۔ تیرا باپ اور فاروق وہ پہلے اشخاص تھے جنہوں نے ان (علی علیہ السلام) کو اپنے حق سے محروم کیا تھا اور اس کے ساتھ مخالفت کی تھی اس مسئلہ پر دونوں متفق رائے رکھتے تھے پھر اس (علی علیہ السلام) کو اپنی بیعت کیلئے بلایا تھا اور جب اس نے بیعت کرنے سے انکار کیا تو ہر طرف سے انکا پیچھا کیا اور اس کیلئے بہت بڑا فیصلہ کیا بالآخر ان سے جبراً بیعت لے لی گئی اور جب تک وہ دونوں زندہ رہے انہوں نے اپنے کسی کام میں اسے شریک نہیں کیا اور نہ ہی اپنے اسرار کا رازدار بنایا... پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے: اگر ہماری فعلی روش صحیح ہے اور ہم حق پر ہیں تو جس نے اس کا آغاز کیا تھا وہ تیرا باپ تھا اور ہم اس کے پیچھے چلنے والے اور اس کے شریک کار رہے اگر وہ اس روش پر ہاتھ نہ رکھتا تو ہم بھی ابو طالب کے بیٹے کے ساتھ مخالفت نہ کرتے اور تمام امور اس کے سپرد کر دیتے اور تسلیم ہو جاتے لیکن تیرا باپ اس کام میں آگے بڑھا تو ہم بھی اس کے پیچھے اسی راستے پر چل پڑے۔ تاریخ مسعودی پر حاشیہ ابن اثیر، ج ۶، ص ۷۸۔۷۹۔

اس بات کی نشاندہی کردی کہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے والوں نے بڑی مدتوں سے اس کیلئے سازش رچی تھی لہٰذا بڑی آسانی کے ساتھ اہل بیتؑ کے مقابلہ میں اس سازش کے خلاف جھوٹے مدعی افراد کی مخصوص محاذ آرائی اور ان کے خاص موقف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس کے اس وقت سے آج تک برے نتائج سامنے آرہے ہیں۔

اس موقف کے انتخاب کا یہ نتیجہ ہوا کہ عترت پیغمبر کو خلافت کے مسئلہ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا نیز اس کے بعد بھی تاریخ میں پیش آنے والی اہم تبدیلیوں کے موقع پر آپ حضرات تمام امور سے منصوبہ بند سازش اور بنائے گئے پلان کے تحت دور رہے۔(۱)

نہ تو خلیفہ اول نے جنہوں نے اپنا جانشین معین کیا، ان کو مقدم رکھا اور نہ ہی دوسرے خلیفہ نے حضرت کے ساتھ انصاف سے کام لیا کہ جنہوں نے چھ افراد سے تین افراد میں خلیفہ کو منحصر قرار دیا، عثمان کے گھر کے واقعہ کے بعد بھی اگر خلیفہ معین کرنے کا اختیار ملت کو نہ ہوتا تو تاریخ اسلام کے کسی دور میں بھی خاندان پیغمبر کو حکومت وخلافت میں کوئی حصہ نہ ملتا۔ اس محاذ آرائی کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ہاشمی حکومت کے دو دور (یعنی حضرت علی علیہ السلام کی پانچ سالہ حکومت اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی چند ماہ کی حکومت) سے سخت مخالفت اور بنیادی اختلاف پیدا کئے۔

اس مطلب کے متعدد شواہد، بصرہ، صفین اور اس کے بعد مسکن میں ہونے والی جنگ میں تلاش کئے جاسکتے ہیں۔

اس طرح عبد الله بن عمر (۲) سعد بن ابی وقاص، اسامه بن زید، محمد بن مسلمه،

---

(۱)۔ امیر المؤمنین کے کلام میں اس موضوع پر کافی شواہد ملتے ہیں۔ ''خدا کی قسم رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے لے کر آج تک مجھے میرے حق سے دور رکھا اور ناجائز طریقہ سے اسے اپنے تصرف میں لے آئے۔''

''خدایا! میں تجھ سے قریش اور ان کے مددگاروں کی شکایت کرتا ہوں، کیوں کہ انہوں نے مجھ سے اپنی رشتہ داری توڑ لی اور میرے مرتبہ کو گھٹایا اور جو چیز میرا حق ہے اس کے سلسلہ میں اجماع کر کے مجھ سے جنگ کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔''

(۲)۔ مسعودی مروج الذہب میں (حاشیۂ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۸۔۱۷۹) پر یوں رقمطراز ہیں: ''لیکن اس تاریخ کے بعد عبد اللہ بن عمر نے یزید اور حجاج کی (عبد الملک بن مروان کے نمائندہ کی حیثیت سے) بیعت کر لی!'' مسعودی کے عقیدہ کے مطابق ان میٹنگ کرنے والوں کو ''عثمانیان'' کا نام دینا چاہئے اور ابو الفدا، جلد ۱، صفحہ ۱۷۱ پر یوں تحریر کرتے ہیں کہ ان کو معتزلہ (کنارہ ہٹ جانے والے) کا نام دینا بہتر ہے چونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن مؤلف کے عقیدہ کے مطابق نہ یہ عثمانی ہیں اور نہ ہی معتزلہ ہیں بلکہ یہ تو وہ ہیں جو مر گئے لیکن اپنے زمانہ کے امام کو پہچان نہ سکے۔

قدامہ بن مظعون،عبد اللہ بن سلام ،حسان بن ثابت ،ابو سعید خدری ،زید بن ثابت ،نعمان بن بشیر وغیرہ جیسے افراد کی روش میں...وہ ''قاعدین'' (جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرنے والوں) نے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی بیعت کرنے سے انکار کیا اس بات پر دوسرے شواہد بھی موجود ہیں۔

اس دشمنی، مخالفت اور ہٹ دھرمی کے مختلف میدان اور مختلف رنگ وروپ تھے۔ منجملہ ان کے ایسے مہمل ومنفی اور فرائض واحکام سے دور حالات تھے جن کا رہبران عترت کو چاہے وہ مدینہ میں ہوں یا کوفہ میں، سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ورنہ حضرت علی علیہ السلام کو کوفہ کے منبر پر یہ فرمانے کی ضرورت نہیں تھی کہ: ''یَا اَشْبَاہَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالَ حُلُومُ الْاَطْفَالِ وَعُقُولُ رَبَّاتِ الحِجَالِ لَوَدِدْتُ اَنِّی لَمْ اَرَکُمْ وَلَمْ اَعْرِفْکُمْ .مَعْرِفَةً وَاللّٰهُ جَرَّتْ نَدَماً وَاَعْقَبَتْ سَدَماً قَاتَلَکُمُ اللّٰهُ لَقَدْ مَلَاْتُمْ قَلْبِیْ قَیْحاً وَشَحَنْتُمْ صَدْرِیْ غَیْظاً. وَجَرَّعْتُمُوْنِیْ نُغَبَ التَّهْمَامِ اَنْفَاساً. وَاَفْسَدْتُمْ عَلَیَّ رَاْیِیْ بِالْعِصْیَانِ وَالْخِذْلَانِ...''(۱)

''اے مردوں کی شکل وصورت والے نامردو! تمہاری فکریں بچوں کی سی اور تمہاری عقلیں حجلہ نشین عورتوں کے مانند ہیں۔ میں تو یہی چاہتا تھا کہ نہ تم کو دیکھتا اور نہ تم سے شناسائی ہوتی، ایسی شناسائی جو ندامت کا سبب اور رنج واندوہ کا باعث بنی ہے۔ اللہ تمہیں ہلاک کرے، تم نے میرے دل کو پیپ سے اور میرے سینہ کو غیظ وغضب سے بھر دیا ہے۔ تم نے مجھے ہر سانس پے در پے حزن وغم کے گھونٹ پلائے، اور اپنی نافرمانی اور سرکشی سے میری تدبیر ورائے کو تباہ وبرباد کر دیا۔''

اسی طرح کے دوسرے بہت سے اقوال آپ کے خطبات وکلمات میں پائے جاتے ہیں۔

کیا یہ صورت حال اسی مخالفت اور دشمنی کا ایک نمونہ نہیں ہے جس نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے تمام بڑے بڑے مراکز میں اپنا گندہ بیج بویا اور لوگوں کو طرح طرح کے بہانوں سے حضرت علی علیہ السلام کی نصرت ومدد کرنے سے روک دیا؟

البتہ اس ضدیت ومخالفت کی ایجاد میں اپنی دونوں شکلوں (مسلحانہ مقابلہ اور نصرت ومدد کرنے سے روگردانی) کے ساتھ مذکورہ محاذ آرائی کے مانند جو دوسرے عوامل واسباب مؤثر ثابت ہوئے، ان کو بھی بھلایا نہیں جاسکتا ہے۔

---

(۱)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۷، کا ایک ٹکڑا۔

بیشک وہ قاطع عدالت اور دقیق مساوات جو اس پہلی صدی کی ہاشمی حکومتوں کی (نبوت وخلافت کے دور میں) نمایاں نشانی تھی یہ بھی ایک دوسرا ایسا عامل اور سبب ہے جس سے (کم از کم لوگوں کے ایک طبقہ کے درمیان) ایک طرح کی تنگی، فشار اور دباؤ کا احساس پیدا ہوتا تھا جو اس مطلق اطاعت، اخلاص اور قلبی لگاؤ سے مانع ہے جن کا میدان صلح اور میدان جنگ میں پایا جانا لازمی ہے۔

اس زمانہ کے خاص حالات اور وہ فتوحات جن کی وجہ سے لوگ مغلوب ممالک کے خزانوں پر قابض ہو گئے تھے اور زندگی کے نئے جلوے جو ان لوگوں کی زندگی کو نشاط اور تازگی بخش رہے تھے، یہ بھی ایک طرح کی نفسانی تیرگی کو ایجاد کرنے کے اہم عامل تھے جن کا لازمہ نور وروشنی کی مخالف جہت میں گامزن ہونا تھا۔

اس محاذ آرائی اور خاص روش کا بحران جو کہ ایک چوتھائی صدی ہجری تک ایجاد کیا گیا اس کا حضرت علی علیہ السلام کے دوران حکومت میں (یعنی امام حسن ابن علی علیہما السلام کے دست مبارک پر بیعت لینے سے پہلے کے زمانہ میں) خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کے بڑے فرزند، آپ کے ولی عہد آپ کے رنج وغم اور خوشی وناخوشی میں برابر شریک تھے، آپ کے درد اور غم کا احساس کرتے تھے اور آپ کے رنج میں خود بھی رنجیدہ ہوتے تھے، جو دنیا آپ کے پدر بزرگوار کا احاطہ کئے ہوئے تھی (قوم وقبیلہ، عوام الناس اور مخالفین) اس سے آپ مکمل طور پر آگاہ اور مرحوط تھے جو کچھ آپ کے پدر بزرگوار کے ساتھ گزرتا تھا اس سے عظیم اور دلی غم میں آپ کے بھائی امام حسین علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ شریک تھے جیسا کہ وہ اخوت وبرادری میں شریک تھے۔ اور اولاد پیغمبر کا یہی اندرونی رنج والم، آنحضرت کی عترت کے ساتھ امت کے سلوک کی روش کو آشکار کرنے والا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے سلسلہ میں امت کے جواب کا ایک نمونہ ہے جو کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

"دیکھو کہ تم میرے بعد میری عترت کے حق میں میرا پاس ولحاظ کیسا رکھو گے۔"(۱)

لیکن حسن ابن علی علیہما السلام اگر ایک طرف ماحول کے ناگوار حالات کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتے تھے تو دوسری طرف اپنے پدر بزرگوار کے ان باوفا اصحاب کو دیکھ کر آپ کے دل میں امید جاگ اٹھتی تھی جو مددگار، شجاع، فداکار اور

---

(۱)۔ "فانظروا کیف تخلفونی فیھما"۔

مخلص تھے اور کسی حرص یا نفسانی خواہشات کے بغیر راہ خدا میں جان کی بازی لگا دیتے تھے۔

اس گروہ کے درمیان فوج کے کمانڈر، زبردست خطباء، فقہا، قاریان قرآن اور اسلام کی بنیاد رکھنے والوں میں سے باقی ماندہ برگزیدہ افراد کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے یقیناً یہ ایسے لوگ تھے جن پر امیر المومنین علیہ السلام جنگ اور صلح میں اعتماد رکھتے تھے اور خطرناک حوادث اور واقعات کے مقابل ہاشمی حکومت کے بنیادی ستون ان ہی کے کاندھوں پر قائم تھے یہ وہ مسلمان تھے۔ جنہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی عترت کے متعلق جو عہد و پیمان باندھا تھا اس عہد پر باقی اور وفادار تھے اور وہ عہد یہ تھا کہ وہ آپؐ ہی کے مثل آپ کی عترت و ذریت کی بھی حمایت اور ان کا دفاع کریں گے۔ تو پھر کیوں حسن ابن علی علیہ السلام ان سے اپنے پدر بزرگوار کے سلسلہ میں یا اپنے مستقبل کیلئے امید کی خوشبو محسوس نہ کریں؟

یہ ایسے سچے مومن تھے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت اور ذوی القربیٰ کے سلسلہ میں پروردگار عالم کے فرمان پر ایمان رکھتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی اور جو خداوند عالم نے انہیں مخصوص مقام و منزلت سے نوازا اور اسی کیلئے انہیں بنایا تھا اس کو دل و جان سے مانتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کو کما حقہ درک کئے ہوئے تھے۔ کیا علی علیہ السلام وہی شجاع و بہادر نہیں ہیں مسلمانوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد راہ اسلام میں اخلاص فداکاری و ہمدلی اور قلبی لگاؤ نیز ملت مسلمہ کے مصالح عامہ سے متعلق اس کی خیر خواہی، عدالت میں پائیداری اور وسیع علم کے لحاظ سے جن کا ہم پلہ کسی کو نہیں پایا تھا۔

دوسروں کے انکار کرنے سے علی علیہ السلام کی عظمت و مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ ایسے افراد تھے کہ جن کی روح خواہشات اور حرص و طمع سے پر تھی اور حضرت علی علیہ السلام کی حکومت میں حرص و طمع اور خواہشات نفس کی اتباع کرنے والوں کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس طرح کے افراد کو دنیا میں حضرت علی علیہ السلام کی دنیا سے دور اور حضرت علی علیہ السلام کے معیار سے الگ دوسرے معیار کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہئے اور ایسے لوگوں کو ایسے لشکر میں ہونا چاہے جس کا اصل مقصد مال و دولت کی لوٹ کھسوٹ اور منصب و حکومت کی خرید و فروخت ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے پاس تو ان کے وہی منتخب اور آزمائش شدہ خالص اور سچے مسلمانوں کو رہنا چاہئے جیسے: عمار بن یاسر، خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن بدیل اور ان کے بھائی عبدالرحمن، مالک بن الحارث اشتر، خباب بن الارت، محمد بن ابی بکر، ابو الہیثم

بن التیھان، ھاشم بن عتبہ بن ابی وقاص (مرقال)، سھل بن حنیف، ثابت بن قیس انصاری، عقبہ بن عمرو، سعد بن الحارث، ابو فضالہ انصاری، کعب بن عمرو انصاری، قرضہ بن کعب انصاری، عوف بن الحارث بن عوف، کلاب بن الاسکر الکنانی، ابو لیلی بن بلیل....

انہیں کے مانند بہت سے دوسرے افراد بھی تھے جو میدان جنگ کے کمانڈر اور محراب عبادت کے شب زندہ دار تھے، ظلم کی برائی کرتے تھے اور بدعتوں کو بڑا برا سمجھتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے اور راہ خدا میں شہید ہونے کیلئے ایک دوسرے پر اس طرح سبقت کرتے تھے جس طرح دوسرے لوگ مادی مقاصد کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں۔

یہاں پر یہ مطلب بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ یہ تمام منتخب افراد حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ میدان جنگ میں شہید ہو گئے۔ صرف جنگ صفین میں بدریوں کے ترسٹھ افراد نے جام شہادت نوش کیا اور تین سال لگاتار جنگوں کی خسارت اس تعداد کی کئی گنا زیادہ تھی۔

اس صورت میں حضرت امام حسن بن علی علیہ السلام کے دل میں ان مخلص اصحاب کے وجود سے جو امید کی کرن تھی وہ کسی حد تک باقی تھی؟ اور ان وفادار اصحاب وانصار کے فقدان کے بعد آپ کیلئے اس پوشیدہ رنج وغم کے علاوہ کون سا احساس باقی رہ سکتا ہے؟ جو زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ کئی گنا زیادہ بڑھ گیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کا لشکر اپنے اہم مراکز کے تتر بتر ہو جانے اور بہترین افراد سے خالی ہو جانے کے بعد بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا اور خود آپ (کی پوری زندگی (جیسا کہ آپ نے اپنے بعض مددگار شہیدوں کے غم اندوہ اور بے جان جسموں کے پاس فرمایا) اب پوری زندگی رنج والم، وحزن وملال سے دوچار ہو گئی۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی قدرت وحکومت کے طویل وعریض حدود اور وسیع آفاق میں جتنی بھی نظر دوڑائی اس دائرہ حدود میں جو افراد زندگی بسر کرتے تھے ان کے درمیان کوئی ایسا نہ ملا جو ان شہداء کی فعال و پرنشاط روح یا ان کی پسندیدہ خصلتوں کا مالک ہو۔ بہت کم افراد جو ان سے مشابہ تھے ان کی تعداد بھی اتنی زیادہ نہ تھی جن سے میدان جنگ یا صلح میں کوئی امید لگائی جا سکے۔

بیشک اگر حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں میں آپ کا قوی اور موثر بیان، مخاطبین کی نظر میں آپ کی شان

ومنزلت نہ ہوتی تو آپ ہرگز ان منتخب اور باوفا اصحاب وانصار کے فقدان کے بعد نہ کوئی فوج اکٹھی کر سکتے تھے اور نہ قابل اطمینان رکن حاصل کر سکتے تھے

حالات ایسے پیش آئے کہ ایک طرف حضرت علی ؑ سے بعض افراد نے رابطہ قطع کر لیا اور دوسری طرف دوسرے بعض افراد نے آپ سے مسلحانہ جنگ کی اور آخر کار ایک طرف آپ کو اپنے پیروکاروں کی سستی، کمینگی اور ان کے ظلم وستم سے دوچار ہونا پڑا جو نہ سکون وآرام کے وقت آپ کے دوست اور ساتھی تھے اور نہ ہی مصیبت کے وقت آزاد مرد تھے (نہ خوشی کے وقت تھے نہ غم کے)

یقیناً وہ زندگی کتنی مشکل ہے کہ جس میں نہ امید کی کوئی کرن ہو، نہ کسی کامیابی کی آس ہو اور خداوند عالم کے تمام نیک وشائستہ بندے (اس ناچیز دنیا کو ابدی آخرت کے بدلہ میں فروخت کرنے والے) رخت سفر باندھ کر رخصت ہو گئے ہوں۔

اسی وجہ سے لوگوں نے سنا کہ آپ ؑ فرماتے تھے:

''خدایا اس (ابن ملجم) مرادی کی شقاوت کو بہت جلد بھیج''

یا فرماتے تھے: ''سب سے شقی شخص میری ڈاڑھی کو میرے سر کے خون سے رنگین کیوں نہیں کرتا؟''

یا لوگوں سے خطاب فرماتے تھے: خدا کی قسم میں اس چیز کو پسند کرتا ہوں کہ خداوند عالم مجھ کو تمہارے درمیان سے اٹھالے اور اپنی رحمت کی طرف بلائے''

درود ہو آپ پر جس دن آپ نے ولادت پائی، جس دن آپ سب سے پہلے اسلام لائے، جس دن آپ نے اپنی تلوار سے اسلام پھیلایا، جس دن آپ نے امتحانات الٰہی دیئے، جس دن آپ شہید ہوئے اور جس دن زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام شہید ہو گئے اور آپ نے وہ ناگوار حالات اپنے جانشین کیلئے چھوڑے جو ان تین خصلتوں سے مشخص ہوتے تھے: یار وانصار کا نہ ہونا مسلحانہ دشمنی سے دوچار ہونا، موثر افراد کا ساتھ نہ دینا۔

● دوسری فصل :

بیعت

اگر اسلامی نقطہ نگاہ سے دین وہی چیز ہے جس کو رسول اسلام ﷺ پہنچاتے ہیں۔ چونکہ فقط وہی ذات ہے جو نفسانی خواہشات سے کچھ نہیں کہتی بلکہ آپ وہی فرماتے ہیں جو وحی الٰہی ہوتی ہے۔

اگر اسلامی نظام میں خلیفہ وہ شخص ہے جس کو خلافت کیلئے پیغمبر اکرم ﷺ اس کے حکم سے منصوب کرتے ہیں جو اثبات ونفی میں سب سے بلند و بالا مرجع ہے...

پس حسن بن علی علیہما السلام بے چون و چرا شرعی خلیفہ ہیں چاہے لوگ ان کی بیعت کریں یا بیعت نہ کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے آپ کا آپ کے نام ونشان کے ساتھ اپنے بارہ خلفاء کی ردیف میں تعارف فرمایا ہے۔ اور پیغمبر اکرم ﷺ کے اس فرمان کو علمائے اہل سنت نے بہت سی احادیث میں بیان بھی کیا ہے۔(۱) اور علمائے شیعہ کا اس روایت پر اجماع ہے۔ اور دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حسنین سے فرمایا: تم دونوں امام اور پیشوا ہو اور تمہاری والدہ کو حق شفاعت حاصل ہے"(۲)

اسی طرح آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ امام بن امام، برادر امام ہے اور نو امام اس کی صلب سے ہوں گے۔(۳)

آپ کے والد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام جب بیمار ہو گئے (ضربت کے سبب)

---

(۱)۔ یہ حدیثیں تفصیل کے ساتھی ینابیع المودۃ ج ۲، ص ۴۴۰ پر حموینی کی کتاب فرائد السمطین سے نقل کی گئی ہیں اور مسند نامی کتاب میں موفق بن احمد خوارزمی سے دریافتگی جاسکتی ہیں۔ نیز ابن خشاب اپنی تاریخ میں اور ابن الصباغ فصول المهمه میں اور حافظ کنجی البیان میں اور اسعد بن ابراہیم بن الحسن بن علی حنبلی اربعین نامی کتاب میں اور حافظ بخاری (خواجہ پارسا) نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں اس کی روایت کی ہے۔

(۲)۔ الاتحاف، بحب الاشراف، تالیف شبراوی شافعی، ص ۱۲۹ طبع مصر، اور نزهة المجالس، تالیف صفوری شافعی، ج ۲، ص ۱۸۴۔

(۳)۔ المنهاج، ابن تیمیه، ج ۴، ص ۲۱۰۔

تو آپ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز با جماعت پڑھائیں۔(۱)

اور آخری وقت امام حسن علیہ السلام کو اس طرح اپنا وصی قرار دیا: ''میرے بیٹے! میرے بعد تم میرے جانشین، ولی امر اور میرے خون کے ولی ہو'' اور حضرت امام حسین علیہ السلام محمد حنفیہ اور اپنی دوسری اولاد، شیعوں کے رؤسا اور اپنے خاندان کے بزرگ افراد کو اس وصیت پر گواہ اور شاہد قرار دیا، اپنی کتاب اور اپنے اسلحے آپ کے سپرد کئے اور اسکے بعد فرمایا:

''میرے بیٹے! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو یہ حکم دیا تھا کہ میں تم کو اپنا وصی و جانشین بناؤں، اپنی کتاب اور اسلحہ کو تیرے حوالہ کروں، جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اپنا وصی و جانشین قرار دیا اور اپنی کتاب اور اسلحہ میرے حوالہ کیا تھا، مجھے اس بات پر مامور کیا کہ میں تم کو یہ حکم دوں کہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں ان چیزوں کو اپنے بھائی حسینؑ کے سپرد کر دینا۔

اس کے بعد امام حسینؑ کی طرف رخ کر کے فرمایا: اور تمہیں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم ان چیزوں کو اپنے اس بیٹے (علی بن الحسینؑ) کے سپرد کر دینا''۔ اسکے بعد علی بن الحسینؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں بھی حکم دیا ہے کہ ان چیزوں کو اپنے بیٹے محمد بن علی کے سپرد کر دینا۔ اس کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور میرا اسلام کہنا''۔(۲)

حدیث کی وہ تمام کتابیں جن میں مذکورہ موضوع کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں اسی طرح تذکرہ ہوا ہے اور اس سے مربوط روایات کو صحیح اسناد اور قابل اطمینان طریقوں سے خبر کے اصلی منابع و مراجع (یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کے علاوہ دوسرے افراد) سے متصل کیا گیا ہے۔ یہ صورت اس حالت کے بھی مطابق ہے کہ جس کی امید اس وقت کے حالات سے کی جاسکتی ہے، بے شک اسکے علاوہ اور کونسی صورت شائستہ اور صحیح ہو سکتی ہے؟

---

(۱)۔ مسعودی تاریخ ابن الیر کا ایک حاشیہ، ج ۶، ص ۶۱۔

(۲)۔ اصول کافی، ص ۱۵۱ اور کشف الغمہ، ص ۱۵۹۔ "یابنیّ امرنی رسول الله ان اوصی الیک، و ان ادفع الیک کتبی وسلاحی، کما اوصی الیّ رسول الله ودفع الیّ کتبه وسلاحه. وامرنی آمرک اذا حضرک الموت ان تدفعها الی اخیک الحسین". ثم اقبل علی الحسین فقال: "وامرک رسول الله ان تدفعها الی ابنک هذا". ثم اخذ بید علی بن الحسین وقال: "وامرک رسول الله ان تدفعها الی ابنک محمد. فاقره من رسول الله ومنی السلام".

امامت کے اثبات کیلئے شیعہ امامیہ کی روش

۱):۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نصوص اور صریح اقوال جو شیعہ حضرات کے طریقہ سے متواتر ہیں نیز غیر شیعہ طریقوں سے واضح متن اور آشکار دلالت کے ساتھ نقل ہونے والی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امامت بارہ افراد میں منحصر ہے سب کے سب قریش سے ہوں گے۔(۱)

اسی ضمن میں یا کسی دوسری مناسبت سے وہ نصوص وروایات ان میں سے ایک ایک امام کا نام ان کے اس آخری امام تک کا ذکر موجود ہے جو مہدی منتظر ہوں گے اور خداوند عالم ان کے ذریعہ ظلم وجور سے بھری دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔

۲):۔ ہر امام کے نصوص اور صریح اقوال اپنے بعد والے واجب الاطاعۃ امام کی تعیین کرتے ہیں۔

۳):۔ ان کے علاوہ تمام ائمہ کی علمی، عملی، اخلاقی اور کرامتی برتری بھی دوسری عقلی اور وجدانی دلیلیں ہیں جو پہلی دو قسموں کی دلیلوں کی تائید کرتی ہیں۔

ان دلیلوں کے درمیان لوگوں کا بیعت کرنا امام کی امامت کی شرط نہیں ہے۔ لوگوں کو اسی شخص کی بیعت کرنا چاہئے جس پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نصوص اور اقوال صادق ہو رہے ہوں۔ اسکے علاوہ امامیہ کسی دوسرے شخص کی بیعت کرنا صحیح نہیں سمجھتے ہیں اور جو شخص ان خصوصیات کا حامل نہ ہو اسکی (اضطرار اور مجبوری کے علاوہ) کبھی بیعت نہیں کرتے ہیں۔

زمانہ کے حالات اور ان کے عوامل واسباب کے زیر اثر لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعی خلفاء جن پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نصوص صادق آرہے تھے ان میں سے صرف دو کی بیعت کی ہے اور وہ دو امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام

---

(۱)۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۹، اس باب میں جس میں "لوگ قریش کے پیروکار ہوں گے" جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: "دین قیامت تک باقی رہے گا اور قریش کے بارہ خلیفہ لوگوں پر حکومت کریں گے۔" اسی کے مانند بخاری نے چوتھی جلد کے ص ۱۶۴ پر اور ابوداؤد اور ترمذی نے الجامع اور حمیدی نے الجمع بین الصحیحین میں اور دیگر افراد نے روایت کی ہے یہ حدیث عدد ۱۲ کی تعداد میں منحصر کرنے یا مسلم کی روایت میں جو اضافہ مذکور ہے (یعنی یہ کہ پیغمبر کے خلفاء کی یہ تعداد قیامت تک ہے) واضح طور پر شیعہ امامیہ کے مدعیٰ اور اپنے ائمہ کے بارے میں ان کے عقائد کی تائید کرتی ہیں۔ اور یہ تاریخی واقعیت (کے ساتھ مختلف خاندان اور قبیلے کے بہت سارے گروہ نے خلیفہ کے نام پر حکومت کی ہے) سازگار نہیں ہے۔

اوران کے فرزندار جمند امام حسن علیہ السلام ہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعد خلافت کے نام سے ایک تاریک دور کا آغاز ہوا جسکی خصوصیات کچھ یوں ہیں: اپنا نفوذ وسیع کرنے کیلئے اسلحہ سے کام لینے کو اور لوگوں سے بیعت لینے کیلئے ان کے ضمیروں کی مال کے ذریعہ خریداری کو ہی تنہا ایک راستہ سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ غزالی نے کہا ہے: خلافت ایسے افراد کو مل گئی جو کسی طرح بھی خلافت کے لائق نہیں تھے۔(۱)

مسلمانوں بالخصوص اسلامی مؤرخین کیلئے بہتر تھا کہ خلافت اسلامی کے دور کو حسن بن علی علیہما السلام کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ختم سمجھتے اور اس کے بعد والے دور کو اس کے تمام سیاسی اور معاشرتی علامات کے ذریعہ دور سلطنت سمجھتے اگر ایسا کرتے تو اسلام کی حقیقی اور مثالی تصویر کو اس طرح محفوظ رکھتے جو کہ سیرۃ نبوی اور آنحضرتؐ کے سچے خلفاء میں واضح طور سے نمایاں تھی اور اس دین کو ان عیوب ونقائص اور الزامات سے دور رکھتے جو ان خود ساختہ خلافت کے دعویداروں نے اپنے کرتوتوں سے اسلام کے سر پر منڈھ دیئے ہیں۔ اگر ایسا کرتے تو پھر تاریخ ان خود سر ظالموں کو خلیفہ (یعنی رسولؐ کے جانشین) کے نام سے نہ پکارتی اور نادانستہ طور پر ایسا ظلم اس دین پر نہ ہونے دیتی۔

یقیناً کیا یہ صحیح ہے کہ خلیفہ (یعنی جس شخص کو تقویٰ، علم اور اسلامی اصول کی پابندی میں تمام انسانوں سے زیادہ رسول اسلام سے مشابہ ہونا ضروری ہے) نماز جمعہ بدھ کے دن پڑھادے یا نماز جمعہ ظہر سے پہلے بجالائے؟ یا کسی محرم کو طلب کرنے کیلئے اصرار کرے؟ یا اپنے سونے کو (دوسرے کے) زیادہ سونے کے عوض بیچے؟ یا زنا کو نسب سے ملحق کرے؟ یا مومنین کو قید میں ڈال دینے کے بعد انہیں قتل کر دے؟ یا کافر کی مالی امداد کرے اور اس کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارے؟ یا ان کے مانند اور ان سے برتر دوسرے برے افعال (جو تمام کے تمام لوازم سلطنت ہیں اور ان کا دین سے منسوب کرنا جائز نہیں ہے) انجام دینا صحیح ہے؟ تو ہم اس طرح کے شخص کو دینی خلیفہ وپیشوا کا نام دینے کے بجائے ان کو دنیوی بادشاہ وحکمران کیوں نہ کہیں؟ معاویہ کے جانشین اور اس شجرہ ملعونہ کے پھل جس لائق تھے قرآن نے ان کو اسی طرح بیان فرمایا ہے کہ ان کے کرتوت ہمارے مطلب کیلئے کافی دلیل ہیں۔ معاویہ کے بیٹے یزید نے کیا کیا، عبدالملک، ولید اور اس شجرۂ ملعونہ کے دوسرے افراد نے کیا کیا؟

---

(۱)۔ ملاحظہ کیجئے دائرۃ المعارف، مؤلف فرید وجدی، لفظ "حسن" جلد ۳، صفحہ ۲۳۱۔

ضروری ہے کہ یہ حقائق تمام مسلمانوں کو اس بات کی طرف ابھاریں کہ اسلام کے ساتھ منصفانہ رفتار اختیار کریں یعنی اس دین کے منصب اور مرتبہ کو اس شائستہ اور تربیت یافتہ افراد کو کیوں نہ دیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا اور ہر کس وناکس کو رسول خداؐ کا خلیفہ نہ کہیں۔

اس سے قبل مذکورہ مطالب سے معلوم ہوا ہے کہ حسن بن علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکل وصورت، جسم، اخلاق، اور شرف وسیادت (۱) میں سب سے زیادہ مشابہ تھے، آپ کی ذات میں انبیاءؑ کی شباہت اور بادشاہوں کا حسن تھا، آپ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس دنیا کے سرور وسردار بے چون وچرا اس دنیا (آخرت) کے بھی سید وسردار ہیں۔ ''سید'' (یعنی آقا وسرور) کا لقب آپؑ کو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا ہے جو آپ کا ذاتی لقب ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ نسب کے اعتبار سے تمام لوگوں سے اشرف اور ماں باپ، چچا پھوپھی، ماموں خالہ اور دادا، دادی کے اعتبار سے سب سے برتر اور بہتر تھے۔ جیسا کہ مالک بن عجلان نے معاویہ کی نشست میں آپ کی توصیف کی ہے۔ (۲)

اس صورت میں جبکہ آپ قطعی اور واضح دلیل کے ذریعہ امام اور پیشوا ہیں تو کیوں تمام لوگ آپ کی بیعت نہ کریں؟ اور اس مرتبہ ومنصب اور برگزیدہ خصائل کا حامل ہونے کے باوجود آپ دین کے سب سے بلند

---

(۱)۔ ارشاد مفید، صفحہ ۱۶۷۔ یعقوبی جلد ۲، صفحہ ۲۰۱ اور ان کے علاوہ دوسری کتابیں۔

(۲)۔ ایک دن معاویہ نے بزرگان قریش اور دوسرے افراد کی موجودگی میں کہا: ''مجھ کو ماں باپ، چچا پھوپھی، ماموں خالہ، اور دادا، دادی کے اعتبار سے سب سے برتر شخص کا تعارف کراؤ'' مالک بن عجلان نے کھڑے ہو کر حضرت امام حسن علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: جس شخص کی تمہیں تلاش ہے یہ ہیں: ان کے والد بزرگوار علی بن ابی طالبؑ ہیں ان کی والدہ فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ان کے چچا جعفر طیار ہیں، ان کی پھوپھی ''ام ھانی'' دختر ابوطالب ہیں، ان کے ماموں ''قاسم'' ابن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ان کی خالہ ''زینب بنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کے جد پیغمبر خدا اور ان کی جدہ خدیجہ بنت ''خویلد'' ہیں تمام حاضرین خاموش ہو گئے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کھڑے ہو گئے۔ ''عمرو بن عاص'' نے مالک کی طرف رخ کر کے کہا: بنی ہاشم سے دوستی نے تم کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیا ہے؟ ''مالک'' نے جواب دیا: ''میں نے حق کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا اور جو شخص بھی مخلوق کی خوشنودی خالق کی ناراضگی کے ذریعہ چاہتا ہے وہ دنیا میں اپنی آرزو کو نہیں پہنچتا اور آخرت میں وہ بدبختی کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔ بنی ہاشم اصل ونسل کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاک وپاکیزہ گوہر اور سب سے زیادہ بخشنے والے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہے اے معاویہ؟'' معاویہ نے جواب دیا: ''ہاں، ایسا ہی ہے''۔ (بیہقی، جلد ۱، صفحہ ۶۲)۔

منصب پر فائز کیوں نہ ہوں؟ اگر امت کی امامت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کی لیاقت ان علامات کے ذریعہ نہ پہچانی جائے تو پھر اس کی کس طرح معرفت حاصل کی جائے گی؟

آپ مسلمانوں کے مجمع میں تشریف لائے اور اپنے پدر بزرگوار کے منبر پر تشریف لے گئے، اس بات کو مدنظر رکھے بغیر کہ لوگ آئندہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے، فقط اس مقصد سے کہ لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کی جانکاہ شہادت کی خبر دیں آپ نے اپنے خطبہ کا اس طرح آغاز فرمایا: "لقد قبض فی هذه الليلة رجل لم يسبقه الاولون ، ولا يدركه الآخرون. لقد كان يجاهد مع رسول الله فيقيه بنفسه. ولقد كان يوجهه برايته، فيكتنفه جبرئيل عن يمينه، وميكائيل عن يساره، فلا يرجع حتى يفتح الله عليه. ولقد تُوفي في الليلة التي قبض فيها موسى بن عمران. ورفع بها عيسى بن مريم، وانزل القرآن. وما خلّف صفراء ولا بيضاء. الا سبعمائة درهم من اعطائه، أراد أن يبتاع بها خادماً لاهله". (۱)

"آج شب اس شخصیت نے انتقال کیا جس پر نہ اولین میں کوئی سبقت لے سکا ہے اور نہ آخرین میں کوئی اس کے مرتبہ تک پہنچ سکے گا۔ آپ (حضرت علیؑ) ایسے شخص تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے اور رسول پر آنے والی ہر مصیبت میں اپنی جان کو سپر بنا دیتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم آپ کے حوالہ کر کے میدان میں بھیجتے تھے، اس وقت آپ کے دائیں طرف جبرئیل اور بائیں طرف میکائیل آ کر آپ کی حفاظت کرتے تھے اور اس وقت تک واپس نہیں پلٹتے تھے جب تک خدا آپ کو فتح نہ دے دے... آپ کا انتقال اس رات میں ہوا جس رات میں جناب موسیٰؑ نے انتقال کیا تھا، جس شب حضرت عیسیٰؑ نے آسمانوں کیلئے رخت سفر باندھا تھا اور جس رات میں قرآن نازل ہوا تھا۔ حالت احتضار کے وقت آپ کے پاس مال دنیا کے بیت المال سے اپنے حصہ کے صرف سات سو درہم تھے جن سے آپ اپنے اہل وعیال کیلئے ایک خدمت گزار مہیا فرمانا چاہتے تھے"۔

آپؑ کا یہ خطبہ اسلوب خطابت کے لحاظ سے بے نظیر ہے اس لئے کہ بزرگوں اور علمی واخلاقی شخصیتوں کے انتقال کے بعد عام طور سے ان کے عمدہ اور مشہور ومعروف صفات جیسے علم، حلم، فصاحت، شجاعت،

---

(۱)۔ الیعقوبی، ج ۲، ص ۱۹۰، ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۶ و مقاتل الطالبیین.

حسب ونسب، فضل، نجابت، وفاء اور استقامت وغیرہ کے سلسلہ میں باتیں کی جاتی ہیں اور ان کے شخصی مشہور و معروف فضائل کو یاد کیا جاتا ہے لیکن اس خطبہ میں اس عظیم الشان شہید کے مشہور صفات وفضائل کو بیان نہیں کیا ہے بلکہ حضرت حسن بن علیؑ نے اپنے والد بزرگوار کے تذکرہ میں اس رائج روش سے استفادہ نہیں کیا ہے بلکہ ایک دوسرے، انوکھے طرز واسلوب اور زبان سے یاد فرمایا ہے۔ کیوں ایسا ہوا؟ کیا حسن بن علیؑ پر اس مصیبت کے پہاڑ ٹوٹنے نے اس بے مثال خطیب اور عرب کے سب سے بڑے نامور خطیب کے فرزند کو گفتگو کرنے سے روک دیا اور اس عام اسلوب کے ساتھ گفتگو کرنے کے دروازہ کو آپؑ کیلئے مسدود کر دیا؟ یا آپ نے جان بوجھ کر گفتگو کے اس نئے طریقہ کا انتخاب فرمایا اور اس مخصوص روش کے انتخاب کے ذریعہ دوسروں پر اپنے تقدم، برتری اور فن خطابت، بلاغت، مناسبت کی رعایت، انتخاب اور متانت میں اپنی مہارت کو ثابت اور مسلم کر دیا ہے؟

جی ہاں، آپ کے مدنظر یہ مطلب تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کی گفتگو کی جائے کہ تاریخ میں کوئی شخص بھی اس طرح کی کسی دوسرے شخص کے بارے میں گفتگو نہ کر سکے۔ اگر آپ کسی دوسرے طرز سے گفتگو کرتے تو اس بات کا امکان تھا کہ دوسرے بزرگوں کی یاد کو تازہ کرنے کیلئے ان کے سلسلہ میں بھی اسی طرز سے گفتگو کی جائے۔ اس مختصر سے خطبہ میں آپؑ نے حضرت علی علیہ السلام کی جن خصلتوں کا تذکرہ فرمایا تاریخ میں علیؑ کے علاوہ کسی اور میں یہ خصلتیں نہیں پائی جاتیں اور دنیا کے بزرگوں اور مقدس افراد میں سے کوئی ایک بھی آپؑ کا ہم پلہ نہیں ہے۔

آپؑ ربانی نظر سے حضرت علیؑ کو دیکھ رہے ہیں، جس طرح ایک امام دوسرے امام کو دیکھتا ہے۔ اس نظر کے اعتبار سے حضرت علی علیہ السلام ایسے شہید ہیں کہ مردہ اور زندہ افراد میں سے کوئی ایک شخص بھی آپؑ کے مانند اور مثل نہیں ہے اور کوئی بھی ولی، یا حاکم یا پیشوا (کسی بھی مرحلہ ومرتبہ میں) آپ کے ہم پلہ نہیں ہے۔

ایک مرد... لیکن گذشتہ اور آئندہ آنے والے تمام افراد سے برتر، ایک انسان... لیکن جبرئیل اور میکائیل کے مابین، یعنی وہ انسان جس میں فرشتوں کی خو پائی جاتی ہے یعنی ایک ملکوتی انسان، جس دن حضرت عیسیٰ نے آسمانوں کیلئے رخت سفر باندھا تھا اسی دن اس کی پاک روح بھی خدا کی طرف پرواز کرتی ہے، جس دن حضرت موسیٰ وفات پاتے ہیں اسی دن وہ بھی شہید ہوتا ہے، جس شب زمین پر قرآن نازل کیا گیا اسی شب وہ بھی قبر میں نازل (دفن) ہوتا ہے۔! ہر جگہ مقرب فرشتہ کے ساتھ یا پیغمبر مرسل کی مانند یا نازل شدہ کتاب کی مثل یا

رسول خاتم کے ہمراہ اور ان کی سپر رہے۔

اب کیا ان تمام مکارم وفضائل کے ساتھ ان دنیاوی فضائل کو وہ بلندی اور حیثیت حاصل ہے کہ ان کا تذکرہ کیا جائے؟

شاید آپ بھی اس وقت اس نظریہ میں میرے ساتھ ہوں کہ حضرت حسن بن علی علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کی یاد تازہ کرنے کیلئے اسی جاذب، دلکش، بے نظیر اسلوب کا انتخاب کیا جو اپنی خاص موقعیت میں سب سے بلیغ اور سب سے شائستہ اسلوب تھا۔

یہ ان مواقع میں سے ایک موقع تھا کہ حضرت حسن بن علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں خداداد صلاحیت کے ذریعہ اپنے جد امجد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام سے اپنی نسبی قرابت کو ثابت کیا۔ اس دن کے بعد سے حضرت حسن بن علی علیہما السلام سے مسلمانوں کے خلیفہ کے عنوان سے، عام بیعت کو قبول کرنے، اور حوادث و واقعات کے واقع ہونے کے سبب کہ جہاں پر بھی خطبہ دینے کی ضرورت ہوتی تھی، اس طرح کے متعدد خطبوں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے چچازاد بھائی "عبید اللہ بن عباس" لوگوں سے چھلکتی جامع مسجد میں منبر کے پاس کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے آپ نے اس گریہ وزاری کے طوفان کے تھمنے کا انتظار کیا جو اس خطبہ کے بعد مسجد میں موجودہ افراد پر چھا گیا تھا۔ اس کے بعد اپنی کڑک دار موروثی صدا میں آسمانی فرشتہ کی طرح یوں آواز دی:

"ہاں اے لوگو! یہ فرزند پیغمبر، تمہارے امام کے وصی و جانشین اور تمہارے امام ہیں لہٰذا ان کی بیعت کرو، خداوند عالم ان کے ذریعہ ان لوگوں کو صحیح راستوں کی طرف راہنمائی کرے گا جو اس کی رضا کے تابع ہیں اور اپنے اذن سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے گا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرے گا"۔

اس موقع پر ابھی اس مجمع میں بہت سے ایسے افراد موجود تھے جنہوں نے واضح طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ نصوص وفرامین سن رکھے تھے جن میں آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے بعد آپ (امام حسنؑ) کی امامت کا تذکرہ کیا تھا۔ لہٰذا ابن عباس کی اس مختصر گفتگو کے بعد لوگوں نے کہا:

"وہ کتنے محبوب ہیں، ان کا ہم پر کتنا حق ہے اور وہ خلافت کے لائق اور سزاوار ہیں!"

اور بڑے شوق ورغبت کے ساتھ بیعت کیلئے ان کی طرف دوڑ پڑے۔

یہ آپؑ کے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کا دن یعنی ۲۱ رمضان ۴۰ھ کا دن تھا۔(۱)

اس طرح کوفہ اسلامی اعتماد اور اطمینان حاصل کرنے میں اس حد تک کامیاب ہو گیا کہ جتنا خدا کے نزدیک اور اجتماعی عدالت کیلئے ضروری ہے۔ بصرہ، مدائن اور پورا عراق حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کرنے کیلئے کوفہ والوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو گیا، حجاز اور یمن والوں نے بھی عظیم قائد "جاریہ بن قدامہ" کی بیعت کی، فارس والوں نے بھی اپنے عامل (گورنر) زیاد بن عبید کے ذریعہ بیعت کی، اس کے علاوہ اس دنیا میں موجود مہاجرین وانصار کے بڑے بڑے بزرگوں نے بھی بیعت تسلیم کی۔ حاضرین میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی بیعت کرنے میں کوئی تامل اور تردید نہیں کی اور نہ کسی غائب نے آپ کی بیعت سے انکار کیا۔ جہاں تک ہماری اطلاع ہے معاویہ اور اس کا اتباع کرنے والوں کے علاوہ کسی نے بیعت کا انکار نہیں کیا۔

فقط معاویہ ایسا شخص تھا جس نے اپنے افراد کو مومنوں کے راستہ کے علاوہ ایک دوسرے راستہ کی طرف راہنمائی کی اور حضرت امام حسن کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کیا جو آپ کے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اختیار کیا تھا اور اس کے علاوہ کچھ اور معدود چند لوگوں نے بھی حضرت حسن بن علی کی بیعت کرنے سے انکار کیا جو اس کے بعد قعاد (بیٹھنے والوں) کے نام سے مشہور ہوئے۔

شرعی خلافت، عام اور اجتماعی طور پر اختیاری بیعت کے ذریعہ محقق ہو گئی اور تاریخ آل محمد میں لوگوں نے دوسری مرتبہ اپنی رضا واختیار سے ایک خلیفہ کی بیعت کی اور جس طرح نصف صدی پہلے لوگوں کیلئے خورشید نبوت چمکا تھا اسی طرح ماہ امامت بھی پرتو افگن ہوا۔ درحقیقت یہ خلافت رسول خدا سے اتصال رکھنے کے سبب اسی آفتاب نبوت کی شعاع کا امتداد تھی جو اس پُرفیض مشعل سے لوگوں پر نور افشانی کر رہی تھی اور جدید خلیفہ ان تمام موروثی؛ مادی اور معنوی عناصر کا مالک تھا جو اس کی جسمانی اور روحانی شکل بنانے میں مؤثر ہو سکتے ہیں اور وہ اس شعر کا بہترین مصداق تھا:

---

(۱)۔ ملاحظہ کیجئے شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۴، صفحہ ۱۱۔ بعض مدارک میں عبید اللہ کے بجائے آپؑ کے بھائی عبد اللہ کا اسم ہے لیکن ہم چھٹی فصل (کمانڈر اور فوج) میں بیان کریں گے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کے ایام میں عبد اللہ کوفہ میں موجود نہیں تھے۔

نـــال الـــخـــلافة اذ كـــانـــت لـــه قـــدرا

اس نے خلافت حاصل کی اس لئے کہ وہ اس کے لائق تھا

كـــمـــا اتـــى ربـــه مـــوســـىٰ عـــلـــىٰ قـــدر

جس طرح کہ حضرت موسیٰ شائستگی کیساتھ بارگاہ خدا میں شرف یاب ہوئے،

بیعت کے اختتام کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی حکومت کا آغاز (اس تاریخ ساز اور فصیح و بلیغ خطبہ سے کیا جس میں خلافت کے سلسلہ میں) اہل بیتؑ کے امتیازی خصوصیات اور ان کے مسلّم حق بیان کئے اور لوگوں کو زمانہ کے تیرہ و تاریک ماحول اور خطرناک حوادث سے خبردار کیا۔

اپنی تقریر کے دوران اس طرح فرمایا:

"نحن حزب الله الغالبون، وعترة رسول الله الاقربون، وأهل بيته الطيبون الطاهرون، وأحد الثقلين الذين خلفهما رسول الله في امته، ثاني كتاب الله الذي فيه تفصيل كل شيء، لايأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه، فالمعوّل علينا في تفسيره، لا نتظنن تأويله بل نتيقن حقائقه، فأطيعونا، فان طاعتنا مفروضة، اذ كانت بطاعة الله ورسوله مقرونة، قال الله عزّوجلّ: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ ﴾ وقال: ولو ردّوه الى الرسول واولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم".

"ہم اللہ کے کامیاب و کامران گروہ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قریب ترین عترت اور ان کے پاک و پاکیزہ اہلبیت ہیں۔ امت کے درمیان رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوڑی ہوئی دو گرانقدر چیزوں میں سے ایک گرانقدر چیز ہم اور دوسری چیز قرآن ہے جس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے، جس میں کسی طرف سے بھی باطل نہیں آسکتا، لہذا قرآن کی تفسیر کیلئے ہم سے متمسک ہونا پڑے گا ہم اس کی تاویل کیلئے گمان پر عمل نہیں کرتے، بلکہ اس کے حقائق کیلئے یقین کا راستہ طے کرتے ہیں۔ ہماری اطاعت کرو کیونکہ ہماری اطاعت واجب ہے اور یہ اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت سے متصل ہوئی ہے (جیسا کہ) خداوند عالم کا فرمان ہے:

اے ایمان والو اللہ، رسول اور ان صاحبان امر کی اطاعت کرو، جو تمہیں میں سے ہیں، پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ونزاع ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو"۔(۱) اور یہ بھی اسی کا فرمان ہے:

"اگر وہ اس کو رسول اور صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے تو ان سے استفادہ کرنے والے اس (کی حقیقت) کا علم پیدا کر لیتے"(۲)۔

پھر اپنے خطبہ کو جاری رکھتے ہوئے آخر میں فرمایا:

ہرگز شیطان کی بلند آواز پر کان نہ دھرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ورنہ تم اس کے ان دوستوں کی طرح ہو جاؤ گے جن سے وہ کہتا تھا: آج تم پر کوئی شخص کامیاب وکامران نہیں ہو سکتا اور تمہارا پشت پناہ میں ہوں، پس جب دو گروہوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کی تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر کہا: میں تم سے بیزار ہوں، میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے ہو۔ عنقریب نیزوں، تلواروں کو لقمہ، عمودوں اور تیروں کو ہدف پاؤ گے، پھر اس دن ان لوگوں کا ایمان لانا، جو اس سے پہلے ایمان نہیں لائے ہیں (انہوں نے اپنے ایمان میں کوئی خیر وبھلائی کسب نہیں کی ہے، ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا"(۳)

اس کے بعد منبر سے نیچے تشریف لائے، شہروں کے عمال کو منظم کیا، امراء کیلئے احکام صادر فرمائے اور خود تمام امور کو تحت نظر رکھ کر خود رسیدگی کی۔(۴)

بعض نام نہاد نقادوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام پر فوقیت جتانے کے عنوان سے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے:

---

(۱)۔سورہ نساء آیۃ ۵۹.

(۲)۔سورہ نساء، آیۃ ۸۳.

(۳)۔"واحذركم الاصغاء لهتاف الشيطان فانه لكم عدوّمبين فتكونون كاوليائه الذين قال لهم: لاغالب لكم اليوم من الناس وانى جارٌ لكم فلما تراء ت الفئتان نكص على عقبيه وقال انى برىء منكم انى أرى ما لا تَرون. فستلقون للرماح ورداء، وللسيوف جز را، وللعُمد حطما، وللسهام غرضًا. ثم لاينفع نفسا ايمانها ، لم تكن آمنت من قبل أو كسبت فى ايمانها خيرا". اس خطبہ کی ہشام بن حسان نے روایت کرتے ہوئے کہا ہے: بیعت کے بعد آپ کے خطبہ کا ایک حصہ ہے، بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۹۹ اور اسی طرح مسعودی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے.

(۴)۔اس متن کو اکثر مورخین نے نقل کیا ہے.

بیعت کے ایام میں اس طرح کے حالات میں خلافت قبول کرنا (جو نقصان دہ اور دردناک واقعات کے واقع ہونے کی عکاسی کر رہے تھے) ایک طرح کی جلد بازی تھی۔

یہ خیال کس حد تک صحیح ہے؟ اس سلسلہ میں ہمارا کہنا ہے کہ:

۱)۔ جس طرح ایک منصوب و منصوص امام کی بیعت کرنا اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا لوگوں پر واجب ہے اسی طرح امام پر بھی اگر ناصر و مددگار ہوں اور حجت الٰہی تمام ہو تو اس بیعت کا قبول کرنا شرعی وظیفہ اور نا قابل انکار حقیقت ہے۔

ظاہر حال کی بناء پر حضرت امام حسنؑ کیلئے تمام اسلامی شہروں میں شوق و رغبت کے ساتھ بیعت کیلئے لوگوں کا ہجوم آپ کے ناصر و مددگار موجود ہونے کی دلیل ہے اور اس شرط کے محقق ہونے کے بعد شرعی وظیفہ سے روگردانی کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

۲)۔ امام حسنؑ کے واقعہ سے اس طرح کا نتیجہ اخذ کرنا اس واقعہ کو صرف دنیاوی نظر سے ملاحظہ کرنا ہے۔

حالانکہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ایک امام کے واقعہ کا زیادہ تر دینی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے اور امام کی نظر میں دین اور دنیا کے مابین بہت زیادہ فرق ہے۔ اس نظر کے اعتبار سے امام حسنؑ کے سارے واقعہ میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہے (جیسا کہ اس کے مناسب موقع پر بیان کیا جائے گا)۔

یہ واقعہ اگر چہ بہت زیادہ دردناک تھا لیکن اس درد کو راہ اسلام میں برداشت کیا جا سکتا تھا اور حضرت امام حسنؑ سے بڑھ کر کون اسلام سے نزدیک تھا اور کون آپ سے بہتر اس درد کو برداشت کر سکتا تھا کہ آپ خانہ زاد اسلام اور دین کے پروردہ تھے؟

۳)۔ اس کے علاوہ حضرت امام حسن بن علیؑ مسلمانوں کے رہبروں میں سب سے افضل، نسب کے اعتبار سے ممتاز ہونے اور علمی برتری رکھنے کے باوجود اگر خود چاہتے تب بھی اس اہم منصب سے کنارہ کشی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر آپؑ لوگوں کو چھوڑ بھی دیتے تو لوگ آپ سے جدا نہیں ہو سکتے تھے، اسلامی معاشرہ کی تحریکیں اور انقلابات ناچار آپؑ کو اپنی طرف دعوت دیتے تھے اور آپ سے رہبری اور تعاون چاہتے تھے تا کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل نیست و نابود ہو جائے، جس طرح آپؑ کے بھائی امام حسینؑ کے دور حکومت میں حالات پیش آئے۔

مزید یہ کہ بالفرض اگر آپ لوگوں کو خود انہیں کے حالات پر چھوڑ دیتے، ان کی بیعت قبول نہ کرتے اور بالفرض لوگ بھی آپؑ کو خلافت سے معاف کر دیتے تو بھی طاقتور اور حکمران افراد آپ کو چین اور سکون سے رہنے نہ دیتے اور خوفزدہ آنکھوں سے آپؑ کو دور سے نظر آنے والی ڈراؤنی تصویر کی مانند دیکھتے رہتے، اس لئے کہ فطری طور پر آپ کے ماحول میں جو چیز پائی جاتی تھی یا تو وہ اصلاح کی دعوت تھی یا مختلف گروہوں میں حکومت کے خلاف غم وغصہ کی لہر تھی خواہ یہ حق طلبی یا دینی وظیفہ کی خاطر تھی یا سیاسی رقابتوں اور اپنے خاص اغراض ومقاصد کے تحت تھی ہر صورت میں مخالفوں اور انقلابیوں کیلئے فرزند رسول اور مسلمانوں کے محبوب پیشوا کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ نہ تھی۔

مختلف گروہوں کی (معاویہ کی حکومت کے دوران) پیشکش جنہوں نے آپؑ کو اپنے تمام امکانات، اختیارات سونپ دیئے تھے اور وہ اموی حکومت کا مقابلہ کرنے اور غصب کی ہوئی خلافت (۱) کو واپس لینے کا اظہار کرتے رہتے تھے کیا یہ اس عام کینہ وغضب کی جھلک کے علاوہ کوئی اور بات تھی جو اس وقت کے اسلامی معاشرہ پر چھائی ہوئی تھی؟ اور کیا کوئی ایسا مرکز ہونے کے ساتھ کہ لوگ جس سے نہایت محبت رکھتے ہیں، مسند خلافت پر قابض افراد کو اقتدار اور حکومت ملنے کا امکان تھا؟

آپؑ کو زہر دغا سے شہید کر دینے والی بات کو ہم کبھی بھلا نہیں سکتے۔ اگر آپؑ کی ذات مبارک سے دشمنوں کو کوئی خوف نہیں تھا تو آپ کا وجود لوگوں کے دلوں میں دشمنوں کے نفوذ سے مانع نہیں تھا تو جب آپؑ نے ان سے صلح کر لی تھی اور تمام دنیا ان کیلئے چھوڑ دی تھی تو پھر آپؑ کو زہر دغا سے شہید کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ کیا خود یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ لوگ فکری اور عقیدتی لحاظ سے آپؑ کے مطیع اور فرمانبردار تھے اور آپ کے دشمنوں کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں تھی؟

پھر آپ کی طرف لوگوں کی یہ توجہ اور جھکاؤ صلح کے بعد تھا جس کی وجہ سے شیعہ اور غیر شیعہ گروہ آپؑ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔

اب اگر آپؑ ابتدا میں خلافت قبول نہ کرتے اور آپؑ کی بیعت کرنے کا جوش وولولہ لوگوں میں پہلے کی طرح شدت کے ساتھ باقی رہتا تو کیا آپؑ کی معنوی قوت میں اضافہ نہ ہوتا؟ کیا اس صورت میں یہ گمان کیا جا سکتا

---

(۱)۔ الامامة والسیاسة، ص ۱۵۱۔

ہے کہ اس حد تک لوگ جس سے امیدیں لگائے ہوئے ہوں اور جو حکومت کے دشمنوں اور مخالفوں کی پناہگاہ ہو، وہ دنیا پرستوں کی گھبرائی اور خوفزدہ آنکھوں سے دور رہ کر زندگی بسر کرسکتا ہے؟ اور اس کی پاک و پاکیزہ زندگی کا جلد سے جلد خاتمہ نہ ہو؟ جیسا کہ آپؑ پر (غالب گمان کی بنیاد پر) اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد پہلے ہی سال میں قاتلانہ حملہ کیا گیا۔

کیا پھر بھی یہ کہنا درست ہے کہ آپؑ نے خلافت اور بیعت قبول کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے؟

کیا اصل میں خلافت (امام علیؑ بن موسیٰ الرضاؑ کے بیان کے مطابق) آپؑ کے پدر بزرگوار کا منصب، نیز آپ کی اور آپ کے بھائی کی میراث نہیں تھی؟

لیکن اس اعتراض میں جن ناگوار واقعات کا تذکرہ ہوا ہے وہ سب کوفہ میں امام حسنؑ کے مخالفوں کی صرف مکاریوں اور فریب کاریوں کا نتیجہ تھا اور لوگوں کا یہ جوش و ولولہ (اگر آخر تک باقی رہتا) تو آپ کیلئے ضرر رساں نہیں تھا۔ اور کونسا خلیفہ اور رہبر ہے جو اس طرح کے دشمنوں اور عداوتوں سے بچا رہا ہو؟

لہذا ہر حال میں بیعت قبول کرنا ایک راجح کام ہے بلکہ زمانہ کی ضرورت، عام مصلحت اور احقاق حق کی بنا پر واجب ہے۔

● تیسری فصل :

کوفہ بیعت کے ایام میں

صعصعہ بن صوحان عبدی (۱) کوفہ کی اس طرح توصیف کرتے ہیں:

"...یہ اسلام کا مرکز اور پایگاہ ہے مرکز اہل کلام وسخن اور رہبروں اور علمبرداروں کی جگہ ہے لیکن اس میں کچھ بدخُلق اور خشک لوگ زندگی بسر کرتے ہیں جو صاحبان امر کی اطاعت سے نافرمانی سے پیش آتے تھے اور اتحاد کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہاں کے لوگ خوبصورت اور اہل قناعت ہیں"۔

مسلمانوں نے ۱۷ھ میں عراق کے فتح ہو جانے کے بعد اس شہر کو اپنے ہاتھوں سے خود بنایا۔ (۲)

۲۔ ابتدا میں اس کی عمارتیں بانس وغیرہ سے بنائی گئی تھیں جب ان کو آگ نے نقصان پہنچایا تو اس کے بعد مٹی سے بنائی جانے لگیں۔ اس کی عام سڑکوں کی چوڑائی بیس ہاتھ اور گلیوں کی چوڑائی سات ہاتھ تھی۔

عام لوگوں کے مکانوں کیلئے سڑکوں کے درمیان ۴۰ ہاتھ کا فاصلہ اور بزرگوں (۳) اور مخصوص افراد کے مکانوں کیلئے سڑکوں کے درمیان ساٹھ ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

---

(۱)۔ ان کا زندگی نامہ اسی کتاب کی فصل (شیعوں کے منتخب پیشوا) میں بیان کیا جائے گا۔ مندرجہ بالا جملہ کو مسعودی نے ان سے روایت کی ہے (حاشیۂ تاریخ ابن اثیر، جلد ۶، صفحہ ۱۱۸۔)

(۲)۔ بلاذری نے کتاب "فتوح البلدان"، میں اور براقی نے کتاب "تاریخ الکوفہ" میں اور حموی نے کتاب "المعجم" میں یہی ذکر کیا ہے لیکن "لفظ بصرہ" میں ان کے خلاف رائے دیتے ہوئے کہا ہے کہ: بصرہ ۱۴ھ میں کوفہ سے چھ مہینے پہلے بسایا گیا تھا۔

(۳)۔ لفظ تظائع کو لغت اور عربی زبان کے ماہرین کی طرف رجوع کر کے حد درجہ تردید اور تامل کے ساتھ میں نے اس طرح ترجمہ کیا ہے، قابل ذکر ہے کہ یہ معنی اقطاع، قطیع اور قطیعہ جیسی لفظوں کے اصطلاحی معنی کے علاوہ مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ اقرب الموارد میں لفظ قطیعہ کے چند معنی ذکر کرنے کے بعد آیا ہے، جس سے مذکورہ معنی کی مکمل تائید ہوتی ہے: "و مواضع فی بغداد اقطعها الملک المتصور اناساً من اعیان دولته لیعمروها ویسکنوها وهی قطیعه فلان و فلان..." بہر صورت ان فضلا سے جو تاریخی متون کی طرف مراجعہ کر کے اس کے یقینی معنی کی طرف پہنچ جائیں تو ان سے راہنمائی کا امیدوار ہوں۔ (فارسی مترجم)

سب سے پہلے جس جگہ کی حد بندی کی گئی وہ مسجد تھی۔ جس جگہ شہر بسایا جانا تھا اس زمین کے درمیان ایک ماہر تیرانداز شخص کھڑا ہوا اور اس نے چاروں طرف تیر پھینکا، دیواروں اور ستونوں کو تیر گرنے والی جگہ سے پیچھے بنایا گیا اور اس کے درمیان مسجد بنائی گئی، مسجد کے اگلے حصہ میں نرم پتھر سے ایک ہال بنایا گیا اور اس کے ستونوں پر ایران کے بادشاہوں کے حیرہ سے لائے ہوئے سنگ مرمر لگائے گئے اور۔ مسجد کے چاروں طرف خندق کھود دی گئی تا کہ کوئی شخص مسجد کی چہار دیواری کے پاس گھر نہ بنائے۔

جب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے (جنگ جمل کے بعد ۳۶ھ میں) کوفہ ہجرت فرمائی اور اس کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا تو کوفہ کی آبادی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھی۔ حضرت علی علیہ السلام اس شہر میں ۱۲ رجب المرجب کو وارد ہوئے تھے۔

اس ہجرت کا ایک سبب حجاز کے محصول (درآمد) کی کمی اور اس کی دوسری جگہوں کو ضرورت تھی اور کسی بھی حکومت کیلئے اس سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں ہوسکتی کہ وہ محصول میں کسی اور کی محتاج ہو۔ لیکن کوفہ اور عراق کے دوسرے شہر اپنے خرچ بھر بلکہ کچھ زیادہ نئی آمدنی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں عراق مسلحانہ تحریکوں کا ٹھکانہ بن گیا تھا جنہوں نے دجلہ اور فرات کی سرزمینوں کو اپنی دشمنانہ جھڑپوں کا میدان بنا رکھا تھا اور اس چیز کو روکنے کیلئے ایک خاص فوجی سیاست بروئے کار لانے کی ضرورت تھی۔

جب کوفہ خلافت کا مرکز بنا تو آفاق اسلامی کے بڑے بڑے مسلمانوں نے اس کی طرف آنا شروع کیا، یمن و حجاز سے عربی قبائل اور مدائن و ایران سے فارسی مہاجرین نے وہاں ہجرت کی اور وہیں پر زندگی بسر کرنے لگے۔ اس کے تجارتی بازار آباد ہوگئے اور تحصیل علم میں وہاں چار چاند لگ گئے، اس کے چاروں طرف باغات، باغیچے، چراگاہیں اور دیہات آباد ہوگئے اور اس کے دامن میں ایک دراز مدت تک بزرگان تاریخ و ادب اور علوم پرورش پائے۔

ہاشمی حکومت کے ماتحت مذہب و مسلک تشیع اور آل محمد کی پیروی کو اس شہر میں رواج ملا اور ہمیشہ کیلئے ایک ثابت نشانی کے مانند باقی رہ گیا۔ اس کے باوجود چونکہ وہاں نئے بسنے والے افراد مختلف مزاج کے تھے لہٰذا انہوں نے اپنی اپنی خواہشات کے مطابق وہاں کے ماحول کو ڈھالنا چاہا لہٰذا کچھ ہی مدت کے بعد آپس میں میل ملاپ نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہونے لگا اور بہت سے تلخ تاریخی واقعات اور ہرج و مرج واقع ہوئے جو

کیلئے مفید ہوتے تھے تو کبھی نقصان دہ ہوتے تھے۔

جس دن کوفہ والوں نے امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی تو اس میں موجود تمام قسم کے لوگ (بہت کم کسی بات پر اتفاق نظر رکھتے تھے) آپ کی بیعت پر متحد ہو گئے۔

اس شہر میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی اس طرح تھی کہ آپ تمام لوگوں کے قبلہ نظر، محبوب دل اور مایہ امید تھے شہر کے نئے ماحول اور اپنے پدر بزرگوار کے دارالسلطنت کو آل محمد کے عظیم اور موروثی صفات حسنہ سے آراستہ اور پر کر دیا تھا جیسے: جود وسخاوت، خوش خلقی، بلند خیالی، خوش روئی، حلم، بردباری، دوراندیشی، عقل وعلم، زہد وعبادت وغیرہ۔

منبر خلافت (جو کہ شہید امامؑ کے غم میں ڈوبا ہوا تھا) خوشی سے مسکرا اٹھا، کیونکہ اپنی آغوش میں انبیاء کے موروثی صفات کا ایک مظہر دیکھ رہا تھا۔

اس دور میں کوئی بھی حضرت امام حسن علیہ السلام سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور تمام نیک خصلتوں کا مالک نہیں تھا۔ اس بنا پر تمام لوگ مختلف نظریات کے باوجود اپنی رضا و رغبت کے ساتھ آپ ہی کے پاس آتے تھے اور قوم کے رہبر و پیشوا کے تمام صفات آپ کے اندر موجود تھے۔

اگر غیر متوقع اور ناگوار واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تو کوفہ میں بیعت کا جشن اسی شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا جس کا انتظار تھا۔ لیکن اس شہر کا سیاسی ماحول (جو اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ خلیفہ منصوب ہونے کا جشن منا رہا تھا) اس کے نزدیک جمل، صفین اور نہروان کی یکے بعد دیگرے ہونے والی تین شدید جنگوں کے بعد بہت آلودہ ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں ان جنگوں میں دونوں طرف کے مقتولین کے ناصر و مددگار بھی کوفہ میں زندگی بسر کر رہے تھے جو اپنے مرنے والوں کے ہم عقیدہ اور ہم فکر تھے اور وہ ان کا انتقام لینے کی آرزو کر رہے تھے اور اس مقصد تک رسائی کیلئے جتنا ان سے ممکن تھا کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

اس دوران مخالف اور موافق دونوں طرح کے اغراض و مقاصد موجود تھے جو خفیہ طور پر اختلاف و نفاق ایجاد کر رہے تھے۔

حضرت امام حسن بن علیؑ خلافت کے سنہرے دور سے گذر رہے تھے جس میں آپ نے تمام دلوں کو اپنی طرف جذب کر لیا تھا۔ اس لئے کہ آپ فرزند رسول خدا تھے اور آپ کی مودت و محبت ایمان کی شرط ہے دوسرے

یہ کہ بیعت کرنے کا لازمہ آپ کی اطاعت کرنا ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: ''لوگ آپ (حسن بن علیؑ) سے آپؑ کے پدر بزرگوار سے زیادہ محبت کرتے تھے''۔(۱)

یقیناً حضرت امام حسن علیہ السلام ہمیشہ اسی طرح ان کے اور ان کے آزار سے محفوظ رہے جب تک کہ ایسے مثبت کام کو ہاتھ نہ لگاتے جو کسی ایک گروہ کے اغراض و مقاصد اور منافع سے یا دوسرے گروہ کے تعصبات کی حساس رگ سے ٹکراؤ ہو۔ کیونکہ اس وقت کے وہ وسائل و عوامل جن کے ماتحت ان جیسے مسلمانوں کے درمیان اسلام کی زندگی گذر رہی تھی یا وہ ذاتی اغراض و مقاصد کے اختیار میں تھے یا تعصبات کے پیروکار۔

اس وقت بہت سے لوگ جن کی خود پرستی اور سود جوئی حتیٰ ان کے عقیدہ سے بھی تجاوز کر گئی تھی، وہ احساس کرتے تھے کہ حضرت امام حسن بن علیؑ کی بیعت کرنے کے بعد اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنالیں گے۔ اس لئے کہ آپ نہایت خوش اخلاق اور نرم خو تھے، جیسا کہ لوگ صحابہ سے سنتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صورت و سیرت کے لحاظ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔

لیکن حقیقت میں وہ اس عظیم خُلق و خو کو جیسے سمجھنا چاہئے تھا نہیں سمجھ سکے تھے۔

بہت سے لوگ جن کا امام حسن علیہ السلام سے رائے اور عقیدہ کے لحاظ سے کوئی سروکار نہیں تھا وہ بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھے اور انہوں نے مخلص مومنوں کی طرح میل و رغبت سے آپ کی بیعت کی تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جو تھوڑی سی مدت گذر جانے کے بعد سب سے پہلے میدان سے فرار کر گئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

ان لوگوں نے جب اپنی طمع اور لالچ کے بالمقابل آپ کی اس نرم دلی کو آزمایا تو حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد آپ کو فولاد سے بھی زیادہ محکم پایا، یہاں تک کہ آپ کے بھائی اور چچازاد بھائی (کہ یہ دونوں حضرات جو آپ سے سب سے زیادہ نزدیک اور آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ با فضیلت تھے) بھی آپ (حسنؑ) کو آپ کے نظریہ سے پلٹا نہیں سکتے تھے اور آپ اپنی قاطع رائے پر اعتماد کرتے ہوئے کسی خوف و خطر کے بغیر گامزن رہے اور اس پر عمل کرتے رہے۔

اس بنا پر کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر کوفہ کے فتنہ جو، سرداروں اور حکومت خواہوں کے درمیان مخفی طور

---

(۱)۔ البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۴۱۔

پر دشمنی اور جھگڑے کی نشو ونما ہونے لگے اور اہل کوفہ دوبارہ وہی کردار اپنائیں جو انہوں نے اپنے گزشتہ امام کے ساتھ اپنایا تھا (وہی رفتار و کردار جس نے) (ان کے دل کو غیظ و غضب سے بھر دیا تھا اور ان کے حلق میں غم واندوہ کا جام ڈال دیا تھا) اس طرح اس وباخیز ماحول میں محاذ آرائیاں اور گروہ بندیاں ہونے لگیں جن کو دوسری بیرونی طاقت وحکومت سے بھی مدد ملتی تھی، جس کے نتیجہ میں داخلی مشکلات مختلف صورتوں میں سامنے آئیں۔

جس دن سے اسلامی خلافت اپنے نئے دارالسلطنت عراق میں منتقل ہوئی ان لوگوں نے آپؑ کے حکم میں صراحت اور عدالت کے نفاذ میں قاطعیت کا مشاہدہ کیا اس طرح کے مردنما افراد نے فتنہ وفساد، رخنہ اندازی اور تفرقہ اندازی جیسے غلط طریقے اختیار کر لیے اور ان کو ان کاموں میں تجربہ ہو چکا تھا۔ اس گروہ کی رخنہ اندازی اور کارشکنی کی اصلی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اس حکومت کے مادی فائدہ سے مایوس ہو چکے تھے اور ان کو اس کی کوئی امید نہیں تھی۔ کیونکہ ہاشمی خلافت، دینی حکومت تھی، دنیوی اور مادی حکومت نہیں تھی۔ ان کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ یہ حکومت ان کو عام کاموں میں دخالت اور ناجائز چیزوں کے ذریعہ استفادہ کرنے کی اجازت نہیں دے گی اور وہ ان کی غلط امیدوں، بیجا آرزوؤں اور ان کے غیر قانونی کاموں تک پہنچنے کے راستہ کو ان پر بند کر دے گی۔

کوفہ میں جدید خلافت کی نشو ونما اور شام میں معاویہ کی نافرمانی کے برقرار رہنے کی وجہ سے اس گروہ کو اس بات کا مناسب موقع مل گیا کہ اپنی طاقت کا استعمال کر کے اپنی رخنہ اندازیوں کا آغاز کرے اور جتنا ممکن ہو (اگرچہ دونوں گروہوں سے کھلواڑ ہی کے طور پر) جلد از جلد اپنے منافع تک پہنچ جائیں۔ ان کیلئے صرف دو راستے تھے: اگر ممکن ہو تو جدید حکومت میں ان کو کوئی عہدہ مل جائے جس سے ان کی حرص وطمع پوری ہو سکے۔ اور اگر ان کو کوئی عہدہ وغیرہ نہ مل پائے تو اس حکومت کے امور میں روڑے اٹکائیں۔ شام کے خزانے لگاتار ان کا دل اپنی طرف جذب کر رہے تھے، ان کی آنکھوں کے سامنے مال اور عہدہ کا وعدہ گھوم رہا تھا جس نے ان کا دل جیت لیا تھا اور کوفہ کا مقابلہ کرنے کیلئے شام کی حکومت کا سب سے زیادہ مؤثر اسلحہ مال اور عہدہ تھا۔

اس طرح حسن بن علیؑ کا کوفہ بہت سے لوگوں کے خواہشات، آراء اور نظریات، اختلاف اور ان کے درمیان کینہ ودشمنی کی نذر ہو کر رہ گیا تھا۔

حضرت امام حسنؑ کی بیعت کے ایام میں ان فسادوں کے بانی چند گروہوں میں تقسیم تھے:

۱. اموی ٹولہ

اس گروہ کے نامور اور بڑے افراد مندرجہ ذیل تھے:

عمرو بن حریث ، عمارة بن الولید ، حجر بن عمرو ، عمر بن سعد، ابوموسیٰ اشعری کا بیٹا ابو بردہ ، طلحہ بن عبید اللہ کے دو فرزند اسماعیل و اسحاق اور اسی طرح کے دوسرے افراد تھے۔

اس گروہ میں طاقتور اور بااثر افراد بھی تھے جنہوں نے سازشوں ، ایجاد نفاق اور دوروئی کے ذریعے امام حسن علیہ السلام کو شکست دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

''انہوں نے خفیہ طور پر معاویہ کو خط لکھا کہ ہم تمہارے ساتھ اور تمہارے فرمانبردار ہیں اور اس کو کوفہ کی طرف آنے کی رغبت دلائی اور اس بات کی بھی ضمانت دلائی کہ جب معاویہ کا لشکر حسن بن علیؑ کی لشکر گاہ کے قریب پہنچے گا تو وہ حسنؑ کو اس کے حوالے کر دیں گے یا اچانک انہیں قتل کر دیں گے''(۱) مسعودی کے قول کے مطابق:(۲)

ان میں سے اکثر نے معاویہ کو خفیہ طور پر خط لکھا، معاویہ سے عہد و پیمان کیا اور اس طرح وہ خود کو معاویہ سے قریب کئے ہوئے تھے''۔

''معاویہ نے خفیہ طور پر عمرو بن حریث ، اشعث بن قیس ، حجار بن ابجر اور شبث بن ربعی کے ساتھ معاہدہ کیا اور اپنے جاسوسوں کے ذریعے ان میں سے ہر ایک کے پاس یہ پیغام بھیجا: اگر تم میں سے کوئی امام حسنؑ کو قتل کرے گا تو اس کے بدلے میں اس کو ایک لاکھ درہم اور، شام کے لشکروں میں سے ایک لشکر کی سربراہی دوں گا اور اپنی ایک بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گا۔

---

(۱)۔شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد، ص ۱۷۰، طبرسی کتاب اعلام الوری .

(۲)۔حاشیہ تاریخ ابن اثیر ج ۶، ص ۴۲، مؤلف کہتے ہیں: ہمیں کیا معلوم! جس طرح کوفیوں نے معاویہ کو اس کی نصرت کی امید دلائی ہے اسی طرح شام والوں نے بھی دلائی ہو کیونکہ کوفی اور شامی دونوں ہی گروہ اخلاقی گراوٹ اور سستی میں مبتلاء تھے اور مادی جلووں اور خیانت کے دلدادہ تھے۔ اس کیلئے بیہقی کی تالیف کردہ کتاب ''المحاسن والمساوی، ج ۲، ص ۲۰۰، معاویہ کے ساتھیوں کے علی علیہ السلام کے پاس خط لکھنے کی معلومات کیلئے اور عبدالملک بن مروان کے سارے ساتھیوں کے خطوط کی معلومات کیلئے، تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۱۲، کہ اس سے امان مانگی اور انعام طلب کیا تھا۔ ممکن معاویہ کے قریبی لوگوں کا امام حسنؑ کو خط لکھنا اس جہت سے پوشیدہ ہو کہ حضرت نے امانت داری کی رعایت کی اور خط لکھنے والوں کے راز فاش نہیں کئے، جبکہ مؤرخین تو دیگر موضوعات کی طرح اس کو بھی نظر انداز کرنا چاہ رہے تھے۔

جب امام حسنؑ کو اس مخفی معاہدہ کی خبر ملی تو آپ اس دن کے بعد سے ہمیشہ اپنے لباس کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور بہت محتاط رہتے تھے حتیٰ نماز بھی اسی حالت میں ادا فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ کے دشمنوں میں ایک شخص نے آپ کی طرف حالت نماز میں تیر پھینکا لیکن زرہ کی وجہ سے آپ کو تکلیف نہ پہنچی۔(۱)

اس وقت کے حالات کی نشاندہی کیلئے تاریخی متون میں سے ایک نمونہ کا بیان کر دینا ہی کافی ہے۔

اس طرح یہ گروہ اس معاہدہ کے ذریعے اس بدترین جنایت کا مرتکب ہوا جو ایک خودغرض خائن کر سکتا ہے۔ ان کے ناپاک عزائم اور گندے رویّے، جھوٹ اور نفاق کے لباس میں زیادہ دیر باقی نہ رہ سکے بلکہ فریضہ انجام دینے کے وقت ان کی خباثت واضح اور آشکار ہوگئی۔

اس عرصہ میں مذکورہ گروہ امام حسنؑ کی حکومت میں ہر طرح کی ناخوشی، ہر بلوئے اور آشوب کا مددگار اور خائن دشمن کا ہاتھ شمار ہوتا تھا۔

خوارج بھی جو ہاشمی حکومت کی دشمنی میں بنوامیہ کے ساتھ اتفاق نظر رکھتے تھے وہ بڑی سازشوں میں ان کا ساتھ دیتے اور تعاون کرتے تھے. اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ تاریخ میں خوارج کے دو سردار یعنی اشعث بن قیس اور شبث بن ربعی کے نام ذکر ہوئے ہیں۔

۲: خوارج

یہ وہ لوگ تھے جو واقعہ حکمیت کے بعد علیؑ اور معاویہ دونوں کے دشمن ہو گئے تھے، کوفہ میں اس گروہ کے لیڈر درج ذیل تھے: عبداللہ بن وہب الراسبی، شبث بن ربعی، عبداللہ بن الکواء، اشعث بن قیس اور شمر بن ذی الجوشن۔

خوارج بیعت کے ابتدائی ایام سے ہی کوفہ کے تمام عوام میں سب سے زیادہ معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے پر مصر تھے اور یہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسنؑ کی بیعت کرتے وقت آپؑ سے گمراہوں اور تجاوز کرنے والوں یعنی شامیوں سے جنگ کرنے کی شرط کی تھی لیکن امام حسنؑ نے بیعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ کسی قید وشرط کے بغیر، جنگ ہو یا صلح مکمل طور پر اطاعت کرتے ہوئے بیعت کریں۔ اس وقت وہ امام حسنؑ کے بھائی

---

(۱)۔علل الشرایع، ص۸۴.

امام حسینؑ کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے حسینؑ! بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں جس طرح ہم نے آپ کے والد بزرگوار کی بیعت کی تھی۔ لیکن ہماری شرط یہ ہے کہ شام کے گمراہوں اور تجاوز کرنے والوں سے آپ کو جنگ کرنا ہوگی۔ امام حسینؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: معاذ اللہ، جب تک امام حسنؑ زندہ ہیں میں تمہاری بیعت قبول نہیں کرسکتا'' امام حسینؑ کی گفتگو سننے کے بعد مجبور ہوکر وہ امام حسنؑ کے پاس آئے اور جیسا امام حسنؑ نے فرمایا تھا اسی طرح امام کی بیعت کرلی۔(۱)

البتہ اس گروہ نے امام حسنؑ کی بیعت کے وقت جو شرط رکھی اور جنگ پر اصرار کیا تھا وہ امام حسنؑ سے دشمنی کی بناء پر نہیں تھا بلکہ امام حسنؑ کے خاص شیعوں میں سے بھی کچھ افراد اسی طرح جنگ کیلئے اصرار کررہے تھے لیکن عنقریب امام حسنؑ کے ماجرے کے کچھ حصہ کے مطالعہ سے واضح ہوجائے گا کہ ان ناگوار حوادث کے اسباب میں ان ہی لوگوں کا شمار ہوتا ہے، جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ خوارج کے دوسردار کوفہ میں خبیث ترین اور پلید ترین اموی سازشوں میں شریک تھے۔

یہ خوارج رخنہ اندازی اور فتنہ وفساد ایجاد کرنے میں لوگوں کی تشویق کیلئے سب سے مؤثر اور خوفناک طریقوں کو اپناتے تھے اور مختلف وسیلوں سے لوگوں کے ایمان کو متزلزل کرتے تھے۔ ان کی تجدید حیات کا اصلی راز نہروان میں زبردست شکست کھانے کے بعد یہی بات تھی۔

زیاد بن ابیہ نے خوارج کے پروپیگنڈے کی یوں توصیف کی ہے:

''ان کی باتیں دلوں میں اس آگ سے زیادہ تیز اثر کرنے والی ہیں جو زنگ کو تیزی سے جلادیتی ہے''۔

مغیرۃ بن شعبہ کا ان کے بارے میں کہنا ہے:

''اگر یہ لوگ صرف دو دن بھی کسی شہر میں رہ جائیں تو جو شخص بھی ان سے معاشرت رکھتا اسے خراب اور گمراہ کردیتے ہیں۔(۲)

خارجی، باطل بات کہتا تھا اور اسے حق سمجھتا تھا، برا کام کرتا تھا اور اسے اچھا سمجھتا تھا وہ خدا پر اعتماد کرتا تھا

---

(۱)۔ الامامۃ والسیاسۃ، ص ۱۵۰۔ ملاحظہ ہو۔

(۲)۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۰۹۔

لیکن خدا کے ساتھ شرعی طریقوں اور دین پسند راستوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا تھا۔

ہم دوسری مناسبت سے عناصر سپاہ" کے ضمن میں ان کا تذکرہ کریں گے۔

۳۔ شکاکین

شیخ مفیدؒ نے حضرت امام حسن بن علیؑ کے عناصر سپاہ میں اس گروہ کا نام لیا ہے۔ گمان قوی یہ ہے کہ انہیں شکاکین اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ خوارج کی تبلیغات کے تحت تاثیر تھے لیکن ان کا جزء نہیں تھے بلکہ شک وتردید کی حالت میں یوں ہی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن نہ ادھر تھے نہ ادھر۔

سید مرتضیٰؒ نے بھی اس گروہ کا تذکرہ کیا ہے اور انہیں کافر شمار کیا ہے۔ گویا سید مرتضیٰؒ کی نظر میں یہ گروہ اصل دین میں شک کرنے والا اور متزلزل تھا۔(۱)

بہر حال یہ گروہ کوفہ کا رہنے والا تھا اور پست طبقہ تھا کہ خود بخود نہ نیکی کا قصد رکھتے تھے اور نہ ہی برائی کی توانائی لیکن اس کا وجود فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کا آلہ کار، شر اور فساد کا وسیلہ تھا۔

۴۔ الحمراء

تاریخ طبری کے مطابق یہ گروہ بیس (۲۰) ہزار مسلح افراد پر مشتمل تھا اور کوفہ کی تقسیم بندی کے وقت یہ طائفہ اس حصہ میں سکونت پذیر تھا جہاں پر ان کا ہم پیمان بنی عبدالقیس کا طائفہ رہتا تھا۔ لیکن دراصل یہ طائفہ بنی عبدالقیس میں سے تو نہیں تھا لیکن عربوں میں سے بھی نہیں تھا بلکہ ان کی نسل مخلوط تھی، وہ غلام زادے تھے اور شاید ان میں سے اکثر ان فارسی کنیزوں کی اولاد تھے جو ۱۲ھ سے ۱۷ھ کے درمیان عین التمر اور جلولاء میں قیدی بنائی گئی تھیں۔

یہی لوگ ۴۱ھ اور ۶۱ھ یعنی حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ کے حوادث کے زمانے میں مسلح اور جنگجو افراد میں شمار ہوتے تھے۔ لہذا اس سلسلہ میں غور وخوض کیجئے۔

یہی لوگ زیاد بن ابیہ کے سپاہی تھے اور تقریباً ۵۱ھ میں شیعوں پر بے انتہاء ظلم وستم ڈھائے۔ المختصر، گویا

---

(۱)۔ امالی، ج ۳، ص ۹۳.

یہ کرائے کے قاتلوں میں شمار ہوتے تھے جو مزدوری لے کر ہر طرح کے جرائم کرتے تھے اور اکثر صاحبان اقتدار کے پیروکاروں اور ظالموں کے ہاتھوں کی شمشیر براں شمار ہوتے تھے ان لوگوں نے پہلی صدی ہجری میں کوفہ کے اندر جو فتنہ وفسادات اور مختلف حوادث برپا کئے، اس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ ان کی شان وشوکت بڑھتی گئی اور اتنے عروج پر پہونچی کہ شہر کوفہ کو ان سے نسبت دی جانے لگی اور اسے ''کوفہ'' کہا جانے لگا۔

بصرہ میں بھی کوفہ کی مانند ان غلام زادوں کا ایک گروہ آباد تھا بصرہ کا حاکم زیاد ان کی طاقت وقدرت سے ڈرتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا قلع قمع کرنا بھی چاہتا تھا لیکن احنف بن قیس نے اسے اس کام سے روک دیا۔

عصر حاضر کے بعض مؤلفین نے انہیں شیعہ خیال کیا ہے جو بالکل غلط ہے جبکہ ان میں نہ صرف یہ کہ شیعوں کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی تھی بلکہ یہ شیعوں کے سب سے خطرناک دشمن تھے، ہاں ان میں سے کچھ کے شیعہ ہونے کا امکان ہے۔ لیکن بہت تھوڑے جو قابل شمار نہیں۔

ان مخالف عناصر کے ایک طرف امام حسنؑ کے شیعہ زندگی بسر کرتے تھے جو تعداد کے لحاظ سے حضرت علیؑ کے مرکز حکومت میں رہنے والے تھے۔ دوسرے گروہوں سے زیادہ تھے۔ اس گروہ میں کچھ بقیہ مہاجر وانصار بھی موجود تھے جو حضرت علیؑ کی پیروی میں کوفہ میں قیام پذیر تھے اور رسول خداؐ کے صحابی ہونے کی وجہ سے لوگوں میں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔

کوفہ کے بزرگ شیعہ افراد نے اہل بیتؑ کی نسبت اپنے خلوص کو ثابت کر دیا چاہے امام حسنؑ کی خلافت کا آغاز ہو اور چاہے آپ کی بیعت کیے جانے کے بعد کا زمانہ جس وقت آپ نے جہاد کا حکم دیا، اور چاہے بعد میں پیش آنے والے دوسرے مراحل ہوں۔ بیشک اگر یہ پرخلوص شیعہ اس زمانہ میں اپنے تمام شہر والوں کی ان مکاریوں سے محفوظ رہ جاتے تو شام سے کوفہ کی طرف جو خطرات منڈلا رہے تھے ان کے مقابلے کیلئے کافی تھے ان میں سے ہر ایک کے اندر تمام خطرات ومشکلات کو دور کرنے کا جذبہ وولولہ موجود تھا جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بیشک قیس بن سعد بن عبادہ، حجر بن عدی، عمرو بن الحمق خزاعی، سعید بن قیس ہمدانی، حبیب ابن مظاہر اسدی، عدی بن حاتم، مسیب بن نجبیہ، زیاد بن صعصعہ اور ان جیسے دوسرے شیدائی حضرات کے بارے میں کیا فکر کی جا سکتی ہے؟

البتہ سخت مخالف حوادث، اور خائن لوگ بھی ان موافق حالات کو دگرگوں کرنے کی کوشش میں لگے

ہوئے تھے۔

وہ ماحول کہ جس پر ہر طرف سے مختلف قسم کے رجحانات اور متضاد حالات چھا گئے تھے، فتنہ وفساد اور مختلف قسم کی دسیسہ کاریوں نے اس میں ہیجان پیدا کر دیا تھا، امام حسنؑ کیلئے یہ سب حالات مخفی اور پوشیدہ نہیں تھے، اور چونکہ آپؑ کی حکومت کا آغاز تھا لہذا الامحالہ آپ کیلئے ضروری تھا کہ لوگوں کے سامنے اپنا لائحہ عمل بیان کریں اور اس پر آشوب ماحول میں ان حالات کے مطابق جو باہر اور اندر سے آپؑ کا احاطہ کئے ہوئے تھے اپنا موقف اور طرز عمل معین کریں۔

معاویہ ایک ایسا دشمن تھا جس نے سرحد سے باہر رہ کر اپنے مکر وفریب اور دوسرے قوی وسائل اور اپنی مضبوط حکومت کے ذریعہ اہل کوفہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ معاویہ اتنا معمولی دشمن نہیں تھا کہ حسن بن علیؑ اس سے چشم پوشی اور لاپرواہی اختیار کریں یا چشم پوشی کی صورت میں اس کے سخت حملوں سے محفوظ رہ جائیں حقیقت میں حضرت امام حسنؑ حالات کے سازگار ہونے کی صورت میں معاویہ کی شیطانی طاقت وقدرت کو کچل ڈالنے اور اس کو اس کے کئے کی سزا دینے کے سب سے زیادہ خواہشمند تھے۔

لیکن حضرت امام حسنؑ کیلئے ان کے مرکز حکومت میں ایسے لوگوں کا زندگی بسر کرنا بہت ناگوار تھا جن پر خواہشات کا غلبہ ہو، حرص میں ڈوبے ہوئے ہوں اور مذہبی آوارگی نے انہیں ہر طرف پھیلا دیا ہو، جو نہ وفا کے معنی سمجھتے ہوں، نہ ہی دین کا احترام، اور نہ ہی پڑوسیوں کے حقوق کے قائل ہوں۔ انسانی خصلت وعادت سے خالی اور دور رہنے سے ان کو مکر ونفاق وفساد کے آلہ اور وسیلہ میں بدل دیا ہے، وہ ہر آواز اٹھانے والے کے ساتھ ہو جاتے ہیں، اور ہر وادی کی طرف چل پڑتے ہیں نہ میدان سیاست ان سے رونق پاتا ہے اور نہ ہی وہ میدان جنگ کے غازی بن سکتے ہیں، ایسے لوگوں کا وجود معاشرہ میں اضطراب ہرج ومرج، فتنہ وفساد اور مختلف قسم کی بلاو مصیبت اور خطرات سے دوچار کرنے کیلئے کافی ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان حالات کا مقابلہ کرنے میں ایسی عقل مندی اور ہوشیاری کا ثبوت دیا کہ اگر آپ کو ان نامساعد حالات اور حوادث کا سامنا نہ ہوتا تو آپ کی درخشاں کامیابی یقینی تھی۔

آپ بہت سے پیش آنے والے حوادث سے واقف تھے لیکن احتیاط کی وجہ سے آپ ان کا اظہار نہیں کر سکتے تھے لہذا آپؑ ایسے حالات وحوادث کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ آپؑ نے قرآن کریم

سے ایک پراسرار اور ابہام آفرین جملہ کا انتخاب کیا جس کو بیعت کے دن اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا، وہ یہ ہے:

" انی اریٰ مالاترون "

"جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے"

جس دن آپؑ نے یہ جملہ ادا فرمایا اس دن آپؑ کے سامنے صرف خوشی کے ایسے عظیم جشن دکھائی دے رہے تھے جو نئے خلیفہ کے ساتھ لوگوں کے اخلاص کی نشاندہی کر رہے تھے تو یہ کیسی بات ہے کہ آپؑ ان میں اس چیز کا مشاہدہ کر رہے تھے جس کے سمجھنے سے وہ خود عاجز ہوں؟

یہ امام حسنؑ کی وہی مخصوص دور اندیشی تھی جسے آپ کی صلح یا جنگ اور دوستوں یا دشمنوں کے ساتھ ہر قدم اٹھانے میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اگرچہ امام حسنؑ کی سیاست کا تاریخ میں مکمل ذکر نہیں کیا گیا جس سے امام حسنؑ کی سیاست کے تاریخی نمونے معلوم ہوں خاص طور سے جو آپؑ کی حکومت کے ابتدائی حصہ یعنی جہاد کا اعلان کرنے سے پہلے مربوط ہیں اس کے باوجود آپ کی سیرت کے مختصر حالات ہی انسان کو آپ کی ماہرانہ سیاست کا یقین دلا دیتے ہیں کہ اس زمانے کے اتنے برے بحران میں آپ نے ایسی حکیمانہ اور مدبرانہ حکومت کی کہ ان حالات میں اس سے بہتر ناممکن تھا۔

اب آغاز جنگ سے پہلے کے حالات میں آپؑ کے سیاسی نمونوں کو ملاحظہ کیجئے:

الف: آپ نے بیعت کیلئے ایک مخصوص عبارت وضع کی اور بیعت میں کسی بھی قسم کی قید و شرط کو قبول کرنے سے پرہیز کیا اور سب سے جنگ و صلح کی صورت میں مکمل طور پر اطاعت کرنے کیلئے بیعت قبول کی۔ آپ کی مدبرانہ بلاغت اس جملہ میں ایسی ہی تھی جس کا گمان کیا جاسکتا ہے؛ آپ نے جنگ و صلح دونوں کا نام لیا، آپ نے جنگ کے موافقین اور مخالفین دونوں کو قانع کر دیا۔ البتہ آپ کو کوفہ کے حالات سے اس طرح آگاہی تھی کہ ایسے حالات میں وہ آگاہی ایسی حکیمانہ سیاست کی طرف رہنمائی کر سکتی تھی۔

ب: ہر جنگجو کی تنخواہ میں سو سو درہم کا اضافہ کیا۔ (۱)

---

(۱)۔ اس جملہ "زاد المقاتلة ماة ماة" کا مطلب یہ ہے کہ ہر فوجی کی تنخواہ میں سو درہم کا اضافہ کیا یعنی جس کی تنخواہ پانچ سو درہم تھی اس کی چھ سو اور جس کی نو سو درہم تھی اس کی تنخواہ ہزار درہم ہوگئی۔ یا یہ کہ ابتدا میں ہر سپاہی کی تنخواہ میں سو درہم اضافہ کیا۔ اور اگر فوجی نے اپنا کام اچھے طریقہ سے انجام دیا تو اس کی تنخواہ میں سو درہم کا اضافہ کر دیا اور اسی طرح اور اس بات میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں ہے کہ اس عبارت میں صرف مالی حقوق کے متعلق گفتگو کی گئی ہے کسی اور چیز کے متعلق نہیں۔ (فارسی مترجم)

اور یہ آغاز خلافت کا پہلا کام تھا جس کی بعد میں تمام خلفاء نے پیروی کی۔(۱)

ظاہر ہے کہ سپاہیوں کی سہولتوں اور مراعات میں مخصوص اضافہ قدرت وطاقت اور محبوبیت کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اور اس کے علاوہ جنگ کیلئے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اکٹھا کرنے میں زیادہ مؤثر ہے۔

اگر چہ اس اقدام کو جنگ کی تیاری کی دلیل کہا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود جنگ کیلئے آپ کے قطعی ارادہ پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس طریقہ سے یہ نقطہ ایک نئے دور کے حالات بدلنے کا ایک نمونہ ہو سکتا ہے۔

یہ فعل اس طریقہ سے اس مستقبل کیلئے ایک قسم کی عاقلانہ اور مدبرانہ آمادگی تھا جو جنگ شروع کرنے کو لازمی قرار دے رہا تھا، لیکن اس کے باوجود تفرقہ واختلاف کا باعث بھی نہیں تھا۔

ج: آپ نے معاویہ کیلئے جاسوسی کرنے والے دو افراد کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور اس حکم کے جاری کرنے سے کوفہ اور بصرہ کے فتنہ وفساد پھیلانے والے بہت سے لوگوں کو بھی کچل ڈالا۔

شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں:

جب حضرت علیؑ کی شہادت اور لوگوں کی امام حسنؑ سے بیعت قبول کرنے والی خبر معاویہ کو پہنچی تو اس نے خفیہ طور پر حمیر قبیلہ سے ایک شخص کو کوفہ اور بنی القین سے ایک فرد کو بصرہ روانہ کیا تا کہ وہ معاویہ کو وہاں کے حالات سے آگاہ کریں اور امام حسنؑ کے کاموں میں رخنہ اندازی کریں۔ جب امام حسنؑ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپؑ نے کوفہ میں حمیری جاسوس کو ایک قصاب کے گھر سے باہر لا کر اس کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور بصرہ والوں کو لکھا کہ قینی جاسوس کو قبیلہ بنی سلیم کے درمیان سے ڈھونڈھ کر اسے قتل کر دیا جائے۔

ابوالفرج اصفہانی نے بھی اسی سے ملتی جلتی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو لکھا: اما بعد! تو نے اپنے جاسوس بھیجے ہیں، گویا مجھ سے جنگ کرنا چاہتا ہے! مجھے اس میں شک نہیں ہے! پس انتظار کرو، وہ وقت دور نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تو نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ عقل مند لوگوں کا طریقہ نہیں ہے (آپؑ نے مولائے کائنات کی شہادت سے معاویہ کے خوشی منانے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔)

---

(۱)۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۲۔

تیرے لئے یہ شعر زیادہ مناسب ہے:

فانّا و من قد مات منا لکالذی
جو شخص اس مرنے والے کی مخالفت کر رہا ہے اس سے کہو
یروح ویمسی فی المیت لیغتدی
تو بھی ایسے حالات کا منتظر رہ گویا وہ حالات ابھی پیش آنے والے ہیں
فقل للذی یبغی الخلاف الذی مضی
ہم وہ ہیں کہ جن میں سے اگر کوئی انتقال کر جاتا ہے تو اس شخص کی طرح ہوتا ہے
تجھز لاخری مثلها فکان قد
جو رات کو خوابگاہ شب میں صبح کے انتظار میں گزارتا ہے

و: اس کے باوجود کہ آپؑ کے تمام قریبی اور چاہنے والے آپ کی حکومت کے پہلے دن سے ہی جنگ کرنے پر اصرار کر رہے تھے لیکن امام حسنؑ نے اسے تاخیر میں ڈال دیا ہم اس سلسلہ میں پانچویں فصل میں اس وقت کے سیاسی حالات کا جائزہ لیں گے جس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان حالات میں یہی تدبیر صحیح اور مصلحت کے موافق تھی۔

ھ: آپؑ نے خطوط اور پیغامات کے تبادلہ کے ذریعے معاویہ کی اس حیثیت کو بھلا دیا جو کہ اس کے کھوکھلے دعوؤں کے ذریعہ بھی قابل تحکیم نہ تھی۔ اور اس نے جو امام حسنؑ کو خطوط لکھے ان کے ذریعہ اس کی غلط کاریوں کا دفتر فراہم کیا۔ اور یہی وہ سیاہ دفتر تھا جس نے اپنے اوپر اسلام کا خول چڑھائے ہوئے ناشناختہ معاویہ کا لوگوں سے تعارف کرایا اور امام حسنؑ کیلئے لوگوں کی عام آراء ونظریات کے مقابل معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کا معقول بہانہ فراہم کیا۔ جس کے نتیجے میں معاویہ کا محاذ صاحبان عقل کی نظر میں ہمیشہ کیلئے مغلوب ہو کر رہ گیا اگر چہ بعد میں ظلم وستم کی نظر میں غالب شمار کیا گیا۔

امام حسنؑ کی ان عاقلانہ تدبیروں کا ہر ایک نمونہ جنہیں اس مختصر عرصہ یعنی حضرت علیؑ کی شہادت سے معاویہ کے ساتھ جنگ کے آغاز کے زمانہ تک آپ نے اپنی سیاسی روشکے ذریعہ کا آشنا کرایا ہے وہ ہمیں دیگر تمام نمونوں کے ذکر سے بے نیاز کر سکتا ہے۔

● چوتھی فصل :

جنگ کا فیصلہ

تاریخ کے دقیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں دین کی فتح، اخلاق کی ترقی میں بہت مؤثر ہے اور اس کی وجہ اقوام اور گروہوں کا عادات واطوار میں رہبروں اور کمانڈروں کے نقش قدم پر چلنا اور زندگی گزارنے میں قوانین وضوابط کے ہدف کا تابع ہونا ہے۔

اگر دین میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور لوگوں کو مادیات کی طمع سے دور رکھنے (تذکیہ نفس) کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا تو بھی معاشرے کی اصلاح کیلئے کافی تھا۔

لیکن یہ گروہ جو جاہلیت کے دور کے بچے کھچے لوگ تھے اسی طرح طبقاتی نظام کے طرفدار، اپنے آباء واجداد کی تقلید پر باقی رہنے والے، نیز بوسیدہ نظاموں اور ظالمانہ روشوں کی پیروی کے خوگر تھے۔

یہ سب دین اسلام کے آغاز سے ہیکٹر دشمنوں کی صف میں شامل تھے جب وہ وقت آیا کہ ان کیلئے اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا تو اسلام کو اپنی دنیا تک پہنچنے کیلئے ایک وسیلہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ان ناپاک عزائم کے سائے میں دین کا مقصد پامال ہوگیا معاشرہ مورد نظر اصلاحات کی طرف منظم تدریجی طور پر آگے بڑھنے سے رک گیا۔ لوگ دنیوی خواہشات میں پڑ گئے۔ ''دین صرف زبان کا چٹخارہ بن کر رہ گیا اس وقت تک اس کی حفاظت کی جب تک اچھی زندگی گذرنے کی امید رہی لیکن بلا اور مصیبت کے وقت دیندار بہت کم رہ گئے تھے''

لیکن آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لازمی وابدی رسالت کے مالک تھے اور یہی رسالت لوگوں کی نجات تھی نہ ذاتی منفعت، دین کو مستحکم بنانے کیلئے ایک چھاؤنی تھی نہ اپنی مسند حکومت آراستہ کرنے کیلئے اور معنویات کی حفاظت کیلئے تھی نہ کہ ذاتی منافع کیلئے۔

چونکہ جب تک معاویہ زندہ رہا ان اہداف کا دشمن تھا اور ان اسلامی اصلاحات کا نعرہ لگانے والوں کے خلاف

تھا، آخر کار وہ ظلم و سرکشی کے ساتھ اسلامی معاشرے سے الگ ہو گیا، حکومت کی ہوا و ہوس اس کی رگوں میں سرایت کر گئی اور شخصی منافع اس کے ادراک و روش اور فکر و عمل میں اثر کر گئے۔ لہذا ایسے موقع پر ضروری ہو گیا کہ امام حسنؑ مسلمانوں کی طاقت کو معاویہ کے مقابلے میں لائیں اور اسے الٰہی حکومت کی طرف بلائیں۔۔۔ اور خدا بہترین حاکم ہے۔

ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں:

''امام حسنؑ بن علیؑ نے سب سے پہلے جو کام انجام دیا وہ سپاہیوں کی تنخواہ میں سو سو درہم کا اضافہ تھا امام حسنؑ سے پہلے حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں یہی کام کیا تھا اور امام حسنؑ نے اپنی خلافت کے آغاز میں یہی کام انجام دیا اور آپ کے بعد تمام خلفاء نے اس سلسلہ میں اس کی پیروی کی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

امام حسنؑ نے حرب بن عبداللہ ازدی کے ذریعے معاویہ کو خط بھیجا(۱) جس کا مضمون اس طرح تھا:

حسن بن علی امیر المومنینؑ کی طرف سے معاویہ بن ابوسفیان کی طرف: تم پر سلام اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اما بعد: بے شک خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالمین کیلئے رحمت، مومنین پر احسان اور تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا تا کہ زندہ لوگوں کو عذاب خدا سے ڈرائیں اور کافروں پر اپنی

---

(۱)۔"وکتب الحسنؑ الی معاویة مع حرب بن عبدالله الازدی:

من الحسن بن علی امیر المؤمنین الی معاویة بن ابی سفیان. سلام علیک فانی احمد الیک الله الذی لا اله الا هو. أما بعد، فان الله جل جلاله بعث محمداً رحمة للعالمین و منّة للمؤمنین، و کافة للناس أجمعین، لینذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین. فبلغ رسالات الله، وقام بأمر الله، حتی توفاه الله غیر مقصر ولا وان، و بعد أن اظهر الله به الحق، و محق به الشرک.

وخص به قریشا خاصة، فقال له: وانه لذکرلک ولقومک. فلما توفی، تنازعت سلطانه العرب، فقالت قریش: نحن قبیلته واسرته وأولیاؤه ولا یحل لکم أن تنازعونا سلطان محمد و حقه. فرأت العرب أن القول ما قالت قریش، و أن الحجة فی ذلک لهم، علی من نازعهم أمر محمد، فانعمت لهم وسلمّت الیهم.

لم حاججنا نحن قریشا، بمثل ما حاججت به العرب، فلم تنصفنا قریش انصاف العرب لها. انهم أخذوا هذا الامر دون العرب بالانصاف والاحتجاج، فلما صرنا- أهل بیت محمد و أولیاءه - الی محاجتهم وطلب النصف منهم، باعدونا واستولوا بالاجتماع علی ظلمنا ومراغمتنا والعنت منهم لنا. فالموعد الله، وهو الولی النصیر.

ولقد کنا تعجبنا لتوثب المتوثبین علینا فی حقنا وسلطان بیتنا. و اذ کانوا ذوی فضیلة وسابقة فی الاسلام،

بات (حجت) تمام کردیں آنحضرتؐ نے رسالات الٰہی کو پہنچایا اور امر الٰہی کے ساتھ قیام کیا جب کہ آپ نے نہ کوئی تقصیر کی تھی اور نہ سستی۔ خدا نے آپ کے ذریعہ حق کو آشکار کیا اور باطل کو سرنگوں۔

قریش کو آنحضرتؐ کے ذریعہ خصوصیت دی۔ اور فرمایا: بے شک یہ قرآن آپ کیلئے اور آپ کی قوم کیلئے نصیحت کا سامان ہے. پس جب وہ وفات پا گئے تو حکومت کے بارے میں عربوں کے درمیان جھگڑا شروع ہوگیا۔ قریش نے کہا: ہم آنحضرتؐ کی قوم سے اور ان کے خاندانی رشتہ دار اور نسبی محافظ ہیں لہذا جائز نہیں تمہارے لئے حکومت کے معاملے میں ہم سے جھگڑا کرنا۔ عربوں نے قریش کی یہ دلیل قبول کرلی اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کردیا، ان کا احترام کرتے ہوئے حکومت ان کے سپرد کردی۔

پھر اس وقت ہم نے قریش سے وہی کہا جو قریش نے عربوں سے کہا تھا لیکن انہوں نے ہمارے ساتھ عربوں جیسا انصاف نہیں کیا۔ قریش نے حکومت اپنے استدلال کی قوت اور عربوں کے انصاف سے حاصل کی

☜ أمسكنا عن منازعتهم مخافة على الدين أن يجد المنافقون والاحزاب فى ذلك مغمزا يثلمون به، أو يكون لهم بذلك سبب الى ما أرادوا من افساده. فاليوم فليتعجب المتعجب من توثبك يا معاوية على أمر لست من أهله، لابفضل فى الدين معروف، ولا اثر فى الاسلام محمود، وانت ابن حزب من الاحزاب و ابن أعدى قريش لرسول الله ﷺ ولكتابه. والله حسيبك فسترد عليه وتعلم لمن عقبى الدار. وبالله لتلقينّ عن قليل ربك، ثم ليجزينّك بما قدمت يداك وما الله بظلام للعبيد.

"ان علياً لما مضى لسبيله رحمة الله عليه يوم قبض و يوم منّ الله عليه بالاسلام ويوم يبعث حيا، ولانى المسلمون الامر من بعده . فأسأل الله ان لا يؤتينا فى الدنيا الزائلة شيئا ينقصنا به فى الآخرة مما عنده من كرامة. وانما حملنى على الكتابة اليك، الا عذار فيما بينى وبين الله عزوجلّ فى امرك، ولك فى ذلك ان فعلته الحظ الجسيم والصلاح للمسلمين.

"فدع التمادى فى الباطل، وادخل فيما دخل فيه الناس من بيعتى، فانك تعلم أنى احق بهذا الامر منك عند الله وعند كل أواب حفيظ ، و من له قلب منيب، واتق الله ، ودع البغى، واحقن دماء المسلمين، فوالله مالك خير فى أن تلقى الله من دمائهم باكثر مما أنت لاقيه به. وادخل فى السلم والطاعة، ولا تنازع الامر أهله ومن هو أحق به منك، ليطفىء الله النائره بذلك ويجمع الكلمة ويصلح ذات البين.

"وان أنت أبيت الا التمادى فى غيّك سرتُ اليك بالمسلمين فحاكمتك حتى يحكم الله بيننا و هو خير الحاكمين". (ابن ابى الحديد، ج۴، ص ۱۲).

لیکن جب ہمارے استدلال اور ان کے انصاف کا وقت آپہنچا تو ہم سے دور ہو گئے اور ہم پر ان سب نے مل کر ظلم وستم کے ذریعہ تسلط حاصل کر لیا اور حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، پس ہماری اور ان کی وعدہ گاہ خدا کے یہاں ہے اور وہی ہمارا مددگار اور سرپرست ہے۔

ہم اس دن اس بات سے کہ ان لوگوں نے ہمارا حق غصب کیا اور ہمارے خاندانی حکومت کو ہم سے چھین لیا ہم حد درجہ بڑے تعجب میں تھے لیکن چونکہ وہ لوگ (ظاہری طور پر) اسلام میں سبقت کرنے والے تھے لہذا ہم نے ان سے جھگڑا کرنے سے چشم پوشی کر لی تا کہ ایسا نہ ہو کہ منافقوں اور دشمنوں کو اسلام میں رخنہ ڈالنے کا موقع فراہم ہو جائے یا وہ اس میں فتنہ وفساد برپا کر دیں۔

لیکن آج کے سارے لوگ تیرے یہ منصب اور حکومت غصب کرنے پر تعجب میں ڈوبے ہوئے ہیں. اس لئے کہ کسی بھی لحاظ سے تو اس منصب کے لائق نہیں ہے، نہ تیرے اندر کوئی دینی فضیلت پائی جاتی ہے اور نہ اسلامی نیکی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ تو قریش کے اس گروہ کا فرزند ہے جو رسول خداؐ اور قرآن کے بدترین دشمن تھے۔ خدا تیرے شر کو ختم کرنے کیلئے کافی ہے اور عنقریب تو اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اور جان لے گا کہ عاقبت (نیک انجام) کس کیلئے ہے۔ خدا کی قسم تو جلد ہی خدا سے ملاقات کرے گا پھر وہ تیرے کئے کی سزا دے گا اور خدا لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔

جب حضرت علیؑ نے وفات پائی (اللہ ان پر اس دن رحمت کرے جس دن انہوں نے وفات پائی اور جس دن خدا نے ان پر اسلام کے ذریعہ احسان کیا اور اس دن کہ جب قبر سے اٹھائے جائیں گے) مسلمانوں نے ان کے بعد حکومت میرے سپرد کی. خدا سے سوال کرتا ہوں کہ اس فانی دنیا میں ہمیں وہ چیز عطاء نہ فرمائے جو آخرت میں اس کی کرامت کے نقصان کا موجب ہو جس چیز نے مجھے تمہیں خط لکھنے پر مجبور کیا وہ یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کے سامنے تیرے کام میں معذور رہوں اور اگر تو میرے کہنے پر عمل کرے تو تیرے لئے بھی بہت بڑا فائدہ ہے اور مسلمان بھی خیر وصلاح حاصل کر لیں گے۔

پس باطل راستوں پر چلنا چھوڑ دے اور دوسرے لوگوں کی طرح میری بیعت قبول کر لے جیسا کہ خود بھی جانتے ہو کہ خلافت کیلئے میں تجھ سے زیادہ لائق اور شائستہ ہوں۔ خدا سے ڈر، بغاوت وسرکشی کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کا خون نہ بہا۔ خدا کی قسم لوگوں کے خون کا گناہ خدا کی بارگاہ میں اپنے ساتھ لے جانے میں تیری بھلائی

نہیں ہے. میری اطاعت کر اور سر تسلیم خم کر اور خلافت کے معاملے میں خلافت کے اہل وحقدار سے جھگڑا نہ کر، تا کہ خدا فتنہ کو خاموش کر دے، مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر دے اور ان باہمی معاملات کی اصلاح کر دے۔

اگر گمراہی، جنگ اور بغاوت پر اڑے رہو گے تو مسلمانوں کو سر پر لے آؤں گا اور خدا کے پاس تمہارا محاکمہ کروں گا یہاں تک کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(۱)

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ خط کے اختتام میں واضح جنگ کی دھمکی ہے اور امام حسنؑ کیلئے یہی روش اختیار کرنا ضروری تھی۔ امام پہلے دشمن کو راہ باطل کے ترک کرنے اور دوسرے لوگوں کی طرح بیعت کو قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ ایک مدبرانہ سیاسی روش ہے دشمن کے جذبہ مقاومت کو پست کرنے اور اس کے عزم وارادہ کو کمزور بنانے کیلئے اپنایا جاتا ہے، پھر یہ بات آپ اس وقت فرماتے ہیں جبکہ اس سے پہلے اس کے سامنے قریش سے آل محمدؐ کے احتجاج کو بیان کر چکے ہیں اور آپ نے اس بیان کے ذریعہ اس سے احتجاج کیا ہے۔

پس اس خط میں تین اہم نکات مدنظر تھے:

۱):۔ خیر خواہی کی دعوت، ۲)۔ تہدید آمیز وعدہ، ۳)۔ اس کے بعد کھلم کھلا جنگ کی دھمکی۔

امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ اپنے پدر بزرگوار کی روش اپنائی۔ بے شک امام حسنؑ کو انہیں حالات کا سامنا تھا جو حالات حضرت علیؑ کو پیش آئے تھے۔ گویا امام حسنؑ کا زمانہ حضرت علی علیہ السلام کے دور کا ایک حصہ تھا جو حضرت علیؑ کی وفات کے بعد تک جاری رہا۔ جس طرح جنگ حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ایسی ضرورت تھی جس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا اسی طرح امام حسنؑ کے زمانہ میں بھی جنگ کی جگہ کوئی دوسری چیز نہیں لے سکتی تھی۔

جدید خلافت جن چیزوں سے آراستہ تھی ان میں سے ایک اس بات کی نشاندہی تھی کہ عین جوانی میں حضرت امام حسنؑ کافی اقتدار وتسلط کے مالک ہیں اور یہ کام اس بات کا لازمہ تھا کہ آپ خیانت کاروں کے ہاتھ کاٹ دیں اور اس اقدام سے اپنی ہیبت دلوں میں بٹھا دیں اور تمام امور کو اپنے قبضہ میں لینے نیز ثبات واستقرار کا راستہ اپنے لئے ہموار کر لیں۔

اس صورت میں ضروری ہے کہ آپ کا یہ مبارک خط واضح تہدید، شدید نصیحت اور محکم وقوی آمرانہ زبان

---

(۱)۔ شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۲.

کا حامل ہو: ''خدا سے ڈر، بغاوت وسرکشی کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کا خون نہ بہا، خدا کی قسم تیرے لئے اس بات میں کوئی خیر نہیں ہے کہ لوگوں کے خون کا گناہ خدا کی بارگاہ میں اپنے ساتھ لے جائے۔ میری اطاعت وتسلیم میں داخل ہو جا اور خلافت کے معاملہ میں خلافت کے اہل وحقدار سے نزاع نہ کر....''

شام میں اموی، ہاشمی خلافت کی دشمنی کا جھنڈا اسی طرح بلند کئے ہوئے تھے اور وہی پرانی بغاوت وسرکشی جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کے مقابل بھی اختیار کیے تھے۔ آپ کے صریح اور خیر خواہانہ خطوط سے معاویہ نے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا اور ان خطوط کے محکم استدلالات اور عاقلانہ روش کے باوجود وہ اپنی بغاوت وسرکشی پر اڑا رہا۔

جب ہم امام حسنؑ کے معاویہ کو لکھے جانے والے خطوط کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسی کوئی بات نہیں پاتے جو آپ جیسے بلند شخص سے بعید ہو یا محکم اور صحیح استدلال سے باہر ہو۔

ان خطوط یا گفتگو میں اہلبیتؑ کے لوگوں پر فرض شدہ حق یعنی مودت ومحبت کے وجوب کا ذکر ہے، یا آیہ تطہیر کا مصداق ہونے یا مسلمانوں پر ان حضرات کی ولایت کی بات ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے یا ان خطوط میں خلافت اور تعیین امام کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قطعی اور واضح نصوص مذکور ہیں یا آپ نے معاویہ کو تسلیم و اطاعت، مسلمانوں کے حفظ خون، فتنہ کی آگ بجھانے اور باہمی اصلاح کی طرف دعوت دی ہے۔

اس کے برعکس معاویہ کے امام حسن علیہ السلام کو لکھے جانے والے خطوط کا جائزہ لیں تو اکثر ان میں اصل موضوع پر توجہ رہے تو اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑی ہیں اور اپنی پرانی دشمنی کو یاد دلایا ہے اور مسلمان بھائیوں کے درمیان تفرقہ اور نفاق کا جذبہ ابھارا ہے۔

اگر معاویہ کو تاریخ اسلام میں نسلی اور خاندانی احساسات وجذبات ابھارنے والا پہلا شخص کہا جائے تو بجا ہے معاویہ وہ پہلا شخص ہے جس نے لوگوں کو بھولی ہوئی دشمنی یاد دلا کر اختلاف کی آگ بھڑکائی اور اسلامی بنیاد یعنی اتحاد کو پاش پاش کر دیا اور اس بنیادی ستون کو متزلزل کر دیا جو حقیقت میں دین کی کامیابی اور لوگوں کی اصلاح کا سبب ہے۔

چونکہ معاویہ جانتا تھا کہ اپنے نام اور اپنے باپ ابوسفیان کے نام سے، کہ دونوں نہایت بدترین اور تاریک ماضی کے مالک ان کے شرمناک کارنامے تاریخ اور مسلمانوں پر واضح تھے، لہذا سادہ لوح لوگوں کو غافل کرنے اور اپنے جال میں پھنسانے پر قادر نہیں ہے۔

لہذا وہ امام حسنؑ کو لکھے جانے والے خطوط میں ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ کے ناموں کو یاد کرتا تھا اور ابوبکر کی بیعت سے اہلبیتؑ کی مخالفت کو امام حسنؑ سے جوڑتا تھا۔

معاویہ کے تمام خطوط جس مقصد کے تحت لکھے گئے تھے ان میں صرف ایک چیز کم تھی اور وہ خلافت کے حق کو ثابت کرنے اور اس مقدس مسند کے تصرف کیلئے معقول اور شرعی دلیل تھی۔ حتیٰ عثمان کے قتل کا موضوع جس کا الزام حضرت علیؑ پر لگایا گیا کہ جس کے نتیجے میں علیؑ اور معاویہ کے درمیان طویل جنگیں ہوئیں اب جبکہ حضرت علیؑ شہید ہوگئے تو یہ موضوع ماند پڑ گیا اور بیکار ہوگیا، اب معاویہ امام حسنؑ کے مقابل تھا۔ وہی امام حسنؑ جو عثمان کے قتل کے دن ان کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر ان کا دفاع اور بچاؤ کر رہے تھے یہاں تک کہ مورخین کے اقوال کے مطابق آپ کا جسم خون سے رنگین ہوگیا تھا۔ وہی امام حسنؑ جن کے بارے میں طقطقی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

"...آپ نے عثمان کے دفاع کیلئے اس قدر سخت جنگ کی کہ خود عثمان آپ کو منع کر رہے تھے لیکن آپ نے اسی طرح جنگ جاری رکھی اور ان کیلئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا"

یہ وہی خطرناک موقع تھا کہ دوسرے لوگ عثمان کے نزدیک بھی نہ گئے اور ان کے اپنے اقرباء اور رشتہ دار بھی انہیں چھوڑ چکے تھے۔(۱)

---

(۱)۔ جو لوگ اس مختصر کی تشریح کے خواہاں ہیں وہ استاد عبداللہ علایلی کی اس منظر کشی کا مطالعہ کریں جو انہوں نے عہد عثمان میں مسلمانوں کے اجتماع کے بارے میں کی ہے۔ (ایام الحسین، ص ۱۱۲۔۱۲۸)۔

گویا بہتر یہی ہے کہ اس منظر کشی سے متعلق خطوط کو اس کی باتوں سے اقتباس کریں اور فائدہ کی تکمیل کی خاطر یہاں پر نقل کریں وہ اس طرح لکھتے ہیں: ان امویوں نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کی کہ وہ اپنے بے جان قالب اور بے کار وجود کے ساتھ اپنی شخصیت اور مشیت کے قائل ہوتے بلکہ اس نے اس سے بھی آگے قدم بڑھا دیا اور معاشرہ کو گروہوں میں بانٹ دیا... اور اچانک بے شمار دولتیں امویوں اور ان کے وابستہ گروہ کے پاس جمع ہوگئی۔ اور مروان نے معاشرہ کے مقدر کو اپنی ہوا و ہوس کے مطابق اپنے ہاتھ میں لے لیا اور زیادہ بڑے بڑے صوبے ایسے ویسے لوگوں کا کھلونا بن گئے۔ یعلی بن امیہ نے اپنی بے شمار ملکیتوں کے باوجود ایک لاکھ دینار کے برابر دولت جمع کی اور "عبدالرحمٰن بن عوف" کی ملکیت میں پانچ ہزار دینار کا مزید اضافہ ہوگیا۔

قہری طور پر اکثر لوگوں نے اس روش سے انکار کیا اور خلیفہ کے ناصروں سے جنگ شروع کر دی اور انہیں بے دینی کا الزام لگایا اور ان سے جنگ چھیڑ دی جو سر دار اور مخفی دونوں طریقے سے شروع ہوگئی لیکن دن بہ دن تیز سے تیز ہوتی گئی۔

اس وقت کے عمومی حالات دو جملوں میں خلاصہ ہوئے ہیں: حکومت قوم و ملت کے ساتھ مکاری کر رہی تھی اور قوم حکومت کے خلاف سازش، لیکن ہمیشہ برتری اور آخری کامیابی قوم ہی کو ملی، انصاف کا ذکر کرنا چاہئے کہ قوم نے اس حال میں غرور اور تند مزاجی کا رویہ نہیں اپنایا۔ سب سے پہلے سرپرستوں اور حکومت کے عہدہ داروں سے رابطہ کیا اور بارہا اپنے نمائندوں کے ذریعہ اپنی خواہشوں کو درمیان میں رکھا لیکن ☜

ہاں! معاویہ کے امام حسنؑ کو لکھے جانے والے خطوط میں صرف ایک دلیل اور حجت یہ تھی، معاویہ کہتا تھا: میں حکومت آپ سے پہلے سے کر رہا ہوں اور اس کام میں آپ سے زیادہ میں تجربہ کار ہوں اور عمر میں آپ سے بڑا ہوں'' اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی دلیل نہ تھی۔(۱)

بے شک اگر معاویہ کے پاس ان جملوں کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر دلیل اور حجت ہوتی تو ضروری بیان کرتا۔ اور اپنی کامیابی کیلئے لوگوں کو پرانی دشمنی یاد نہ دلاتا اور ان کے احساسات و جذبات بھڑکا کر انہیں کینہ و دشمنی پر نہ ابھارتا۔ اور کاش ہم سمجھتے کہ وہ اپنے کس تجربہ کو یاد کر رہا ہے؟!

☜ ہر بار اس کی خواہش رد ہوگئی وہ بھی ایسی شکست جو پے در پے ابھارنے والی اور تحریک کرنے والی تھی۔

اس وقت عمرو بن عاص نے لوگوں کو عثمان کے خلاف ابھارا اور کھلم کھلا ان کی سیاست پر تنقید کی اور خفیہ طریقوں سے اس کی معلومات حاصل کی اور ان کے گھر کے اندر کے راز کو فاش کر دیا جس سے بھی ملا اس کے اندر عثمان کے خلاف بدگمانی اور نفرت پیدا کر دی۔ اور جب عثمان نے اپنے مخالفین اور بلوائیوں کیلئے خطبہ دیا تو اس نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! تم نے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے تم توبہ کرو تو ہم بھی توبہ کر لیں گے۔''

دوسری طرف عائشہ، عثمان سے اس درجہ ناراض تھی کہ خطبہ کے دوران انہوں نے رسول خداؐ کا لباس لہرا دیا اور کہا: یہ پیغمبر کا لباس ہے جو ابھی بوسیدہ نہیں ہوا ہے لیکن تو نے ان کی سنت کو بوسیدہ کر دیا ہے۔''

ایک طرف طلحہ اور زبیر نے بلوائیوں کی مالی امداد کی... لیکن علیؑ نے اپنی تمام تر ناراضگی کے باوجود اپنے دونوں بیٹوں کو (معاشرہ میں تمام عظمت و جلالت کے باوجود) اور اسی طرح خادموں کو بھیجا تا کہ غیر عادلانہ ناگوار حالات سے روک سکیں جب آپ کو یہ خبر ملی کہ لوگوں نے عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا ہے اور ان پر پانی بند کر دیا ہے تو پانی سے بھری تین مشکیں بھیجی اور حسن اور حسین علیہما السلام سے کہا: اپنی تلوار نکال کر عثمان کے گھر کا پہرہ دو اور کسی کو ان تک رسائی کا موقع نہ دو کہ نقصان پہنچا دے۔ اس واقعہ میں حسن بن علی علیہما السلام کا جسم نازنین لہولہان ہو گیا اور حضرت علی علیہ السلام کے غلام قنبر زخمی ہو گئے۔

یہی وہ چیز ہے تاریخ نے علی علیہ السلام اور اولاد علیؑ کے کارنامہ کو بھلایا نہیں ہے جبکہ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہے کہ عثمان نے ایام محاصرہ میں معاویہ کو شام میں خط لکھا: اہل مدینہ کافر ہو گئے ہیں اور میری اطاعت سے سرپیچی کرتے اور میری بیعت توڑ چکے ہیں۔ لہذا شام کے جنگجوؤں کو سرکش گھوڑوں پر سوار کر کے جتنا ہو سکے روانہ کرو۔ معاویہ نے خط پڑھ کر ٹال مٹول اور سستی کی کیونکہ اپنے ادعا کے مطابق پیغمبر کے صحابی کی مخالفت اچھی نہیں سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ سب اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو چکے ہیں۔ مضحکہ خیز اور حیرت انگیز بات یہ ہے: عمرو بن عاص، لوگوں کو عثمان کے قتل پر ابھارے، عائشہ ان کے رو در رو کھل کر مخالفت پر کھڑی ہو جائیں، معاویہ ان کی مدد کرنے کو ٹال جائے اور طلحہ و زبیر ان کے مخالفین کی مدد کریں اور پھر یہ سب ایک دوسرے کو ان کی خونخواہی اور انتقام لینے کی تشویق کریں اور ان کے خون کا مطالبہ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام سے کریں کہ آپ نے ان کو خیر خواہانہ نصیحت کی، انہیں اس سرانجام سے ڈرایا اور حوادث و مشکلات میں ان کی سپر بنے رہے...''

(۱)۔ شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۳

آیا اس دن کو یاد کر رہا ہے جب اس کے ہاتھوں شام میں آہ و بکاء تھی اور شامی اپنی شکایتیں عمر کے پاس لائے اور عمر جو کہ اندر سے سخت بھرا ہوا تھا، قاصد کے ذریعے اسے طلب کیا اور اس وقت وہ عمر سے اتنا ڈرتا تھا کہ ان کا اپنا غلام یرفا بھی اتنا اس سے نہیں ڈرتا تھا۔

یا وہ دن یاد کر رہا ہے جس دن سبز رنگ کا لباس پہنے بڑے فخر سے عمر کے پاس گیا اور عمر نے اس کے سر پر تازیانے اور کوڑے مارے؟!

لیکن یا وہ وقت یاد کر رہا ہے جب عثمان کی لاعلمی میں ان کے نام سے تمام کام انجام دیتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کیلئے بدبختی کا سبب بن گیا۔

کبھی کوئی شخص تجربہ کاری، چالاکی اور عیاری کے زیر اثر ممکن ہے عام آراء و افکار کے رخ کو اپنے شخصی عقیدہ و رائے کی سمت موڑ دے۔ (خواہ اس عقیدہ و رائے کا سرچشمہ اللہ کی رای ہو یا ذاتی ہوس)

یا وہ وقت یاد کر رہا ہے کہ بغاوت کر کے اس نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ وقت کے امامؑ سے جنگ کی اور اس کے پاس جنگ کا کوئی عذر بھی نہ تھا۔؟! کیا یہ کارنامے حکومت کیلئے اس کے افضل، لائق اور شائستہ ہونے میں دلیل بن سکتے ہیں اور اگر نہیں تو پھر اس شائستگی کا کیسے دعویٰ کر رہا ہے۔

آیا اس طریقے سے حاصل ہونے والی حکومت کہ جس کی بنیاد جھوٹ، تہمت اور خون ریزی پر ہو عظیم دینی منصب یعنی خلافت کیلئے شائستگی کی دلیل بن سکتی ہے؟

پے در پے اور ایک دوسرے سے متصل جملے جو (ظاہرا) محکم اور واضح استدلال کی روش کے ساتھ ہیں ان سب کی بازگشت معنی کے اعتبار سے ایک ہی بات کی طرف ہوتی ہے اور وہ ہے طولانی مدت سے استدلال!!

لیکن حق اور اسلامی اصول میں ہمیں کوئی ایسا معیار نہیں ملا جو خلافت کو طویل مدت یا عمر کے زیادہ ہونے سے ثابت کرے کبھی کوئی شخص لوگوں کے ضمیر خریدنے اور معاشرے میں فتنہ و فساد برپا کرنے میں سب سے زیادہ چالاک اور تجربہ کار ہوتا ہے لیکن یہ چیز نبوت کی جانشینی کیلئے شائستگی اور استحقاق کا موجب نہیں بن سکتی۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے اعصاب کے کنٹرول کرنے اور احساسات و جذبات کو پوشیدہ رکھنے میں اتنا قوی ہوتا ہے کہ لوگ اسے بہت بڑا حلیم و بردبار سمجھتے ہیں لیکن یہ بھی لوگوں کے درمیان دینی رہبری

وامامت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ حلم وبردباری جس طرح دینی امام اور پیشوا میں ہوتی ہے اسی طرح ممکن ہے طالبان ریاست، صاحبان اقتدار وحکومت اور منافقین کے اندر بھی پائی جائے۔

ایسا شخص صرف ایک بدعت گزار ہوسکتا ہے نہ کہ مسلمانوں کا خلیفہ. چونکہ خلیفہ صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں کام انجام دیتا ہے۔

اسی بنا پر اسلامی خلافت اور جانشینی رسالت کے بلند منصب کیلئے شائستہ انسان ایسی نادر شخصیت ہوتی ہے جس کا انتخاب خدا ہی اپنے بندوں میں سے کرتا ہے اور اس کی یگانہ خصلتیں اور پسندیدہ فضائل کی وجہ سے اسے دوسروں پر برتری دیتا ہے اور خدا جو انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے اس شائستہ اور ممتاز بندہ کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے اور وحی کے ذریعہ اپنے رسول کو نام ونشان کے ساتھ اس کا تعارف کراتا ہے اور رسول اسے اپنی نیابت وامامت کیلئے چن لیتا ہے اس نص اور انتخاب الٰہی کے بعد کسی دوسرے کو کسی کے انتخاب اور معین کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

لیکن معاویہ اور اس کے باپ دونوں کے داغدار ماضی نہ ہی ان دونوں کے اسلام لانے کی کیفیت اور نہ ہی وہ رول جو اس نے عمر وعثمان اور حضرت علی علیہ السلام کے مقابلے میں ادا کیا اس بات سے مانع تھا تا کہ عظیم ترین اسلامی منصب کی وہ مخالفت اور طمع نہ کرے یہاں تک کہ امام حسنؑ، فرزند رسولؐ جن کی تمام اسلامی ملکوں کے مسلمانوں نے بیعت کی تھی اور پیغمبرؐ کے خاندان، اصحاب، اعزا، اقرباء اور دوست احباب سب نے اطاعت کی، انہیں معاویہ یہ کہہ رہا ہے۔

"پس میں تم سے عمر میں بڑا اور تم سے زیادہ آزمودہ کار اور تجربہ کار ہوں"

کیا استدلالات کی دنیا میں ایسا استدلال پایا جاسکتا ہے جو عجز وبے دلیلی کے اظہار میں اس سے بڑھ کر ہو؟

معاویہ نے دوسری دفعہ بھی امام حسنؑ کو خط لکھا لیکن اس بار قتل کی دھمکی اور مکر وفریب کے قصد سے تھا۔ گویا وہ امام حسن بن علیؑ کی شناخت میں غلط فہمی کا شکار تھا کہ اس نے گھٹیا اور پست انداز سے ان سے کہا... اس بات سے بچو کہ تمہاری موت پست لوگوں کے ہاتھ سے ہو اور اس بات سے ناامید ہوجاؤ کہ ہمارے درمیان کوئی کمزوری پیدا کرسکو۔ پھر میرے بعد خلافت تمہارے لئے ہے کیونکہ تم خلافت کے

سب سے زیادہ حقدار ہو.....(۱)

آخری جواب امام حسنؑ کے قاصدوں جندب بن عبداللہ ازدی اور حرث بن سوید تیمی، کو یوں دیا" واپس چلے جاؤ! ہمارے اور تمہارے درمیان سوائے جنگ کے اور کچھ نہیں ہے۔(۲)

اس طرح معاویہ نے دشمنی شروع کی اور اپنے واجب الاطاعۃ امام حسنؑ کی مخالفت کی اور ان کے خلاف خروج کیا، ایسے امام و پیشوا جن کی اطاعت تمام مسلمانوں نے کی تھی سوائے معاویہ اور اس کے ان پیروکاروں اور دست پروردہ لوگوں کے، جو ایسے اندھے تھے کہ صعصعہ بن صوحان عبدی نے معاویہ کے سامنے کہا: وہ لوگ مخلوق کے فرمانبردار ترین لوگ اور خدا کے نافرمان ترین لوگ ہیں۔ وہ لوگ خدا کے نافرمان اور اشرار کے ہم پیمان ہیں۔(۳)

مسلمانوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس نے اس کی بیعت نہ کی ہو۔

اہل کوفہ معاویہ کی دھمکی سن رہے تھے اور عراق کی سمت اس کی پیش قدمی کی خبر دریافت کر رہے تھے اور نمایاں اور نامور شیعہ رجز پڑھ رہے تھے اس طرح زمانہ گزر رہا تھا۔ جنگ کی صورت یقینی ہوگئی تھی اور ولی امر کیلئے ضروری تھا کہ وہ حادثاتی بگڑتے حالات کا جواب دیں اور واقعیت کے حکم کے مطابق عمل کریں۔

باغیوں سے جنگ کرنا ایک ایسا فریضہ تھا جس کا دینی عقیدہ و طرز فکر تقاضا کر رہے تھے۔ دراصل اسلامی خلافت میں اتحاد، دوام اور استمرار اسی وقت آسکتا تھا جب معاویہ نے مسلسل تین سال خلافت کے خلاف اپنی مسلحانہ جھڑپوں کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں جو شورش پیدا کردی تھی وہ ختم ہوجائے معاویہ نے جو شام کی جنگیں کیں وہ اسلام کیلئے سب سے زیادہ نقصان دہ تھیں جو خون ان جنگوں میں بہایا گیا جو حق پامال ہوا جو حقائق چھپائے گئے جو کامیابی کم عقلوں کو ہوئی اور لوگوں کی ہوا و ہوس سے انہیں دنیاوی مقام ملا تاریخ اسلام کی تمام جنگوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

اسلام نے اپنے بلند انسانی اصول کی روشنی میں جنگ کو صرف راہ خدا، میں اور انسانوں کی اصلاح اور

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۰/اور۱۳.

(۲)۔شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۰/اور۱۳.

(۳)۔ مسعودی، ابن اثیر کے ایک حاشیہ، ج۶، ص۱۱۹.

اسلامی معاشرے کے دفاع کیلئے جائز جانا ہے سرحدوں پر حملہ کرنا ، لوگوں کو ڈرانا ، مسلمانوں کے ساتھ لڑنا وغیرہ کوئی بھی اسلام کے اصول کے تحت مشروع نہیں ہے ایسی جنگوں کو صرف جاہلیت کا وحشیانہ نظام، صحیح سمجھتا ہے۔ایسی ہی جنگیں تھیں جنہوں نے تمام مسلمانوں کے اتحاد کو پاش پاش کر دیا ان کے گروہوں کے درمیان کینہ ودشمنی کا بیج بو دیا۔

ان جنگوں میں دو کمینوں اور بیوقوفوں'' کے ایک گروہ (اس تعبیر سے ان کو شبث بن ربعی تمیمی نے معاویہ کے سامنے یاد کیا تھا جبکہ اس نے ۳۶ھ میں معاویہ سے ملاقات کی تھی) نے معاویہ کا ساتھ دیا اس نے ان کی اخلاقی گراوٹ، کج فہمی اور بداندیشی سے سوء استفادہ کیا اور ان سب کو موت اور ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیا اس حال میں کہ وہ اس سے راضی اور اس کے مطیع تھے۔

بنی ہاشم کا یہ موروثی کردار تھا کہ کبھی خود انہوں نے جنگ شروع نہیں کی۔امام حسن علیہ السلام نے اپنے لشکر کے سپہ سالار عبیداللہ بن عباس کو اس پسندیدہ ہاشمی خصلت کے مراعات کرنے پر تاکید فرمائی تھی۔امام حسن علیہ السلام کے پاس خاص طور پر اپنے پدر بزرگوار سید العرب، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے احکام ووصایا کا ایک خزانہ تھا اور جیسا کہ تاریخ گواہ ہے آپ کے پدر بزرگوار آپ پر بہت مہربان تھے اور آپ کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کرتے تھے(۱) یہ احکام ووصایا دینی امور میں ہوں یا دنیاوی امور میں، تربیت سے متعلق ہوں یا اخلاق سے بلا استثناء ایسے قیمتی نمونے تھے جو عین حق تھے اور باطل وخطا سے دور تھے۔انہیں وصیتوں میں سے حضرت علیؑ کی ایک وصیت یہ تھی ہرگز کسی سے مبارز طلبی نہ کرنا ہاں اگر تمہیں کوئی جنگ کی دعوت دیتا ہے تو اسے قبول کر لینا، کیونکہ جنگ افروز، باغی اور تجاوز کرنے والا ہے ہر زیادتی کرنے والا ہے مغلوب اور شکست خوردہ ہے۔

یہی سبب تھا کہ امام حسنؑ نے بیعت کے شروع میں اپنے رفقاء کو جو بے صبری سے جنگ کے انتظار میں تھے، کوئی مثبت جواب نہ دیا اسلئے کہ آپ جنگ کو ایک ایسے نامطلوب فریضہ کی نظر سے دیکھتے تھے جن کا سہارا صرف ضرورت کے وقت اور لاعلاج صورت میں لیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ آپ ایسی جنگ کے انتظار میں تھے کہ جس کیلئے پہلے ہی سے ضروری قوت اکٹھا کر چکے

---

(۱)۔ تاریخ ابن کثیر، ج۸،ص۳۶۔۳۷.

ہوں یا وہ قوت جنگ کے انجام کی ضامن ہو...اس وقت کے بحرانی حالات جو کہ روز بروز اور زیادہ سے زیادہ بگڑتے جارہے تھے، آپ کی خواہش پوری ہونے سے مانع تھے۔

پہلی فصل میں ہم مختلف گروہوں یعنی امویوں، خوارج، شکاکین اور الحمراء کے بارے میں بیان کر چکے ہیں اور اس فتنہ وفساد اور افتراق واختلاف کا بھی ذکر کر چکے ہیں جس سے اس وقت کا معاشرہ دوچار تھا۔

یہ تمام عوامل سبب بنے اگر چہ ان میں سے بعض بھی کافی تھے کہ امام حسنؑ نے اپنے بہت سے مخلص اصحاب کی پیشکش کے باوجود جنگ میں تاخیر کی وقتی طور پر شور وغل جو بیعت کے دنوں میں کوفہ پر محیط تھا اس نے امام کے ان سچے ناصروں کو دھوکہ دیا اور اپنے جدید خلیفہ کے حق میں ہر ممکن امیدوار بنادیا تھا۔ لیکن یہ سطحی اور قریب کی نظر تھی جو پردے کے پیچھے نہیں دیکھ رہی تھی اور اس محاذ کے مخصوص ہدف کو شمار نہیں کر رہی تھی۔

لیکن امام حسنؑ اپنی ہوشیاری اور بصیرت آمیز نگاہ سے دور دراز مستقبل کا نظارہ کر رہے تھے اور اپنی بیدار عقل کے سہارے ان سے زیادہ مشکلات کو پہچان رہے تھے۔ اور اپنے دینی فریضہ کے مطابق تمام مصلحت کو زیادہ سے زیادہ دقت اور احتیاط سے نظر میں رکھے ہوئے تھے۔

آپ موقعیت کی باریکی اور اس کی اہمیت کو خوب درک کر رہے تھے کیونکہ اخلاقی فساد جس میں اس کے ساتھی اور سپاہی گرفتار تھے، اس سے آگاہ تھے۔ اور اس بات سے پریشان تھے کہ اگر ضرورت سے پہلے جنگ شروع ہوگئی تو یہ اخلاقی فساد (دنیا کے عوض دین فروش کا حامل) جنگ کے شرائط میں اپنا کام کر جائے گا اور اپنا منحوس اور برا اثر چھوڑ دے گا۔

دوسری طرف دیکھا کہ ان کے فسادات میں سے کسی ایک کو بھی برداشت کرنا ان کی موجودہ سیاست کیلئے بے شمار مصلحتوں کا ضامن ہوگا۔ اور یہ احساس کیا کہ موجودہ صورتحال کو تدبیر سے گذارنا چاہئے۔ لہذا نرمی اور مدارا کا طرز اپنایا اور لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا اور اپنے پروگرام میں نرم رویہ، مدارا اور چشم پوشی کو بروئے کار لائے اور صلح وصفائی کو مناسب موقع کے انتظار میں ٹال دیا یہ سب کچھ عالمی فتنہ سے روکنے اور اندرونی ساز باز کی خاطر تھا جو امام حسنؑ نے کوفی سماج کے پیکر پر مظاہرہ کیا تھا۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کی تحقیق کئے بغیر گذر جانا مناسب نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ صحیح

ہے کہ کسی حکومت کا سربراہ ایسے ناگفتہ بہ حالات اور ناسازگار ماحول میں، فتنہ وفساد، ہرج ومرج کے اسباب کو کچل ڈالے اور انتہائی دقت اور احتیاط سے کام لے اور شدت عمل سے سازشوں کو کشف کرے اور جرائم پیشہ افراد کو سزا دے، پھر حسن بن علی علیہما السلام نے سختی کرنے کے بجائے نرمی، خوش رفتاری اور حسن سلوک کیوں کیا؟ جبکہ ان کیلئے امن وامان برقرار کرنے کیلئے خاص صورتحال اور موقعیت اور آئندہ خطرناک کی ضمانت کو پہلی روش (بدمزاجی اور سختی) کی زیادہ، ضرورت تھی۔

اس سوال کے تین جواب ہیں جس کا آٹھویں فصل (عناصر سپاہ) کے آخر میں اشارہ ہوگا یہاں پر صرف اتنا ہی کہیں گے کہ اگر امام حسن علیہ السلام سختی (جو کہ آج ایسے موارد میں سب کیلئے بیان کی جاتی ہے) سے کام لیتے تو اپنے ہاتھوں وقت سے پہلے فتنہ کی آگ بھڑکا دیتے اور داخلی شورش جو کہ شام کی جنگ سے کم نقصان دہ نہیں تھی اس کیلئے میدان صاف ہو جاتا اور معاویہ ایسا دشمن تھا جو مسلسل اپنی مالی اور فکری توانائی کے ساتھ ایسے وقوع کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ کوفہ میں اندرونی خلفشار مچا دے۔ اس وجہ سے اس وقت کے خطرناک ماحول میں بہترین روش یہی تھی جو امام حسن علیہ السلام نے انتخاب کی تھی۔

آپ کے ایک صحابی کی پیشکش کے جواب میں، جس کا یہ نظریہ تھا کہ جنگ جلدی شروع کر دینی چاہئے اور وہ یہ کہہ رہا تھا: معاویہ کی طرف حرکت کرنے میں سبقت کیجئے تا کہ اس کے شہر ودیار میں جنگ کا ایک ماحول بن جائے..." (۱) ہم یہ کہیں گے کہ اگر امام حسن علیہ السلام یہ کام کرتے تو کوفہ میں مخالف محاذوں اور گروہوں کے لیڈروں اور ظاہر مقدس مآب لوگوں کو ظاہری مخالفت کے لیے ایک مناسب دستاویز دیدیتے جو زیادہ بے دلیل اور ناقابل توجیہ نہیں تھی۔ اور ان کی مخالفت کی توجیہ کرنے کیلئے، یہی جنگ شروع کر دینا کافی ہوتا جو اکثر لوگوں بلکہ کم سے کم زیادہ اور سطحی نظر والوں کے نزدیک بے جواب اعتراض رہ جاتا ممکن ہے کہ یہی مسئلہ امام حسن علیہ السلام کی بیعت شکنی، نافرمانی اور کھلم کھلا مخالفت کا باعث ہوتا اس اعتبار سے جنگ میں پیش قدمی جیسا کہ بعض لوگ حضرت سے پیشکش کر رہے تھے درحقیقت اس معنی میں تھا کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں خطرناک ترین اور حد درجہ دردناک، رخنہ اور معاشرہ میں اختلاف ایجاد کیا اور اس کے انجام کو برداشت کیا۔

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۳.

اسی وجہ سے حسن بن علی علیہ السلام نے ترجیح دی کہ تعرض نہ کر کے موجودیت کی حفاظت کرتے ہوئے جنگ شروع کرنے میں جلد بازی نہ کریں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اچانک جہاد کا حکم دے دیا۔

آپ ایسے موقع پر ایسے حالات سے دوچار ہو رہے تھے کہ تمام لوگوں کے خیالات کے مطابق جہاد کا حکم دینے کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں رہ گئی تھی، کیونکہ معاویہ نے دشمنی اور سرکشی شروع کر دی تھی اور ملک رانی کی ہوس وہ بھی اسلامی سرزمینوں کے اندر تحریک ہو چکی تھی۔ اور عراق میں "منبج پل" تک یہ سب کچھ ہو چکا تھا۔(۱)

اور یہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کے کچھ دن گذرنے کے بعد تھا جسے یعقوبی نے بہت مختصر جانا ہے یعنی ۱۸ دن وہاں یعنی علیای فرات کے اطراف میں جہاں معاویہ پر امن اور پر سکون جگہ پر رعب و دہشت ایجاد کرنے کیلئے اور کوفہ کے دلیروں کو دھمکی دینے اور تدریجی جنگ کا اعلان اور اپنی مخالفت کی صدا بلند کر رہا تھا تا کہ لوگوں کے اندر خوف و سراسیمگی پھیل جائے۔

وہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کو کوفہ اور شام کا قصہ تمام کرنے کیلئے بہترین موقع سمجھ رہا تھا۔ یہ وہ آخری فیصلہ تھا جس پر اس نے اور اس کے مشیروں نے اتفاق کیا یہ وہی مشیر ہیں جو اس کے شب و روز کے ساتھی تھے جو بنی ہاشم کی خلافت سے مخالفت کی تحریک کو ذہانت اور ہوشیاری اور تجربہ کے ساتھ رہبری کر رہے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن عاص، مروان بن حکم، ولید بن عتبہ، یزید بن حر عیسی، مسلم بن عقبہ اور ضحاک بن قیس فہری جیسے لوگ معاویہ مناسب موقع کے انتخاب اور کوفہ میں خلل اندازی کرنے میں کامیاب ہو گیا، اور اس نے اس کام کیلئے پورے اہتمام کے ساتھ کوتاہ نظر اور پست فطرت لوگوں کو پیسوں سے خرید لیا اور چاروں طرف جاسوس پھیلا دیئے اور جب وہ لوگ جا رہے تھے تو جاتے وقت اپنے ہمراہ جھوٹ کا پولندہ لئے ہوئے تھے اور واپسی پر گوناگوں خبریں اور معلومات وہ بھی طے شدہ فیصلوں سے متعلق یا پھر دشمن کے جنگی امکانات یعنی اسباب و وسائل کی خبروں کے ساتھ اور یہ اس کا سب سے زیادہ مؤثر اور

---

(۱)۔ منبج ایک پرانا شہر ہے اور اسی نام سے مشہور پل تک فرات کے اوپر سے ۳ فرسخ اور حلب تک ۱۰ فرسخ (اور معجم کے بقول دو دن کا فاصلہ ہے۔ وہاں سے "ملیطہ" تک چار دن اور فرات تک ایک دن کا راستہ ہے کچھ لوگ اس شہر کی معروف شخصیتیں ہیں جیسے بکری اور ابو فراس حمدانی" ج ۲، ص ۱۹۱.

قوی ترین جنگی حربہ تھا۔

''معاویہ نے تمام قبیلوں اور ان کے سپاہیوں کو عمومی آمادگی کی دعوت دی اور اپنی حکومت کے تمام اطراف مکتوبات روانہ کر دیئے جس کا مضمون اس طرح تھا: میرا خط ملتے ہی جتنا جلد ممکن ہو میری طرف چل پڑو''۔(۱)

امام حسن علیہ السلام نے بھی اس کے مقابل، معاویہ کی جنگ طلبی کا جواب دینے کیلئے اپنے ارادہ، اور فیصلہ پر غور کر کے قانونی طور پر جنگ کا اعلان کر دیا۔ ان کے اس اعلان پر خالص مؤمن، حاملان قرآن، جنگ کے کمانڈر اور اسلام کے پاکیزہ نفوس آپ کے پاس جمع ہو گئے، جیسے: (۱) حجر بن عدی (۲) ابو ایوب انصاری (۳) عمرو بن قرضہ ی انصاری، (۴) یزید بن قیس ارحبی (۵) عدی بن حاتم طائی (۶) حبیب بن مظاهر (۷) ضرار بن خطاب (۸) معقل بن سنان اشجعی (۹) وائل بن حجر حضرمی (سید الاقبال) (۱۰) هانی بن عروة (۱۱) رشید هجری (۱۲) میثم تمار (۱۳) بریربن خضیر (۱۴) حبه ی عرنی (۱۵) حذیفة بن اسید (۱۶) سهل بن سعد (۱۷) اصبغ بن نباته (۱۸) صعصعة بن صوحان (۱۹) ابو حجة عمرو بن محصن (۲۰) هانی بن اوس (۲۱) قیس بن سعد (۲۲) سعیدبن قیس (۲۳) عابس بن شبیب (۲۴) عبدالله بن یحیٰی حضرمی (۲۵) ابراهیم بن مالک اشتر (۲۶) مسلم بن عوسجة (۲۷) عمروبن حمق (۲۸) بشیر همدانی (۲۹) مسیب بن نجیه (۳۰) عامر بن وائلة (۳۱) جویریة بن مسهر (۳۲) عبدالله بن مسمع همدانی (۳۳) قیس بن مسهر صیداوی (۳۴) عبدالرحمن بن عبدالله بن شداد (۳۵) عمارة بن عبدالله سلولی (۳۶) هانی بن هانی سبیعی (۳۷) سعید بن عبدالله (۳۸) کثیر بن شهاب (۳۹) عبدالرحمن بن جندب (۴۰) عبدالله بن عزیز (۴۱) ابوثمامه ی صائدی (۴۲) عباس بن جعدة (۴۳) عبدالرحمن بن شریح (۴۴) قعقاع بن عمرو (۴۵) قیس بن ورقاء (۴۶) جندب بن عبدالله ازدی (۴۷) حرث بن سوید (۴۸) زیاد بن صعصعه تیمی (۴۹) عبدالله بن وال (۵۰) معقل بن قیس ریاحی (۵۱)

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۳۔

یہی لوگ امام حسنؑ کے محاذ کو تشکیل دینے والی قوی فوج تھی جن کو امام حسنؑ عبید اللہ بن عباس کو دیئے گئے اپنے حکم میں اس طرح توصیف کرتے ہیں: ''ان میں سے ہر ایک فرد ایک لشکر پر بھاری ہے'' اور معاویہ نے جنگ صفین میں ان کے بارے میں اس طرح بیان کیا: ''ان کے دل ایک دل کی طرح ہیں'' اور کہا: یہ لوگ جب تک ایک گروہ کو قتل نہیں کرتے خود قتل نہیں ہوتے''۔ یہی لوگ تھے جن کے بارے میں معاویہ کہتا تھا: ''جب بھی میں جنگ صفین میں ان کی نگاہوں کو خود کے نیچے یاد کرتا ہوں تو میرے ہوش اڑ جاتے ہیں''۔ اور دشمن کی گواہی یقیناً سب سے سچی گواہی ہے۔

خوش فہمی کا سارے لوگ ہی شکار تھے۔ جہاد کی دعوت کے موقع پر کوفہ ہلنے لگا اور لوگ جوق در جوق جنگی صفوں سے ملحق ہونے لگے۔ ان رضا کارانہ جنگ کرنے والوں کے درمیان مختلف عناصر بھی پائے جا رہے تھے اور کسی کو بھی یاد نہیں ہے کہ اس سے پہلے ان میں سے کسی میں بھی اتنے شوق اور جدیت سے ان نیک کاموں اور خدا پسندانہ اقدامات نہیں دیکھے گئے۔

لہذا امام حسنؑ کی فوجی چھاونی میں ان مخلص انصار کے ساتھ کچھ نا معلوم افراد اور کچھ لوگ مشہور گھرانوں سے متعلق بے شمار اور کج فکروں کی جماعت جو امام حسنؑ کی فکر کے برعکس فکر رکھتے تھے ممکن ہے کہ وہ لوگ دشمن کی جاسوسی کرنے آئے ہوں آخر کار کچھ سست عناصر جو جنگ سے فرار کرنے والے اور مال غنیمت جمع کرنے کے علاوہ ان سے کوئی اور امید نہیں رکھی جا سکتی تھی، اور انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ ''ان کا کوئی بھی گروہ دیگر گروہ کی رای اور فکر سے موافق نہیں تھا بلکہ سارے کے سارے بے فکر اور بے ہدف تھے اس کے علاوہ ان کے اندر گروہی جنگ و جدال جو جنگی شرائط حالات کے راہ کا کانٹا تھے اور ان کے درمیان اس طرح کیسے شمار رکاوٹیں پائی جا رہی تھیں۔

امام حسنؑ پہلے ہی دن سے، اس افسوس ناک گیرودار سے خوفزدہ اور پریشان تھے یہ ایسی چیز ہے کہ بعض مآخذ اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آپ کو آگے آگے سارے لوگوں کے نعرہ جنگ بلند کرنے سے، نہ پائداری کی امید تھی نہ اخلاص اور ہم خیالی کی۔

اس عوامی دھڑے کے پیچھے کوفہ کے منافقین اور دورخے لوگ تھے کہ کسی صورت ان کی اصلاح اور ہدایت کی امید نہیں کی جاسکتی، جیسے اشعث بن قیس، عمرو بن حریث، معاویہ بن خدیج، ابوبردہ ی اشعری، منذربن زبیر، اسحٰق بن طلحہ، حجربن عمرو، یزید بن حارث بن ر ویم، شبث بن ربعی، عمارۃ بن ولید، حبیب بن مسلمہ، عمر بن سعد، یزید بن عمیر، حجاربن ابجر، عروۃ بن قیس، محمد بن عمیر، عبداللہ بن مسلم بن سعید، اسماء بن خارجۃ، قعقاع بن شور ذھلی، شمر بن ذی الجوشن...

امام حسن علیہ السلام جانتے تھے کہ اس گروہ کا انجام کیا ہوگا۔

یہ سب کوفہ کے وہی نافرمان لوگ تھے جو مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے لئے اور اپنے جیسے لوگوں کیلئے اپنی خواہش اور ارادہ کے مطابق، اخلاقی قانون وضع کرتے تھے! اسلام جو کہ دلوں میں اخلاق کا چشمہ جاری کرنے والا ہے اور مسلمانوں کو بے شمار نعمتیں دینے والا ہے ان احمق لوگوں کے مجموعہ میں مادہ پرستی سے شکست کھا چکا تھا یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ پیغمبر کے خاندان سے کوسوں دور ہو چکے تھے۔ اور تعلیم و تربیت اور تہذیب و ثقافت کی صلاحیت کھو چکے تھے۔

جس وقت امام حسن علیہ السلام کی لوگوں نے مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ بیعت کی، اسی وقت دشمن کے ہم خیال بن کر بلوا اور شورش ایجاد کرنے لگے اور مسلسل کوئی نہ کوئی حادثہ رونما کرنے کی فکر، دھوکہ دھڑی، فرصت طلبی اور بڑے بڑے جرائم کیلئے سازشوں میں لگ گئے اور اس سلسلہ میں انہوں نے دینی اور دنیاوی نتائج کی بھی پرواہ نہیں کی۔

اس گروہ کا امام حسن علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہو جانا جو خطرہ امام حسن علیہ السلام کو چیلنج کر رہا تھا۔ دشمن کے مدمقابل اور کھلم کھلا جنگ کرنے سے کہیں زیادہ تھا۔

اس بنا پر کیا مناسب نہیں تھا کہ کوفہ کا حاکم آخری مرحلہ میں اکیلے رہ جانے سے خوفزدہ ہو۔ اور جہاں تک ہو سکے جنگ میں تاخیر کرے۔ اس میں شک نہیں کہ نتیجہ کار کا پوشیدہ رہنا صبر و تحمل کا باعث اور احتمالی نقصانات کیلئے زیادہ سے زیادہ آمادگی کا سبب ہے۔

لیکن اس وقت آپ کو جنگ کی دعوت دی گئی ہے تو مناسب یہی ہے کہ اپنے والد گرامی کی قابل قدر میراث اور خصلتوں کی طرف لوٹ آئیں شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے۔

ضروری تھا کہ آپ اپنے باپ کی وصیت پر عمل کریں: ''کبھی کسی کو جنگ کی دعوت نہ دیں؛ لیکن اگر تمہیں کوئی جنگ کی دعوت دے تو قبول کریں، کیونکہ جنگ کا شعلہ بھڑکانے والا ظالم ہوتا ہے....''

اسی طرح مسلمانوں پر حکومت کرنے کے بارے میں شرعی ذمہ داری کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ اس رہبر اور پیشوا کیلئے جس کی لوگوں نے اطاعت اور ان کی بیعت کی، کھلم کھلا قانون کی مخالفت اور اسلام کے ساتھ زیادتی کرنے پر چشم پوشی سے کام لینا جائز نہیں ہے اور ممکن حد تک ان سے مقابلہ آرائی نہ کرے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللهِ﴾

''جو لوگ ظلم و سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں ان سے اس وقت تک جنگ کرو کہ خدا کی طرف واپس آجائیں''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''من دعا الى نفسه، أو الى أحد، وعلى الناس امام، فعليه لعنة الله فاقتلوه''.

''جو بھی امام اور پیشوا کے ہوتے ہوئے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے اس پر خدا کی لعنت ہے لہذا اسے قتل کر ڈالو''

لیکن اس کام کیلئے وسیلہ، یعنی کجروی یا انحراف سے مقابلہ کرنے کیلئے طاقت....

غیر عادی حالات اور اس قاعدہ کے خلاف جس کا کوفے کے بہت سارے خیانت کرنے والوں نے اظہار تمایل کیا ہے۔ کوفہ کی ملحقہ سرحدوں میں اس درجہ فوجی قوتیں تھیں جو جنگ کیلئے ضروری فوج کی فراہمی کو قوت دیتی ہیں۔

اسلامی حکومت پہلی صدی کے وسط میں، سب سے بڑی فوج جو اس وقت حکومت کو فراہم تھی حکومت کے اختیار میں تھی سرحدوں کی حفاظت بے شمار احتیاطی تدبیروں کا باعث اور اسلامی فوج کے بڑے حصہ کا مرکز سے دور معین کرنا اور یہ بات اجازت نہیں دے رہی تھی کہ افواج کی زیادہ سے زیادہ تعداد مرکز کے قریب جنگ کے کام

آئے، بالخصوص ''دشواریوں پرانی روشوں اوراس وقت کے ناقص وسائل جنگی کے باوجود علاقے پرنظر رکھتے ہوئے۔

جولشکر صرف کوفہ کیلئے آمادہ کیا گیا تھادوروایت میں اختلاف کی بناپر(۱)اس کی تعداد یا ۹۰ ہزار تھی یا پھر ایک لاکھ اور بصرہ میں موجود لشکر کی تعداد ۸۰ ہزار تھی۔(۲)

یہ سب ایسے سپاہی تھے جوان دونوں شہروں میں حکومت کے خزانہ سے تنخواہ پاتے تھے ان لوگوں کے علاوہ غلاموں، ماننے والوں اور رضا کارانہ طور پر جنگ میں شریک ہونے والوں کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔

مجموعی طور پر عراق میں فوجیوں کی تعداد تین لاکھ پچاس ہزار افراد پر مشتمل تھی اور یہ تعداد ایران، یمن حجاز اور دیگر چھاونیوں کے فوجیوں کے علاوہ تھی۔

شیعوں کا جنگ سے لگاؤ ایک طرف خوارج کا، گمراہ لوگوں سے جنگ کرنے کا اصرار (خود ان کے بقول) ایک طرف ان کے علاوہ رائے عامہ بھی جنگ کرنے والوں کے طرفداروں کی طرفداری، مجموعی طور پر، ہر ایک کیلئے ضروری تھا کہ وہ خود کو جنگی توانائیوں کا مالک بنائے ان لوگوں کیلئے ضروری تھا کہ مڈبھیڑ اور مقابلہ کے موقع پر خدا سے کئے اپنے عہد و پیمان کو نہ توڑیں اور اسی طرح اپنی صداقت پر باقی رہیں۔

---

(۱)۔تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۹۴؛ الامامة والسیاسة، ص۱۵۱ ملاحظہ ہو۔

(۲)۔حضارة الاسلام فی دارالسلام، تالیف جمیل مدور.

● پانچویں فصل :

فوج اور کمانڈری

کوفہ میں منادی نے ندا دی، "الصلاۃ جامعہ"(۱)

لوگ مسجد میں جمع ہو گئے، امام حسنؑ منبر پر گئے خدا کی حمد وثنا کے بعد کہا:

"امابعد! یقیناً خداوند عالم نے خلق پر جہاد فرض کیا اور اسے "کرہ"، (مشقت) کا نام دیا اس کے بعد صاحبان جہاد سے فرمایا: ثابت قدمی اور پائیداری کا مظاہرہ کرو خدا پائیداروں کے ساتھ ہے۔ اور تم اے لوگو! جو پسند کرتے ہو اسے پالو گے۔ ہاں پائیداری اور صبر وتحمل کے بغیر اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز کو حاصل نہیں کر سکتے۔ میں نے سنا ہے کہ جب معاویہ نے ہمارے جنگ کے ارادے کو سنا تو اس طرف روانہ ہو گیا۔ لہذا تم لوگ بھی "نخیلہ" میں واقع چھاونی میں آجاؤ۔ تم پر خدا کی رحمت ہو، تا کہ سب کی رائے سے فیصلہ کروں۔"(۲)

اس واقعہ کے مؤرخین نے لکھا ہے:

"سارے لوگ خاموش ہو گئے اور کوئی کچھ نہیں بولا اور امام حسنؑ کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا!"

طی قبیلہ کے مشہور سردار اور کمانڈر عدی بن حاتم جو رسول اکرم ﷺ اور حضرت علیؑ کے نزدیک مسلمانوں کی نظر میں بلند مرتبہ پر فائز تھے نے یہ صورتحال دیکھی اور غصہ سے کانپتے ہوئے جھنجھوڑ دینے والی بلند آواز سے آواز لگائی کہ سب لوگ ان کی طرف مڑ گئے اور سب ان کی بات سننے کی کوشش کرنے لگے۔ اس مجمع میں بہت سارے لوگ عدی کا زندگی نامہ ان کی قیادت اور ریاست اور راہ حق میں ثابت قدمی کو جانتے تھے۔ عدی نے

---

(۱)۔ لوگوں کو جمع کرنے کیلئے جو جملہ کہا جاتا تھا۔ مترجم

(۲)۔ "أما بعد، فان الله كتب الجهاد على خلقه وسماه كرها، ثم قال لاهل الجهاد: اصبروا ان الله مع الصابرين. فلستم أيها الناس نائلين ما تحبون الا بالصبر على ما تكرهون. انه بلغني أن معاوية بلغه أنا كنا أزمعنا على المسير اليه فتحرك. للذلك اخرجوا رحمكم الله الى معسكر كم في النخيلة. حتىٰ تنظروا و ترىٰ و ترون.

اپنی پرزور آواز اور تند لہجہ میں لوگوں کی اس سستی اور خاموشی پر مذمت کی اور یہ کہا۔ ''میں حاتم کا فرزند عدی ہوں کتنا برا ہے کہ تم لوگ اپنے امام اور فرزند رسول کا جواب نہیں دے رہے ہو؟! شہر کے وہ خطباء کہاں گئے جن کی زبانیں سکون کے موقع پر تازیانہ کی طرح تھیں اور اس وقت جان کی بازی لگی ہوئی ہے تو لومڑی کی طرح پتوں میں چھپ گئے ہیں؟ کیا خدا کا خوف نہیں رکھتے اور ننگ و عار کے بارے میں فکر نہیں کرتے ہو''۔

اس کے بعد حسن بن علی سے مخاطب ہو کر بولے:

''خدا نے آپ کو راہ راست اور صراط مستقیم پر فائز کیا اور ہر قسم کی ناپسند اور مکروہ باتوں سے دور رکھا اور ہر پسندیدہ اور شائستہ کام کی توفیق دی۔ میں نے آپ کی بات سنی اور آپ کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ جو کچھ آپ کہیں یا فکر کریں ہم اس کے تابع اور اس کے سامنے تسلیم ہیں۔

اس کے بعد کہا:

''میں ابھی فوراً چھاؤنی کی طرف جا رہا ہوں جو بھی آنا چاہتا ہے ہمارے ساتھ آجائے، بسم اللہ.....''

اور یہ کہہ کر مسجد سے نکل پڑے آپ کی سواری مسجد کے دروازہ پر تھی اس پر سوار ہوئے اور نخیلہ کی طرف روانہ ہو گئے اور غلام کو حکم دیا کہ جنگ کے ضروری ساز و سامان چھاونی میں پہنچا دے یہ اطاعت کا مجسمہ سب سے پہلا مجاہد اور سب سے پہلا انسان تھا جو جنگ کیلئے تیار ہوا۔(۱) طی قبیلہ میں ایک ہزار جنگجو سپاہی تھے جو عدی کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔(۲)

اس کے بعد مزید کچھ خطیب بھی جوش میں آئے اور انہیں کی طرح امام حسن علیہ السلام سے گفتگو کی تو امام حسن علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

''تم پر خدا کی رحمت ہو! میں نے تم لوگوں کو ہمیشہ صدق نیت، وفا اور دوستی کے ساتھ پہچانا ہے تم لوگوں کو خدا نیک جزا دے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے چچازاد بھائی مغیرہ بن نوفل (بن الحارث بن عبدالمطلب) کو کوفہ میں گماشتہ معین کیا اور انہیں یہ حکم دیا کہ لوگوں کو نخیلہ میں جمع ہونے کی ترغیب دلاؤ۔

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۴.

(۲)۔تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۷۱.

پھر خود ہمراہیوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل گئے اور آپ کا یہ عمل کہ اعلان جہاد کے پہلے ہی دن خود چھاونی تک پہنچ گئے، وہ بہترین حجت تھی جسے لوگوں کو آمادہ کرنے کیلئے آپ نے استعمال کیا۔

نخیلہ کے لشکر کو آپ اور آپ کے والد گرامی کے اصحاب اور کچھ دوسرے لوگوں نے تشکیل دیا اور مغیرہ بن نوفل نے بھی نہایت جوش و ولولہ کے ساتھ لوگوں کو نخیلہ کی طرف کوچ کرنے پر ابھارا بے حد وحساب مظاہرے اور ہفتہ بیعت کا پرشکوہ انداز میں جشن منایا گیا ہر ایک فرد میں یہ کیفیت پیدا ہوگئیں کہ کوفہ میں کسی نے امام کی بات نہیں ٹھکرائی اور سارے کے سارے چھاؤنی کی طرف چل پڑے لیکن اس امید پر پانی پھر گیا کیونکہ جن لوگوں کو حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے کچھ روز پہلے شام پر حملہ کرنے کیلئے آمادہ کیا تھا۔ (اوران کی تعداد چالیس ہزار کھی ہے) انہوں نے اتحاد کا شیرازہ بکھیر دیا اوران میں سے اکثر اپنے عہد اور اپنی باتوں سے پھر گئے اور کوفہ کے زیادہ تر لوگ کاہلی اور سستی کی بنا پر انہیں کے ہمراہ ہوگئے۔

کوفہ کے منافق اور دوہری چال چلنے والے سربراہوں نے ایسے نازک موڑ پر جب عمل کا وقت آچکا تھا مخالفت اور پروپگنڈے میں سب سے زیادہ فعال تھے۔

تاریخی روایات حارث همدانی سے اسی واقعہ جس میں وہ خود موجود تھے اس طرح نقل کرتی ہیں:

''جولوگ حرکت کرنا چاہتے تھے وہ حسن بن علی علیہما السلام کے ساتھ باہر نکل گئے اور بے شمار خلق شہر کے اندر رہ گئی اور انہوں نے اپنے عہد و پیمان کو پورا نہیں کیا اور آپ کو بھی امیر المؤمنین علیہ السلام کی طرح دھوکہ دیا نخیلہ میں دس (۱۰) دن قیام کیا اتنی مدت میں صرف چار ہزار افراد آپ کے پاس جمع ہوئے تھے۔ یہ وجہ تھی کہ دوبارہ کوفہ آئے تا کہ لوگوں کو کوچ کرنے پر آمادہ کریں اور ایک خطبہ دیا جس میں آپ فرماتے ہیں کہ ''تم لوگوں نے مجھے دھوکہ دیا جس طرح تم نے پہلے والے خلیفہ کو دھوکہ دیا....(۱)

اس بیان کے بعد آپ سے ملحق ہونے والوں کی تعداد دقیق طور سے تو معلوم نہیں ہے شرح نهج البلاغه، میں ابن ابی الحدید کے بقول ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ ایک عظیم لشکر کوفہ سے نکلا۔

---

(۱)۔قد غررتمونی کما غررتم من کان قبلی. الخرائج والجرائح، ص ۲۲۸ طبع ایران.

اور ہم لشکر کی تعداد والی فصل میں امام حسن علیہ السلام کے سپاہیوں کی تعداد کے بارے میں مؤرخین کے اختلاف کو ذکر کریں گے۔ آپ نخیلہ کو ترک کر کے "دیر عبدالرحمن" کی طرف چلے گئے اور وہاں تین دن قیام کیا۔

دوسرا گروہ بھی (جس کی تعداد معلوم نہیں ہے) یہاں پر آپ سے ملحق ہوا۔ "دیر عبدالرحمن" "مدائن" (۱) اور "مسکن" (۲) کے درمیان واقع تھا یہ دوراہیں امام کی دونوں چھاونی (مدائن اور مسکن) پر واقع تھی۔

امام حسن علیہ السلام ان دو چھاؤنیوں سے متعلق خاص طرز و اسلوب رکھے تھے۔

مدائن ایسی جگہ پر واقع ہے جو عراق کو فارس سے اور اس کے متعلقہ شہروں سے متصل کرتا ہے۔ اور جغرافیائی لحاظ سے واحد راستہ تھا جہاں کوفہ، بصرہ اور ایران کی سرحد ایک دوسرے سے ملتی تھی۔ اور فوجی اہمیت کے پیش نظر جنگی حوادث کیلئے محاذ شمار ہوتا تھا... اور ایران حساس طریقہ سے انفجار (پھٹ جانے) کے دہانے پر تھا۔ امام کی طرف سے وہاں کا حاکم "زیاد بن عبید" تھا اس نے ابھی تک خود کو وہاں کے رنگ میں نہیں رنگا تھا۔

---

(۱)۔ یہ شہر ساسانیوں کا ہزار سال تک دارالخلافہ اور بابل کی عظمت و شان کا وارث رہا ہے لیکن اس وقت طاق کسریٰ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابی سلمان فارسی کے قبر کے علاوہ کوئی اور اثر باقی نہیں رہ گیا ہے۔ مدائن دریائے دجلہ کے کنارے سات متصل شہروں میں سے ایک شہر تھا مسلمانوں نے ۱۵ ھجری میں اسے وسعت بخشی اور اس وقت پورے ایران کا دارالسلطنت تھا۔

یہ سات شہر اس طرح سے تھے: مغرب کی طرف سے "سلوکیہ" اور "در زیجان" اور "وہ اردشیر"، "جندی شاپور"، (کوکہ) اور "مظلم ساباط" کی طرف شاہرود سے ملا ہوا تھا اور مشرق کی طرف سے "اسپانیر"، "رومگان" اور "تیسفون" (مدائن کا مرکزی شہر) مدائن ۱۵۰ھ میں بغداد کی بنیاد رکھنے سے پہلے خراب ہوا لیکن اس کی فتح کے بعد سو سال پہلے آباد تھا اس وقت کوفہ اس کی صنعتوں اور خزانوں سے آذوقہ فراہم کرتا تھا اس طرح سے کہ ایرانی موالی جو اسلام لائے تھے انہیں کوفہ بھیجتا اور مدائن میں سلمان فارسی کے دور حکومت میں لوگوں نے شیعہ مذہب اور آل محمد کی پیروی قبول کی تھی اور ساتویں صدی ہجری تک وہاں خالص اور کھرے شیعہ زندگی گزارتے رہے مسعودی نے عراق سے متعلق فصل میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس کے شہروں میں مدائن اور اس کے متعلقہ علاقے میں وہاں کے لوگ اچھے رنگ بہترین خوشبو، عالی مزاج، اچھے عادات و اطوار کے مالک ہیں ان کے درمیان ساری فضیلتیں اور بہترین خوبیاں پائی جاتی ہیں..."۔

(۱)۔ مسکن (میم پر زبر اور کاف پر زیر کے ساتھ) ایسے علاقہ کا نام ہے جو سرسبز و شاداب، باغوں اور درختوں سے بھرا ایک قریہ تھا۔ نہر دجیل کے ساحل پر "لوانا" نامی علاقہ اسی سے متعلق ہے یہ وہی قریہ ہے جس کی طرف ابوالفرج سوادی (چھٹی صدی ہجری کے شعراء میں سے ایک شاعر) اشعار میں اشارہ ہوا ہے و اجتلوھا بکراً "باوانا" حجبت من خطابھا بالارانی

لیکن مسکن امام حسن علیہ السلام کا تاریخ جہاد میں حساس مقام تھا اسی جگہ پر امام کو دشمن کا سامنا ہوا یہ جگہ اس وقت ہاشمی عراقیوں کے شمالی علاقوں کی سرحد تھی یا کوفہ کے ماتحت علاقوں کی یعنی ہاشمی حکومت کا مرکز تھا "مسکن" کی زمینوں میں سرسبز اور آباد علاقے اور مشہور دیہات بہت تھے اور انہیں میں سے "اوانا" "عکبرا" اور "العلث" بھی ہے جو اس کے شمالی علاقے (۱) کی آخری آبادی شمار ہوتی ہے اور اس کے اوپر، "الجنوبیہ" نامی دیہات تھا اور یہ وہی جگہ ہے جہاں "منیج نامی پل کو چھوڑنے کے بعد معاویہ نے اپنے لشکر سمیت وہاں پڑاؤ ڈالا اور وہاں پر دو لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔

لگتا ہے کہ "مسکن" اس زمانے میں اس موجودہ وسیع صحرا "جو سامرا کے نزدیک سمیکہ اور بلد نامی دو دیہات کے درمیان ہے، سے زیادہ بڑا نہیں تھا"

یہ جگہ آمدنی اور محصول کے لحاظ سے زیادہ، پانی کی جگہیں قریب اور وسیع و عریض صحرا کی بنیاد پر ایک غنی اور بے نیاز آبادی کا مرکز تھی۔ اسی لئے صف آرائی کیلئے مناسب جگہ شمار ہوتی تھی تاریخ میں یہ جگہ امام حسن اور معاویہ کے مابین ہونے والی جنگ کا سب سے پہلا جنگی میدان تھا لیکن اس کے بعد عراق اور شام کے درمیان بے شمار واقعات رونما ہوئے امام حسن علیہ السلام نے اپنی نازک فوجی موقعیت کے پیش نظر مدائن کو کمانڈری کا سب سے بڑا مرکز بنایا تا کہ اس کی امدادی افواج اس کے قریب کی تین جگہوں سے اکٹھی ہو جائیں اور اسی طرح معاویہ اور اہل شام نے میدان جنگ کی پشت کی جانب یعنی مسکن میں بھی اپنا ٹھکانا بنایا ہوا تھا۔ ان دونوں ہاشمی چھاونیوں کا (مدائن اور مسکن) کے درمیان آپس میں ۱۵ فرسخ سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ یہ ایک بہترین جنگی حربہ تھا اور اس وقت کی جنگی صورتحال میں اس سے بہتر کوئی دوسرا حربہ کارگر نہ ہوتا۔

اس طرح سے امام حسن علیہ السلام نے اپنی جنگی ترکیب کو بروئے کار لا کر آگاہ کمانڈر کا چہرہ دکھا دیا اور اس کی بالادستی کا پتہ بتا دیا کیونکہ آپ اپنے دور کے جنگی اسرار و رموز اور فن سے بہتر سے بہتر انداز میں آگاہ اور مسلط تھے۔ اور آپ کے بعد کے اقدامات بھی خواہ مناسب زمانہ کے انتخاب میں ہوں خواہ موقعیت کے انتخاب میں یا

---

(۱)۔ ماوردی، احکام السلطانیہ میں (حموی کی روایت کے مطابق) رقمطراز ہیں کہ علث اس طرف سے عراق کا ابتدائی حصہ ہے، لیکن مؤلف کا بیان ہے کہ علث عکبرا اور سامراء کے درمیان واقع اور عکبرا ایک دیہات ہے جو اوانا کے نزدیک دجیل کے قرب و نواح میں ہے۔ (مؤلف)

لشکر کو حرکت دینے کی کیفیت کے سلسلہ میں ہوں یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ ممتاز الٰہی نعمتوں کی طرح (سیاست، اخلاص، اور فداکاری) آپ فوجی فنون میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

حسن بن علی علیہما السلام نے اپنے دائیں اور بائیں نظر دوڑائی اور ان شیعہ سرداروں اور اپنے خاندان کے برگزیدہ افراد کے چہروں کا بغور مطالعہ کیا جو ان کے پاس موجود تھے۔ تاکہ ان کے درمیان سے ''مسکن'' کیلئے کمانڈر کی حیثیت سے کسی کو منتخب کریں۔ لہذا ان میں سے تین افراد اس کے حامل تھے ان کی خصوصیت یہ تھی کہ ان تینوں افراد نے سب سے زیادہ نصرت کرنے میں اپنی بے چینی کا اظہار کیا تھا اور اپنے اخلاص کا پتہ دیا تھا وہ درج ذیل ہیں:

عبیداللہ بن عباس (۱)، قیس بن سعد بن عبادہ اور سعید بن قیس ہمدانی کوفہ میں ساکن یمن والوں کے سردار بالکل سامنے والے لشکر کی کمانڈری ترتیب وار ان تین افراد کے حوالے کی گئی۔

عبیداللہ بن عباس انہیں لوگوں میں سے ایک تھے جو جوش وولولہ کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کی پرواہ

---

(۱)۔ارشاد، شیخ مفید، ص ۱۷۰؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۱۴۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۹۱، لیکن دوسرے مؤرخ نے ان کا نام عبداللہ بن عباس ذکر کیا ہے یعنی عبیداللہ کے بھائی اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عبداللہ امام حسن بن علی کی خلافت کے دوران کوفہ میں نہیں تھے بلکہ مکہ میں موجود تھے اور وہاں سے جنگ کی صلاح سے متعلق مشورہ کیلئے خط لکھا تھا کہ بالکل اسی خط کو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۸۔۹ میں دیکھا جاسکتا ہے عبداللہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے کہ کوفہ میں موجود رہنے کے باوجود ان کا نام پوشیدہ رہ جائے طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

اس سال (۴۰ھ) میں عبداللہ بن عباس تمام مؤرخین کے بقول (بصرہ سے نکل کر مکہ چلے گئے بعض نے اس بات کا انکار کیا اور ان کا خیال ہے کہ وہ امیر المؤمنین کی شہادت تک ان کی طرف سے بصرہ میں رہے ہیں اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کی صلح تک وہاں رہے اس کے بعد مکہ واپس آئے ہیں۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۸۱۔

لیکن مؤلف کا بیان ہے کہ نہیں، وہ بصرہ میں بھی نہیں تھے ورنہ بصرہ کی فوج جس کی امام حسن علیہ السلام مدائن میں شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے اس میں وہ تاخیر نہ کرتے، ابن اثیر، (ج ۳، ص ۱۶۶) بھی تائید کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس امیر المؤمنین کی زندگی میں آپ سے جدا ہو چکے تھے میرا خیال ہے کہ دونوں بھائی کے ناموں میں تحریری شباہت اور دونوں کے والد کے ایک نام (غلط فہمی کا سبب ہیں اور دوسری غلطی جو بعض نے کی ہے یہ ہے کہ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مقدمۃ الجیش کی کمانڈری قیس بن سعد کے حوالے تھی، جبکہ قیس اس مقدمہ کے ابتدائی حصہ کے کمانڈر تھے۔ (جیسا کہ ابن اثیر نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے) اور شاید یہی چیز لغزش کا سبب بنی ہے۔ (مؤلف)

کرتے تھے، ایک طرف اپنی غیرت تھی تو دوسری طرف خاندانی تعصب، انہیں دو باتوں نے ان کو مشتعل کیا اور آہنی اسلحہ ہاشمی حکومت کے دفاع کیلئے فراہم کیا تھا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ خود ہی خاندان بنی ہاشم کے سرداروں میں سے ایک تھے اور ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ'' آہ صاحب درد کو اثر ہوتا ہے...(۱) (اصابہ کی روایت کے مطابق) ۳۶ھ میں یا (طبری کی روایت کے مطابق) ۳۹ھ میں یا دونوں برسوں میں افتخار آمیز سابقہ کے لحاظ سے ''امیر الحاج'' تھے، امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانے میں ایک بار بحرین کے گورنر ہوئے اور ایک بار یمن اور اس کے ملحقات کے کارکن (۲) وہ کریم اور مہمان نواز انسان تھے جس کی حاجیوں نے مکہ میں گواہی دی ہے، ان سب کے باوجود سب سے پہلے انسان تھے جنہوں نے امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی لوگوں کو دعوت دی۔

ایسی صورت میں وہ لائق اور شائستہ تھے کہ ان کے چچازاد بھائی امام حسن علیہ السلام ان پر یہ اطمینان رکھ کر مقدمہ

---

(۱)۔ یہ جملہ عربی کی اس عبارت: '' ولیست الثکلی کالمستاجرہ'' کا ترجمہ ہے (فارسی مترجم)

(۲)۔ بعض کا کہنا ہے کہ یمن کے حادثہ میں جب عبیداللہ معاویہ کی بھیجی ہوئی فوج کے سامنے تاب نہ لا سکے اور یمن سے فرار کر گئے ان کے ماضی کے بارے میں تردید کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ ہم اعتراف کریں کہ اس وقت یمن کے فوجی ٹھکانے اس سے کمزور تھے ''بسر بن ارطاۃ'' کے حملہ کی تاب لاسکیں اسطرح کے واقعات سے: بعض یمن والوں کا ہاشمی حکومت سے الگ ہوجانا اور ان کا معاویہ کو خط لکھنا اور اپنے حاکم ''سعید بن نمران'' کو لشکر سے نکال باہر کرنا اور اپنے کارکن، عبیداللہ سے ان کی دشمنی یہ سب ''عبیداللہ بن عباس'' کی شک وتردید سے برأت پر گواہ ہے۔

اگر ''عبیداللہ'' اس وقت ''بسر بن ارطاۃ'' کا مقابلہ کرنے کی سوچتے تو یمن کے عثمانی ان کا کام تمام کردیتے اور بسر کی نوبت نہیں پہونچتی! پھر انہوں نے بھی وہی کام کیا جو ان سے قبل مکہ اور مدینہ کے کارگزاروں نے کیا تھا کیونکہ وہ لوگ بھی بسر کے سامنے آنے سے فرار کر رہے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاویہ کے بھیجے ہوئے افراد نے ان تینوں شہروں پر حملہ کردیا اور ۳۰ ہزار سے زیادہ بے پناہ لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ ہمیں معلوم ہے کہ عبیداللہ یمن سے کوفہ کے ارادہ سے خارج ہوئے تھے اور اگر خیانت کا قصد رکھتے تو یقیناً وہ کوفہ نہیں آتے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ''سعید بن نمران'' نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے سامنے اس طرح معذرت کی طلب کی کہ ''میں نے'' یمن والوں کو جنگ کی دعوت دی تو کچھ لوگوں نے قبول کیا اور ایک ہلکی پھلکی جھڑپ ہوئی پھر لوگ ہمیں چھوڑ کر بھاگ گئے تو میں واپس آگیا کیا ''ابن نمران'' کا امتحان ''ابن عباس'' کے عذر کی توجیہ نہیں کرتا۔؟ لہذا عبیداللہ ابن عباس کے ماضی میں کوئی شک وتردید کی گنجائش نہیں ہے ایسی صورت میں اگر امام حسن علیہ السلام ان اس کے ماضی پر اطمینان کرتے ہوئے انہیں اس طرف بھیجنے کیلئے انتخاب کریں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

لشکر کی کمانڈری ان کے حوالے کردیں۔(۱)

انہیں بلا کر احکامات (جو ہم تک مکمل طور پر نہیں پہنچی ہے بلکہ صرف ان میں سے بعض کو کچھ مآخذ نے نقل کیا ہے) بیان کئے جس میں کہا گیا ہے:

''اے چچازاد بھائی! اس وقت میں بارہ ہزار عرب سواروں اور شہر کے پرہیزگار اور پاکدامن افراد کو تمہارے ہمراہ روانہ کررہا ہوں ان میں سے ہر ایک، ایک لشکر کے برابر ہے انہیں روانہ کرو اور اس بات کا خیال رکھو کہ ان کے ساتھ نرم روّیہ، اچھے سلوک اور تواضع وانکساری سے پیش آؤ اور ان کے ساتھ ہمنشینی کرو کیونکہ یہ لوگ امیر المؤمنین علیہ السلام کے باقی ماندہ خالص انصار ہیں انہیں فرات کے کنارے لے جاؤ اور جہاں تک معاویہ کے مقابلہ کیلئے آگے بڑھ سکتے ہو بڑھو اور جب معاویہ سے روبرو ہوجاؤ تو اسے چھوڑ دو تاکہ میں خود پہنچ جاؤں اور میں تمہارے پیچھے بہت جلد آرہا ہوں لہذا مجھے روزانہ کی خبر دیتے رہنا اور کاموں میں ان دو افراد یعنی قیس بن سعد اور سعید بن قیس سے مشورہ کرنا اور جب معاویہ تک پہنچ جاؤ تو پہلے جنگ نہ کرنا بلکہ اسے شروع کرنے دینا اب اگر وہ شروع کردے تو تم بھی اس سے جنگ کرو اگر تم قتل کردیئے گئے تو تمہارے بعد کمانڈر قیس بن سعد ہیں۔ اگر وہ ماردیئے گئے تو پھر سعید بن قیس کمانڈر رہوں گے۔''

---

(۱)۔ جو کچھ ہم نے کمانڈری اور سوق الجیش کے بارے میں کہا ہے اس کیلئے شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۴، ارشاد، شیخ مفید، ۱۶۸ اور ۱۶۹ اور تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۹۱ ملاحظہ ہو ان کے درمیان صرف یعقوبی ہی ہے جس نے تیسرے کمانڈر کا نام ذکر نہیں کیا ہے اور اس کے بعد اس نے کہا ہے: ''امام حسن علیہ السلام نے عبیداللہ کو حکم دیا کہ قیس بن سعد کی رای ونظر کا استعمال کریں۔ عبید اللہ جزیرہ کی طرف (کہ اس سے مراد بین النھرین ہے) روانہ ہوگئے اور جب معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر سنی تو وہ بھی روانہ ہوگیا اور حضرت کی شہادت کے ۱۸ دن بعد موصل پہنچ گیا تو وہاں دو لشکروں کے درمیان مڈبھیڑ ہوگئی''۔

مؤلف: یہ موصل جیسا کہ حموی نے معجم میں اشارہ کیا ہے ''مسکن'' کی آبادیوں میں سے ایک آبادی ہے جہاں حضرت امام ہادی علیہ السلام کے فرزند، حضرت ''سید محمد'' کا اس سے قریب روضہ ہے اور یہ مشہور شہر موصل کے علاوہ ہے۔

لہذا یعقوبی کی روایت اور دیگر مورخین کے قول میں کہ معاویہ کی فوج نے کس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ''موصل'' اور ''حیوضہ'' اور ''جنوبیہ'' یہ سب ''مسکن'' کی آبادیوں میں شامل تھے شاید معاویہ کے لشکر نے ان سارے دیہاتوں کو اپنے تصرف میں لے لیا ہو اسی اعتبار سے ساری تاریخی روایتوں نے ان میں سے ہر ایک کا نام ذکر کیا ہے۔ لہذا ہم اسی اعتبار سے صرف ''جنوبیہ'' کے ذکر پر اکتفاء کررہے ہیں یعنی قیس بن سعد کا خط جو اس نے امام حسن علیہ السلام کو تحریر فرمایا ہے یہ نام ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ کررہے ہیں امام حسنؑ نے عبیداللہ سے کہیں زیادہ اپنے اس فرمان میں اصحاب کی طرف زیادہ سے زیادہ محبت اور عنایت پیش کی ہے ان کی تعریف بھی کی ہے اور ان کی بہادری اور شجاعت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور انہیں اپنے والد بزرگوار امیر المومنینؑ کی طرف منسوب بھی کیا ہے ان ساری باتوں سے آپ کا معنویتوں سے لبریز کرنا، ان کے جذبات کو ابھارنا اور ان کے احساسات پر اثر انداز ہونا ہے، اس کے بعد کمانڈر کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ نرم کلامی، خندہ پیشانی اور انکساری کے ساتھ پیش آئیں اور انہیں اپنا ہم نشین بنائیں اور یہ تعلیمات صرف کمانڈر اور سپاہیوں کے درمیان مکمل اعتماد پیدا کرنے کیلئے ہیں اور یہ اطمینان ان جنگوں میں جو اس وقت ان فوجی روش سے خالی ہیں لیکن اس جنگ میں یہ سب کچھ تھا۔ فوجی ٹریننگ کا سب سے اہم عنصر وہی ہے جس میں سیاہ دن کیلئے امید کی جھلک ہو۔ ہم ملاحظہ کررہے ہیں کہ امام حسنؑ نے اپنی فوج کے کمانڈر کو تاکید کرتے وقت چار جملے پے در پے ارشاد فرمائے جس کا خلاصہ ایک چیز ہے۔ کیا اس سے یہ استفادہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس تکرار سے حضرت کی مراد عبیداللہ کے اندر مخصوص خصلت کی بیخ کنی ہو (کیونکہ یہ کمانڈر ابھی نیا تھا)؟ اس لشکر میں برگزیدہ، آزمودہ، اچھے ماضی والے اور دلیر و شجاع ترین افراد عبیداللہ کے ہمراہ موجود تھے یہ ایسے افراد نہیں تھے جو بے موقع غیظ و غضب یا ناز نخرا یا بے جا امر و نہی کو اس ہاشمی جوان سے (جو شان و منزلت تقوی، جہاد اور سن و سال کے اعتبار سے ان پر فوقیت نہیں رکھتا تھا) (۱) قبول کرلیتے اور اس سے چشم پوشی کرلیتے۔

آنحضرت کا حکم کہ "ان دو افراد سے مشورہ کرو" اس بات پر ایک دوسری دلیل ہے کہ آپ کی مراد بری عادتوں کو کچلنا ہے کیونکہ امام اپنے چچازاد بھائی کے بارے میں جانتے تھے اور ان سے کامیابی کی راہ میں خائف تھے۔ جاننا چاہئے کہ عبیداللہ میں اس بری عادت کا ہونا جبکہ یہ حدس صحیح ہو اس کے کمانڈر ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اگرچہ دیگر حالات اس منصب کے حوالے کرنے کا تقاضا کررہے تھے اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ فوجی زندگی اور گرم مزاجی میں بہت نزدیک کا ایک مستحکم رابطہ رہا ہے۔

اب اس سوال کا موقع ہے کہ پھر کس لئے امام حسنؑ نے مقدمہ لشکر کی کمانڈری عبیداللہ کے حوالے کردی اور "قیس بن سعد بن عبادہ" جس کی فوجی صلاحیت، اور امانتداری اور خاندان پیغمبر کے ساتھ

---

(۱)۔ جس دن عبیداللہ بن عباس لشکر کے کمانڈر بنے اس وقت ان کی عمر ۳۹ سال کی تھی۔

وفاداری کا معترف ہے، اس جیسے اہل منصب فرد کے ہوتے ہوئے ان کا اس منصب کیلئے انتخاب نہیں کیا؟

اس سوال کے چند جواب ہیں

۱)۔امام حسن علیہ السلام نے عبیداللہ کو جو حکم دیا ہے اس میں قیس بن سعد اور سعید بن قیس سے مشورہ کرنے کی لازمی طور پر تاکید ہے اور اس کام سے کمانڈری (انحصاری حالت سے یہ کام اگر مصلحت کے خلاف ہوتا تو امام حسن پر اعتراض کی گنجائش تھی) خارج ہو جاتی ہے۔

بلکہ تین رکنی کمیٹی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کے ارکان، لشکر کے لائق افراد تھے لیکن کمانڈری کیلئے قیس کا انتخاب اور ان دونوں اور دیگر انصار اور کمانڈروں پر فوقیت دینا، اس اعتراض کا حامل ہے۔ جو دوسرے لائق افراد کے رشک کا سبب ہو کیونکہ اس لشکر میں نمایاں شخصیتیں بھی تھیں جن کی مجاہدانہ کمانڈری، اخلاص و محبت، جانثاری اور روشن ماضی زبان زد تھے جیسے ابو ایوب انصاری، محمد بن عدی، عدی بن حاتم اور کچھ دیگر لوگ جن کے اسماء ذکر ہو چکے ہیں۔

اس وجہ سے امام کے ابن عم جو کہ پیغمبر کے بھی ابن عم تھے، کا مقدم کرنا اور انہیں ظاہری اعتبار سے کمانڈر بنانا اس کے بعد قیس کی رائے سے استفادہ کرنا اور سعید کو اس کی تاکید کرنا عاقلانہ تدبیر تھی جو ہر قسم کے اختلاف کا راستہ بند کر دیتی ہے۔

۲)۔اس وقت کے عام حالات پر نظر کرتے ہوئے ایک بہترین احتیاط یہ تھی کہ امام حسن کے محاذ کا کمانڈر بنی ہاشم سے ہو۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ امام حسن بن علی علیہما السلام کے ان حالات و واقعات کے ابتداء ہی سے کوفیوں کی سستی اور بے وفائی ظاہر تھی جو حد درجہ بدگمانی کا باعث بنی اور اس بات کا بھی سبب قرار پائی کہ آپ آئندہ ہر اس تدبیر کو استعمال کریں جس سے بیزاری کو ثابت کرنا اور عیب کے عنوان سے سرزنش کا راستہ بند کرنا چاہتے ہوں لوگوں کیلئے آسان تھا کہ معمولی خطا اور سستی کو دیکھتے ہی یا معمولی احتمال شکست کی علت بیان کرتے ہی اطراف و جوانب کی رعایت کئے بغیر امام حسن علیہ السلام پر تنقید اور اعتراض کی بوچھاڑ کر دیں۔ اس بات کا مکمل یقین تھا کہ کچھ لوگ امام حسن علیہ السلام کے ''مسکن'' میں شکست کھاتے ہی یہ کہنے لگیں کہ اگر کمانڈر بنی ہاشم کا فرد ہوتا تو نا گوار اور

مشکل حالات میں زیادہ پائیداری کا ثبوت دیتا اور یہ انجام نہ ہوتا۔

ایسی صورت میں خود کو احتمالی نتائج کا مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ کرنا یعنی بنی ہاشم کو کمانڈر بنانا حد درجہ دقیق اور مناسب تھا۔

۳)۔ یقیناً عبیداللہ بن عباس کے علاوہ کوئی شخص بھی (چاہے قیس یا سعید یا کوئی اور) معاویہ کے سامنے غیض وغضب کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتا تھا وہ ایسے دو بچوں کا باپ تھا جس کے چھوٹے چھوٹے بچے یمن بھیجے جانے والے لشکر کے سردار "بسر بن ارطاۃ" کے ہاتھوں شہید ہوئے (اور یہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے)

لہذا اس کمانڈر کی تعیین جو غیض وغضب سے بھرا ہوا تھا کیونکہ ایسے لشکر کے مقابلہ میں کمانڈری سنبھال رہا ہے جس نے اس کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے لہذا ایسے فرد سے استفادہ کرنا زیادہ مناسب تھا۔

۴)۔ زیادہ تر "مقدمہ" لشکر کے سپاہی جس کی کمانڈری عبیداللہ کے حوالے تھی امیر المؤمنین علیہ السلام کی باقی بچی فوج کے افراد تھے جنہیں حضرت نے شام والوں سے مقابلہ کرنے کیلئے فراہم کیا تھا۔ اور خود جنگ شروع ہونے سے پہلے شہید ہوگئے یہی قیس بن سعد حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں اس عظیم لشکر کے کمانڈر، سردار اور سب کچھ تھے۔(۱)

واضح ہے کہ یہ سابقہ کمانڈر اور سپاہیوں کے درمیان ذاتی تعلقات برقرار کرنے کیلئے حد درجہ مؤثر ہے اور ایسا کمانڈر جب چاہئے آسانی کے ساتھ فکری اور ارادی حریت کے ساتھ استفادہ کرسکتا ہے اور مرکزی کمانڈر کے حکم کا انتظار نہ کرے۔ یہ ایسا موضوع تھا کہ احتیاط اور پرہیز جو اس وقت کے اہم موضوعات میں سے ایک اہم موضوع تھا اسے ملاحظہ کیا جائے۔

ہم قیس کی اہمیت اور احترام کے باوجود ان کے روح کے متاثر ہونے جو انہیں خودسری اور مطلق العنانی عطا کرتی ہے، کو نظر انداز نہیں کرسکتے کیونکہ یہی قیس جب مسکن کے کمانڈر ہوئے تو کوفیوں کے درمیان کھڑے ہو کر لوگوں کو دو کاموں میں سے کسی ایک کام: یا صلح میں امام حسن سے ملحق ہو جائیں یا امام کے بغیر معاویہ سے جنگ کرنے کا اختیار دیدیا!

لہذا اس سے بہتر احتیاط کیا ہوگی کہ جنگ کی کمانڈری ایسے کے حوالے نہ کی جائے لیکن اس کی صلاحیت

---

(۱)۔ تاریخ ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۴.

اور کارکردگی سے فائدہ اٹھانے کیلئے فوجی مشیر کے عنوان سے انتخاب ہو اور یہ وہی کام تھا جسے امام حسنؑ نے انتخاب کیا۔

مؤلف: یہ جاننا چاہئے کہ قیس کو کمانڈر کے نائب کے عنوان سے معین کرنا یعنی دوسرا کمانڈر عبیداللہ کے قتل ہو جانے کے بعد مذکورہ سیاست کو نظر میں رکھتے ہوئے، منافات نہیں رکھتا کیونکہ پہلے کمانڈر کی موت کے بعد دوسرے کمانڈر کا ارادہ، سابق کمانڈر کے ارادہ اور فیصلوں کا تابع ہے یعنی جس طرح اس نے جنگ کے حالات اور شرائط کے پیش نظر جو نقشہ بنایا ہے اس کا تابع ہے اور اسکے خلاف کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے ممکن ہے اس وقت سارے امور امام کے زیر نظر یعنی چیف کمانڈری کے ماتحت ہوں جیسا کہ ہمیں پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت نے "مقدمہ لشکر" سے جلد ہی ملحق ہونے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

● چھٹی فصل :

لشکر کی تعداد

پہلی صدی کے وسط میں کوفہ کے سپاہیوں کی سرکاری تعداد چالیس ہزار تھی کہ اُن میں سے ہر سال دس (۱۰) ہزار جہاد کیلئے جاتے تھے۔(۱)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے جو لشکر، شام والوں سے مقابلہ کرنے کیلئے فراہم کیا تھا اختلاف روایت کی بنیاد پر اس کی تعداد یا چالیس ہزار تھی یا پچاس ہزار اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس جنگ کے آغاز سے پہلے ہی حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ہوگی، ہوسکتا ہے کہ اس لشکر کے کچھ لوگ وہی ہوں جو کوفہ کے قانونی فوجیوں سے تشکیل پایا ہو۔

اس کے بعد ان دونوں لشکروں کی صورتحال (کوفہ کے قانونی لشکر اور اس لشکر کی جسے علی علیہ السلام نے شام والوں سے مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ کیا تھا) حسن بن علی علیہما السلام کے ہمراہ جہاد کی دعوت کے آغاز میں ہماری دسترس میں نہیں ہے ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ مقدمہ لشکر جسے امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے مقابل ''مسکن'' روانہ کیا بہت سارے تاریخی مآخذ کی نقل کے مطابق سواروں کی تعداد ۱۲ ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھی میرا خیال ہے کہ یہ لشکر کے وہی باقی بچے افراد ہیں جسے حضرت علی علیہ السلام نے فراہم کیا تھا۔ کہ ان میں سے کچھ نے حسن بن علی علیہما السلام کی دعوت پر لبیک کہی اور باقی نے نافرمانی کی۔

---

(۱)۔ مؤلف نے ''جنگ کا فیصلہ'' کی آخری فصل میں ان سپاہیوں کی تعداد کے بارے میں جو کوفے کیلئے مخصوص تھے دو روایت کے اختلاف کے ساتھ ۹۰ ہزار یا ایک لاکھ ذکر کی ہے جو ظاہراً اس سے زیادہ تعداد کیلئے مناسب نہیں ہے جیسا کہ راد بعد ہی ہم ملاحظہ کریں گے کہ ۹۰ ہزار یا ایک لاکھ کی تعداد والی روایت فقط یعقوبی اور ابن قتیبہ کی روایت میں ہے جو مؤلف کی نظر میں نیز اس جائزہ کی بنیاد پر جو اس فصل میں لیا جائے گا قابل تائید نہیں ہے۔ (فارسی مترجم)

نیز دیگر تاریخی مآخذ سے حاصل ہوتا ہے کہ کوفہ اتنی غفلت اور سستی کے باوجود یکبارگی جوش میں آیا اور چار ہزار کا لشکر دوبارہ میدان کارزار میں بھیج دیا۔(۱)

ہم نے یہاں تک ناقابل انکار نصوص کے سہارے امام حسن علیہ السلام کے لشکر کی تعداد ۱۶ ہزار بیان کی ہے۔لیکن تاریخی کتابوں میں دیگر تعداد صراحت یا اشارہ کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے کہ سبھی مخدوش اور قابل تردید وانکار ہیں۔اب ہم ان تاریخی نصوص کو بعینہ بیان کر رہے ہیں اس کے بعد اس کی باریکی کے ساتھ تحقیق کریں گے:

● محمد باقر مجلسی

''.....اس کے بعد امام حسن علیہ السلام نے ایک سردار کو چار ہزار کے لشکر کے ہمراہ معاویہ کی طرف روانہ کیا۔یہ سردار کندہ قبیلہ کا تھا اور اسے حضرت کی طرف سے حکم حاصل تھا کہ وہ ''انبار''(۲) میں پڑاؤ ڈالے۔اور جب تک مرکز سے کوئی نیا حکم نہ آجائے اس وقت تک کوئی کام نہ کرے اور جب انبار کی طرف چلا اور وہاں پڑاؤ ڈالا اور معاویہ کو اس کے آنے کی خبر ہوگئی تو اس نے اس کی طرف قاصد بھیجے اور اسے یہ لکھا کہ اگر مجھ سے ملحق ہو جاؤ تو میں تمہیں شام کی آبادیوں اور (عراق) کے ایک جزیرہ کی حکومت دیدوں گا...اور اس کے علاوہ اس کیلئے ۱۵۰۰۰ ہزار درھم بھی بھیجا اس کندی نے نقد رقم لے لی اور امام حسن علیہ السلام کیلئے مشکل کھڑی کردی اور اپنے دوسو (۲۰۰) دوست و انصار اور اعزہ کے ساتھ معاویہ سے جاملا جب امام حسن علیہ السلام کو یہ خبر ملی تو خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور کہا: یہ کندی معاویہ کی طرف چلا گیا اور مجھ سے اور تم سے خیانت کر گیا ہے میں نے بارہا کہا ہے کہ تمہارے اندر وفا نہیں پائی جاتی تم لوگ دنیا دار اور اس کے غلام ہو۔اب میں اس کی جگہ ایک دوسرے شخص کو روانہ کر رہا ہوں اور جانتا

---

(۱)۔الخرائج والجرائح، راوندی، ص ۲۲۸.

(۲)۔فرات کے کنارے (بغداد کے مغرب میں) ایک شہر ہے جو وہاں سے ۱۰ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے اس شہر کو انبار اس لئے کہتے ہیں کہ ایرانیوں کے تسلط کے دور میں وہاں گندم اور جو، ذخیرہ کیا جاتا تھا'' عباسی خلیفہ ابوالعباس، سفاح آخر عمر تک اسی شہر میں ساکن رہا اور وہاں محلوں اور پناہگاہوں کی بنیاد ڈالی لیکن کچھ دنوں بعد اس شہر کی رونق اور آبادی ختم ہوگئی.

ہوں کہ وہ بھی میرے اور تمہارے ساتھ وہی کرے گا (جو کندی نے کیا ہے) اور وہ میرے اور تمہارے معاملہ میں خدا کو نظر میں نہیں رکھے گا پھر اس وقت قبیلہ مراد سے ایک شخص کو چار ہزار پر مشتمل لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور مجمع کے سامنے اسے تاکید پر تاکید کی اور خبر دی کہ یہ بھی کندی کی طرح خیانت کر جائے گا لیکن مرادی نے ایسی ایسی قسمیں کھائیں جسے پہاڑ برداشت نہیں کرسکتا، کہ وہ ایسا نہیں کرے گا لیکن امام حسن علیہ السلام نے کہا: عنقریب خیانت کرے گا اور جب انبار پہنچا تو معاویہ نے قاصد بھیجا اور پہلے ہی خط کی طرح ایک خط لکھا اور ۵ ہزار درہم (یا مراد پانچ لاکھ درہم ہے) اس کیلئے بھیجا اور شام اور جزیرہ عراق کی حکومت کی تمنا اس کے اندر پیدا کی۔ مرادی تاب نہ لا سکا... اور اس نے بھی وہی مشکل کھڑی کردی اور معاویہ کی فوجی چھاونی کا راہی ہوگیا اور وہ سارے عہد و پیمان بھلا گیا....(۱)

اس واقعہ کے رونما ہونیکے بعد امام حسن علیہ السلام کے ''نخیلہ'' میں پڑاؤ ڈالنے اور اس کے بعد وہاں سے حرکت کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔

● ابن ابی الحدید

''لوگ باہر نکلے اور چھاؤنی بنائی اور کوچ کرنے کیلئے آمادہ ہوگئے، حسن بن علی علیہما السلام چھاؤنی تک آئے اور مغیرہ بن نوفل (بن حرث بن عبدالمطلب) کو کوفہ کا نگران بنایا اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو ابھار کر چھاؤنی کی طرف روانہ کرو تو وہ لوگوں کو مستقل ابھار کر بھیجتے رہے یہاں تک چھاونی آمادہ و آراستہ ہوگئی اس وقت حسن بن علی علیہما السلام اپنے عظیم لشکر اور کافی جنگی ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہوئے اور جب ''دیر عبدالرحمن'' تک پہنچے تو تین دن قیام کیا تاکہ لوگ جمع ہو جائیں اس کے بعد عبیداللہ ابن عباس کو بلا کر کہا:

اے ابن عم! اب ۱۲ ہزار عرب سواروں اور شہر کے پرہیز کار اور نیک لوگوں کو تمہارے ہمراہ روانہ کر رہا ہوں....(۲)

---

(۱)۔بحارا لانوار، محمد باقر مجلسی، ج ۱۰، ص ۱۱۰.

(۲)۔شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۴.

● زھری ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق:

جب معاویہ عبیداللہ بن عباس اور حسن بن علی علیہ السلام کے کام سے فارغ ہو چکا تو اس نے ایک ایسے مرد کو دھوکہ دینے کی سوچی جس کا دھوکہ دینا اور گمراہ کرنا کافی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ اس کے ہمراہ چالیس ہزار افراد تھے اور معاویہ، عمرو اور اہل شام نے اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔(۱)

● مسیب بن نجیہ کی گفتگو صلح امام حسن کی مذمت کرنے کے عنوان سے (کچھ مؤرخین کی روایت کے مطابق)، ابن ابی الحدید کے بقول درج ذیل متن مدائنی کا ہے۔(۲)

"....مسیب بن نجیہ نے امام حسن علیہ السلام سے کہا: میں ہمیشہ آپ سے حیرت میں رہا ہوں! کہ آپ نے چالیس ہزار کا لشکر ہوتے ہوئے معاویہ سے صلح کر لی! (یا دو روایت کے اختلاف کے مطابق "بیعت کر لی"۔(۳)

● ابن اثیر

"علی علیہ السلام نے شام والوں کے بارے جو خبریں دی تھی جب واقع ہو گئیں تو حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کے چالیس ہزار افراد نے مرنے کے وعدہ پر بیعت کی اور جب کوچ کرنے کی نوبت آئی تو آپ کی شہادت ہو گئی اور جب خدا کسی کام کا ارادہ کرے تو اس سے نجات نہیں ہے جیسے ہی علی علیہ السلام شہید ہوئے اور لوگوں نے آپ کے فرزند امام حسن علیہ السلام کی بیعت کر لی تو آپ کو خبر ملی کی معاویہ اور شام والے عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں لہذا اس لشکر کو آمادہ کرنے کے درپے ہوئے جس نے علی علیہ السلام کے ساتھ بیعت کی تھی اور کوفہ سے معاویہ کا مقابلہ کرنے کیلئے (جو مسکن میں پڑاؤ ڈالے ہوا تھا) کوچ کیا اور جب مدائن سے قریب ہوئے تو قیس بن سعد بن عبادہ انصاری جو بارہ (۱۲) ہزار تعداد پر مشتمل لشکر کے بالکل سامنے والے کمانڈر تھے ان کو کمانڈری دیدی اور ایک قول

---

(۱)۔تاریخ طبری، ج۶، ص۹۴.

(۲)۔وہ ابوالحسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی سیف ہے جو اصل میں بصرہ کا رہنے والا تھا لیکن قیام مدائن میں تھا اس کے بعد بغداد منتقل ہو گیا اور وہیں ۲۱۵ھ میں وفات پائی یہ وہی شخص ہے جس سے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں کثرت سے روایت نقل کرتے ہیں اور یہ گوناگون موضوعات پر دوسو (۲۰۰) تالیفات کے مالک ہے.

(۳)۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۶.

کے مطابق عبداللہ(۱) کو کمانڈری اور اس نے قیس کو لشکر کے طلیعہ کی کمانڈری کیلئے انتخاب کیا۔(۲)

مؤلف کہتے ہیں: اس واقعہ کو عینہ ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے گویا کہ اس نے کمی اور زیادتی کے بغیر الکامل سے لیا ہے۔

● امام حسن علیہ السلام کا بیان مدائنی (۳) کی روایت کے مطابق ایک ایسے شخص کے جواب میں جس نے آپ سے کہا تھا: کیا آپ نے اس کام میں انصاف کا راستہ اپنایا ہے؟

''ہاں، لیکن مجھے اس بات کا خوف ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے ۷۰ ہزار یا ۸۰ ہزار افراد خون آلود صورت میں انصاف کا مطالبہ کریں کہ ان کا خون کس لئے بہایا گیا ہے...''

● ابن قتیبة دینوری

''لوگوں نے نقل کیا ہے کہ جب معاویہ کی بیعت ہو چکی اور وہ شام روانہ ہو گیا تو عراق کے عظیم رئیس سلیمان بن صرد جو صلح کے وقت کوفہ میں نہیں تھے، حسن بن علی علیہما السلام کے پاس آئے اور جب امام حسن علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے اس طرح سلام کیا ''اے مؤمنین کو رسوا کرنے والے تم پر سلام ہو! امام حسن نے جواب دے کر کہا: اب بیٹھو خدا تمہارے باپ کو بخش دے۔(۴)

سلیمان بیٹھے اور بولے: ہم مسلسل تعجب کر رہے ہیں کہ آپ نے معاویہ کی کیسے بیعت کر لی جبکہ عراق کے ایک لاکھ جنگجو سپاہی آپ کے ساتھ تھے اور وہ سب آپ کی نوکری میں تھے اور اتنی ہی تعداد میں ان کی اولاد اور غلام جو آپ کے قبضہ میں ہیں اس کے علاوہ آپ کے دیگر شیعہ جو بصرہ اور حجاز میں ہیں۔(۵)

مؤلف کہتے ہیں: امام حسن علیہ السلام اور سلیمان بن صرد اور ان کے ہمراہیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو

---

(۱)۔صحیح ''عبیداللہ'' ہے نہ عبداللہ اور نہ قیس اور ہم نے اس غلط فہمی کا سبب دونوں موارد میں بیان کیا ہے.

(۲)۔کامل التواریخ، ابن اثیر، ج۳، ص۶۱.

(۳)۔شرح نهج البلاغه، ج۴: ص۷؛ ابن کثیر، ج۸، ص۴۲.

(۴)۔متن میں ''لله ابوک'' ہے اور یہ جملہ عربی زبان میں محبت کے عنوان سے استعمال ہوتا ہے اور فارسی میں ''پدر آمرزیدہ استعمال ہوتا ہے یا ایسے دیگر جملے. (فارسی مترجم)

(۵)۔الامامة السیاسة، ابن قتیبة دینوری، ص۱۵۱.

کے مکمل متن کو سید مرتضیؒ نے تنزھیہ الانبیاء، ابن شھر آشوبؒ نے مناقب اور مجلسیؒ نے بحار میں نقل کیا ہے لیکن ان تمام اقوال میں سلیمان بن صرد کے بقول سپاہیوں کی تعداد ۴۰ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اس بناپر، ابن قتیبہ بھی ہزار کی تعداد بیان کرنے اور لفظ صلح کے بجائے بیعت کا استعمال کرنے میں منفرد ہے۔

● معاویہ کو دھمکی دیتے ہوئے زیاد بن ابیہ کی گفتگو (جو اس وقت تک فارس میں حسن بن علی کی طرف سے کارگزار تھا) اس طرح صادر ہوئی ہے اس نے کہا:

جگر خوار عورت کا فرزند، نفاق کا مرکز اور جنگوں کا بچا ہوا مجھے خط لکھتا ہے اور مجھ سے وعدہ و وعید کرتا ہے۔ جبکہ میرے اور اس کے نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندوں کے درمیان ۹۰ ہزار (ایک روایت کے بناپر ۷۰ ہزار) اندھے بہرے تلوار چلانے والے ہیں جو مرتے دم تک فرار نہیں کریں گے خدا کی قسم اگر معاویہ مجھ تک پہنچے گا تو مجھ کو سب سے زیادہ نقصان دہ اور زہر آلود پائے گا"۔(۱)

بحث اور جائزہ

جیسا کہ ملاحظہ ہوا، تاریخی نصوص نے امام حسن علیہ السلام کی فوج کی تعداد کے بارے میں اقوال نقل کئے ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے بڑی تعداد جو کہی گئی ہے وہ ترتیب وار: ۴۰، ہزار، ۸۰ ہزار اور ایک لاکھ ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں اعداد حتیٰ کہ اس میں جو سب سے کم ہے وہ بھی مورد تردید اور تامل ہے اب وضاحت ملاحظہ ہو:

۱:۔ سب سے بڑی تعداد (ایک لاکھ یا اس سے زیادہ یا ۹۰ ہزار ہے) جو زیاد بن ابیہ کے کلام اور (یعقوبی کی روایت کے مطابق ہے) سلیمان بن صرد کے بیان میں (ابن قتیبہ دینوری کی نقل کے مطابق یہ اس میں منفرد اور چند دیگر مؤرخین کے مخالف ہے) یہ چند جہت سے مورد تردید ہے سب سے اہم جہت یہ ہے کہ یہ دونوں افراد (سلیمان بن صرد اور زیاد بن ابیہ) حسن بن علی علیہما السلام کی پوری خلافت کے دوران کوفہ میں نہیں تھے اور امام حسن علیہ السلام سے بیعت یا جہاد کے وقت حاضر نہیں تھے۔ ان میں سے دونوں ہی اس ماحول اور

---

(۱)۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۹۴؛ ابن اثیر، ج ۳: ص ۱۶۶ پہلے نے ۹۰ ہزار اور دوسرے ۷۰ ہزار عدد بیان کیا ہے۔

وہاں کے لوگوں سے دور رہے ہیں۔(۱) اب جو کوفہ میں نہ رہا ہو اور وہاں کے حالات کو قریب سے نہ جانتا ہو اور افواج کا دھڑوں میں تقسیم ہونا اور لوگوں کی کاہلی اور سستی اور اپنے امام اور صاحب بیعت کی معرفت سے ناآشنا ہو اس کی قضاوت کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟

الف: زیاد اور سلیمان دونوں ہی جو امام حسنؑ کے افواج کی تعداد کے بارے میں ایسا خیال رکھتے تھے وہ اس بنیاد پر ہے کہ اس وقت کے کوفہ کی صورتحال کو ماضی پر قیاس کر رہے تھے اور اس گمان میں تھے کہ وہ سارے سپاہی جو ۳۷ اور ۳۸ ہجری میں (یعنی ان برسوں میں جس وقت دونوں ہی کوفہ میں موجود تھے اور ان صفوں میں تعاون کر رہے تھے) حضرت علیؑ کی خدمت میں تھے، اب بھی آپ کے فرزند امام حسنؑ کی خدمت میں موجود ہیں۔ یہ تو پہلی بات ہوئی۔

ب: یہ کہ ان دونوں آدمیوں کی موقعیت کہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی جہت سے عاطفی بحران کا شکار تھا اور یہی بحرانی کیفیت ان کی اس بات کا باعث تھی اور اس بات کا اقتضاء کر رہی تھی کہ وہ اس طرح سے مبالغہ آرائی اور اغراق سے کام لیں۔ ایسا مبالغہ نہ "سلیمان" سے بعید ہے جو صلح کی مذمت کر رہے تھے اور احساسات و جذبات کے زیر اثر تھا اور نہ ہی "زیاد" سے جو معاویہ کو دھمکی دینے اور اس کے وعدہ و وعید کا جواب دینے کے مقام میں تھا۔

اس کے علاوہ ان دونوں میں سپاہیوں کی تعداد کے بارے میں جس چیز پر اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ چیز نہیں پائی جاتی۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ "سلیمان" "مسیب بن نجبیہ" کے قریبی دوست تھے اور دونوں کے درمیان ذاتی دوستی کا کہیں زیادہ ربط تھا مذکورہ تاریخی نص (نمبر ۴) میں ہم نے دیکھا کہ مسیب بن نجبیہ صلح کے سلسلہ میں امامؑ کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے: آپ نے چالیس ہزار سپاہی کے ہوتے ہوئے... یقیناً ان دونوں کے درمیان اتنی قوی دوستی کے باوجود، خاندان پیغمبر سے متعلق موضوعات کے بارے میں ایسا اختلاف معقول نہیں ہے۔

---

(۱)۔ابن قتیبہ الامامۃ والسیاسۃ، سید مرتضی تنزیہ الانبیاء میں سلیمان بن صرد کی دو سالہ غیبت کی صراحت کی ہے رہا اور زیاد جسے ۳۹ ہجری میں بصرہ کے والی عبداللہ بن عباس نے فارس کا حکمران بنایا تھا وہ اس زمانے سے وہیں مقیم تھا اور طبری کی روایت کے مطابق ۳۹ ہجری کے حوادث میں بصرہ میں زندگی گذار رہا تھا۔

ایسی صورت میں "سلمان ابن صرد" کی بیہودہ گوئی پر اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا راوی ابن قتیبہ دینوری ہے یعنی ایسا راوی جو امام حسن علیہ السلام کی صلح کے واقعہ میں چند قابل تردید واقعات کا راوی ہے جسے اس کے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا ہے۔

حسن اتفاق یہ ہوا کہ یہ دونوں گہرے دوستوں نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے عظیم الشان امام کی صلح اس سوال کا جواب دریافت کرلیا تھا جسے انہوں نے مذمت کی شکل میں پیش کیا تھا۔

۶۵ ہجری میں اٹھارہ (۱۸) ہزار لوگوں نے خون حسین کا انتقام لینے کیلئے ان دونوں کی بیعت کی اور جب عین الوردہ نامی مقام پر دشواریوں کا سامنا ہوا تو ۱۳۱۰۰ سو افراد سے زیادہ لوگ ان کے ساتھ نہیں رہ گئے یہیں پر ان لوگوں کی ان سے روگردانی اور تعاون نہ کرنے نے انہیں امام حسن علیہ السلام کی یاد دلائی اور کچھ عرصہ بعد سلیمان اور مسیب جو توابین کے قیام کے رہبر تھے اپنے زیادہ تر ساتھیوں کے ساتھ عین الوردۃ میں شہید ہوگئے۔

۲:۔ ۷۰/۸۰ ہزار کی تعداد ہے جو امام حسن علیہ السلام کے اس سوال "آیا آپ نے اس کلام میں انصاف کا راستہ طے کیا ہے؟ کے جواب میں ذکر ہوئی ہے۔

درحقیقت یہ بیان ۲۰ ہزار سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ آنحضرت نے ان لوگوں کی تعداد جو قیامت کے دن خون آلود خدا کے حضور جائیں گے تردید کے ساتھ ۷۰/۸۰ ہزار ذکر کی ہے اور یہ واضح ہے کہ اس سے مراد صرف اپنی فوج کے سپاہی نہیں تھے بلکہ دونوں لشکر کے سپاہیوں کو نظر میں رکھا ہے۔ چونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس جنگ میں شامیوں کی تعداد ۶۰ ہزار تھی، اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ باقی بچے لوگ یعنی ۲۰ ہزار آنحضرت کے خاص سپاہیوں کی تعداد تھی۔

عدد کی تعیین میں حضرت نے جو تردید ظاہر کی ہے (۷۰ یا ۸۰ ہزار) اس سے مکمل واضح ہے کہ اس سے مراد دونوں لشکر کے سپاہی ہیں نہ کہ صرف اپنی فوج کیونکہ اگر اس سے مراد صرف کوفہ کا لشکر ہوتا تو یہ بات بے معنی ہے کہ اپنی فوج کی تعداد میں شک و تردید ہو کیونکہ کوفہ کے لشکر کی تعداد ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

۳:۔ ۴۰ ہزار کی تعداد ہے جسے چند مؤرخین نے معین کیا ہے اور "مسیب بن نجبہ" نے اس بیان

میں جسے ہم نے نقل کیا ہے اس میں اس نے اس تعداد کی تصریح کی ہے۔ ہم اس عدد کے بارے میں دو اعتبار سے اعتراض کرتے ہیں:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ خود امام حسن علیہ السلام کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ جس میں آپ نے اشارۃ سپاہیوں کی تعداد معین کی ہے وہ قابل تطبیق نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے ملاحظہ کیا مذکورہ بیان کے مطابق، لشکر کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۲۰ ہزار ہے اسی طرح حضرت کے دیگر بیانات کہ جس میں اپنے سلسلہ میں لوگوں کی رفتار کی توصیف کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی جنگ میں سستی اور کاہلی کا شکوہ کرتے ہیں۔(۱) اس سے سازگار نہیں ہے کیونکہ چالیس ہزار سپاہیوں کی موجودگی میں امام حسن علیہ السلام ان کی سستی اور کاہلی کا پھر کیوں شکوہ کرتے؟ لہذا مذکورہ عدد بھی مشکوک ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس تعداد کا ماخذ اس کے قائل کا گمان ہے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے ان لوگوں نے اس دلیل کی بنیاد پر کہ جب امیر المؤمنین علیہ السلام نے شام پر آخری حملہ کیلئے ۴۰ ہزار کی تعداد پر مشتمل لشکر تشکیل دیا اور اس لشکر کو روانہ کرنے سے پہلے شہید ہو گئے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ آمادہ لشکر آپ کے فرزند امام حسن علیہ السلام کیلئے باقی رہنا چاہئے لیکن یہ لوگ اس بات کو بھول گئے کہ نئے جانشین کی طرف سے یہ روگردانی اور عدم تعاون کا اظہار کیا گیا ہے۔

اتنی ساری باتوں کے بعد، بنیادی طور پر جس تعداد میں غلطی اور لغزش ہو کیسے اطمینان بخش ہو سکتی ہے؟

اس سلسلہ میں حیرت انگیز روایتوں میں "زھری" کی روایت ہے جس نے "قیس بن سعد" کی قیادت میں مقدمہ الجیش لشکر کی تعداد وہ بھی "مسکن" میں یعنی عبید اللہ بن عباس اور اس کے ساتھیوں کے فرار کر جانے کے بعد چالیس ہزار بتائی ہے اس نقل کا مطلب یہ ہے کہ صرف مقدمہ لشکر کے سپاہیوں، کی تعداد حادثہ فرار سے پہلے ۴۸ ہزار ہو! اور یہ کسی صورت تاریخ کے نزدیک مورد تائید نہیں ہے اور عبید اللہ کی سپہ سالاری کے دوران مقدمہ لشکر کی تعداد بارہ (۱۲) ہزار سے زیادہ نہیں تھی اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف امام حسن علیہ السلام نے

---

(۱)۔ "بشیر همدانی" کے جواب میں کہ آپ کوفہ میں حضرت کے اکابر شیعوں میں سے ایک تھے، بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۱۳۔

عبیداللہ کو حکم دیا ہے نیز تاریخی نصوص میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر خاندان پیغمبر سے متعلق واقعات میں زھری کی روایت سب سے کمزور اعتراض سے پر ہے۔

دراسات فی الاسلام نامی کتاب کے مؤلف نے اسے (زھری) کو امویوں کا زرخرید اور ان سے معاوضہ لینے والا جانا ہے اور اس کی روایت کے ضعف کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔

اس کے علاوہ زہری کی روایت بھی اس طرح قابل توجیہ ہے کہ ہم کہیں: اس سے مراد وہ لشکر ہے جہاں معاویہ، عمرو عاص اور شام والوں نے پڑاؤ ڈالا تھا یعنی معاویہ کا لشکر ہے نہ قیس کا (۱) لہذا چالیس ہزار کی تعداد معاویہ کے لشکر سے متعلق ہوگی نہ امام حسن علیہ السلام کے لشکر سے، اور جب اس تعداد کو حکومت شام سے معاوضہ لینے والے زرخرید فرض کریں اور "اہل شام" کے جملہ سے اس کی مراد معاویہ کی رضا کارانہ فوج جانیں تو اس کی روایت دیگران روایات سے جو امام حسنؑ اور معاویہ کے لشکر کی تعداد کے بارے میں ہے، سے منافات نہیں رکھے گی۔

۴۔ "لشکر عظیم" یہ ابن ابی الحدید کی تعبیر ہے جو "نخیلہ" سے "دیر عبدالرحمن" تک امام حسن علیہ السلام کی روانگی کو بیان کرتا ہے اور آنحضرت کے لشکر کے بارے میں ذکر کیا ہے اور جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں یہ کلمہ مبہم ہے اور جو عدد ہم نے ذکر کیا ہے۔

اس کے مطابق ہے کیونکہ ۱۶ ہزار اور اس سے زیادہ ۲۰ ہزار بھی "عظیم لشکر" ہی ہے۔

۵۔ بحار کی ایک روایت ہے جو (یہ سب سے پہلی روایت تھی جسے ہم نے اس وجہ سے کہ تمام تاریخی متون کو ذکر کیا جائے ایسے یہاں ذکر کیا ہے) نظم، ارتباط اور خاص ترتیب کی بنا پر جو اس کے مکرر حوادث میں موجود ہے شدید قابل تردید اور مقام تأمل ہے۔

اوّل یہ کہ دو کمانڈر کا نام جو اس روایت میں مذکور ہے (ایک قبیلہ کندہ سے تھا اور دوسرا قبیلہ مراد سے اور دونوں ہی عبیداللہ بن عباس سے پہلے معاویہ کے پاس پہنچ گئے اور ان سے پہلے خیانت کر ڈالی) بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔

---

(۱)۔ یہ توجیہ اور تاویل زہری کی روایت کے عربی متن سے چنداں دور نہیں ہے۔ لہذا اس کا فارسی ترجمہ سے سازگار نہ ہونا اس احتمال کے بعید سمجھے جانے کا موجب نہ ہو۔ (فارسی مترجم)

اور تاریخ میں یہ بات بے ضابطہ ہے کہ کوئی اتنی اہمیت کا حامل واقعہ (جو انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ شرمناک واقعہ ہے) جس میں دو کمانڈروں کا نام چھوٹ جائے اور لوگ اس سے غافل رہ جائیں۔

اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر کہ ان دو کمانڈروں کے بھیجنے سے پہلے امام حسن علیہ السلام نے اصرار کیا کہ انہیں خیانت سے متہم کریں! لیکن ان دونوں کی خیانت کا علم و یقین ہوتے ہوئے بھی ان دونوں کو معاویہ کے مقابلہ میں سپہ سالار بنا کر بھیج دیا!

مذکورہ اعتراضات میں سے صرف ایک ہی اعتراض کافی ہے جو اس روایت کی تحقیق اور چھان بین کو غلط اور بے کار بنا دیتی ہے ایسی صورت میں بہتر یہی ہے کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں تا کہ خود ہی اپنے اعتبار کی پہچان کا ذریعہ بن جائے۔

اب، اتنی ساری تحلیل اور جائزہ کے بعد ہم اس بات کو چھوڑ دیں تا کہ یہ نصوص اور تاریخی متون (جو اتنے سارے اختلافات اور تحریفوں کے ساتھ ہیں) خود امام حسن علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق اس وقت کی ناگفتہ بہ حالات کے روشن گواہ ہوں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو چاہے اہمیت کے اعتبار سے یا نتائج اور آثار کے لحاظ سے دقت تامل، یاددہانی اور تاسف کی حامل ہے جیسا کہ ہم نے ملاحظہ کیا کہ یہ آٹھ فقرہ تاریخی متن تھے کہ ان میں سے کسی کو بھی تحقیق کی تاب نہیں تھی اور نہ ہی کوئی معتبر اور مستند تاریخی سند ہے۔

جو چیز یقینی طور سے ہمارے پاس ہے مقدمہ لشکر کی تعداد ہے یعنی بارہ ۱۲ ہزار اور کوفہ میں بعد میں رضا کارانہ طور پر لشکر کی تعداد ۴ ہزار ہے اس کے بعد متفرق گروہ جو امام حسن علیہ السلام کے دیر عبدالرحمٰن میں قیام کے دوران آپ کے لشکر سے ملحق ہوا تھا۔ مجموعی طور پر تقریباً ۲۰ ہزار سپاہی تھے جو امام حسن علیہ السلام کی دونوں چھاونیوں یعنی مسکن اور مدائن کی جانب کوچ کرنے پر ظاہر ہو رہے تھے۔

رہے مدائن کے سپاہی اور مجاہدین... تو ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ یہ لوگ ماضی میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی جنگوں میں روگرداں نہیں تھے اور یہ بہت بعید لگتا ہے کہ آپ کے فرزند چھاونی بنائیں اور ان میں سے ہر ایک اسلحے اٹھانے اور جنگ کرنے کی توانائی رکھتا ہو اور آپ سے ملحق نہ ہو۔

اس لحاظ سے قوی گمان یہی ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے سپاہیوں کی تعداد ان دونوں محاذوں پر ۲۰ ہزار یا کچھ

زیادہ رہی ہو اور یہ وہی "عظیم لشکر" ہے جس کا ابن ابی الحدید نے ذکر کیا ہے اور یہ وہی تعداد ہے جو امام حسن علیہ السلام کے سابق بیان سے مطابقت رکھتی ہے اور تمام تاریخی بیانات میں خود حضرت امام حسن علیہ السلام کے بیان سے کونسا بیان بہتر ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد یہ بھی ہے کہ کس حد تک اور کہاں سے امدادی افواج امام حسن علیہ السلام کو پہنچیں اس کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ہے۔

● ساتویں فصل :

فوج کے عناصر

شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ارشاد کے ص ۱۶۹ پر رقمطراز ہیں:

''امام حسن علیہ السلام نے حجر بن عدی کو اس لئے بھیجا تا کہ کارکنوں یعنی قرب و جوار کے سربراہ افراد کو چلنے کا حکم دیں اور لوگوں کو جہاد کی دعوت دیں تو سب سے پہلے انہوں نے چلنے میں سستی کی اور اس کے بعد چل پڑے ان کے ساتھ چلنے والوں میں ہر طرح کے افراد تھے: کچھ آپ کے اور آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ تھے، کچھ خوارج کی حکومت کے طرفدار تھے جو خواہ کسی بھی بہانہ کے تحت ہوں معاویہ سے جنگ کرنا چاہتے تھے، لیکن اس میں کچھ ہرج و مرج، فتنہ و فساد اور جنگ میں ملنے والے مال غنیمت کے لالچی تھے تو کچھ شکی افراد تھے اور کچھ اپنے قبیلوں کے متعلق متعصب لوگ جو اپنے رؤسائے قبائل کے پیروکار تھے اور ان میں دین کا کوئی جذبہ نہیں تھا...۔''(۱)

اس سے پہلی فصل میں ہم اس بات سے آشنا ہو چکے ہیں کہ امام حسنؑ کی فوج کی تعداد بیس ہزار افراد یا اس سے کچھ زیادہ تھی، لیکن یہ بات تفصیل سے معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ کس طرح اکھٹے ہوئے۔ میرے خیال میں اس کام کیلئے اسی ابتدائی اور آسان طریقوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ وہی روش تھی جس سے صدر اسلام کے معاشرے میں استفادہ کیا جاتا تھا اور اس وقت فوج میں شامل ہونے کیلئے مجاہد یا فوجی کا کوئی خاص سن و سال معین نہیں ہوتا تھا اور فوج میں بھرتی ہونے کیلئے کوئی زبردستی بھی نہیں کی جاتی تھی (جیسا کہ آج بعض

---

(۱)۔ارشاد، مفید، صفحہ ۱۶۹، اسی مطلب کو بالکل اسی طرح ''اربلی'' نے کتاب کشف الغمہ، صفحہ ۱۶۱، اور علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار، جلد ۱۰، صفحہ ۱۱۰ پر تحریر کیا ہے۔

ممالک میں فوج میں بھرتی ہونے کیلئے زبردستی کی جاتی ہے) ہر مسلمان خدا کیلئے آواز بلند کرنے والے کی آواز پر لبیک کہنے کیلئے اپنے اندر خود دینی جذبہ کا احساس کرتا اور اسلحہ اٹھالیتا تھا، اسی دینی جذبہ کی وجہ سے اس کے اندر دینی وظیفہ موجزن ہوجاتا تھا اور وہ اس راہ میں اپنی جان پیش کردیتا تھا، مادی جذبہ اس پر غالب آکر اس احساس کا خاتمہ کردیتا تھا اس کو اخروی نتیجہ اور (کامیابی کی صورت میں) مال غنیمت سے محروم کردیتا تھا۔

آج کل ملک کی خدمت کرنے کیلئے جو خاص عمر اور مخصوص استعداد معین کی گئی ہے وہ اس دور میں رائج نہیں تھی بنیادی طور پر یہ طریقے اسلامی قوانین جن میں آسانیاں اور سختیاں دونوں ہیں ان سے سازگار نہیں ہیں۔

اسلام میں لوگوں کو اطاعت وفرمانبرداری کا شوق دلانے کیلئے زیادہ تر اس دین کے مستحکم حقائق اور اس کے صحیح ہونے پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ اس دین کے قوانین وضوابط میں لوگوں کو زبردستی اطاعت کرنے کیلئے مجبور کرنا نہیں ہے۔ لوگوں کو اسی حد تک دونوں راستوں کا تعارف کراتا ہے اور ان کو ہدایت ورہنمائی کے ذریعہ بہترین راستہ کو طے کرنے میں مدد دیتا ہے: ''جو لوگ ہمارے لئے کوشش کرتے ہیں ہم خود ان کو اُن کی راہ پر گامزن رہنے کیلئے ہدایت کرتے ہیں''(۱)

تمام چیزوں میں اسلام کا یہی نعرہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ حکم دیتا ہے یا کسی چیز کے انجام دینے سے یا منع کرتا ہے۔

مسلمانوں کے حاکم جب بھی کسی مقام پر کسی کام کو انجام دینے یا کسی کام سے روکنے کیلئے قدم اٹھاتے تھے تو اسی راستہ کو اختیار کرتے تھے۔ منجملہ لوگوں کو جنگ کیلئے بھیجنے میں مؤثر اور شوق دلانے والے طریقے اختیار کرتے تھے۔ مثال کے طور پر محاذ جنگ پر جانے والوں کیلئے کچھ اضافی چیزیں دینے کا وعدہ کرتے تھے، اپنے کارکنوں کو شہروں میں الرٹ (آمادہ) ہونے کا حکم دیتے تھے اور وہ خطیبوں اور بااثر افراد کو راہ خدا میں رضا کارانہ

---

(۱)۔ ''والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا''.

طور پر جہاد کرنے کیلئے لوگوں کو شوق دلاتے تھے۔

امام حسنؑ نے اپنی خلافت کے آغاز اور جنگ کیلئے فوج کی آمادگی کے اعلان میں انہیں امور کا سہارا لیا۔ حجر بن عدی کو جہاد کی دعوت کیلئے گورنروں کے پاس بھیجا، عدی بن حاتم، معقل بن قیس، زیاد بن صعصعہ اور قیس بن سعد وغیرہ جیسے خطباء نے ان کا ساتھ دیا وہ لوگوں کو جہاد کرنے میں سستی و کاہلی پر مذمت کرتے تھے۔(۱) اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا شوق دلاتے تھے اور اسی لئے وہ سب سے پہلے جنگ کی صفوں میں آ کر کھڑے ہو گئے۔

پرچم جہاد کوفہ کے سات علاقوں اور تمام عام مرکزوں پر لگا دیا گیا اور لوگوں کو خدا کی طرف اور آل محمدؐ کی اتباع کرنے کی دعوت دی گئی۔

اس دارالسلطنت میں جہاں لوگ مردوں کی طرح بے حس تھے وہاں بیداری اور نئی زندگی کا آغاز ہو گیا تھا جو ذمہ داری کے احساس یا اس کو انجام دینے کیلئے آمادگی کے مانند تھا۔

جنگ کے سلسلہ میں لوگوں کے اندر جو سستی اور کاہلی پائی جاتی تھی اس کی وجوہات حکومت شام کا پروپیگنڈہ اور ان لوگوں کی عیش و عشرت اور راحت طلبی تھی جو کوفہ میں بہت زیادہ نفوذ کر چکی تھی لیکن پھر بھی ان خطباء کی وجہ سے جو قوم بیدار ہو چکی تھی اس نے بہت کم عرصہ میں لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑا دی اور لوگوں کے اندر جوش و جذبہ کے ساتھ جنگ کرنے میں جان ڈال دی تھی۔

امام حسنؑ کے مخالفوں کی طرف سے سازشیں تو ہوتی تھیں لیکن امام حسنؑ کے مددگاروں کی تبلیغ کچھ حد تک مؤثر واقع ہوئی اور لوگوں میں جوش و جذبہ پیدا ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ: ''لوگوں نے لشکر گاہ پر پہنچ کر اپنے آپ کو جہاد کیلئے پیش کیا''۔(۲)

یہ پروپیگنڈہ اتنا کامیاب ہوا کہ کوفہ کے عمومی افکار اور ان کے اردگرد کے علاقے، محلے، بازاروں، عدالت (کچہری) اور آفس کے افراد سب روزانہ آپ سے رابطہ رکھتے اور آپ کو اپنے ساتھ رکھنے کیلئے

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، جلد۴ صفحہ۱۴

(۲)۔شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، جلد۴ صفحہ۱۴

آمادہ وتیار تھے۔

کوفہ کے ان خطیبوں نے اپنی مہارت اور زبردست تقریروں کے نتیجے میں یہ قدرت حاصل کر لی کہ لوگوں کی فکر اور ان کی آمادگی سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور جہاد کی دعوت کے ضمن میں اپنی طاقت وقوت کو صرف کرتے ہوئے لوگوں کو اہل بیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وپیروی کی طرف بلائیں۔

اہل بیت علیہم السلام کے اعوان وانصار آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناقب اور ان کے دشمنوں کے عیوب بڑے ہی دلکش اور جاذب انداز میں بیان کرتے تھے کوفہ کے مختلف مقامات، جلسوں اور عام جگہوں پر اہل بیتؑ کی ممتاز حیثیت اور بلند موقعیت (جنت کے جوانوں کے دوسردار) ان کی دینی پختگی، خاندان وحی کی وراثت اور بنی ہاشم کے اس خاندان کی بے شمار فضیلتیں، علم ودانش، زہد وتقویٰ، طہارت وقداست، مادی زیورات سے بے توجہی، راہِ خدا میں جانثاری، امت کی اصلاح کی کوشش اور ان کی دوستی کے وجوب سے متعارف کرایا۔

پھر اس کے بعد بیعت کا تذکرہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خداوند عالم نے اولی الامر کی اطاعت اور عہد وپیمان کے وفا کرنے سے متعلق ان سے مواخذہ کرے گا۔

یہ لوگ اپنی تقریروں میں ایک دوسرے کے نسب کا موازنہ کرتے تھے اور یہ اس زمانے کے موزوں طبع افراد کیلئے ظریف وصادق اور موثر روش تھی جس سے لوگوں کے ہوش اور دل اڑے جاتے تھے۔

مثلاً وہ لوگ کہتے کہ فرزند علیؑ کہاں اور فرزند صخر کہاں؟ فاطمہ کا بیٹا کہاں اور ہند کا بیٹا کہاں؟ وہ کہ جسکے جد رسول خداؐ ہیں اس کو اس سے کیا نسبت جس کا دادا حرب ہے وہ کہ جس کی جدہ خدیجہ ہیں اس کو اس سے کیا نسبت جس کی دادی ''نتیلہ'' ہے۔ پھر اس وقت ان دو آدمیوں کے درمیان جس کا نام مذموم اور خاندان پست ماضی اور حال شرارت آمیز اور کفر ونفاق میں اول الاولین ہو اس پر لعنت کرتے تھے اور لوگ بھی ایک آواز ہو کر با آواز بلند آمین آمین کہا کرتے تھے اور بعد والی نسلوں نے جب بھی یہ ظریف موازنہ کیا تو لوگوں نے بھی ہم صدا ہو کر اسی طرح آمین کہا۔

ان حکیمانہ تدبیروں اور انقلاب آفرین اور بلیغ آواز تقریروں نے اپنا کام کر دیا۔ ہر جگہ اور ہر دل میں شام کی شکست اور کوفہ کی کامیابی کی امید کی روح پھونک دی۔

اس زمانے میں کوفہ (یہ نئی اور باعظمت راجدھانی اسلام کے بڑے بڑے تاریخی دارالسلطنتوں سے ٹکر لے رہی تھی) نے اپنے اردگرد مختلف رنگ ونسل کے لوگوں کو جمع کرلیا تھا جن میں عرب اور غیر عرب مہاجرین بھی موجود تھے ان میں سے بہت سارے لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا اور اسلام کو اپنے منافع پورے کرنے کیلئے وسیلہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہ گروہ اسلام کو صرف اتنا سمجھتا تھا کہ یہ ایک مال غنیمت کے حصول اور مادی منافع کی طرف راہ ہے اور عام لوگوں کی امیدیں اور اطمینان کے ذریعہ اس جنگ کی کامیابی کا نتیجہ اخذ کررہے تھے کہ امام حسنؑ کی فوج سے ملنے کی صورت میں ہی مال غنیمت حاصل ہوسکتا ہے۔ تو پھر ایسی صورت میں وہ لوگ خود کو اس جنگ کی صفوں میں شامل کرنے میں جلدی کیوں نہ کرتے؟!

اب پڑھنے والا، امام حسنؑ کے لشکرگاہ میں ہر رنگ ونسل کے مختلف گروہوں کے جمع ہونے کے اسباب سے اچھی طرح آشنا ہوگیا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اس بنیاد پر لشکر میں شامل ہونے والوں میں سے کچھ فتنہ باز، غنیمت کے لالچی، قبیلہ کا تعصب رکھنے والے اور بہت سارے شک کرنے والے اور ان میں سے کسی کا بھی جذبہ دینی نہیں تھا بلکہ امام کے ہدف اور مقصد سے دور اور بیگانہ تھے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اس دور میں فوج میں بھرتی کے طریقہ کار میں ایسا کوئی وسیلہ نہ تھا جس کے ذریعے ہر قسم کے فرد کو آنے سے روکا جائے اور صرف اطمینان بخش افراد کو ہی بھرتی کیا جائے۔ ایک مسلمان سپاہی کی صلاحیت کو ثابت کرنے کیلئے یہی طریقہ تھا کہ وہ اسلحہ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔

شیخ مفیدؒ خوارج کے امام حسنؑ کے ساتھ ملنے کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ ''وہ لوگ ہر بہانے سے معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کے درپے تھے۔''

ہم کسی حد تک اس بات کی تصدیق کرتے ہیں لیکن ہم اسے کلی طور پر قبول نہیں کرسکتے ممکن ہے کہ یہ ان کے اہداف میں ایک ہدف ہو یا پھر ان کا کوئی اور ہدف ہو۔

امام حسن علیہ السلام اور ان کے پدر بزرگوار کے ساتھ خوارج کے روابط کے سلسلے میں جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو ہمیں ان کے بارے خوش بین کرسکے۔ خاص طور پر نہروان کے حوادث کی تحقیق

ان کی نسبت تردید اور بدگمانی میں اضافہ کا سبب ہے۔ اگر واقعاً ان کا مقصد امام حسنؑ کے ساتھ ہو کر معاویہ سے جنگ کرنا تھا اور خود امام سے بھی سوءظن نہیں رکھتے تھے تو اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس تاریخ سے پہلے کہاں تھے؟ اور کیوں سب نے مل کر اسی طرح۔ (جس طرح تاریخ کو حضرت علی علیہ السلام کے سلسلے میں ان کا یہ کردار یاد ہے) اس کے خلاف قیام نہیں کیا۔

امام حسنؑ کی خلافت سے چند ماہ قبل ان کا جو خون بہایا گیا تھا اور ان کی ہمہ گیر اور منظم پروپگنڈے کی روش اس بدگمانی کا سبب قرار پاتی ہے کہ یہ لوگ اسی مقصد کے تحت امام حسنؑ کے لشکر میں شامل ہوئے۔

اس جنگ کیلئے آمادگی سے قبل کے حالات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس فرقہ نے حضرت علی علیہ السلام کے قتل سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرنے کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ہمراہ میل جول کی روش کو اختیار کیا اور اس اقدام کے ذریعہ وہ اپنی اس ذلت اور عمومی نفرت کو خود سے دور کرنا چاہتے تھے جو اس عظیم ظلم و جنایت کے بعد ان کے دامن گیر ہوئی تھی۔

اس ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا یہ بات ذھن میں نہیں آتی کہ رضا کارنہ طور پر جہاد کیلئے ان کا مظاہرہ اور بظاہر دوسروں کے ساتھ ان کا ہم رنگ ہونا بھی اس سلسلے میں خود ایک دھوکہ اور فریب ہے اور یہ کام مصنوعی چہرہ اور زمانے کی مصلحت وضرورت کا نتیجہ ہے اور ان تمام موافق اور صاف ستھرے چہروں کے پیچھے ان کے پوشیدہ افکار واغراض (جو آج تک صحیح پہچانے نہیں جاسکے ہیں) کارفرما تھے؟

خروج (حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف قیام) کی فکر ایک ایسا گندیدہ تھا جو جنگ صفین میں حکمیت کے واقعہ میں بویا گیا تھا اور اس طرح خوارج کو "محکمہ" (طرف دار حکمیت) کا نام بھی دیا گیا ہے آہستہ آہستہ یہ فکر اعتقادی صورت میں ان کے دلوں میں راسخ ہوگئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اور بھی اضافہ ہوا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو مختلف بدترین حادثات کا سامنا کرنا پڑا۔

خوارج اپنی تمام مقدس مآبی اور خشک دینی دکھاوے کے باوجود بہت بڑے مکار اور حیلہ باز تھے۔

ایسی صورت میں وہ اس مناسب موقع سے کہ جب ان دو بڑے دشمنوں کے درمیان آتش جنگ شعلہ ور ہو تو فائدہ کیوں نہ اٹھاتے؟ کیوں خود کو فوج کے اس عظیم لشکر میں شامل نہ کرتے جو کہ کوفہ سے

جنگ کے قصد سے نکلی تھی؟ اور کیوں ایسے موقع کو حاصل کرنے کی تلاش میں نہ رہتے جس میں مجاھدین کی آمادگی اور سوق الجیشی تحریک کے درمیان غالبًا مار پیٹ کا بہت زیادہ امکان تھا؟ کیونکہ اگر ایسی جنگوں میں سازش کرنے والے چالاکی اور درایت سے کام کریں تو اچھے مواقع بہت جلدی اور آسانی کے ساتھ بہت بڑے نتیجے کے حامل بن سکتے ہیں۔

بے شک جیسا کہ شیخ مفید" نے فرمایا ہے: معاویہ کے ساتھ خوارج کی عداوت اور کسی نہ کسی بہانے معاویہ کے ساتھ ان کا جنگ کیلئے درپے ہونا قابل انکار نہیں ہے۔ لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے ان اقدام کے پیچھے دو ہدف مدنظر تھے۔ خوارج کے تمام فتنہ وفساد کی اصلی غرض یہ تھی کہ وہ جہان اسلام کے حکام کو ھدف بنانا چاہتے تھے چاہے وہ عراق میں ہوں یا مصر میں یا شام میں۔ ان کے درمیان ٹرور یزم کی روح اور دھوکہ سے قتل کرنا رائج ہوگیا تھا، ان کے اس کام نے ان کے دوسرے افکار اور طریقوں کو تحت الشعاع میں قرار دے دیا تھا۔ امام حسن علیہ السلام کا ساتھ دے رہے تھے لیکن فتنہ انگیزی کے مقصد سے، جہاد کیلئے نکل رہے تھے مگر فساد کے قصد سے وہ جسارت آمیز ضربت ان لوگوں نے جو مظلم ساباط (۱) میں حسن بن علی علیہما السلام پر لگائی تھی اگر چہ وہ کارگر نہ ہوسکی لیکن یہ ان جرائم کے سلسلے کی دوسری جہنمی زنجیر تھی جن کا یہ گروہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان خاندان کے سلسلے میں مرتکب ہوا ہے اور یہ دونوں ظلم وجنایت انہیں مخفی اور دقیق سازشوں کا نتیجہ ہے جسے خوارج نے مختلف مواقع پر استعمال کیا ہے۔

یہ تو خدا کا لطف تھا کہ ابن سنان اسدی (۲) کی وہ ضربت جو امام حسنؑ پر وارد ہوئی تھی وہ کامیابی حاصل نہ کرپائی جو کامیابی ماضی قریب میں ابن ملجم مرادی کی ضربت نے حاصل کی تھی۔

---

(۱)۔ ساباط لغت میں اس چھت دار راستہ کو کہتے ہیں جو دو مکانوں کو آپس میں ملاتا ہے۔ نیز مدائن کی ایک آبادی کا نام بھی ساباط ہے اور اس پل کے کنارے ہے جو شاہرود، پر ہے۔ شاید اس وجہ سے اس کا نام ساباط ہوگیا کہ وہاں بہت بڑی اور کم نظیر چھت موجود ہے کہ اسی چھت کو مظلم ساباط کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

(۲)۔ حسن مراد نے اپنی کتاب "الدولة الاموية في الشام والاندلس" میں اس ضربت کی نسبت جو امام حسنؑ پر وارد ہوئی تھی غلط انداز میں بنی امیہ کے بعض پیروکاروں کی طرف دیدی ہے۔ بہت ہی جلد آپ (۱۴ویں فصل) تاریخی متون میں اس کا مطالعہ کرلیں گے جسے قدیم مورخین نے ذکر کیا ہے اور جدید مورخین کو جسے درک کرنا چاہیے۔

یہ پست اور ناپاک سازشیں جو کینہ توزی اور بغض کے ہمراہ سبط اکبر اور دوسرے امام، حضرت امام حسنؑ کیلئے انجام پذیر ہوئیں اپنی نوع میں خود بہت بڑی جفا اور دشمنی ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روا کی گئی۔

اس کام سے معاویہ کے بلند و بالا اور بہت قیمتی اہداف کی تکمیل ہوئی وہ بھی ایسے لوگوں کے ہاتھوں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے: ''امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اس لئے باہر آئے کہ وہ بہر صورت معاویہ سے جنگ کرنے کے درپے تھے۔''

اس طرح کسی شک وشبہ کے بغیر ان خوارج کے خبیث و پلید مقاصد امام حسنؑ پر آشکار ہوئے جو بظاہر ہمراہی کی روش اختیار کئے ہوئے تھے۔ آپ شروع سے ہی ان لوگوں سے سختی کے ساتھ پرہیز کرتے تھے لیکن ہمیشہ اپنی مخالفت کو ان سے چھپائے رکھا۔

خطرناک ترین دشمنی یہ ہے کہ دوستی کے لباس میں ظاہر ہو۔ یہ وہ دوستی ہے جس میں بظاہر کسی سے دوستی کی جاتی ہے لیکن بباطن اس کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔ اس قسم کا خطرناک ترین دشمن وہ ہے جو انتقام و تعصب کے پیش نظر تلوار کھینچ لیتا ہے جس طرح کہ خوارج نے امام حسنؑ بن علیؑ کے ساتھ کیا تھا۔

امام حسنؑ کی فوج کو جس کا سامنا تھا وہ یہ کہ اس میں مختلف نامناسب گروہ شامل ہو گئے اور اس ناہم آہنگی کی وجہ سے ایک امید بخش اور روشن افق فوج کا تصور ہی باقی نہ رہا اور اس طرح شام و عراق کے دو علاقوں میں کینہ توز افراد، داخلی اور خارجی دشمنوں کی آشکار دشمنی شروع ہو جاتی ہے۔

جو لشکر اس قسم کے عناصر سے مرکب ہوتا ہے ہر پیش آنے والے حادثے میں سرداروں اور رہبروں کی ضد میں قیام کر دیتا ہے۔

مقدس جہاد کبھی بھی طمع مادی کا ذریعہ یا خطرناک سازش کیلئے مقدمہ، یا جاہلانہ تعصب کا مظہر، یا شک و تردید کے خوگر افراد کے تجربوں کا وسیلہ قرار نہیں پاتا ہے۔

امام حسنؑ اپنی قوم کی سست روی سے اور عدم ہمراہی سے کافی زیادہ آگاہ تھے (۱) شکست اور ناکامی جو

---

(۱)۔ کتاب ارشاد میں شیخ مفید کی عبارت یہی ہے ص ۱۷۰۔

اس جنگ کے انتظار میں تھی اپنے حالات کا میں مشاہدہ کرتے ہوئے آپ اسے بخوبی سمجھ رہے تھے کیونکہ امام کی ذخیرہ فوج اسی گروہ سے تھی اور اس کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں تھی۔

آپ کے بہت سارے ایسے کلمات محفوظ ہیں جو آپ کی اپنی فوج پر کم اعتمادی کی حکایت کرتے ہیں آپ کا بلیغ ترین کلام جو اس سلسلے میں محفوظ ہے وہ مدائن کے لشکر سے خطاب ہے، اس خطبے میں آپ نے اس طرح فرمایا:

''جب تم صفین کی طرف جارہے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم تھا لیکن اب تمہاری دنیا، تمہارے دین پر مقدم ہے اب تم دو قسم کے مقتولین کے درمیان میں ہو، ایک صفین کے مقتولین جن پر تم نے گریہ کیا تھا اور ایک نہروان کے مقتولین جن کا تم انتقام لینا چاہتے ہو(۱) باقیماندہ افراد عہد شکن اور سست فطرت ہیں اور گریہ کرنے والے شورش برپا کرنے والے اور گناہ گار ہیں۔''

صرف یہی ایک خطبہ ہے جس میں تمایل کے اختلاف اور فوج کے عناصر کے اہداف کی طرف اس جنگ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

رونے والے سے ان کی مراد اکثر بغاوت کرنے والے ان کے دوست اور نزدیکی لوگ ہیں۔ اور انتقام کے طلب گار سے مراد وہ خوارج ہیں جو آپ کی فوج میں گھسے ہوئے تھے۔ لیکن یہ بدلہ صرف آپ سے لینا چاہ رہے تھے۔ عہد شکن اور پست فطرت سے مراد فوج کے وہ عناصر ہیں جو فتنہ باز، لالچی اور ہوا و ہوس کے پجاری ہیں۔ یہاں پر تاریخ کے اوراق سیاہ اور خون سے رنگین ہیں۔ ان عناصر میں کچھ فریب خوردہ اور دھوکہ کھائے ہوئے افراد نظر آتے ہیں جو امام حسنؑ کی فوج میں شامل ہوگئے اور میدان جہاد کو مکر و فریب، نفاق و پیمان شکنی اور

---

(۱)۔"وکنتم فی مسیر کم الی صفین، ودینکم امام دنیاکم. واصبحتم الیوم ودنیاکم امام دینکم. وانتم بین قتیلین، قتیل صفین تبکون علیه، وقتیل بالنهروان تطلبون بثاره. فاما الباقی فخاذل، واما الباکی فثائر...".

کتاب الملاحم والفتن (ص۱۴۲ طبع نجف، ۱۳۶۸ء میں سید ابن طاؤس کی روایت یہ ہے کہ نہروان کے مقتولین ہیں جن کا انتقام تم لوگ مجھ سے لینا چاہتے ہو.

ایجاد فتنہ جیسے مراحل سے مخلوط کر دیا اور اس بات کا سبب قرار پائے کہ آثار نبوت (یعنی خاندان آل محمدؐ اور ان کی اولاد) کو حکومت سے دور رکھ کر ان کو ان کے مسلم حق سے محروم کر دیں۔ اس مطلب کے بعض حصے مناسبت کے اعتبار سے شاید کتاب میں کسی جگہ بیان کئے جائیں۔

اس فصل کے آخر میں ایک اعتراض کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو امام حسنؑ کی تاریخ کے اس باب میں تحقیق کرنے والوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ پوچھتے ہیں: امام حسنؑ نے میدان جنگ ان عناصر کیلئے کیوں کھلا رکھا؟ ایسے عناصر کو کیوں نہیں نکالا یا مغلوب کیا یا کم از کم انہیں دور کرنے کا کوئی طریقہ اختیار کیوں نہیں کیا بعض کی نظر میں اس موضوع کے بنیادی نقطہ میں اشکال ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہیں گے:

۱)۔ اسلام، جہاد میں دوسرے اجتماعی حالات کی مانند طبقات اور اجتماعی تقسیم بندی کو لغو قرار دیتا ہے لہذا جو شخص اسلام کا مدعی اور اسلحہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اسے فوج میں بھرتی کر لیا جاتا تھا اور کسی دوسرے امتیاز کے قائل نہیں ہوتے تھے یعنی فوج میں بھرتی کیلئے دو شرطیں تھیں مسلمان ہونا اور اسلحہ اٹھانا۔ لہذا امام حسنؑ کے لشکر میں اس طرح کے لوگ شامل ہو گئے جن کے پاس اسلام اور اسلحہ اٹھانے کی طاقت تھی۔ امام حسنؑ کے پاس اسلام کی روشنی میں قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

۲)۔ رسول اکرمؐ اور امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کو بھی بعض جنگی حوادث میں ایسی مخلوط فوج کا سامنا تھا۔ رسول اکرمؐ اور علیؑ کے حالات زندگی میں کہیں نہیں ملتا کہ انہوں نے ایسے مواقع پر ان افراد کو قبول کرنے سے اجتناب کیا ہو یا کسی کو میدان جنگ سے واپس کیا ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی ایسے افراد کے حضور اور نقصان سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔

مثلاً تاریخ میں جنگ حنین کا ماجرا کچھ یوں ہے: ''پیغمبر اسلام کی فوج کے اکثر سپاہیوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے کہا یہ فوج مشرکین کے چھوٹے سے گروہ سے شکست نہیں کھائے گی۔ لیکن مسلمان فوج ایک مخلوط فوج تھی اور ان میں بہت سے ایسے افراد بھی تھے جو مال غنیمت کیلئے آئے تھے....

جنگ بنی المصطلق سے مسلمانوں کی واپسی کے ضمن میں اسی کے مشابہ حوادث نقل ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ کی جنگوں کے بارے میں بھی لکھتے ہیں ''حضرت علیؑ کی فوج، جنگ صفین میں مختلف قوم وقبیلہ پر مشتمل تھی۔ اس فوج کے درمیان بہت سے اختلاف اور دشمنی تھی وہ نہ تو حکم سننے کیلئے تیار تھے اور نہ ہی نصیحت وخیر خواہی کیلئے آمادہ تھے۔''

معاویہ (بیہقی کے بیان کے مطابق کتاب المحاسن والمساوی میں) کہتا ہے:

''علی سب سے گندی اور تفرقہ انداز فوج کے درمیان تھے اور میں پرسکون اور مطیع فوج کے درمیان تھا۔''

ایسی صورت میں امام حسنؑ نے اسی وظیفہ پر عمل کیا جس پر ان کے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام اور جدّ بزرگوار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کیا تھا۔ اور صحیح نہیں کہ آپ سے ان دونوں کے مقابلہ میں زیادہ کی امید رکھیں کیونکہ وہ دونوں بزرگوار بہترین اور لائق ترین نمونہ تھے۔

دین کے معاملے میں دقت اور اسلام کی پابندی کو امام حسنؑ نے ہر مورد میں لازم سمجھا لیکن ان کے دشمنوں میں ایسی کوئی پابندی اور دقت نہیں تھی اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا تو بے شک تاریخ کے اوراق میں کچھ اور لکھا ہوتا۔

۳)۔ اگر امام حسنؑ اپنی فوج کو خالص کرنے کیلئے دوسری فوج کے سپہ سالاروں کی راہ اختیار کرتے یعنی پھانسی دے دیتے یا در بدر کر دیتے یا مخالف عناصر کو کمزور کر دیتے تو موجود صورتحال میں یہ کام بلا و بدبختی کا سبب بنتا اور اختلاف اور رخنہ ظاہر ہو جاتا اور کم از کم آدھی فوج میں نافرمانی کے پرچم بلند ہو جاتے۔ اس اقدام کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام خود اپنے ہاتھوں سے لشکر کے اندر نافرمانی اور بغاوت کی آگ بھڑکا دیتے، یعنی پاکیزہ جہاد کو ایک خونریز اندرونی جنگ میں تبدیل کر دیتے کیونکہ ایسے موقع پر معاویہ کی دلی تمنا تو یہی تھی۔ جبکہ امام حسن علیہ السلام اپنی موجود صورتحال اور معاویہ کی شیطنت سے واقف تھے کبھی ایسا نہیں کرتے اور نہیں کیا بلکہ حد درجہ اجتناب کیا۔

اور ان تمام حالات کے بعد

امام حسنؑ کی حکومت کا مختصر دور جو مختلف مسائل سے دوچار تھا، جس نے امام حسنؑ کو فرصت نہیں دی مختلف رنگ ونسل کے گروہوں کی اصلاح کرتے۔ ایسے حالات میں کوئی اور بھی یہ کام انجام دینے پر قادر نہ تھا،

اور ایسی اخلاقی کردار کی کوئی چیز نہیں کہ جس کی کم مدت میں اصلاح ہو جاتی بلکہ معاشرہ میں دینی تہذیب کا رواج یہ ایک ایسا کام ہے جس کیلئے ایک طویل عرصہ درکار ہے۔ معاشرہ اس قدر خراب ہو چکا تھا کہ لوگ مادیات کا شکار ہو گئے۔ لہذا ان کی اصلاح صرف مادیات سے ممکن تھی درحقیقت مرض کا علاج مرض سے ممکن تھا اور امام حسنؑ بن علیؑ کے انسائکلو پیڈیا میں ایسا طریقہ ممنوع اور غیر عملی تھا۔

● آٹھویں فصل :

عبید اللہ بن عباس

روشن دل یہ جنگی سردار، جو جنگ کیلئے، بے تاب اور زخمی دل کے ساتھ اپنے دو بے گناہ بچوں کے انتقام کا طلب گار تھا، جس دن سے وہ اپنے لشکر کے ہمراہ " دیر عبدالرحمن " سے نکلا تھا مسلسل دیوانہ وار کوفہ کی خبروں کو دریافت کرتا رہتا تھا اس سپاہی نے کوفہ کو اس حالت میں ترک کیا تھا کہ کوفہ عام طور سے شیعہ پروپیگنڈہ اور محبت آمیز روش پر موج مار رہا تھا۔ بلکہ اس میں روز افزون اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ اس امید میں تھے کہ وہ مناسب حالات جو رونما ہوئے ہیں اس کے نتیجے میں امدادی لشکر پے در پے آتا رہے گا۔

جب یہ سپاہی "مسکن" (وہ جگہ جہاں دو مختلف لشکر آمنے سامنے ہوئے) پہنچا تو اسے اطلاع ملی کوفہ میں ان آتشیں اور ہیجان آور پروپیگنڈہ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اطراف میں بکھرے ہوئے جنگجوؤں یا مدائن کے کچھ افراد جو اپنی مرضی سے آئے تھے، کے علاوہ کوئی دوسرا امام حسنؑ کی فوج کے ساتھ ملحق نہیں ہوا ہے۔

آپ کو یہ بھی اطلاع ملی کہ وہ کینہ توز کارروائیاں جو کوفہ کے بعض سرداروں کی سرپرستی میں ہو رہی تھیں، وہی بزرگان شیعہ کی کوششوں کو ناکام کرنے کی بنیادی وجہ قرار پا رہی ہیں اور وہ امید جس کی بنیاد پر لوگوں کو جہاد عام کی دعوت دی جائے تا کہ فوج میں اضافہ ہو سکے، کیلئے مانع ہیں۔ یعنی اسے معلوم ہو گیا کہ اب زیادہ لوگ ملحق نہیں ہوں۔

ظاہر ہے کہ ان خبروں نے عبید اللہ کو غصہ میں ڈالا تھا تا کہ اور وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ لوگوں پر اپنا غیظ و غضب ڈھائے۔

اصولی طور پر اس جیسے فوجی کمانڈر کیلئے ضروری تھا کہ اس کے دل میں امدادی لشکر کے آنے کی اُمید ٹوٹ جائے اور اس کے نتیجے میں اس کی سنہری ترین آرزو پر پانی پھر جائے ان دگرگوں حالات اور آنے والے واقعات

سے سبق سیکھنا چاہیے اور اپنے لشکر کے سلسلے میں ایک بار پھر سے مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنے لشکر کا اس لشکر سے موازنہ کرنا چاہیے جو مدمقابل ہے جس کی تعداد ساٹھ ہزار تو یقینی ہے جو آنکھ اور کان بند کئے فرمانبردار سپاہی ہیں جن کے بارے میں یہ معروف ہے کہ وہ لوگ اپنے سردار کی بے قید و شرط اطاعت کیا کرتے تھے۔

دو فوجوں کی تعداد کا فرق اس پر رعب آور نہیں تھا۔ آپ زیادہ تر دونوں فوجوں کے سپاہیوں کی معنوی صلاحیتوں کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ وہ ایسا سپہ سالار تھا جو دشمن سے مقابلہ کے وقت صرف اپنی فوج کی اندرونی کیفیت کو اہمیت دیتا تھا اور یہی چیز اس کیلئے دشمن سے مقابلہ کرتے وقت تنہا ذخیرہ ہوتی تھی۔

موازنہ کے وقت سپاہیوں کی تعداد کا فرق اس پر آشکار تھا آپ کے سامنے ایک ایسا محاذ درپیش تھا جہاں کوئی چیز لوگوں کی بھاری با اخلاص اور زبردست جنگ کرنے والی اکثریت افراد کے علاوہ کچھ اور تصور نہ تھا ایسی صورت میں لشکر یا سپاہ جس نے جہاد کو صرف جنگی غنائم تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیا ہو، اس کی قدر و قیمت کیا ہو سکتی ہے؟۔

عبید اللہ جیسے ہی ''مسکن'' چھاونی پر گیا تو پہلی فرصت میں اس کے اندر بدگمانی پیدا ہوگئی جس کا اثر بعد کے حوادث میں ظاہر ہوا۔

نامناسب ترین چیز جس کی بنیاد پر عبید اللہ کو اپنی فوج کی قسمت پر خوف آرہا تھا۔ اس کی صفوں تک کوفہ کی شکست خوردہ اور ناکام فعالیت کی خبر کا پہنچنا تھا یا معاویہ کا دام فریب جو جھوٹی خبروں اور دھوکہ دھڑی پر استوار تھا۔ اور دونوں فوجیں مسکن کی سرزمین پر ایک ہی جگہ اور ایک آسمان کے نیچے کھڑی تھیں تو وہ کیسے مطمئن ہو سکتا ہے کہ اس کے سپاہیوں کے ساتھ یا خود انہیں سپاہیوں میں سے کہیں ان سپاہیوں کے ساتھ کچھ ایسے لوگ نہ ہوں جو معاویہ کی طرف سے فساد پھیلانے کیلئے آئے ہوں اور ان کیلئے اور امامؑ کیلئے کام خراب کر دیں؟ کیونکہ اس میدان بلکہ معاویہ کے تمام جنگی میدانوں میں اس کا سب سے زیادہ کارگر اور برّاں ترین اسلحہ یہی کام تھا۔

عبید اللہ کا اندازہ صحیح تھا۔

''مسکن'' کے لشکر گاہ میں معاویہ کے مکر و فریب آشکار ہو چکے تھے حالانکہ اس لشکر میں با اخلاص لوگ بھی موجود تھے نیز منافق۔ اور کچھ عافیت طلب بھی تھے جو آرزو کر رہے تھے کہ کوئی نیا پروپیگنڈہ (یعنی امام حسنؑ کی

طرف سے صلح کے مذاکرات شروع ہونے) کی افواہ درست اور واقع کے مطابق ہو۔(۱)

ابن عباس کیلئے کافی نہ تھا کہ وہ اور اس کے خصوصی یار و انصار اس خبر کے جھوٹے ہونے سے باخبر ہوں یہ بات صحیح ہے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ پروپیگنڈہ نا قابل تردید حقیقت کے مخالف ہے اور امام حسنؑ نے اپنے اطراف کو لکھے جانے والے تمام پیغامات اور تمام خطوط جو معاویہ کو لکھے تھے اور اسی طرح کوفہ میں امام نے جو خطبہ دیا، اس میں ہر مقام پر جنگ کی آمادگی ظاہر کی یہ ناممکن ہے کہ امام صلح کے بارے میں ایک کلمہ بھی لکھتے اور اپنے نظریہ کو بدل دیتے، لیکن یہ شیطان کا جال تھا کہ جسے انتہائی مہارت کے ساتھ پھیلایا گیا تھا۔

ان مخلص یار و مددگاروں کی آواز بلند ہوئی جو لوگوں کو آرام وسکون کی دعوت دے رہے تھے اور انہوں نے ان سے مدائن کے قاصد کے پہنچنے تک کی مہلت مانگی لیکن ان کی یہ آواز ایسے موقع پر کہاں مؤثر ثابت ہوسکتی تھی۔ سارا ماحول افسوسناک صورت حال سے دوچار تھا جس نے اس ماحول کو جنگ کیلئے موافق ماحول سے خارج کر دیا تھا۔

اس طرح عبیداللہ دھوکہ وفریب سے زبوں حالی کا شکار ہو چکا تھا کہ جس نے حساس مرحلہ کو نشانہ بنایا تھا۔

وہ کچھ دیر کیلئے تنہائی میں گیا اور اپنے خیمے کے نیچے جو لوگوں کے شور وغل سے دور تھا فکر میں غرق ہو گیا۔ اچانک اس کے سامنے ایک تلخ حقیقت ظاہر ہوئی۔ اس نے اس لیے یہ احساس کیا کہ یہ سپہ سالاری تباہی کے آخری درجہ تک پہنچ جائے گی اور اس کی مجاہدانہ شخصیت زمین بوس کر دی جائے گی اور اس کے بارے میں لوگ جو باتیں کریں گے۔ اس کا خون کھول جائے گا اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے اس کے پورے وجود میں ندامت اور پشیمانی نمایاں ہوگی۔ غصہ اور اس کی تند مزاجی کی بنیاد پر اس کی فطرت اس طرح متحرک ہوئی کہ ان شرائط پر جو اس ذمہ داری کے جال میں پھنسنے کا موجب بنی تھیں، اس پر لعنت بھیجی اور پھر اس پر اضطراب کی حالت طاری ہوگئی اور حب نفس کی وجہ سے اس طرح درہم برہم ہو گیا کہ اسے معلوم نہ تھا کہ کیا کرے!

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۵.

آخر کار بہت زیادہ سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عہدے سے الگ تھلگ ہو جائے یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جو اس کی خود پسندانہ صفات ظاہر کر رہا تھا۔ ہمیں کیا معلوم شاید اس کے اندر وہ صلاحیت اور فکری قوت موجود نہ تھی جو اس کی موقعیت کو اس کیلئے آشکار کرتی اور غلطیوں سے دور رکھتی یا آئندہ ہونے والے حوادث کے بالمقابل اس کو آگاہ رکھنے کی صلاحیت رکھتی۔

خلاصہ یہ کہ اب جب کہ کنارہ کشی اور الگ تھلگ ہو جانے کا قطعی ارادہ کر چکا تو یہ بات ذہن میں آئی کہ سپہ سالاری کو یا تو اسی حالت میں برقرار رکھا جائے جس حالت میں امام نے ارادہ کیا ہے یا دوسرے سپہ سالار یعنی "قیس بن سعد" کے حوالے کر دیا جائے۔

ابھی وہ (جو اپنی شکستہ روح کی ہیجانی کیفیت اور ناشکری، حق ناشناسی اور شکایت آمیز لہجہ گواہ تھا) اپنے اس خیمے سے باہر بھی نہ نکلا تھا جو اس کے سپاہیوں کے خیمے سے دور تھا اچانک متوجہ ہوا کہ ہر ذمہ داری سے کنارہ کشی کرنا اسلامی نقطہ نگاہ سے صرف اسی صورت میں جائز اور ممکن ہے کہ واضح طور پر اس ذمہ داری سے عاجزی کا اعتراف کیا جائے۔ لیکن کیا وہ، خود خواہ اور مغرور جوان ایسا تھا کہ خود کو پسپا کرتا ہوا اپنے آپ کو لوگوں کے مذاق اور تمسخر کا نشانہ بناتا؟ وہ دوبارہ فکر میں ڈوب گیا شاید کوئی راہ حل نکل جائے جو تلخ اعتراف کا لازمہ قرار نہ پائے۔

معاویہ کے خطوط جو اسی رات اس کے پاس پہنچے تھے وہ (اور اسے معلوم نہ تھا کہ آیا ان خطوط کو اس نے اسی ہاتھوں سے حاصل کیا تھا جس نے اسی دن صبح کو لشکر کے درمیان لعنت بار جھوٹا پروپیگنڈا کیا تھا)، ایک دوسرا نقطہ تھا جو تفکر اور چارہ جوئی کے دوران، مکر و فریب دینے والے وعدے اس کے مزاحم اور حائل ہو رہے تھے اور وہ اس کی توجہ کو اپنی طرف جلب کر رہا تھا۔

معاویہ کے ان خطوط کی یاد دہانی نے اس کے ذہن سے اس فرق کو مٹا دیا جو حلم و بردباری، اور اخلاق حسنہ میں پایا جاتا ہے معاویہ اس تلخ حقیقت کے درمیان موجود تھا جسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ عبید اللہ سے اس کی قوت و تشخیص فکر کو چھین لیا گیا اور وہ فیصلہ جو ضروری تھا کہ ایک ہاشمی کمانڈر محاذ جنگ میں بنی ھاشم کے بدترین اور سرسخت دشمن کا مقابل کرتا وہ اس سے عاجز ہو کر رہ گیا وہ کنارہ کشی کر سکتا تھا اور بے چوں چرا عاجزی کو قبول کر سکتا تھا اور پھر

وہ حتمی شکست کہ جو اس کے جانشین (دوسرے کمانڈر) کے انتظار میں تھی، قابل قبول اور شرعی جواز اپنی عاجزی کیلئے پیش کرتا اور اسی طرح اپنی کھوئی ہوئی حیثیت وشرف کو محفوظ کرسکتا تھا۔

انہی حالات میں جن میں وہ گزر بسر کررہا تھا وہ یہ بھی کرسکتا تھا کہ اپنی، مہارت وعقلمندی اور وعدہ وعید کے ساتھ آشوب برپا کرنے والوں کو وہیں روک سکتا تھا اور ان رائج تدبیروں میں سے کسی ایک سے استفادہ کرتے ہوئے کہ جس سے اس جیسے سردار بخوبی آشنا تھے، اسے ایسی احتیاط آمیز رفتار کو اختیار کرنا چاہئے تھا جو بظاہر سخت اور بباطن رہبری اور سربراہی کا تقاضا ہو، اس وقت تھوڑی دیر کیلئے کام کو روک دیتا تاکہ اس تک امامؑ کا آخری پیغام پہنچ جاتا اور اپنے دینی فریضہ کے لحاظ سے عذر پیش کرسکتا تھا اور لوگوں کی زبان سے بھی محفوظ رہ جاتا۔

لیکن امام کی فوجی چھاونی میں ایک کمانڈر کی شان ومنزلت سے خود کو نیچے کرکے معاویہ کے قاصد سے فرار کرنے کی اجرت کے سلسلے میں گفتگو کریں تو اب اس سے زیادہ پستی اور گھٹیا پن کیا ہوسکتا ہے!!

معاویہ کے خط میں اس کی بنیادی کمزوری یعنی جاہ طلبی اور ترقی کی خواہش پر انگلی رکھی گئی تھی معاویہ نے اس خط میں لکھا تھا: حسن عنقریب مجبور ہوکر صلح کرلیں گے (۱) تمہارے لئے بہتر ہے کہ پیش قدمی کرو نہ کہ تابع محض بنے رہو (۲) معاویہ نے اسی خط میں ۱۰ لاکھ درہم کی پیش کش کی تھی۔ (۳)

معاویہ دنیا کا ایسا حریص ترین انسان جو اپنے دشمنوں کی پریشانیوں اور مشکلات سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہر وقت لگا رہتا تھا۔

معاویہ کے ایمان کی پستی اور بشری گراوٹ کی کوئی حد نہ تھی اس کے ایمان کا سرچشمہ وہاں سے تھا کہ وہ معتقد تھا کہ مستحکم ترین ارادہ کے حامل اور با فضیلت ترین افراد پر بھی ایک پل کیلئے پستی اور ضعف بشری غالب

---

(۱)۔ یہی بات خود دلیل ہے کہ یہ پروپیگنڈہ جو مقام "مسکن" کی چھاونی میں پھیلایا گیا کہ امام حسنؑ صلح کی طرف متمائل ہیں، جھوٹ اور خلاف واقع ہے۔

(۲)۔ شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۵.

(۳)۔ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۹۱، شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۵.

آجاتی ہے اور شک وتردید کہ جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں۔ان پر مسلط ہوجاتی ہے۔تو ممکن ہے کہ وہ فریب کھاجائیں اور طمع وحرص وہوس کا شکار ہوجائیں(۱)

امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی نصیحتوں میں زیاد سے فرمایا تھا:

معاویہ انسان کے سامنے، پیچھے دائیں اور بائیں سے آتا ہے اس سے (معاویہ) پرہیز کرو اور پرہیز کرنے سے غافل نہ رہو۔(۲)

اس طرح، احساس شکست اور طمع نے اس ہاشمی جوان کو مغلوب کردیا اور خیانت وضعف وفریب کے پست ترین حوادث کا موجب بنا دیا۔دین، انتقام جوئی قبیلے کا فخر، رسول خدا سے نزدیکی رشتہ داری اور سپہ سالاری جیسا اعلیٰ مقام، امام حسنؑ سے بیعت کرتے ہوئے عہد وپیمان سے پہلے خدا کے ساتھ کئے ہوئے عہد وپیمان، لوگوں کی باتوں کا ڈر اور انتقام تاریخ، ان میں سے کوئی چیز بھی اسے اس ہلاکت بار گڑھے میں گرنے سے بچا نہیں سکی۔

رات کے سناٹے میں ذلیل وخوار فراری کی طرح یہ جانتے ہوئے کہ کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہورہا ہے۔معاویہ کے لشکر گاہ میں پہنچ گیا۔

تاریخ نے اس سے اپنا منہ موڑ لیا اور اس کا نام صرف اور صرف سیاہ کارناموں کی فہرست میں درج کردیا اور یہ ان خیانت کاروں کی سزا ہے جو اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودتے ہیں اور مجبور ہونے سے پہلے ہی جان بوجھ کر مرجاتے ہیں۔

عبیداللہ کے فرار نے مسکن کی فضا اور ماحول کو پورے طور سے آلودہ کردیا ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ مدائن میں بھی یہی حالت سرایت کرگئی اور آہستہ آہستہ یہ ایک کمر توڑ مصیبت بن گئی۔

اور اس عظیم مصیبت کے بعد دوسری ذمہ داریاں بھی سامنے آئیں کہ خدا کے نزدیک اور تاریخی فیصلہ میں ان سب کا ذمہ دار عبیداللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

---

(۱)۔ علی ادھم مجلہ " العالم العربی "سال ۱۱، شمارہ ۲، ص ۳۰

(۲)۔ الکامل ابن اثیر، ج ۵، ص ۱۷۶.

پہلے سپہ سالار کے فرار کے بعد یہ قانونی ذمہ داری امام حسنؑ کے حکم کے مطابق قیس بن سعد نے سنبھالی یہ وہی ہیں جو پختہ اعتقاد۔ صاحب عقل، مدبر اور حضرت علیؑ کے بقایا اصحاب میں ممتاز شخصیت کا حامل تھا۔(۱) یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنی جوانی جہاد میں گزار دی۔ اور ہمیشہ بڑے بڑے خونریز اور ہولناک جنگی واقعات میں موجود رہے۔ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کی کمزوریوں کو انکار کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور دنیا پرستی کے فریب دہندہ مادی جلوہ کے سامنے دلباختہ ہونے والوں اور ذمہ داری ادا کرنے سے پہلوتہی کرنے والوں کی مذمت کیا کرتے تھے۔

جیسے ہی لشکر گاہ مسکن قیس بن سعد کے تحت فرمان آیا وہ باقی بچے لشکر کے درمیان آئے تا کہ گزشتہ سپہ سالار کو جس کا وہ مستحق ہے، انہیں الفاظ میں الوداع کہیں اس کے بعد ایک نئے سپہ سالار کے طور پر اپنی ذمہ داری سنبھالیں اور روحی و معنوی شکست جو اس کے فرار کی وجہ سے لشکر کے اندر وجود میں آئی تھی اس کی ترمیم کریں، آپ اس طرح گویا ہوئے: اے لوگوں آگاہ رہو! جو کام اس نادان مرد نے انجام دیا ہے یہ تم پر گراں نہ گذرے اور تمہیں نہ ڈرائے کیونکہ وہ اور اس کے باپ اور بھائی ایک دن بھی اسلام کیلئے مفید ثابت نہیں ہوئے ہیں۔

اس کا باپ رسول خداؐ کا چچا، بدر کی جنگ میں پیغمبر سے جنگ کرنے آیا، ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری اسے گرفتار کر کے رسول خداؐ کے سامنے لے آیا آنحضرت نے اس سے فدیہ لیا اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس کے بھائی کو حضرت علیؑ نے بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اس نے حضرت علیؑ اور مسلمانوں کا مال چوری کیا اور اس رقم سے کنیزیں خریدیں اور یہ گمان کرتا رہا کہ یہ کام اس کیلئے جائز اور حلال ہے اور خود اسے حضرت علیؑ نے یمن کا حاکم اور والی بنایا تو وہ بسر بن ارطاۃ کے سامنے سے بھاگ نکلا اور اپنے بچوں کو تنہا چھوڑ دیا تا کہ قتل ہو جائیں اور آج

---

(۱)۔ مسعودی رقمطراز ہے: قیس بن سعد دیانت، زہد اور علیؑ کی محبت میں رفیع درجہ پر فائز تھے ذات حق کے سامنے ان کا خوف وخشیت اور اطاعت اس قدر تھی کہ ایک دن نماز کے عالم میں انہوں نے سجدہ گاہ کے پاس ایک بڑے اژدھے کو دیکھا کہ پھن کاڑھے بیٹھا ہے آپ نے اپنے سر کو تھوڑا سا کنارے کر لیا اور اسی کے پہلو میں جبین نیاز کو سجدہ میں جھکا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اژدھا آپ کی گردن میں لپٹ گیا لیکن آپ نے نماز میں کوئی کمی واقع نہ کی۔ جب نماز سے بطور کامل فارغ ہو گئے تو اژدھے کو جسم سے ہٹایا اور دوسری طرف پھینک دیا، وہ پھر لکھتے ہیں: ایسی ہی داستان حسن بن علیؑ بن عبداللہ بن مغیرہ بن معمر بن خلاد نے ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضاؑ سے نقل کی ہے۔ اور قیس نے ۸۵ ہجری میں وفات پائی۔

کے دن اس نے یہ کام انجام دیا جو تم دیکھ رہے ہو۔(۱)

قیس ایک ایسا ماہر خطیب تھا جو اپنے سننے والوں پر اپنی تقریر کے ذریعہ اپنی خواہش کے مطابق اثر انداز ہوسکتا تھا خصوصاً ایسے حساس موقع پر ان کے احساسات اور قوی جذبات جوان کی روح پر اثر انداز تھے۔

مخاطبین پر اس تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ وہ پکار اٹھے: ''الحمدللہ کہ وہ ہمارے درمیان سے چلا گیا''(۲)

....یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ''آزمایش کلید مردان است'' یعنی آزمایش مردانگی کی شناخت کا ذریعہ ہے۔

---

(۱)۔ مقاتل الطالبیین، ص ۳۵.

(۲)۔ مقاتل الطالبیین، ص ۳۵.

● نویں فصل :

معرکہ آرائی کا آغاز

مسکن سے پہلی بار قاصد امام حسنؑ کی خدمت میں قیس بن سعد کا خط لے کر آیا کہ جس میں یہ خبر تھی:

"مسکن" کے اطراف میں "جنوبیہ" نامی قریہ پر (معاویہ کے مقابلے میں مقابلہ کیلئے آمادہ ہیں۔ معاویہ نے عبیداللہ کو پیغام بھیجا اور اسے اپنی طرف آنے کی ترغیب دلائی اور اس کیلئے دس لاکھ درہم انعام دیئے آدھا نقد اور دوسرا آدھا اسے کوفہ میں داخل ہوتے وقت ادا کرے گا اور عبیداللہ رات کو اپنے قریبی لوگوں کے ساتھ معاویہ کے لشکر گاہ میں چلا گیا اور صبح کو جب لوگ اٹھے تو انہوں نے اپنے امیر کو نہ پایا اور قیس نے ان کے ساتھ نماز ادا کی اور ان کے امور کی ذمہ داری اپنے ہاتھ لے لی)۔(۱)

اس خط کے پہلے فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبیداللہ بن عباس نے "مسکن" میں داخل ہوتے وقت امام حسنؑ کیلئے کوئی خط نہیں لکھا تھا۔ (۲)

اب آیا ایک سپہ سالار کا حکومت کے مرکز سے رابطہ قطع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے سے ہی اس میں نافرمانی کا ارادہ تھا؟ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بالکل واضح نہیں ہے کہ مسکن کے لشکر گاہ میں داخل ہونے اور عبیداللہ کے معاویہ کے ساتھ ملنے کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ تھا کہ اس مدت میں خط لکھنا ممکن ہوسکتا تھا یا نہ؟ قیس کے خط کے ہمراہ اور اس کے بعد مسکن کی پے در پے خبریں پہنچنے لگیں (بری خبریں تو ہمیشہ ہی جلد اور پہلے پہنچتی ہیں) اور امام حسنؑ کو اطلاع ملی کہ قیس کے خط میں جن قریبی لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے (اور تاریخی دستاویز

---

(۱)۔ارشاد مفید، ص ۱۷۰.

(۲)۔ کیونکہ اس خط کا پہلا فقرہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ مسکن کی چھاؤنی میں پہنچنے کے بعد یہ سب سے پہلی خبر ہے جو امامؑ تک پہنچ رہی ہے یہ قیس کا خط ہے نہ کہ عبیداللہ کا.

میں جن کا اشراف یا معروف گھرانوں سے تعلق رکھنے والے اوران مشہور رشتہ داروں کے عنوان سے تعارف کرایا گیا ہے) وہ اس خائنانہ منصوبہ میں عبیداللہ کے ساتھ شریک تھے اوراسی طرح یہ بھی کشف ہوا کہ ان میں سے بعض لوگ عبیداللہ سے پہلے ہی بھاگ چکے تھے۔ بعض خبریں تو عبیداللہ کی بدگوئی میں بہت ہی زیادہ آگے بڑھ چکی تھیں لوگ کہہ رہے تھے کہ اس نے پرچم کو لپیٹ دیا تھا۔(۱)

اس دشمنی ایجاد کرنے والی حرکت نے تمرد اور نافرمانی ایجاد کرنے کے راستہ کو ہموار کر دیا تھا۔ اس طرح سے کہ اس کا اثر سپاہیوں کے دوسرے گروہ تک پہنچ گیا اور کچھ لوگوں نے فرار ہونے کی فکر کرنی شروع کر دی اس بنا پر کہ اشراف اور معروف خاندان کی اطاعت کرنے میں منافع ہے اور اگر ان کی اتباع نہ کی تو اس منافع سے محروم ہو جائیں گے۔

معاویہ جتنا کر سکتا تھا اتنا کیا وہ نافرمانی کے جذبہ کو ابھارتا رہا وہ ان بددل اور ڈرپوک اشراف کے دل کی حالتوں سے بخوبی واقف تھا کہ یہ لوگ تفوق طلبی اور ناز و نعمت میں غرق ہونے کی وجہ سے عربی سختی اور مفاخرت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اسی لئے معاویہ ہمیشہ ان کے توڑنے اور انہیں اپنی طرف کھینچنے کا منتظر رہتا تھا اور مختلف وسائل اور طرح طرح کے حیلہ و فریب کے ذریعہ ان سے رابطہ برقرار رکھتا تھا۔ لہذا اس سلسلے میں اس نے اتنی فعالیت انجام دی کہ آخر کار مادی زرق برق کے ذریعہ ان کا غرور و تکبر توڑنے میں کامیاب ہو گیا، اور ان کا بڑا جو اس کے وعدوں کے سامنے مسحور ہو گیا تھا۔ اسے سب سے پہلے ذلت آمیز گڑھے کی طرف کھینچ کر مار ڈالا وہ بھی ایسا رسوائی کا گڑھا کہ کوئی شرف دوست اور آبرومند انسان اس کے نزدیک جانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

اس طرح امام حسنؑ کے اصحاب میں جو بزرگ تھے وہ عبیداللہ کے ہمراہ تھے وہ سب کے سب قبیلوں اور بزرگوں کے ساتھ ساتھ پوشیدہ طور سے معاویہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۲)

کچھ ہی مدت میں میدان جنگ سے فرار اور خدا و پیغمبر و فرزند پیغمبر سے خیانت کرنے والوں کی تعداد

---

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۱۴.

(۲)۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۸.

آٹھ ہزار افراد تک پہنچ گئی (احمد بن یعقوب کی اپنی تاریخ میں نقل کے مطابق) اس مورخ کی عبارت یہ ہے:
معاویہ نے کسی کو عبیداللہ کے پاس روانہ کیا اور اس کے لیے دس (۱۰) لاکھ درہم معین کیے اور وہ اپنے آٹھ ہزار ساتھیوں کے ساتھ معاویہ سے ملحق ہو گیا پھر قیس بن سعد اس کی جگہ پر جنگ کیلئے میدان میں آئے۔(۱)

ہاں ۱۲ ہزار کی فوج میں سے ۸ ہزار نکل گئے!...

یہ ہولناک رخنہ اور شگاف اسی چھاؤنی کے حصار میں واقع ہوا تھا جس کا سامنا ۶۰ ہزار زبردست دشمن سے تھا جس کا محاذ بالکل بند تھا۔ نہیں بلکہ یہ خوفناک فوجی انحطاط اور تلخ شکست تھی جو عنقریب ایک زبردست فاجعہ کی خبر دے رہی تھی۔

اور یہ عبیداللہ ہے کہ خدا کی بارگاہ اور تاریخ کی قضاوت میں اس کے کاندھوں پر ایک سنگین ذمہ داری ہے۔

یہ سب کے سب جنہوں نے بہت جلدی فتنہ کی طرف رخ کیا تھا اور بالکل فرار کو کرار پر ترجیح دینا خیال کر رہے تھے کہ اس کام میں انہوں نے اپنے خلیفہ کے چچازاد بھائی (جو حق کا پاس اور بیعت کی وفاداری کا سب سے زیادہ مستحق تھا) کی پیروی کی ہے اور ملامت کے مستحق نہیں ہیں اور اپنی اسی غلط اور نارسا فکر کو اپنے عمل کی توجیہہ کیلئے لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے لیکن لوگ ان کے فرار کو صرف زرنگاری کہ دائرہ میں دیکھا کرتے تھے اور اس عذر و بہانہ کے درمیان صرف معاویہ کے سکوں کی تھیلی کو دیکھا کرتے تھے اور ان قبیلوں سے وابستہ افراد کیلئے اس افتخار کے علاوہ کچھ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ ان لوگوں نے پیمان شکنی اور دین پہ دنیا کو آگے کرنے میں کمال دکھایا ہے وہ لوگ جنہوں نے امام حسن بن علیؑ کے میدان جہاد سے فرار اختیار کیا تھا ایسا نہیں تھا کہ آپ کی بزرگواری اور آقائی کے منکر تھے صرف یہ تھا کہ ان لوگوں نے حضرت کو اپنی دنیا کیلئے چاہا تھا اور پھر آپ کو اپنی خواہش کے مطابق نہیں پایا تھا۔

اور یہ کہ وہ لوگ معاویہ کی طرف فرار کر گئے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ معاویہ یا اس کے وعدوں پر اعتماد کرتے تھے یا اس کے کاموں کے انجام کا اندازہ نہ کر سکتے تھے کیونکہ نہ معاویہ وہ تھا جس کے کام پوشیدہ ہوں

---

(۱)۔یعقوبی، ج۲، ۱۹۱؛ روضۃ الشہداء، ص۱۱۵۔

اور نہ وہ لوگ ایسے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے کہ معاویہ اور اس جیسے افراد کو پہنچانتے نہ ہوں۔

ایسی صورت میں نہ تو امام حسنؑ کی دشمنی اور عدم معرفت اور نہ ہی معاویہ کی محبت اور اس پر اعتماد ان لوگوں کے فرار کا سبب قرار پایا ہے بلکہ کوئی دوسری دلیل یا مختلف دلیلیں تھیں جو ان باختہ افراد کیلئے ایسے ننگ و عار کا سبب قرار پائیں جس کی موج آج بھی تاریخ میں باقی ہے۔

ہمیں کیا معلوم شاید سارے مراحل پہلے سے پلان کا نتیجہ اور امام حسن کے مخالف سرداروں کی پہلے سے سازشیں رہی ہوں جس کے ذریعہ وہ یہ چاہتے تھے کہ خود کو اس انجام سے محفوظ رکھیں جو کوفہ کے فتح ہونے کے بعد ان کے نصیب میں لکھا تھا۔

وہ وسیع تدبیریں جو امام علیہ السلام نے تمام اسلامی ممالک کو جہاد کی دعوت دینے میں استعمال کی تھی اور جو نشاط و تحرک اس ہمہ گیر دعوت میں مخلص شیعوں کے ذریعہ انجام پذیر ہوا تھا، وہ اس بات کا سبب بنا کہ کوفہ کے خائن سرداروں کا مضطرب دل آیندہ کیلئے زیادہ خوف زدہ ہوا اور وہ کوفہ چھاونی کی مخالفت میں کچھ زیادہ ہی احتیاطی تدبیریں کریں اور منصوبے بنائیں۔

اسی وجہ سے انہوں نے سمجھا کہ معاویہ سے ملحق ہو جانا کہ اس ڈر اور خوف سے جلد از جلد نجات بھی دلا دے گا اور دوسری طرف اس محاذ کیلئے کاری ضرب بھی ہو جائے گی جو اس خوف و ہراس کا ذمہ دار ہے، اس فکر نے کم سے کم وقت میں وسیع ترین شکل اختیار کر لی اور اس بات کی کامل تائید کر دی کہ یہ کام بہت سارے سر برآور افراد کی پہلے سے چال بازی کا نتیجہ ہے۔

گویا حادثہ فرار کی یہ توجیہ و وضاحت ان دیگر توجیہ اور وضاحت سے زیادہ واقعیت کے نزدیک ہے جسے دوسرے لوگوں (دوست ہوں یا دشمن) نے بھی نقل کیا ہے۔

اس وضاحت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاویہ نے کسی سپہ سالار اور سردار کو رشوت یا وعدہ کے ذریعے فریب نہ دیا ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ اتنے وعدے دیتا تھا کہ لوگوں کے ہوش اڑ جاتے تھے کیونکہ اس نے صرف ایک سپہ سالار کو دس (۱۰۱) لاکھ درہم دیا اور اس کے عوض اس کا دین و شرف سب خرید لیا۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ فرار کے حادثہ میں عبید اللہ بن عباس کے علاوہ کسی دوسرے کا نام نہیں آتا

کہ اس نے اس خیانت کی پاداش میں معاویہ سے درہم و دینار لیا ہو۔

کیا یہ بات قابل قبول ہے کہ باقی رؤساء اور سربرآوردہ افراد صرف وعدہ پر راضی ہو گئے ہوں اور انہوں نے درہم نہ لئے ہوں یقینی طور پر اس کا جواب منفی ہے مگر ایک صورت میں شاید قابل قبول ہو کہ ان کے اندر وہی خوف اور ڈر پایا جا رہا تھا جس کی طرف اشارہ کیا گیا، اور درہم و دینار لینے کے بجائے وعدہ پر مجبور ہوئے ہوں۔!!

لوگوں (خصوصاً اشراف) میں خوف و ہراس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لہذا تعجب کی بات نہیں ہے اگر اس ماحول میں کہ جہاں خدا و قاطع عدالت کے علاوہ کوئی دوسری چیز حکم فرمان نہ ہو، وہاں شام کے فریب دینے والے جلوے قبیلوں سے وابستہ افراد کے دل میں خیانت کے جذبہ کو بیدار اور شعلہ فگن کر دیں۔

یہی وجہ تھی کہ اس لشکر کے مختلف عناصر میں سے جب ہر ایک کے تمام پردے اٹھ چکے تھے تو اس نے اپنے باطن کو آشکار کر دیا اور اس واقعہ میں ان کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ اور یہی سبب تھا کہ بعض لوگوں کی عافیت طلبی اور کچھ لوگوں کے جاہلانہ تعصب یا ہوا و ہوس اور تمایلات نے اس انجام کے ایجاد میں روشن اور واضح اثر دکھایا۔

وہ مادی اہداف جس نے لوگوں کو مال غنیمت کے عشق میں اس لشکر سے ملحق کر دیا تھا وہ انہیں ذلت و رسوائی کی طرف لے گیا ان کیلئے بڑی خوش بختی تھی کہ بڑی آسانی سے مال غنیمت کو خیانت کے طریقے سے حاصل کر لیتے۔ حالانکہ وہ پہلے اس فکر میں تھے کہ اس میدان جنگ میں نیزہ و تلوار کے سہارے جنگ کر کے ہی کچھ حاصل کریں گے۔

یہ ہی وہ راستہ تھا جس میں غفلت و فریب کی وجہ سے وہ لوگ ہوس کے پست ترین دروازہ کو اپنے لئے منتخب کر کے اس میں ہمیشہ کیلئے گر گئے۔

''اور جو کوئی بھی عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنا نقصان خود کرتا ہے اور جس نے خدا سے کئے وعدہ کو وفا کیا اسے عنقریب خدا بہت عظیم اجر عطا کرے گا''

وہ مسلمان جو اپنے پیشوا و رہبر کی نافرمانی کرے، سرکش ظالم کا ساتھ دے، وہ اس ظالم سے زیادہ پلید اور بدتر ہے۔ یہ گروہ اپنے دین میں کمزور اور اپنی دنیا میں پریشان و متزلزل تھے اور معاویہ کی چھاؤنی ایسے لوگوں کیلئے زیادہ مناسب اور شائستہ تھی۔

یہ بہت بڑا امتحان ان لوگوں نے قبول کیا تھا جو معرکہ جنگ میں پائدار تھے اور مقاومت کی فکر میں غوطہ ور تھے فرار کی جستجو ان سے کافی دور تھی اور اپنی اس مقاومت پر ثابت قدم تھے اور موت کے حتمی عزم کے ساتھ محاذ جنگ میں قدم رکھا تھا۔(۱) خوشی وشادمانی اور اطمینان نفس کے ساتھ فرزند رسول کا دفاع کر رہے تھے اور اپنی بیعت کی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کیلئے قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ ایسے لوگوں کو تاریخ نے مشخص کر کے دوسروں سے جدا کیا ہے۔ پائیداری کے ساتھ دشواریوں میں پیش آنے والے خطرات کا استقبال کرنا، درد ورنج کا تحمل، فداکاری اور جان نثاری کیلئے آمادہ رہنا، گوہر وجود کی پاکیزگی، نیت کی درستگی صلابت ذات اور ہمیشہ کیلئے زندہ رہنے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ امام حسنؑ کے وفادار شیعوں کے یہ اوصاف تھے۔

مسکن کے تلخ واقعات کے برے اثرات مدائن کے لشکر پر بھی اس طرح اثر انداز ہوئے جس طرح اس واقعہ کی اہمیت وبزرگی کا تقاضا تھا اور معمول کے مطابق ان حوادث کی جلوہ نمائی میں اس لشکر کے افراد کے درمیان مبالغہ سے کام لیا گیا اس لشکر میں عراقیوں کی کثیر تعداد شریک تھی اس کے علاوہ مختلف گروہ اور پارٹی کے افراد بھی موجود تھے اسی طرح بنی ہاشم کے برجستہ افراد اور قبیلہ ربیعہ اور ہمدان سے کچھ مخلص اور باوفا لوگ بھی تھے۔

اگر یہ محکم واستوار پہاڑ (امام حسن علیہ السلام کے باوفا ساتھی) جو سرسخت پتھر کے مانند فتنہ اور آشوب برپا کرنے والی مخالف موجوں کو درہم برہم کر رہے تھے۔ اس لشکر کے ہر گوشہ میں نہ ہوتے تو یہ خبر ایک زلزلہ کی طرح اس چھاؤنی کو ہلا کر رکھ دیتی لیکن خود (امام) حسنؑ جنہیں ان صبر آزما حالات کا سامنا تھا اپنی اس امید آور روح کے ہمراہ جو قوی دلوں اور زندہ وجاوید حیات کی آبادی کی ذمہ دار ہے، خود کو اسلحوں سے لیس کر لیا تھا۔ آپ کا اعتقاد اس پر تھا کہ شکست وناکامی ایک خاص زمان ومکان میں محرومی کا سبب نہیں بلکہ ان کا عقیدہ اور فکر کسی دوسرے موقع پر ثمر آور ہوگی اگر خود نہ ہوں اور آپ کی فکر زندہ ہو تو محرومی نہیں ہے امام حسنؑ کے اہداف ومقاصد اس نقطہ پر متمرکز تھے۔ ظاہری طور پر چاہے فتح اور کامیابی نصیب ہو یا شکست اس نقطہ پر آپ کی فکر زندہ رہنی چاہئے اور اس روحانی پیشوا کی شخصیت میں ربانی تجلی کا مرکز یہ امر تھا کہ آپ کی انسانیت اسی چیز سے مشتق تھی اور خدا کے حضور

---

(۱)۔ ابن کثیر لکھتے ہیں (ج ۸، ص ۱۹) ابو العریف نے کہا کہ ہم "مسکن" میں حسن بن علی علیہ السلام کے لشکر کے ابتدائی حصہ میں تھے اور سچ مچ اہل شام سے مبارزہ کی راہ میں اپنی جان سے کھیلنے کیلئے آمادہ کر لیا تھا۔

عاجزی اور راہِ خدا اور وظیفہ الٰہی کی راہ میں فنا ہونا اس سے ظاہر ہو رہا تھا۔

اس کے علاوہ... آپ لشکر اور جہادی امور میں کارروائیوں کے سلسلے میں ایک لمحہ کیلئے بھی نہ بیٹھے۔ جبکہ پے در پے حوادث کے رونما ہونے سے آپ بخوبی واقف تھے لیکن اس پوری مدت میں امام کی زبان سے ایک غضب آمیز کلمہ بھی نہ نکلا اور نہ ہی کوئی ایسا جملہ سامنے آیا جس پر اہمیت آزمایش کی باطنی آگاہی ظاہر ہو سکے یا کوئی ایسا جملہ جو موجودہ حالات کی بدگوئی کیلئے ہو وہ بھی آپ سے نہیں سنا گیا مگر وہی آموزندہ کلمات جو سپاہیوں کے نظم وضبط اور تمرین، تعلیم کی غرض سے جو احکامات اسلام میں جہاد کے مبانی کی آشنائی اور ان مبانی پر پابندی کیلئے آپ کی طرف سے بیان کئے گئے تھے ان پر تنقید کرتے رہے آپ نے کوفہ کا رخ کیا گویا کچھ باتیں آپ کے ذہن میں گھوم رہی تھیں یا اس شہر کی ناشکری کو ان لطف واحسانات کے بدلے۔ جو آپ نے اور آپ کے پدر بزرگوار علی بن ابی طالبؑ نے ان شہر والوں کے حق میں انجام دی تھی آپ کے پدر بزرگوار جنہوں نے اس شہر کی مجد وبزرگی کی بنیاد رکھی تھی اور اس کو شامخ وبلند وباعظمت وجود عطا کیا تھا اور اسے عالم اسلام کی بڑی دارالسلطنتوں کے ہم ردیف قرار دیدیا اسے مختلف تمدن واقوام وملل کا مرکز بنا دیا۔ اس کی ثقافتی موقعیت اور تجارتی صلاحیتوں کی وجہ سے اسے دنیا کی معروف راجدھانیوں کے برابر کر دیا تھا اور آپ کی تدبیر میں کوفہ سب کچھ تھا۔ یا یہ کہیں کہ خونی حوادث، سیاہ ایام اور مختلف بلا اور آزمائش یہ آپ کیلئے عظیم ذخیرہ تھا جو اتفاقاً آپ کیلئے درپیش تھا۔

ان سے رقابت کے مرحلہ میں جس طرح اپنے ماضی کو کوفہ کے ساتھ یاد کر رہے تھے اسی طرح کوفہ کے ماضی کو اپنے ساتھ یاد کر رہے تھے کہ کس طرح بیعت کیلئے لوگوں نے ہاتھوں کو بڑھایا تھا اور سب نے بیک زبان اس شرط کو قبول کیا تھا کہ وہ جو کچھ کہیں چاہے جنگ ہو یا صلح سب کچھ قبول کریں گے۔

پھر ایک نظر مسکن کے حوادث کی طرف کی اکثر کوفہ کے سپاہیوں کا جنگ سے متزلزل ہونا اور جنگ سے سست پڑنا فرار پر کمربستہ ہونا، دنیاوی چیزوں کا گرویدہ ہونا آشکارنا فرمانی اور خدا سے عہد شکنی اور نہ جانے کیا کیا یہ سب ان کے سامنے مجسم ہو گئے آپ پر یہ امر بڑا دشوار تھا کہ بشری پستی اور گراوٹ، دین کی طرف بے توجہی اور اخلاقی فقر وناداری ایسے لوگوں میں ظاہر ہوئی جن کو مسلمان ہونے اور قرآن کی پیروی کا دعویٰ ہے اور ظاہری طور

پر رسول خداؐ پر ایمان لا چکے ہیں، دن میں پانچ بار اپنی نمازوں میں محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجتے ہیں وہ اس حد تک پہنچ گئے کہ پیغمبرؐ سے خیانت کرتے اور میثاق خدا کو توڑ دیتے اور بغیر کسی تکلف اور دغدغے کے خود کو ایسی رسوائی وذلت میں ڈال دیتے ہیں۔

گمان کرتے ہیں کہ معاویہ ان کیلئے موت اور فقر کی ڈھال بن سکتا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں، خدا کی قسم موت سے فرار نہیں کیا جا سکتا اور ان کیلئے معاویہ کی رشوتیں ان کے مقدر میں حلال روزی سے زیادہ سودمند نہ ہوں گی ابھی زیادہ دیر نہیں ہوگی کہ معاویہ اسی کوفہ میں منبر پر جائے گا اور تمام لوگوں کے سامنے تمام وعدوں کے توڑنے کا اعلان کر دے گا اور سب کو اپنے پیروں تلے کچل دے گا۔(۱)

بلند پروازی، غلبہ پانے سے عشق ومحبت اور سلطنت کی آرزو یہ اس کی جملہ عادات میں سے ہے جس کی اسے تعلیم دی گئی۔ واقعی جن لوگوں نے فقر وتنگدستی کے خوف سے اپنے امام وپیشوا کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کیا، جب ان کو معاویہ کی عہد شکنی اور وعدہ خلافی پر یقین ہو جائے گا تو کہاں فرار کریں گے؟ اور جس موت سے انہوں نے میدان جہاد، راہ خدا اور فرزند رسول خدا کی رکاب میں ملاقات کرنا پسند نہیں کیا تو یہ لوگ اس موت کا کیا علاج کریں گے؟ جو ہر حال میں آنے والی ہے چاہے یہ لوگ مضبوط ومستحکم گنبدوں ہی میں کیوں نہ ہوں۔''(۲) لیکن یہ موت اس عالم میں آئے گی کہ دین ودنیا سے تہی دامن ہوں گے۔ نہ تو خدا کے عہد وپیمان پر عمل کیا اور نہ ہی معاویہ کی طرف سے رشوت مل پائی۔ یہ وہی جاہلیت کی موت ہے جو اس سے پہلے ان کے آباواجداد کے دامن گیر تھی جس نے ان لوگوں کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا۔

سب سے بڑا گناہ جو مسکن میں کوفیوں نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا وہ گروہی گناہ تھا جس میں ان لوگوں نے پہلے ہی مرحلہ میں پارٹی بازی اور نامہ نگاری کر کے خیانت آمیز تحریک کی قیادت کی۔

مدائن میں امام حسنؑ کیلئے ''مسکن'' میں موجود لشکر میں ان خاندان اور قبیلوں سے وابستہ چند افراد کی

---

(۱)۔ اس جملہ کیلئے بہت سارے تاریخی منابع کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء الراشدین و دولة بنی امیة، ص ۱۵۱ طبع مصطفی محمد مصر، میں اسے ذکر کیا ہے۔

(۲)۔ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ.

حقیقت کھل گئی آپ ان لوگوں کی باتوں پر اطمینان نہیں رکھتے تھے اور شاید بدکرداری میں بھی پہچانتے تھے۔ یہ لوگ آپ سے یا آپ کی جماعت سے کوفہ میں جدا رہنے والے نہیں تھے لیکن بباطن آپ کی محبت، پاکیزگی اور آپ کے اہداف ومقاصد میں بالکل الگ تھے ان برے لوگوں کے وہ تمام کام جو امام حسنؑ کی مخالفت میں انجام دیئے گئے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں تھے۔ یہ سب لوگ امام حسنؑ کے ہمراہ تھے اور ظاہری دینداری کو دنیا حاصل کرنے کا وسیلہ بنائے ہوئے تھے۔ اور اس گمان میں تھے کہ اپنے ناپاک ارادوں تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر چکے ہیں. لیکن جب سمجھ گئے کہ غلطی ہوگئی تو مستقبل کیلئے ناپاک خیانت کا بیج بونے لگے اور عہد وپیمان کی زنجیر میں رہنے کے باوجود اپنی قدیمی روش کی طرف لوٹ گئے۔ یہ وہی روش تھی جو حضرت علیؑ کے زمانے میں ان لوگوں کے غیر انسانی وجود کی پہچان تھی۔ اور اس زمانے میں ان لوگوں نے حضرت علیؑ کی زندگی کو زہر سے زیادہ تلخ کر دیا تھا اور یہ بات اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ حضرت واضح انداز میں موت کی تمنا اور ان لوگوں سے جدائی کی آرزو کیا کرتے تھے۔

حسن بن علیؑ کو بخوبی معلوم تھا کہ معاویہ کے بھیڑیئے جنہوں نے مسکن میں آپ کے لشکر سے کھلواڑ کیا تھا یہی لوگ تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے معاویہ کی بڑی بڑی اور رنگا رنگ رشوتوں کے بدلے میں لشکر کو معاویہ کی طرف بھاگنے میں شجاعت اور لالچ دلائی (یہ رشوتیں معمولی رشوتوں سے بہت زیادہ تھیں حتی ناموس کو بھی شامل تھیں کیونکہ اس کے وعدہ آمیز خطوط میں یہ جملہ بھی تھا: اور اپنی کسی ایک بیٹی کو!...(۱)

معاویہ کی خصلت یہ تھی کہ دشمن کو عاجز کرنے کی فرصت ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

وہ ہر چیز سے پہلے ایسی پیچیدگیوں کے ایجاد کرنے میں بہت ماہر استاد تھا اور یہی وہ تنہا خصلت تھی کہ جس کی بنیاد پر وہ لوگ کھنچے چلے آتے تھے جو اس کی چالاکی سے سخت تعجب میں تھے۔ اس خصلت میں اس کی مہارت اس حد تک تھی کہ اس کی سوانح حیات لکھنے والے غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں اور اسے داھیہ (یعنی بہت ہوشیار اور با تدبیر) آزمودہ سیاست دان اور فوجی فنکار گمان کرتے ہیں۔

لیکن معاویہ کی زندگی کی تحقیق کرتے ہوئے اس کے عادات واطوار اور کامل حرکات وسکنات کی روشنی

---

(۱)۔ علل الشرائع تالیف ابن بابویہ، ص ۸۴ مطبوعہ ایران.

میں جو اس کی زندگی کے مختلف ادوار میں مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں نیز اس کے رنگا رنگ قیافہ کی روشنی میں یہ تمام باتیں قابل قبول ہیں کیونکہ یہ وہی شخص ہے جو جنگ بدر میں (۱) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کے بالمقابل ایک جنگجو فتح مکہ کے موقع پر آزاد شدہ اور ایسا فقیر و ذلیل و خوار (۲) جو مدینہ میں علقمہ بن وائل حضرمی کی رکاب میں پابرہنہ دوڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ (۳)

وہ حاکم جس نے شام پر ۲۰ سال تک حکومت کی لیکن یہ حکومت عمر اور عثمان کی طرف سے عطا کی ہوئی تھی وہ طغیانگر اور سرکش جو چار سال تک امیر المومنین اور ان کے فرزند امام حسنؑ سے جنگ کرتا رہا، اب خود کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ سمجھتا ہے لیکن واضح طور پر آپ کی سیرت اور قوانین سے مخالفت کرتا ہے اور اعلانیہ کہتا ہے خدا کی قسم دنیا کی کوئی ایسی لذت نہیں ہے جس تک ہمارا ہاتھ نہ پہنچا ہو۔ (۴)

یہ تمام تحقیقات اور ملاحظات ہمیں ان صفات کی تصدیق کیلئے برانگیختہ نہیں کرتے جو خوش فہم افراد نے اس کی طرف نسبت دی ہے۔

ان تحقیقات کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھانے میں زبردست مہارت رکھتا تھا (چاہے وہ جاہلیت کا زمانہ ہو یا دین اسلام کا) یہ نہ تو عقل مندی اور نہ ہی کوئی ہنرمندی ہے نہ ہی صحیح معنی میں سیاست کہ انسان اپنے اہداف و مقاصد تک پہونچنے کیلئے ایسے راستوں سے فائدہ اٹھائے جس کی بنیاد پر وہ اپنی آبرو کی حفاظت نہ کرسکے اور معاشرہ کو (ظاہری طور پر سہی) قانع کرسکے یا ایسے قواعد کو استعمال کرے جو نہ تو عرف و عادت اور نہ ہی دین سے سازگاری رکھتا ہو لیکن اس کے باوجود مسلسل دین کی حمایت اور اجتماعی سنتوں کی رعایت کے دعوے کی تکرار کرتا رہے۔

جہاں ایک کام دوسرے کام سے بالکل مخالف ہو اور تناقض کا بازار گرم ہو اس علاقہ میں عقلمندی اور

---

(۱)۔ابن ندیم، ص ۲۴۹. پسر لکھتا ہے۔ ہشام بن حکم سے پوچھا گیا: کیا معاویہ نے جنگ بدر کو حدک کیا تھا؟ کہا: ہاں اس محاذ پر تھا!

(۲)۔دمیری، ج ۱، ص ۵۹ پر لکھتا ہے: ''ایک عورت نے پیغمبر اکرمؐ سے مشورہ کیا کہ میں معاویہ سے شادی کرسکتی ہوں، پیغمبرؐ نے فرمایا: وہ پست اور فقیر انسان ہے۔''

(۳)۔بیهقی المحاسن و المساوی، ج ۱، ص ۱۰۹ اور ۲۱۰ اور دیگر مآخذ.

(۴)۔سابق حوالہ.

ہوشیاری نہیں ہوتی۔

لوگوں کی زندگی کے چین وسکون کو ختم کر دینا، کھلم کھلا گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا اور اس کام کو لوگوں پر واجب قرار دینا، عہد و پیمان توڑ ڈالنا اور اپنی قسموں سے بے توجہی کو عقلمندی اور چالاکی شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ان میں سے کوئی بات بھی ''دھاء'' اور ہوشیاری و عقلمندی نہیں ہے اور نہ ہی حکومت کی لیاقت اور ملک کی سربراہی کی دلیل ہے۔

دشمنیوں کی دنیا میں ایسے امور کی انجام دہی ابتدائی روش شمار کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ عام لوگوں میں کچھ لوگ ایسے ہوں جو اس سے زیادہ شدید اور ماہرانہ انداز میں ان طریقوں کو اپنے دشمنوں کیلئے استعمال کرتے ہوں پس اس کی بنیاد پر وہ لوگ معاویہ سے زیادہ ہوشیار اور عقلمند ہیں؟

مکر و فریب میں غیر طبیعی حرکتوں کو ''دھاء'' اور عقلمندی و ہوشیاری کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟

اگر معاویہ ان منکرات اور برائیوں کی انجام دہی کی وجہ سے ''داھیہ'' اور عقلمند ہے تو اس کے بیٹے یزید کو اس سے زیادہ ''داھیہ'' اور عقلمند ہونا چاہیے کیونکہ اس نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے حد درجہ تند اور غیر انسانی راہوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

ان باتوں کو رہنے دیجئے کہ معاویہ نے اس جیسے کام روم کے بادشاہ کی رضایت حاصل کرنے کیلئے درھم و دینار کا سہارا لیا اور کوفہ میں وارد ہوتے ہی اس کی ناشائستہ اور عامیانہ اور پست تقریر جس تناقض کا شکار ہوگئی اس کی سیاست میں اور ''مرج عذراء'' کے شھداء کے ساتھ اس کی احمقانہ رفتار اور اس کے علاوہ دوسری حرکتیں اس کی کمزور اور ناتوانی کی علامت ہے۔

لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مورد میں معاویہ کا کام ''دھاء'' ہوشیاری ہے اور اس کے طرفداروں کی تائید میں ہے۔ اس مورد میں وہ اپنے مستقبل کیلئے راستہ فراہم کر رہا تھا اور اس کے بعد جن لوگوں کیلئے یہ مسئلہ درپیش تھا ان کیلئے قابل قبول عذر تراشی شروع کر دی۔ یہ مورد وہی قتل عثمان اور اسے معزول کرنے کا ماجرا ہے جس میں معاویہ نے بڑی آسانی اور خاموشی سے عثمان کی مدد کرنے سے پرہیز کیا۔

قتل عثمان کے ماجرے سے معاویہ کا استفادہ عثمانیوں (عثمان کے طرفدار افراد) کو یکجا کرنے میں

تھا جنہوں نے عثمان کے زمانے میں ان کی مدد نہ کرنے اور انہیں تنہا چھوڑنے کیلئے معاویہ کے بہانے کو قبول کرلیا تھا۔(۱)

اسی بنیاد پر ان لوگوں نے خود کو معاویہ کے اختیار میں دیدیا تا کہ مرنے کے بعد وہ عثمان کی مدد کرسکیں۔

ان بیچاروں کو یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس کے ذریعہ معاویہ خود اپنی مدد کر رہا ہے نہ کہ عثمان کی۔ انہیں کوتاہ فکر اور سبک مغز افراد کی بنیاد پر معاویہ اپنے ضعیف سپاہیوں کو علی علیہ السلام کے بالمقابل قوی اور مستحکم کرنے لگا۔

اس طرح معاویہ نے اپنی فوجی طاقت کو تاریخ کے سامنے پیش کیا کیوں کہ اس بات پر کوئی تاریخی شاہد موجود نہیں ہے کہ معاویہ لفظ فوجی طاقت، سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں ان میں سے کوئی ایک معنی بھی اس پر تطبیق کرتا ہو نہ ہی وہ اصطلاحی معنی میں سپاہی تھا (یعنی جنگ کا نقشہ کھینچنے والا اور سپہ سالار جنگ) اور نہ ہی سپاہی اس معنی میں کہ ایک تیز گام چابک سوار اور ماہر و مشاق گھڑ سوار ہو کہ اگر دشمن کے سامنے لایا جائے تو اپنی شجاعت

---

(۱)۔اس تاریخی حقیقت (کہ معاویہ نے عثمان کی مدد میں کوتاہی کی تھی) کی صراحت بہت ساری ان گفتگو، خطبات اور اس زمانے کے اشعار میں موجود ہے جسے تاریخ کے اوراق میں آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

"شبث بن ربعی ، معاویہ کے ساتھ اپنی ایک ملاقات میں اس طرح ہمکلام ہوتا ہے: خدا کی قسم تم جو چاہتے ہو اور اس کی تلاش میں ہو وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہے وہ بات جس سے لوگوں کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے، ان کے نظریات کو جلب نظر کیا جاسکتا ہے اور ان کی اطاعت و پیروی کو اپنے ہاتھوں میں لیا جاسکتا ہے تم نے اس کے علاوہ کچھ نہ پایا کہ کہدو کہ تمہارا امام اور پیشوا مظلومیت کے عالم میں قتل کیا گیا اور ہم نے ان کا خون بہا لینے کیلئے قیام کیا ہے۔ اور نادان قوم نے بھی اس کا مثبت جواب دیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے اس کی نصرت اور مدد میں کوتاہی اور تاخیر کی ہے تا کہ آج تم جس چیز کے طالب ہو وہاں تک پہنچ جاؤ تم اس کے قتل کے راغب ہوگئے کچھ لوگ کچھ چیزوں کے متمنی ہوتے ہیں لیکن خدا اپنی قدرت کے ذریعہ انہیں اس سے محروم کردیتا ہے اور ہاں کچھ خواہشمند لوگ ہیں جو اپنی تمناؤں یا اس بالاتر کو حاصل کرلیتے ہیں لیکن خدا کی قسم ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی تیرے لئے خیر کا باعث نہیں ہے۔

کیوں تو جس کی تلاش میں ہے اگر اس تک (تیری رسائی نہ ہوئی تو، تو عرب کے بد بخت ترین افراد میں سے ہوگا اور اگر اپنی تمناؤں کو منزل مراد تک پہنچا دیا تو ان آرزوں تک نہیں پہنچ سکتا مگر یہ کہ جہنم کی آگ کا مستحق ہوگا۔ پس اے معاویہ خدا سے ڈرو! اور اس امر کو اس کی حالت پر چھوڑ دو اور اس امر پر اس کے اہل سے منازعہ اور جھگڑا نہ کر۔ (طبری، ج ۵، ص ۲۴۳)

ابن عساکر" ابو طفیل عامر بن واثلہ" سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک دن معاویہ کے پاس آیا تو معاویہ نے اس سے کہا: جس دن مہاجر و انصار نے عثمان کو چھوڑ دیا تھا تم نے اس کی مدد کیوں نہیں کی؟

وولاوری کو آشکار کردے جنگ صفین میں جب امیر المومنین علیہ السلام نے اسے میدان جنگ میں طلب کیا(۱) تو کچھ دیر تردید کرنے کے بعد ذلیل وخوار اور ریست لوگوں کی طرح آمنے سامنے جنگ کرنے سے کترانے لگا۔

سے اس نے جواب دیا: اے امیر المومنین! تم نے خود کیوں نہیں مدد کی جبکہ اہل شام تمہارے ساتھ تھے؟ معاویہ نے جواب دیا: کیا اس کی خوانخواہی اس کی مدد نہیں ہے؟ یہ سن کر ابو طفیل بن واثلہ ہنس پڑا اور کہنے لگا تم اور عثمان اس شعر کے مصداق ہو (جس کا ترجمہ یہ ہے)

میں گمان نہیں کرتا کہ میرے مرنے کے بعد تم مجھ پر آنسو بہاؤ گے تم نے زندگی میں ہم کو کبھی نہ پوچھا اور ہماری بھلائی نہ چاہی۔

مسعودی نے بھی ابن عساکر کی اس روایت کو نقل کیا ہے صرف فرق یہ ہے اس مطلب کے جواب میں معاویہ کے قول کو بھی بیان کیا ہے کہ جس چیز نے تم کو اس ہنگامہ کے وقت جو اس پر محیط ہو گئے تھے مدد و نصرت سے روکا میرے لئے بھی وہی چیز مانع تھی۔"

بلاذری کا بیان ہے کہ جب عثمان نے معاویہ سے مدد چاہی تو اس نے مدد کرنے میں کوتاہی کی اور صرف وعدہ پر اکتفا کیا یہاں تک کہ محاصرہ شدید ہو گیا تو اس وقت معاویہ نے یزید بن اسد قشیری کو عثمان کی طرف روانہ کیا اور اس سے کہا جب ذی خشب تک پہنچ جانا تو رک جانا اور اس سے آگے حرکت نہ کرنا یہ نہ کہنا کہ جس چیز کو شاہد اور مشاہدہ دیکھتا ہے غائب اسے نہیں دیکھ پاتا کیوں شاہد (مشاہدہ کرنے والا) میں ہوں اور تم غائب ہو!! لوگوں کا بیان ہے کہ وہ شخص ذی خشب میں اتنی دیر تک رکا رہا کہ عثمان قتل کر دیئے گئے تو پھر اس کو طلب کیا۔

(۱)۔ المحاسن والمساوی، ج ۱، ص ۳۷ پر بیہقی کا بیان ہے:

"جب جنگ صفین برپا ہوئی تو امیر المومنین نے معاویہ کو لکھا کہ کیوں ہمارے اور تمہارے درمیان لوگ قتل کئے جائیں تم باہر نکلو تا کہ اگر تم نے مجھ کو قتل کر دیا تو تمہارے لئے آسانی ہو جائے اور اگر میں نے تم کو قتل کر دیا تو میرا کام آسان ہو جائے۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: یہ شخص تم سے انصاف کی بات کہہ رہا ہے اس سے مقابلہ و مبارزہ کرو!

معاویہ نے جواب دیا: نہیں۔ عمرو عاص! تو چاہتا ہے کہ میں اس سے جنگ کروں تا کہ وہ مجھے قتل کر دے اور تم میرے بعد خلافت کو اپنے ہاتھوں میں لے لو! قریش کو یہ معلوم ہے کہ ابو طالب کا لاڈلا شیر دل مردوں کا سرور و سالار ہے۔"

پھر ص ۳۸ پر اس طرح رقمطراز ہے:

"شعبی سے روایت ہے کہ جب عمرو عاص معاویہ کے پاس آیا تو اس وقت اس کے پاس کچھ لوگ موجود تھے جیسے ہی معاویہ نے اس کو آتے دیکھا ہنسے لگا۔ عمرو عاص نے کہا: اے امیر المومنین خدا آپ کے لبوں کو خنداں اور آنکھوں کو روشن رکھے، میں جو بھی دیکھ رہا ہوں اس میں کوئی ہنسنے والی چیز دکھائی نہیں دے رہی ہے.... معاویہ نے کہا: مجھے صفین کا دن یاد آ گیا جب تم اہل عراق سے جنگ کیلئے گئے تھے تو علی بن ابی طالبؑ نے تم پر حملہ کیا اور جب وہ تم تک پہنچے تو تم نے خود کو نیچے گرا دیا اور اپنی شرمگاہ کو کھول دیا! سچ بتاؤ یہ فکر تمہارے ذہن میں کیسے آئی اس وقت تو تم اس بزرگوار ہاشمی کے روبرو تھے کہ اگر وہ چاہتا تو تمہیں قتل کر دیتا۔

عمرو عاص نے جواب دیا کہ اے معاویہ اگر میری حالت پر تجھے ہنسی آ رہی ہے تو بہتر ہے کہ تم اپنے حال پر بھی ہنسو! جس طرح میں علی کے روبرو ہوا تھا اگر تم سامنے ہوتے تو خدا کی قسم وہ ایسی ضربت لگاتے کہ تمہارے بچوں کو یتیم کر دیتے تمہارے مال کو تاراج کر دیتے۔ تمہاری طاقت سلب ہو جاتی۔ صرف یہ ہے کہ تم نے خود کو اسلحہ بردار افراد کے حصار میں ڈال دیا تھا میں نے خود اس وقت تم کو دیکھا تھا جب علی ؑ

ہاں کیوں نہیں، جیسا کہ ہم نے عرض کیا وہ بھی اچھائیوں کا حامل تھا لیکن ایک محدود دائرہ، میں وہ سخی تھا لیکن سخاوت کا انداز جدا تھا۔ وہ صاحب مقصد و جہت بھی تھا جس نے اس کے سارے وجود کو مسخر کر لیا تھا۔

اس کی صلاحیت پیچیدگیوں اور مشکلات میں پھنسنے والے موقعوں سے فائدہ اٹھانا تھا، اس کا مقصد، ہدف حکومت اور طاقت کو ہاتھوں میں لینا تھا۔ اس کی سخاوت ان امور کیلئے تھی کہ اگر کسی نے آخرت کیلئے حساب کھولا ہو تو اس کے ساتھ سخاوت سے پیش نہیں آتا تھا۔

ظاہراً معاویہ کو معلوم تھا کہ اسلام کے شجاع ترین سپاہی سے جنگ کرنے کی بہت ساری شرطیں اس میں موجود نہیں ہیں لہذا وہ مسلسل اس فکر میں تھا کہ عراق کی جنگ کو کسی ایسی ٹیکنک میں بدل دیا جائے، جو اس کی مخصوص خصلت کے قابل قبول ہو اور جہاں تک ہو سکے اسلحے کی جنگ کے بجائے جنگ بر معنائے فتنہ انگیزی اور حیلہ گری کا بازار گرم کر دیا جائے۔

جنگ صفین کا تجربہ ایک دوسرا سابقہ تھا جو اسے اس بات کی تعلیم دیا کرتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو آخری وقت تک اس روش پر قناعت کی جائے وہ جنگ جس میں قطعی شکست نے معاویہ کے وجود کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا وہ اسے اس بات پر ابھار رہی تھی کہ وہ اکیلا ایک مرکب کی پشت پر بیٹھ کر بھاگ نکلے اس وقت صرف اس لئے نجات مل گئی اور بچ گیا تھا کہ اپنے ندیم اور مشیر خاص عمرو عاص کے مشورہ پر عمل کیا تھا جس کا نتیجہ ایک ہمہ گیر اور

ے نے تم کو مقابلہ کی دعوت دی تھی میں بھول نہیں سکتا کہ اس وقت تمہاری آنکھیں سیاہ پڑ گئی تھی منہ سے پھین نکل رہا تھا، ناک پھیل گئی تھی، تمہاری پیشانی سے مسلسل پسینہ بہہ رہا تھا اور تمہارے جسم کے نچلے حصہ سے ایسی چیز ظاہر ہو رہی تھی کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس کا نام لوں!! یہ سن کر معاویہ نے کہا: بس کافی ہے۔ اس قدر کہنا ضروری نہ تھا.

مسعودی نے بھی اس گفتگو کا تذکرہ کیا ہے (حاشیہ ابن اثیر، ج ۶، ص ۹۱) لیکن اس کی روایت میں معاویہ اور عمرو عاص کے درمیان گفتگو اس طرح بیان کی گئی ہے کہ عمرو عاص نے کہا: اگر مصر اور اس کی حکومت نہ ہوتی تو میں خود کو بچا لیتا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ علی حق پر ہیں اور میں باطل پر۔ معاویہ نے کہا: خدا کی قسم مصر نے تجھ کو اندھا کر دیا ہے اگر مصر نہ ہوتا تو میں تجھ کو آنکھوں والا پاتا پھر معاویہ ایک بامعنی ہنسی، ہنسنے لگا تو عمرو عاص نے پوچھا:

اے امیر المومنین کیوں ہنس رہے ہیں خدا آپ کے لبوں کو ہنستا ہوا رکھے معاویہ نے یہ جواب دیا: تمہارے اس ابتکار اور نئی بات پر ہنس رہا ہوں جو تم نے علی سے مقابلہ کے وقت پیش کی تھی.

وسیع وعریض فتنہ کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے مسلمانوں کیلئے انواع واقسام کی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔

معاویہ کے قاموس (انسائکلوپیڈیا) میں فتنہ انگیزی اور حیلہ گری فتح وظفر کی بہترین سواری تھی۔ اس کی آزمائشوں نے اس کیلئے ثابت کر دیا تھا کہ فتنہ کی کاٹ اسلحہ سے کہیں زیادہ تیز اور موثر ہے۔ بنابراین کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہ مشکلات اور پیچیدگیوں کے گرداب میں جو مختلف مناسبتوں سے خود فراہم کرتا تھا اس کی پناہ میں نہ جائے؟

فتنہ انگیزی کے میدان میں معاویہ کو یہ توفیق نصیب ہوئی کہ ایک سنگین قسم (اس کے علاوہ کسی اور کیلئے ہمیں یہ یاد نہیں آتا) کا وسیلہ اپنے لئے فراہم کرے۔ یہ توفیق پہلے مرحلہ میں بے حساب دولت وثروت کا نتیجہ ہے کیونکہ ۲۰ سال کے عرصہ میں پورا شام اس کے دست قدرت میں تھا۔ اور دوسرے مرحلہ میں اس میدان کے پختہ افراد کی مصاحبت اور ان کے ساتھ نشست وبرخواست ہے مثلاً مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن عاص، ان میں سے عمرو بن عاص اس میدان کا سب سے بڑا پہلوان کھلاڑی ہے یہ وہی ہے جس کا ہر زخم کاری ہوا کرتا تھا۔"

ان دونوں کے علاوہ تیسرا شخص زیاد بن عبید رومی ہے جسے ذلت آمیز اور شرم آور (۱) انداز میں امام حسنؑ

---

(۱)۔ زیاد، حسن بن علی علیہ السلام کی طرف سے فارس کے علاقہ میں کارکن اور نمائندہ تھا اس منصب کو حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عباس نے اسے عطا کیا تھا۔ معاویہ نے تہدید آمیز اور نوید بخش خطوط اسے روانہ کئے۔ ان خطوط کے ملنے کے بعد زیاد نے ایک خطبہ دیا جس میں معاویہ کو برا بھلا کہا اور فرزند جگر خواری، معدن نفاق اور باقیماندہ احزاب کی صفت سے اسے موصوف کیا اور اسے فرزندان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کیونکہ زیاد اس زمانے میں ان حضرات کے پیروکاروں میں شمار ہوتا تھا) سے ڈرایا۔ اس خطبہ کے متن کو اس کتاب میں لشکر کی تعداد والی فصل میں آپ ملاحظہ کریں گے لیکن داستان "استلحاق" (زیاد کو ابوسفیان کے نسب سے ملحق کرنے کا واقعہ) کا خلاصہ اس طرح ہے کہ عرب کی ذوات الاعلام (ایسی فاحشہ عورتیں جو مسافروں اور شہر میں نئے وارد ہونے والے افراد کی خاطر اپنے گھر کے دروازہ پر پرچم نصب کیا کرتی تھیں) ہرجائی عورتوں میں شہر طائف کی "سمیہ" نامی یہ عورت حرث بن کلدہ ثقفی کو زگذاری یا خراج دیا کرتی تھی اسی زنا کا ثمرہ زیاد ہے! معاویہ اس ماجرے میں اسماء حرمازی کے بیٹے اور ابومریم خمار سلولی کی گواہی کو قبول کرتا ہے جو اس فاحشہ عورت اور اس جیسی دوسری فاحشہ عورتوں کے دلال تھے اور زیاد کو اپنے شرعی اور قانونی بھائی کی طرح خود سے منسوب کرتا ہے اور عبداللہ بن عامر (معاویہ کی بیٹی ہند کا شوہر) کی باتوں پر اعتناء نہیں کرتا ہے جو اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ کچھ گواہ قریش سے بھی ہونا ضروری ہے تاکہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ ابوسفیان نے سمیہ کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ پھر جو یہ ابوسفیان کی بیٹی زیاد کے سامنے اپنے بالوں سے پردہ ہٹا کر کہتی ہے تو میرا بھائی ہے۔ ابومریم کا بیان ہے کہ اس وقت زیاد اپنے پہلے باپ جس کے بستر پر پیدا ہوا تھا پھر اسے ابوسفیان کی طرف تبدیل کر دیا (یعنی وہی رومی غلام حرث بن کلدہ ثقفی بنام عبید) کے بارے میں کہتا ہے: عبید وہ باپ ہے جس کا میں شکر گزار ہوں اور وہ نیچے آتا ہے۔ صحیح ترین قول کی بنیاد پر یہ واقعہ ۴۱ ہجری میں پیش آیا۔

لوگوں نے "استلحاق" کے واقعہ کو اسلام کی بزرگ ترین ھتک حرمت سمجھا جو بطور آشکار انجام دی گئی۔

ابن اثیر کا بیان ہے: زیاد کا "استلحاق" وہ سب سے پہلا واقعہ ہے جس نے احکام شرعی کو رد کر دیا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ بچہ ←

کے لشکر سے جدا کیا تھا اسے بھی ان دونوں سے ملحق کر دیا جس کے نتیجہ میں ایک خوفناک مثلث وجود میں آیا جو دین میں کتنے ہیجان اور آشفتگی کا سبب بنا۔

خلاصہ یہ کہ فتنہ گری عام معنی میں ایک ایسی خصلت تھی جس میں کوئی بھی ہشیار اور ہنرمند معاویہ سے برتر نہ تھا۔ اسی بنیاد پر معاویہ نے امام حسنؑ سے اپنے جنگ کو حیلہ آمیز اور فتنہ آمیز جنگ میں تبدیل کر دیا تھا۔

جس وقت وہ اپنے لشکر کو ان کے باڈر پر مستقر کر رہا تھا اس وقت بھی وہ جنگ کی فکر میں نہ تھا وہ اس سے خوف زدہ تھا کہ جنگ میں حریف قرار پائے بلکہ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ ایسے میدان میں دست و پنجہ نرم کرے جو اسلحوں اور سر کٹنے کے علاوہ ہو۔

وہ اس راز کو فاش بھی نہیں کرتا تھا بلکہ تصنع اور مکر و فریب کے ذریعہ اپنی روش کو مخفی رکھتا تھا اور لوگوں کے امور میں احتیاط اور مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے تظاہر کرتا تھا مثلاً امام حسنؑ سے جنگ کے وقت جب دونوں

ے کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زنا کار کیلئے پتھر ہے لیکن معاویہ نے اس کے برخلاف حکم نافذ کیا یعنی جاہلیت کی عادت کے مطابق حکم نافذ ہوا خداوند متعال فرماتا ہے: کیا یہ جاہلیت کے حکم کی تمنا رکھتے ہیں حالانکہ یقین کرنے والے لوگوں کیلئے حکم میں خدا سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ (سورہ، مائدہ/آیہ ۵۰)

زیاد کو معلوم تھا کہ عرب اس کے نئے نسب کا اعتراف نہیں کریں گے کیونکہ حقیقت حال ان کیلئے روشن ہے اور وہ اس جھوٹے نسب کی حقیقت سے واقف ہیں۔ اسی وجہ سے اس نے کتاب المثالب کو فراہم کیا اور اس میں ہر نقص کو عرب سے منسوب کر دیا اور اس کام سے بھی اس نے اپنے قبیلہ کی حقیقت کو ثابت کر دیا۔

کوفہ اپنے پہلے اموی حاکم مغیرہ بن شعبہ ثقفی کی ہلاکت کے بعد زیاد کی حکومت میں محکوم ہو گیا اور اس نے اسے دہکتے جہنم اور نا قابل سکون زلزلہ کی آماجگاہ بنا دیا طبری (ج ۶، ص ۱۲۳ پر) رقمطراز ہے:

زیاد جیسے ہی کوفہ آیا اس نے کہا: ایسی چیز کے ساتھ آیا ہوں کہ اس چیز کو تم لوگوں کے علاوہ کسی اور سے نہیں چاہتا۔ ان لوگوں نے کہا: جو کچھ بھی چاہتے ہو ہم سے طلب کرو تو اس نے کہا: مجھ کو معاویہ سے ملحق سمجھو۔ اس پر ان لوگوں نے کہا: لیکن جھوٹی گواہی کے ذریعہ کہ یہ نہیں ہو سکتا۔

وہ پہلا شخص ہے جو ایک وقت میں کوفہ اور بصرہ دونوں کا ایک ساتھ گورنر تھا اور وہ اس میں بھی سب سے پہلا شخص تھا کہ اس کے آگے آگے اسلحہ بردار افراد چلا کرتے تھے اور وہ آہنی گرز کے ساتھ ہوا کرتے تھے اس کے علاوہ پاسبان و محافظ اس کی حفاظت کیا کرتے تھے۔

اپنے غائبانہ میں سمرہ بن جندب کو بصرہ بھیجا کرتا تھا اور کوفہ میں عمرو بن حریث کو رکھا کرتا تھا۔ ایک بار جب چھ (۶) مہینہ کے بعد بصرہ گیا تو دیکھا کہ سمرہ نے ۸ ہزار لوگوں کو قتل کیا ہے جس میں سب کے سب جامع قرآن تھے۔

۵۳ ہجری میں زیاد کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا ۱۵۹ ہجری میں مہدی عباسی خلافت کے عہدہ پر فائز ہوا تو اس "استلحاق" کو لغو قرار دیدیا اور حکم دیا کہ آل زیاد کو قریش اور عرب کے دیوان سے خارج کیا جائے اس طرح زیاد پھر دوبارہ اپنے واقعی باپ رومی غلام کی طرف ملحق ہو گیا!!

لشکر کے سپاہیوں کی طرف دیکھتا تھا تو کہا کرتا تھا: اگر یہ لوگ ان لوگوں کو یا وہ لوگ ان لوگوں کو قتل کر ڈالیں تو پھر میرا ان لوگوں سے کیا رابطہ ہوگا؟ (۱) یا یہ کہا کرتا تھا: ''چھوٹا کام بڑے کام کا مداوا کرتا ہے۔'' (۲)

ہمیں کیا معلوم جس وقت وہ ان جملوں یا ان جیسے دوسرے جملوں کے ذریعہ وقت گزار رہا تھا درحقیقت عراق سے جنگ کے نتائج سے ڈر چکا تھا اور اس لئے کہ اہل عراق واقعا معرکہ میں داخل ہو جائیں گے خوف زدہ تھا۔ اس احتمال کی بنیاد پر یہ کہنا چاہیے کہ معاویہ کو کوفہ کے اخبار سے جیسے مطلع ہونا چاہیے مطلع نہ تھا اور شیعوں کے پروپیگنڈہ کے نتائج کو حقیقت سے زیادہ گمان کرتا تھا۔ شاید یہ تامل و تردید اس معنی میں ہو کہ وہ چاہتا تھا رسول خدا کے فرزندوں اور جوانان جنت کے سرداروں سے جنگ کی ذلت و رسوائی کو خود سے دور کرلے (کیونکہ اسلامی دنیا کے سامنے اس کام کا عذر کوئی چیز بھی شمار نہیں کی جاسکتی)

ممکن ہے کہ شمشیر پر اس حربہ کو مقدم کرنا اس وجہ سے بھی ہو کہ کوفہ کے خیانت کار لیڈروں اور رؤساء قبائل نے اسے خط لکھا تھا اور تحریری طور پر اپنی فرمانبرداری کو اس کی خدمت میں پیش کیا تھا اور پہلے ہی سے اسے وعدے دے دیئے تھے اور اپنی عزت و قدر دانی کو اس کے نزدیک فراہم کرلیا تھا اور اسے اپنی طرف حرکت کی ترغیب دیتے ہوئے ضمانت لی تھی کہ جب بھی اس کے لشکر سے نزدیک ہوں گے حسن علیہ السلام کو دست بستہ اس کی خدمت میں پیش کردیں گے یا ناگہانی طور پر ان کو قتل کردیں گے۔ (۳)

عالم فتنہ انگیزی میں ایک جالب کام یہ تھا کہ معاویہ نے ان تمام خطوط کو جو ان لوگوں سے دریافت کیا تھا ایک جگہ جمع کیا اور وفد کے ہمراہ جس میں مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر بن کریز اور عبدالرحمن بن حکم تھے۔ امام حسن بن علی علیہما السلام کے پاس روانہ کردیا (۴) تاکہ وہ آپ کو ان خطوط اور آپ کے لشکر کے ان اصحاب کے اغراض و مقاصد سے آشنا کردے تاکہ جب یہ وفد حسن علیہ السلام کے اندر صلح یا سمجھوتہ کی آمادگی کو ملاحظہ

---

(۱)۔ ابن کثیر، ج۸، ص۱۷۔

(۲)۔ مسعودی، حاشیہ ابن اثیر، ج۶، ص۶۷۔

(۳)۔ اس کا ماخذ تیسری فصل میں گذر چکا ہے۔

(۴)۔ تاریخ یعقوبی کی طرف رجوع کریں، ج۲، ص۱۹۱۔

کرے گا تو خود یہ خطوط صلح کے مذاکرات کیلئے مقدمہ فراہم کرسکیں۔

امام حسن علیہ السلام نے بڑی دقت اور غور کے ساتھ کوفیوں کی تحریر کو ملاحظہ کیا اور گویا کہ پہلے ہی سے ان کی تحریر اور دستخط سے آشنا ہیں اور دستخط کرنے والے افراد کی تحریر اور ان کے انتساب کی تائید فرمائی لیکن یہ دیدار ان اصحاب کے سلسلے میں آپ کی معرفت میں اضافہ نہ کرسکا اور کوئی نئی چیز جو اس سے پہلے آپ اس گروہ کے بارے میں نہ جانتے ہوں کشف نہیں ہوئی۔ یہ وہی لوگ تھے جو رجحانات، ہوا و ہوس اور اخلاقی انحرافات کے نقطہ نگاہ سے بطور کامل آپ کیلئے شناختہ شدہ تھے جب آپ ان لوگوں کو جہاد کی دعوت دے رہے تھے تو پہلے ہی مرحلہ سے آپ مختلف مصیبتوں اور بلاؤں سے دوچار تھے۔

پھر آپ نے اس شامی وفد کو مخاطب کیا۔ اور بڑے دقت آمیز کلمات کے ذریعہ اپنے کسی راز کو فاش کئے بغیر یا قطعی طور سے کسی مطلب کو بیان کئے بغیر ان سے گفتگو کا آغاز کیا لیکن ایسی صورت میں بھی مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ خیر اندیشی میں دریغ نہیں فرمایا اور اپنی نصرت و مدد کے سلسلے میں خدا کے فرمان کی پیروی اور عصیان و سرکشی سے دور رہنے کی دعوت دی اور اس ذمہ داری کو یاد دلایا جو آپ کے سلسلے میں خدا اور رسول کے سامنے ان کیلئے درپیش ہے۔

اس کے علاوہ ہمیں کچھ بھی نہیں معلوم اور منابع و مدارک بھی اس سلسلے میں کوئی روایت نقل نہیں کرتے جو صلح کے بارے میں نفی یا اثبات کرتے ہوں۔

ہاں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ مغیرہ اور اس کے ساتھی جو مدائن کی چھاؤنی میں وارد ہوئے تھے اور امام علیہ السلام کے خیمہ میں وارد ہونے کیلئے شرف ملاقات حاصل کیا تھا ان لوگوں نے اس چھاؤنی کو ترک نہیں کیا مگر یہ کہ وہاں بہت بڑے فتنے کا بیج بو دیا تھا۔ جس راستہ سے بھی گزرتے تھے تو وہاں کے خیموں کو بغور دیکھتے تھے طبیعی طور پر سپاہیوں کی جستجو آمیز نگاہوں میں آتے تھے ایسی صورت حال میں ان لوگوں نے ایک دوسرے سے بات چیت شروع کردی ان میں سے ایک شخص جس نے جان بوجھ کر اپنی آواز کو بلند کیا تھا وہ دوسرے کہنے لگے: اچھا ہوا خدا نے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں خون کی حفاظت کرلی، فتنہ کو سلا دیا اور صلح کی آرزو کو پورا کردیا۔ (۱)

---

(۱)۔ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۹۱.

یہ گفتگو وہی فتنہ تھا جس کے ذریعہ زبردستی صلح کرنا چاہتے تھے۔

یہ وہ کاری ضرب تھی جو مسکن کے افسوسناک حوادث کے بعد جس نے ہمہ گیر اضطراب تمام جگہ پھیلا دیا تھا، مدائن کی نامساعد فضا پر وارد ہو رہی تھی۔

مدائن کے سپاہیوں کی اکثر و بیشتر تعداد اسی طرح جنگ پر اصرار کر رہی تھی اور صلح کیلئے کسی بھی بات پر راضی نہ تھی وہ لوگ اس گمان میں تھے کہ مسکن کی بقیہ فوج معاویہ سے جنگ کیلئے کافی ہے اور مدائن کی احتیاطی طاقت مسکن کی کمزوری و ناتوانی کے وقت انہیں ضروری امداد فراہم کرسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان سپاہیوں کے درمیان کچھ ایسے بھی ہوں جو اس قسم کی فکر نہ رکھتے ہوں لیکن وہ بھی جنگ پر اصرار کر رہے تھے کیونکہ ہر حیلہ سے وہ معاویہ سے جنگ کرنا چاہتے تھے (۱) یہ چیخنے چلانے والا گروہ خوارج سے متعلق تھا جو امام حسنؑ کے لشکر میں تھا۔ ایسی صورت میں مغیرہ اور اس کے ہمراہیوں کی یہ بات کیسے ہضم کی جاسکتی ہے کہ: حسن علیہ السلام نے صلح کو قبول کرلیا ہے'' ان کے عقیدہ کے مطابق تو یہ ایسا کفر آمیز کلام تھا جس پر صبر جائز نہیں ہے۔

خوارج جیسے بزرگ گروہ کی مخالفت دوسرے گروہ کو بھی متزلزل کرسکتی تھی جو تعداد میں ان سے زیادہ تھے۔ خصوصاً ذلیل و پست افراد جو ہمیشہ اطاعت اور عصیان کے درمیان متزلزل رہتے ہیں اور ہر گھڑی آمادہ رہتے ہیں کہ ایک مخالفت آمیز آواز پر فتنہ برپا کریں۔

یہ شامی وفد کا مدبرانہ منصوبہ جو تین افراد کی صورت میں اچھے انداز میں بنایا گیا تھا اور عملی میدان میں اچھی طرح کھل کر سامنے آیا اس نے ایسے فتنہ کو پیدا کیا کہ جس سے مدائن کے مقدر میں بھی اس کا بڑا گہرا اثر ہوا۔

اب بڑی آسانی سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے اس کے جواب میں جو شام سے آئے ہوئے وفد کو آپ نے دیا تھا اس میں کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو صلح پر مشتمل ہو یا یہ کہ اس کی آمادگی کا اظہار کیا گیا ہو کیونکہ اگر اسی طرح جس طرح یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت نے صلح کے مشورہ کا مثبت جواب دیا ہے تو سب

---

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۱۰، ارشاد مفید۔

باتیں ختم ہو جانی چاہیے تھیں اور عراق و شام کے درمیان جنگ باقی نہ رہتی تو پھر ایسی صورت میں فتنہ انگیزی کے کیا معنی ہیں؟ ایسی حالت میں اس وفد کا کام صلح کے عالم میں اسلحہ کھینچنے کے علاوہ کچھ اور تھا؟ کیا صلح ہتھیار ڈال دینے کے معنی میں نہیں ہے؟ بنابریں یقیناً امام حسن علیہ السلام کی طرف سے صلح کی کوئی تصریح نہیں ہوئی تھی اور یہ باتیں فتنہ انگیزی (یعنی شام کیلئے خطرناک اسلحہ کا استعمال) کے علاوہ کچھ اور نہ تھیں۔

معاویہ نے اس اسلحہ کو استعمال کرنے میں نفاق اور بہت ہی خطرناک تلوّن کا سہارا لیا تھا۔ یعنی مضامین کو بہت دقت کے ساتھ انتخاب کرتا تھا اور تجربہ شدہ وسوچی سمجھی اور فنی روش کے ساتھ جھوٹی خبروں کو بناتا تھا اور پھر ان خبروں کو امام حسن علیہ السلام کی چھاؤنی میں روانہ کرتا تھا مثلاً کسی کو امام حسن علیہ السلام کی چھاؤنی میں مدائن روانہ کرتا تھا کہ وہ لوگ اس بات کو پھیلائیں کہ قیس بن سعد (جو ابن عباس کے فرار کے بعد مسکن کے سپہ سالار تھے) نے معاویہ سے صلح کر لی ہے اور اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔(۱) ''اور کبھی ''مسکن'' میں قیس کی چھاونی پر کسی کو بھیج کر یہ افواہ پھیلاتا کہ حسن نے معاویہ سے صلح کر لی ہے۔ اور آپ نے اس کے سوال کا مثبت جواب دیا ہے۔''(۲) اسی طرح دوسری افواہ کے ضمن میں یہ پھیلا دیا کہ ''قیس بن سعد مار دیئے گئے ہیں لہذا کوچ کر جاؤ''۔

یقیناً مدائن جیسے لشکر کے درمیان ایسی افواہ کے اثر کے بارے میں آپ کیا خیال کرتے ہیں وہ بھی کمانڈر کی خیانتوں کے سابقوں کے ساتھ جس کی خیانت کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر کیسے اس دوسرے کی خیانت یا اس کے قتل کی خبر کا یقین نہ کریں۔؟ مسکن کی صورتحال مدائن کی صورت حال سے فرق نہیں کر رہی تھی وہی پوشیدہ کینے اور وہی بھاگنے کیلئے آمادہ افراد اور وہی ہاتھ جو فتنہ انگیزی، افواہ پھیلانے اور جھوٹ گھڑنے میں لگے ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ وہی افسوس ناک صورتحال باقی تھی۔ اس طرح سے معاویہ اپنی فتنہ پردازیوں کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچ گیا اور دو لشکر اضطراب اور تلخ اور ناگوار حوادث سے دوچار ہوئے جو کسی صورت میں میدان کیلئے مناسب نہیں تھے۔

---

(۱)۔ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۹۱.

(۲)۔ سابق حوالہ.

جزیرۃ العرب میں آغاز استقرار سے آج تک اسلام اس سے بڑی بلاء ومصیبت سے دوچار نہیں ہوا تھا کہ جہاں مقام خلافت چاروں طرف سے سپاہیوں کی سستی سپہ سالار کی خیانت، دوستوں کی ناہمراہی، اور دشمن کی فتنہ انگیزی میں گھرا ہو۔ اس نامساعد فضا نے تمام چیزوں پر قبضہ کرلیا اور بڑے بڑے ذلت آمیز حوادث کی خبر ملنے لگی۔ ایسے حوادث جو حتمی طور پر ایک مختصر دور (جو اسلامی تاریخ کے صفحات کا درخشاں ترین، پر عظیم ترین اور افتخار آمیز ترین دور تھا) کے خاتمہ پر تمام ہو رہے تھے۔

یہ وہی عظیم مصیبت اور غمناک گھڑی جو تاریخ اسلام کے بدترین زمانے کے قریب پہنچنے کا اعلان کر رہی تھی۔ اسلامی حکومتوں کے دو ادوار کے درمیان فصل ممتاز تک پہنچنے کی خبر دے رہی تھی ان دو ادوار میں سے ایک خلافت کا دور جو اپنے ممیزات اور درخشندگی کے ساتھ ہے اور دوسرا دور ڈنگ مارنے اور ڈسنے والی سلطنت کا دور ہے۔(۱) جس میں حتمی اور ناقابل اجتناب فساد کا دور دورہ ہوا۔

امام حسن علیہ السلام ہر شخص سے زیادہ معنوی اقدار سے آشنا تھا جن کو اس وقت بہت بڑے چیلنج کا سامنا تھا اور ہر مسلمان سے بیشتر اسلام کی حفاظت کے حریص تھے؛ آپ ایسے شجاع اور آہنی مرد تھے کہ حوادث وبلاؤں کے گرداب میں اگر آپ اثر انداز ہوتے تو یہ اثر اخلاص میں اضافہ، فکر میں فروغ، اور عقیدہ کی راہ میں انجام وظیفہ اور جانثاری کے علاوہ کچھ اور نہ ہوتے۔

ان تمام حیرت وتردید کے اسباب کے باوجود چھوٹی سے چھوٹی تردید اور حیرانی آپ کے وجود میں پیدا نہ ہونے پائی۔

آپ کا سینہ تنگ نہ ہوا ندامت اور وجدان کی ناراضگی آپ کے وجود میں جگہ نہ بنا پائی صرف اس فکر میں پڑے رہے تاکہ صحیح راستہ کا انتخاب کریں، عاقلانہ راستہ کو مجسم فرمائیں اور اسے استعمال کرنے کیلئے ضروری

---

(۱)۔ دمیری، حیات الحیوان، ج۱، ص۵۸، پر امام حسن علیہ السلام کی خلافت کے ذکر اور اس کی مدت کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: یہ تتمہ وہ مدت تھی جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران خلافت کی مدت کیلئے معین کیا تھا اور اس کے بعد ڈسنے والے بادشاہ کا زمانہ اور ہمہ گیر فساد سے بھرپور ناحق سلطنت کا زمانہ تھا۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

تدبیروں کو بروئے کار لائیں۔(۱)

آخری نظریہ کو منتخب کرنے کیلئے دیگر آراء ونظریات کی بھی تحقیق ضروری ہے۔

یہ وہ چیز ہے جس کو ہم ''دائرہ تردید'' کا نام دیتے ہیں۔

---

(۱)۔ابن کثیر (ج۸،ص۱۹پر) رقمطراز ہیں:

وہ (یعنی امام حسن علیہ السلام) اس ماجرے میں ایسے نیکوکار پیشوا، باثبات اور قابل تعریف خصلتوں کے مالک تھے کہ تردید اور ضمیر کی ملامت نے ذرہ برابر بھی آپ کے قلب کو تنگ نہیں کیا بلکہ آپ ہر حال میں راضی اور کشادہ رو تھے.

● دسویں فصل :

دائرہ تردید

آپ فکر وتفکر میں غرق تھے کیونکہ حالات کی پر خطر وادی جس میں امر دائر تھا کہ عظیم مصیبت آپڑے یا ذلت خواری نصیب ہو یا ایسی موت جو شباہت نہ رکھتی ہو اپنے بزرگوں کی موت سے یہ امر آپ سے پوشیدہ نہ تھا۔

وہ حیرت وتردید جو سرگردانی اور بلا تکلیف ہونے کا سبب ہو۔ آپ کے پاس موجود نہ تھی لیکن حقیقت کا احساس آپ کیلئے بہت تلخ اور غم انگیز تھا کانٹا کی ایک نوکیلی نوک کی طرح خود کو زخمی کر رہے تھے اور خود کو جلا رہے تھے اور ہر آن اسی بات پر مصر تھے کہ کسی نہ کسی طرح ایک ایسی راہ حل تلاش کی جائے جو نہ تو ذلت وخواری کا سبب ہو اور نہ اس غمناک اور دردناک واقعہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے اور نہ ہی زبردستی کی موت گلے لگ جائے جو ماضی کی پر عظمت یادوں سے وابستہ نہ ہوں۔

وہ حالات جو آپکے ماحول میں رونما ہو رہے تھے ایک طرف وہ تھکا دینے والی سرسخت مشکلیں تھیں تو دوسری طرف جھوٹے پروپیگنڈے اور تیسری طرف خوف زدہ ہرج ونقصان کی طرف بازگشت۔

امام حسن علیہ السلام ان پر خطر حوادث کے درمیان ایسے مستحکم پہاڑ کی طرح تھے جسے کوئی زلزلہ بھی ہلا نہیں سکتا تھا اور ایسے نیک نیک سرشت پیشوا اور عفو ودرگزر کے مالک تھے کہ نادانوں کی نادانی انہیں غصہ نہیں دلاتی اور عیب جوئی کرنے والوں کی ناراضگی انہیں غضبناک نہیں کرتی تھی۔ جو باتیں آپ کے اطراف میں رونما ہو رہی تھیں ان سے بے اعتنا ہو کر ایک جگہ کھڑے ہو گئے تا کہ تمام پالیسیوں کا غور سے مطالعہ کریں پھر اپنے منصوبہ کو بروئے کار لا کر تمام نظریوں پر تحقیق کر کے اپنے قطعی فیصلہ کا اعلان فرمائیں۔

آج ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کل جن باتوں کی فکر میں تھے ہم تفصیل کے ساتھ ان کا مطالعہ کر سکیں۔

لیکن قطعی طور پر ہمیں یہ معلوم ہے کہ آپ کی فکر اسی موضوع کے اردگرد گھوم رہی تھی جو خدا کی مرضی تھی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالبہ تھا آخر وہ کیا چیز تھی؟ اور وہ چیز جو ان کے عقیدہ اور فکر کی حفاظت کی ضامن ہو سکتی ہے وہ کیا ہے؟

لیکن لوگ جو کہہ رہے تھے وہ ان کیلئے زیادہ اہم نہ تھا۔

ہم اسے فراموش نہ کریں کہ وہ ایک ایسے روحانی پیشوا تھے جو اس دنیا میں صرف اس لئے زندہ رہنا چاہتے تھے کہ اس زندگی کو خدا کی راہ میں پیش کرسکیں اور خلق خدا کے استفادہ کا سبب اور احسان واصلاح کیلئے سرمشق قرار پائے۔ ایسی صورت میں لوگوں کی باتیں ان معنویات کے سامنے جو خدا کی راہ میں اور خدا کیلئے ہوں کس وزن وحیثیت کی مالک ہوں گی۔ ایسا پیشوا اور امام جس کی روحانی طاقت کے ذریعہ دوسرے خیر ونیکی کی طرف راہنمائی کئے جائیں وہ ہرگز اس فکر کے علاوہ کسی دوسری فکر میں نہیں ہوسکتا اور اس کی فکر وذکر ومحبت وعواطف، صرف خدائی ارادہ کے محور اور سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحیح عقیدہ فکر کے علاوہ کسی دوسری طرف گھوم نہیں سکتی۔

اس بنیاد پر جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں وہ حیرت جو سرگردانی اور بلاتکلیف ہونے کا سبب قرار پائے وہ آپ کے پاس موجود نہ تھی کیونکہ راہ خدا واضح وروشن اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے سامنے۔ لیکن جو حقیقت آپ کے سامنے تھی اس سے آپ کا احساس تلخ اور تکلیف دہ تھا۔

حقیقتاً کتنا مشکل اور دشوار ہے کہ پیدا شدہ شرائط وحالات کسی کو اس کی مرضی کے خلاف دست بستہ اسے قبول کرنے کیلئے مجبور کریں جب کہ وہ شرائط خود اسی کے رجحانات کے مخالف ہوں۔ پے در پے بحرانی کیفیتیں اس کا رخ کررہی ہوں اور مشکلات اور دشواریاں مسلسل اسے اپنے احاطہ میں لئے ہوں اس کیلئے یہ امر کتنا دشوار ہے ہاں یہی وہ استثنائی صورتحال تھی جو کسی بھی صورت اضطراب اور پریشانی کے بغیر ممکن نہ تھی ایسے حالات انسان کو فعل وترک اور خوف ورجاء کے درمیان لاکر کھڑا کردیتے ہیں ایسی صورت میں تمام چیزوں سے زیادہ تامل، تفکر، سنجیدگی اور ثبات قدم کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی بحرانی صورتحال میں افراد کا جوہر اور ان کی ذاتی صلاحیت کا کردار نہایت نازک اور باریک موڑ پر ہوتا ہے۔

واہ! یہ کتنا باعظمت نفس اور کتنی بزرگ آسمانی روح تھی!

یہ وہی نفس مطمئنہ تھا جو بلاؤں کے ہجوم کے درمیان خوشی اور رضا سے سرشار خدا کی طرف پلٹتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور پر تکیہ اور اعتماد نہیں کرتا اور اس کے علاوہ کسی اور سے رشد وہدایت کا طلب گار نہیں ہوتا۔ یہ وہی پاک وآراستہ روح تھی جو وظیفہ اور ذمہ داری کے سنگین بوجھ سے متاثر ہوکر سست نہیں ہوتی اور ہر حال میں رونما

ہونے والے حادثوں کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔

ہم نے کسی سے بھی نہیں سنا کہ ان سخت بلاؤں کے ہجوم میں ان کے اصحاب وانصار میں سے کسی ایک نے بھی یہ احساس کیا ہو کہ وہ اب بلاو مصیبت کے پنجہ میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ وہ تمام چیزیں جو ان سے ظاہر ہو رہی تھیں ثبات، عزم محکم اور پائداری تھیں حتیٰ خدا سے آپ کی مناجات بھی، ثبات قدم، خدا سے ارتباط اس کی ذات پر تکیہ اور اعتماد کی علامتیں ہیں۔

آپ اپنی دعاؤں میں سے ایک دعا (۱) میں اس طرح فرماتے ہیں:

خدایا! اے صاحب قدرت واقتدار، اے بلند مقام ومنزلت والے! کس طرح کسی سے ڈروں جبکہ تو میری امید ہے اور کیسے کسی چیز کیلئے فکر مند ہوں جبکہ تو میری تکیہ گاہ اور میرا اعتماد ہے۔ اپنی حلم و بردباری مجھے عطا کر دے اور اپنے فرمان کے ذریعہ تو مجھے میرے دشمنوں پر فتح وظفر عطا فرما اور اپنی مدد ونصرت سے میری تائید فرما میری پناہ تیری طرف اور تیرے لطف سے ہے۔ پس میرے کام میں کشایش اور کشادگی عطا فرما۔ اے وہ کہ جس نے اہل حرم کو اصحاب فیل کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کی طرف پرندوں کا لشکر روانہ کیا تا کہ وہ پرندے ان لوگوں پر خشک شدہ گیلی مٹی سے بنے سنگریزے برسائیں۔ ہمارے دشمنوں کو بھی عبرت ناک عقاب وعذاب کا مرکز قرار دے۔

ان مایوس کن افکار اور بے نتیجہ خیالات کے درمیان ناگہانی امید (گویا دعا قبول ہوگئی) کی کرن چمکی اور پسندیدہ عطر جو سرور وبشارت کی علامت ہے آپ کی روحانی فضا میں پھیل گیا۔

ابھی تک غربت کا احساس تھا لیکن ناگہانی غم واندوہ کے تمام راستے آپ پر بند ہو گئے اور گزشتہ یادوں کے طوفان کے درمیان کھڑے تھے اگر چہ اُن یادوں کا ابھی کوئی بھی اثر باقی نہیں رہا لیکن ان کی یاد، روح میں ایک گہری لذت کا سبب بنی اور آپ کے دل ودماغ میں پھیل گئی۔

---

(۱)۔ "اللهم یاذا القوة والسلطان یا علیّ المکان، کیف اخاف و انت املی، و کیف اخشی و علیک توکلی، افرغ علیّ من صبرک، واظهرنی علی اعدائی بامرک، و ایدنی بنصرک. الیک اللجا، وبک الملتجا، فاجعل لی من امری فرجا و مخرجا. یا کافی اهل الحرم من اصحاب الفیل، والمرسل علیهم طیراً ابابیل، ترمیهم بحجارة من سجیل، ارم من عادانی بالتنکیل!" ص ۱۶۷.

انسان کی روح اس وقت جب درد ورنج اور جنگ وجدال کے تلخ خیال میں گرفتار ہوتی ہے تو ناگہاں مبارک اور فیض آثار تازگی اس کے وجود کو سرشار کر دیتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ تنگی سے کشایش کی طرف، ناامیدی سے امید اور حیرت وتردید سے امید افزا اثبات اور پائداری کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

وہ اپنی اس حالت میں جس میں پریشانیاں ان کے وجود کو اپنے گھیرے میں لئے تھی اور آپ اپنے مستقبل کے بارے میں اس بے باک اور مقدسات سے لاپرواہ دشمن سے خطرہ کو محسوس کر رہے تھے اور اس فکر میں تھے کہ اگر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے صلح کر لیتے ہیں تو وہ کسی طرح بھی آپ کو آپ کے جد بزرگوار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئین ودستور پر چلنے نہیں دے گا۔(۱)

لیکن یہ نیا واقعہ آپ کو ۳۰ سال پہلے کی طرف لے گیا اور آپ ناگہاں خود کو سرزمین نبوت، مقام وحی اور مہاجر وانصار کی بھیڑ میں دیکھنے لگے۔ ایسا لذت بخش اور سرور آور خواب جس نے آپ کے سارے وجود کو اپنے احاطہ میں لے لیا اور تمام تکلیفوں کو آپ کے وجود سے دور کر دیا۔

یہ آپ کے جد بزرگوار ہیں اور یہ آپ کے خاندان میں حکومت نبوی ہے اور یہ قرآن کریم کی آیات کریمہ کے ستارے ہیں جو خداوند عالم کے آسمان علم سے زمین کی طرف آرہے ہیں۔ گویا آسمان کا قاصد زمین کی طرف آرہا ہے لیکن صرف اس گھر کے علاوہ کہیں اور نزول اجلال نہیں کرتا۔

اور یہ ان کے پدر بزرگوار ہیں پیغمبر کے وزیر اور قد آور مجاہد جس نے عرب کے شجاع افراد کو کلام خدا کے سامنے جھکا دیا گویا قلعہ خیبر کو کھول کر اور اسے دو انگلیوں پر پھول کی پنکھڑیوں کی طرح اٹھا کر ابھی ابھی پلٹ رہے ہیں۔

اور یہ ان کی مادر گرامی ہیں، طاہرہ، بتول جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ میں لے گئے۔ حق ہے کہ وہ دنیا جہاں کی عورتوں کی سردار ہیں۔

یہ شیرین خواب اگرچہ اس وقت خارجی وجود نہیں رکھتے تھے لیکن چونکہ حقیقت میں یہ تمام واقعات ایک ایسی نفسانی حقیقت ہیں جو دیکھنے والے کی روح کو اس طرح جذب کر لیتے ہیں کہ اس کی روح کو اس کے باپ، دادا اور مادر گرامی سے متصل کر دیتے ہیں گویا ان کا جسم ان لوگوں کے جسم سے مرتبط ہے اور جس دن خداوند عالم

---

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۰۷ کی روایت کی بنیاد پر یہ بات حضرت کے کلام سے قابل استفادہ ہے۔

نے نصارائے نجران کے ساتھ مباہلہ کی صورت کو (جس میں حسنؑ ان کے پدر بزرگوار، جد بزرگوار، مادر گرامی اور چھوٹے بھائی علیہم السلام (ایک انجمن کی طرح تھے) تشکیل دیا تھا اس دن اس جسمی اتصال کی تائید فرمائی تھی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس دن خود اپنے گھر والوں (یعنی خود اور وہی چار لوگ) کو ایک چادر کے نیچے جمع کیا تھا اور جس دن آیۂ تطہیر نازل ہوئی تھی اس دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی منتخب لوگوں پر اس کی تطبیق فرمائی تھی اور اس جسمی اتصال وارتباط کیلئے اسی قسم کے گہربار کلمات ارشاد فرمائے تھے۔

واہ کیا عظمتوں کی نشانیاں ہیں کہ اسلام میں کوئی بھی اس میں ان لوگوں کے ساتھ شریک نہیں ہے!

حزن آور مطالب کے افق کے پیچھے اپنے بچپنے کے لذت بخش مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے اور اس طرح وہ روشن اور نورانی زمانے یاد کرنے لگے کہ جس مدینہ میں آپ ایک ممتاز اہمیت کے حامل ہو کر اپنے سن وسال کے لوگوں کے درمیان کمال کے مدارج کو طے کر رہے تھے وہ ایام کہ جس میں یا تو بابا کے طاقتور بازوؤں پر یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اور پشت مبارک پر یا پھر اپنے نانا کے منبر پر کھیلا کرتے تھے۔ وہ ایام جس میں وحی الٰہی کو نزول کے پہلے ہی مرحلہ میں حاصل کر لیتے تھے کلمات الٰہی کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سیکھا کرتے تھے اپنے علم کو علم ودانش کے سرچشمہ سے اخذ کرتے تھے اور خود کو اس امامت وپیشوائی کیلئے آمادہ کر رہے تھے جو ان کیلئے مقرر ہو چکی تھی اور اپنے جد بزرگوار کے کلام کو (جس میں جب بھی حسن کا تذکرہ آتا تھا تو مباہات آمیز بیان کے ذریعہ آنحضرت امت کیلئے ان کی پیشوائی اور امامت کی شائستگی کو بیان فرمایا کرتے تھے) بغور سنا کرتے تھے اور یہ وہ کلام تھے جو بارہا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے جاری ہوا کرتے تھے۔

یہ وہ زمانے تھے جو عظمت روح کے ہمراہ روح عظمت سے سرشار تھے۔ وہ نورانی ماضی جس کی صدائے بازگشت حسن علیہ السلام کے کانوں میں آرہی تھی اور وہ پاکیزہ ترین، مسرت آمیز ترین اور کرامت و بزرگی کی یادیں ان کے ذہن پر چھانے لگیں۔

یہ یادیں اتنی ہمہ گیر اور دلکش تھیں کہ ان کا سارا وجود اس کے احاطہ میں آگیا اور اس کا اثر چہرہ پر مسکراہٹ کے ذریعہ ظاہر ہونے لگا (یہ مسکراہٹ ایسے وقت میں تھی کہ اس وقت ایسی کسی مسکراہٹ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا)

آپ اپنے جد بزرگوار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہے تھے گویا وہ ابھی ہی آپ کو آپ کی مادر گرامی کی

آغوش محبت سے لیکر اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں اور پیروں پر کھڑا کر کے بڑی ہی نرم اور محبت آمیز آواز میں اس مقدس شعر کو گنگناتے ہیں حزقة ا حزقة تشرق عين بقة ۔(۱)

اور آپ اپنے چھوٹے چھوٹے قدموں سے اوپر آرہے ہیں آخر کار اپنے قدموں کو اپنے جد بزرگوار کے سینے پر رکھ رہے اور ان کے فرمان کے مطابق اپنے دہن مبارک کو کھول رہے ہیں اور وہ اپنے فرزند کے دہن مبارک کا بوسہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''اللهم انی احبه فاحبّه واحبّ من احبّه '' خدایا! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے محبت کرنے والوں سے بھی محبت فرما۔(۲)

یہ یاد در حقیقت ان یادوں کی کنجی تھی جو یقیناً ان کو انہیں یادوں میں الجھائے اور انہیں غم والم کی وادی سے دور رکھنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ ہر انسان کی زندگی کا روشن ترین دور بچپن، پاکی اور سادگی کا زمانہ ہے جس میں مقدس روابط (یعنی اس کے اور اس آغوش کے درمیان کا رابطہ جس میں وہ پروان چڑھ رہا ہے، اس کے اور اس کے سماج و معاشرے کا رابطہ جس میں وہ زندگی گزارتا ہے) سے وہ آراستہ ہوتا ہے۔

ہر انسان کی زندگی کی یہ یادیں اس کے دل و دماغ میں اس طرح ذہن نشین رہتی ہیں کہ فراموشی اور بھول کا اس میں گزر نہیں ہوتا۔

ناگہاں جد بزرگوار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادیں آنے لگیں کہ وہ آپ کو اپنے داہنے اور آپ کے بھائی امام حسین علیہ السلام کو اپنے بائیں شانے پر بٹھاتے ہیں۔ اسی اثناء میں آپ لوگوں سے ابوبکر کا سامنا ہوا اور وہ ان دونوں سے کہہ رہے ہیں: اے بچو! تمہارے لئے کتنی اچھی سواری ہے! تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کتنے اچھے سوار ہیں۔ اس دنیا میں یہ دونوں بچے میرے دل کا سکون ہیں۔(۳)

---

(۱)۔ اے ننھی سی جاں اے ننھے پیروں والے اوپر آؤ، اے میری جان اے آنکھوں کے ٹکڑے۔

(۲)۔ زمخشری، ابن البیع، طبرانی، ینابیع المودة، الاصابة ج ۲، ص ۱۲. اور اس کے علاوہ دوسری جلدیں۔

(۳)۔ کتاب سلیم بن قیس، المحاسن والمساوی ص ۴۹، بیہقی ہی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو حمیری نے شعر میں نظم کیا ہے کہ: پیغمبر حسن و حسین کے پاس آئے کہ وہ اس دن کھیل کود میں مشغول تھے آپ نے ان دونوں کو آغوش میں لیا اور فرمایا: تم دونوں پر میری جان قربان ہو جائے اور وہ دونوں ان کے نزدیک ایسی اہمیت کے حامل تھے وہ دونوں اس عالم میں جا رہے تھے کہ آپ کے دوش اطہر پر ان کے قدم تھے کتنے اچھے سوار اور کتنی اچھی سواری ہے۔

پھر وہ مناظر یاد آنے لگے کہ جب آپ کے جد بزرگوار زانوں کی حد تک جھکے اور آپ کو اپنی پشت مبارک کے داہنے حصہ پر اور آپ کے ہمراہ آپ کے بھائی حسینؑ کو اپنی پشت کے بائیں حصہ پر بٹھایا اس وقت ان دونوں سے فرمایا: تمہارا اونٹ کتنا اچھا اونٹ ہے اور تم دونوں کی جوڑی کتنی اچھی ہے۔(۱)

پھر وہ گھڑی یاد آنے لگی کہ جب آپ کے جد بزرگوار سجدے کے عالم میں تھے۔ آپ اسی عالم میں آئے آنحضرت نماز میں مشغول تھے اور ان کے مبارک شانوں پر بیٹھ گئے۔(۲) پھر بھلا وہ وقت کیسے بھلایا جا سکتا تھا کہ جب آپ کے پیارے نانا رکوع کے عالم میں تھے تو آپ ان کے دونوں پیروں کے درمیان سے نکل کر دوسری طرف چلے گئے تھے۔(۳) وہ دن بھی یاد آیا جب ان کے جد بزرگوار سے پوچھا گیا کہ اے رسول خدا! آپ اس فرزند (یعنی امام حسنؑ) سے ایسی (محبت آمیز) رفتار سے پیش آتے ہیں کہ کسی اور سے اس طرح پیش نہیں آتے تو آپ کے جد بزرگوار نے فرمایا: یہ بچہ میرے سکون قلب کا ذریعہ ہے۔ میرا یہ چھوٹا سا بچہ ایسا سید و سردار ہے کہ خدا اس کے ہاتھوں مسلمانوں کے دو گروہ کے درمیان صلح قرار کردے گا۔(۴)

پھر کیا تھا وہ وقت بھی یاد آ گیا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے تو آپ ان کے پاس چلے گئے اور ان کے سینہ اقدس سے لگ گئے اور اس حد تک ان کے سینہ پر چلے گئے کہ آپ کے پازیب کی چمک آپ کے نانا کے سینہ اقدس پر صاف دکھائی دے رہی تھی۔(۵)

اور آپ اسی طرح سینہ مبارک سے لگے رہے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ کو تمام کر دیا۔

اس واقعہ کے یاد آتے ہی یہ واقعہ بھی نظروں کے سامنے گھومنے لگا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شتاباں منبر سے نیچے اتر آئے اور آپ کو جلدی سے اٹھا کر اپنی آغوش میں لے لیا کیونکہ آپ مسجد کے دروازے پر گر پڑے تھے پھر آپ کو لے کر منبر پر آئے اور پھر فرمایا:

---

(۱)۔ الابانة مؤلف : ابن بطة

(۲)۔حلیة الاولیاء. تالیف : ابو نعیم

(۳)۔ الاصابة، ج ۲، ص ۱۱.

(۴)۔حلیة الاولیاء.

(۵)۔ بحار الانوار، ج۶، ص۵۸. (اس زمانے میں رواج تھا کہ لڑکے کے پیر میں بھی پازیب ہوتا تھا۔)

اے لوگو! بچہ محنت اور آزمایش ہوتا ہے۔(۱)

یہ بات بھی یاد آنے لگی کہ بارہا آپ کے جد بزرگوار نے آپ سے فرمایا: ''اشبهت خَلقی و خُلقی'' تم میری خو اور خلقت سے مشابہت رکھتے ہو۔(۲)

اسی وقت یہ واقعہ بھی یاد آ گیا کہ جب آپ ایک دن نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ مادر گرامی اور نانا جان آپس میں باتیں کر رہے ہیں آپ نے اپنا رخ نانا کی طرف کیا اور کہا: نانا جان مجھ کو پانی دیجئے۔ نانا نے آپ کو وہاں سے اٹھایا اور پھر ہاتھوں سے ایک ناقہ سے دودھ دوہ کر جس میں کافی مقدار میں دودھ موجود تھا نکالا پھر چمڑے یا لکڑی کے کسی برتن میں اس دودھ کو ڈالا جس پر کف آ گیا تھا پھر اسے لے کر آئے تا کہ آپ کو دیں اسی اثنا میں ناگہاں حسین علیہ السلام بیدار ہو گئے اور کہا: نانا جان مجھ کو پانی دیجئے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: میرے بچے! تمہارے بھائی تم سے بڑے ہیں اور انہوں نے تم سے پہلے مجھ سے پانی طلب کیا ہے۔(۳)

پھر وہ دن بھی یاد آ گیا کہ جب آپ اپنی مادر گرامی فاطمہ علیہا السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی وقت ان کے والد ماجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد ہو گئے تو دیکھا کہ آپ کھیلنے میں مشغول ہیں تو فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا: خداوند متعال مستقبل میں اس بچے کے ہاتھوں مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح و اصلاح قائم فرمائے گا۔(۴)

بچپنے میں اپنی روحانی عظمت کے اس موقع کو بھی یاد کیا جب ابوبکر کے پاس گئے جبکہ وہ منبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر براجمان تھے) فرمایا: میرے بابا کی جگہ پر سے نیچے اترو۔(۵)

وہ بھی وقت یاد آیا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو فراز منبر پر لے گئے کبھی اصحاب کی طرف رخ کرتے اور کبھی آپ کی طرف اور فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ بچہ سید و سردار ہے اور اس بات کی امید ہے کہ خدا اس

---

(۱)۔ مناقب، کتاب ترمذی، انساب سمعانی اور فضائل احمد،

(۲)۔ احیاء العلوم میں غزالی اور قوۃ القلوب میں مکی.

(۳)۔ کتاب سلیم بن قیس ص ۹۸.

(۴)۔ عقد الفرید ج ۱ ص ۱۹۴، بیہقی ج ۱ ص ۴۰، بخاری، خطیب سمعانی، حرکوشی جنابذی اور حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم، ینابیع المودۃ اور مروج الذہب اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں.

(۵)۔ الصواعق المحرقہ ص ۱۰۵، دار قطنی.

کے ہاتھوں مسلمانوں کے دوگروہ کے درمیان صلح قائم کرے گا۔(۱)

یہ تمام مناظران کے احساسات کو متاثر کررہے تھے اور وہ لذت بخش تاریخی یادیں جو اس وحشت زدہ ماحول کی جاگزین ہوسکتی تھیں اور اس بلاء کی بزرگی وسختی کو کم کرسکتی تھیں سب کی سب ان کے دماغ پر چھارہی تھیں۔ ہر یاد ایک دوسری یاد کو تازہ کررہی تھی اور ہر منظر جوان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا تھا اس کے پیچھے ایک دوسرے مناظر آنکھوں کے سامنے آرہے تھے۔

آپ اپنے جد بزرگوار کی باتوں پر اتنا ہی اعتماد واطمینان رکھتے تھے جتنا قرآن مجید کی آیتوں پر یقین تھا اور آپ کے جد بزرگوار آپ سے ہم کلام تھے گویا ان کی یہ جذاب اور دل کو چھو لینے والی آواز تھی جو حسن علیہ السلام کے کانوں میں منتقل ہورہی تھی اور آپؑ یا تو ان کی مادر گرامی (طاہرہ، بتول) یا فراز منبر پر یا اصحاب کے درمیان بار دیگر ان جملوں کا تکرار فرمارہے ہیں: میرا یہ بچہ سید وسردار ہے اور خدا، مسلمانوں کے دوگروہوں کے درمیان اس کے ذریعہ صلح برقرار کردے گا۔

امام حسن علیہ السلام پھر اپنے ماحول کی طرف پلٹتے ہیں اور اپنے آپ سے اس طرح مخاطب ہوکر فرماتے ہیں: سچ مچ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ آج اہل شام سے صلح کرلوں؟ شام کے سرکش اور باغی لوگ مسلمانوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حدیث سے مراد یہی ہوں؟

وہ فتنہ کہ جس کیلئے رسول خدا نے چاہا تھا کہ میں اس کی اصلاح کردوں کیا یہی وہ فتنہ ہے جو آج درپیش ہے؟ کیا میں اس فتنہ کو قلع قمع اور درہم برہم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا؟۔

یہ افکار حسن علیہ السلام کے دل ودماغ میں وارد ہورہے تھے اور آپ کی روح میں ہلچل مچارہے تھے جو تغیر وتبدل کا مبدء قرار پاسکتے تھے اور تاریخ کی تقدیر میں اثر انداز ہوسکتے تھے۔ اور آخری فیصلہ کرسکتے تھے۔

یہ یادیں جوان کے جد بزرگوار کی راہنمائیوں کا جز تھیں (اور امام حسن علیہ السلام اس سے یہ نتیجہ حاصل کررہے تھے کہ آپ کے جد بزرگوار نے ایسے بحرانی لمحات میں بھی اپنی حمایت کو آپ سے دریغ نہ فرمایا) آپ کو اس فکر میں ڈال رہی تھیں کہ اگر ان حالات کی مناسبت سے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں تو درپیش حالات کو اس

---

(۱)۔بخاری ومسلم اور الاصابہ ج ۲، ص ۱۲ کے دونوں۔

بحران سے نجات دلائیں گے۔

ہاں بغیر شک وتردید یہ کلمات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے ارشاد فرمائے ہیں اور اس فتنہ سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا جو مسلمانوں کے درمیان شگاف اور فاصلہ ایجاد کردے جو انہیں کمین گاہ میں بیٹھے دشمن کی جستجو اور اس کے بنائے ہوئے پلان سے غافل کردے۔(۱) اور جو ذمہ داریاں شہری آبادی حکومت کے اداری نظم وضبط اور بیرونی دشمن سے مقابلہ کرنے سے روکتا ہے۔

رہا سوال یہ کہ وہ باغی اور سرکش افراد مسلمان ہیں تو اس کا جواب امیر المومنین کے اس کردار سے حاصل ہوتا ہے جو ان لوگوں کے سلسلے میں آپ نے پیش کیا تھا کیونکہ حضرت امیر نے انہیں لوگوں کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بنانے سے اپنے لشکر والوں کو منع کیا تھا اور امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت بہترین نمونہ اور شائستہ ترین رہبری اور ہدایت ہے۔

اب رہا اس سوال کا جواب کہ اس فتنہ کو ہمیشہ کیلئے خاک میں ملا دینے اور سلا دینے کیلئے کیا ضروری طاقت موجود نہ تھی؟ (یعنی اس لذت بخش خواب کا تحقق اور اس کی تعبیر جس کا کوفہ کے شعلہ ور شیعہ آغاز جہاد ہی سے نعرہ لگا رہے تھے) تو اس کا جواب اسی وقت ممکن ہے جب سپاہیوں کی تعداد کے لحاظ سے امام حسنؑ کی موقعیت اور ان سپاہیوں کی معنوی طاقت کی تحقیق کی جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب موجودہ وسائل، حقیقت کے آئینہ میں دیکھے جائیں۔

سپاہیوں کی معنوی اور روحی طاقت اس کیلئے بنیادی راز ورمز ہے جو حوادث کے گرداب میں فتح وظفر کیلئے بے حد ضروری اور لازمی ہے اور یہ طاقت سپاہیوں کی بڑھتی تعداد اور شمار سے کہیں زیادہ استعمال ہوتی ہے۔

''مسکن'' میں امام حسن علیہ السلام کی باقیماندہ اصلی فوج موجود تھی جو اس خائن سپہ سالار اور آٹھ ہزار سپاہیوں کے فرار کے بعد ایک معجزہ کی صورت میں ہی ان کے اندر معنوی طاقت وقوت ایجاد کرسکتی تھی۔

مدائن میں بھی سپاہی نما افراد زندگی گذار رہے تھے، عداوت آمیز بغاوت ان کے پلید مقاصد کی خبر دے رہی تھی ان کے ہاتھوں نہ تو فتنہ کی آگ کو بجھا دینے کی امید کی جاسکتی تھی نہ ہی بڑے کاموں پر اقدامات کیلئے گمان کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی اُن میں میدان جنگ کو سنبھالنے کی صلاحیت تھی۔

---

(۱)۔ ۴۰ ہجری میں شام کی سرحدوں پر بیزنس کے بادشاہ کی کارروائیوں کی طرف اشارہ ہے۔

یہ تو لشکر کی معنوی صلاحیت وطاقت وقدرت کی بات ہوئی اب تعداد کی بات کی جائے: لشکر امام حسن علیہ السلام میں سب سے بڑی جس تعداد کا ادعا کیا جاسکتا ہے وہ بیس (۲۰) ہزار یا اس سے کچھ کم وبیش افراد کی تعداد ہے جبکہ لشکر معاویہ کی تعداد جو عراق کے سرحدی علاقوں میں تعینات تھی ساٹھ (۶۰) ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اس بنیاد پر شروع ہی سے امام حسن علیہ السلام کے پاس معاویہ کے مقابلہ ایک ثلث (۱/۳) سپاہی موجود تھے۔ جب مسکن کی چھاؤنی میں اس فرار کا ماجرا پیش آیا اور وہ بیگانہ صفت چچازاد بھائی آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ معاویہ کی طرف بھاگ نکلا تو دو لشکروں کے درمیان عدد کے لحاظ سے فرق میں اور اضافہ ہوگیا۔

یعنی معاویہ کے لشکر کے مقابلہ میں امام حسن علیہ السلام کے دونوں لشکر کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد ایک پانچ (۱/۵) باقی بچی تھی۔

اور ہم اگر جنگ کے جدید فارمولے (جس میں معنوی طاقت کیلئے سپاہیوں کی تعداد کے اعتبار سے تین برابر کی بات ہوتی ہے) کو قبول کر لیتے ہیں تو پھر بہت ہی افسوسناک نتیجہ تک پہنچیں گے کیونکہ اس وقت معاویہ کے لشکر کے مقابلہ میں امام حسن علیہ السلام کے لشکر کی نسبت (۱/۱۵) ہوگی۔

اس محاسبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم صرف ''مسکن'' کے باقیماندہ لشکر کو ملاحظہ کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لشکر ایسے لشکر سے نبرد آزما ہو جو مذکورہ حساب کے مطابق ان کے ۴۵ برابر تھی۔

ایسی صورت میں وہ لازم وضروری قوت وطاقت کہاں موجود تھی جو شام کے فتنہ کو درہم برہم کر سکے؟

تاریخی معمول کے پیش نظر کوئی جنگی تنظیم اور نظام اس بات کو جائز نہیں سمجھتا ہے کہ ایک آدمی ۴۵ آدمیوں یا ۱۵ لوگوں سے جنگ کرے۔ ایسی صورتحال اگر اتفاقی طور پر پیش بھی آجائے تو ایسی جنگ کے اچھے نتیجے کی اُمید نہیں کی جاسکتی بلکہ یہ حملے صرف جانبازی کیلئے ہوں گے جس میں بیشتر جان گنوا دینے کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

ایسی صورت میں اس بات پر غور کیجئے کہ امام حسن علیہ السلام فرزند رسول خدا وہی مخلوق الٰہی ہیں جو صلح کیلئے ذخیرہ کی گئی ہے نہ کہ جنگ کیلئے، مسالمت کیلئے پیدا کی گئی ہے نہ کہ مخاصمت کیلئے اس بات پر غور کیجئے کہ یہ وہی پودا ہے جس کی جڑوں کو خدا نے زمین پر مسلمانوں کیلئے مضبوط کیا ہے نہ کہ خود اس کیلئے، اس کو دین کی خاطر تربیت دی ہے نہ کہ سلطنت کیلئے۔ اور اس بات پر بھی غور کیجئے کہ اس ماجرے میں ان کا حصہ ابدی ہے نہ کہ جلدی گزر

جانے والا اس کی لذت دائمی ہے نہ کہ جلد ختم ہو جانے والی، جو خدا کے لطف و کرم سے ہے نہ لوگوں کے ہاتھوں سے۔

انہیں اسباب کی بنیاد پر امام حسن علیہ السلام کی رسالت اور ذمہ داری صلح میں تبدیل ہوگئی اور دو گروہوں کے درمیان ذرہ برابر بھی مار پیٹ اور لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئی اور یہ مطلب تاریخی اعتبار سے ایک مسلم اور ثابت موضوع ہے۔ اگر چہ بعض مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لشکر قیس (پہلے مرحلہ والا لشکر) اور شام کی سپاہ کے درمیان ''مسکن'' میں جنگ ہوئی ہے اور سید علی خان نے الدرجات الرفیعہ'' نامی کتاب میں اس پنداری واقعہ کے سلسلے میں کچھ باتیں لکھی ہیں۔

لیکن اس خبر کے مدرک کے سلسلے میں کوئی ایسی چیز جو اس سید عالی مقام (سید علی خان متوفی ۱۱۲۰ ہجری) کے زمانے سے پہلے موجود ہو ہمیں اس کا سراغ نہیں ملتا، اور اس زمانے کے ''مسکن'' کی تحقیق کرتے ہوئے ہمیں کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دیتی جو اس نظریہ کی تائید کرتی ہو اس کے علاوہ حفظ خون کی روش جو امام حسن علیہ السلام کی سیاست کی روشن علامت ہے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سیاست کے دیگر مراحل میں ہمیں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو ہمارے لئے اس خبر کو قبول کرنے میں معاون بن سکے۔

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے جس میں آپ نے فرمایا کہ ''خدا حسن علیہ السلام کے ہاتھوں دو مسلمان گروہوں کے درمیان صلح و اصلاح قائم کرے گا'' سے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے کہ حسنؑ اسلام میں پیغمبر صلح ہیں۔

ایسی صورت میں کیا دلیل ہے کہ ان کا لشکر جنگ اور حملہ کی طرف ہاتھ بڑھائے۔

وقت شہادت امام حسن علیہ السلام کی وصیت سے بھی ہم نے اندازہ لگالیا کہ وہ راضی نہ تھے کہ ان کی وجہ سے یا ان کیلئے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے؟ پس اس مورد میں بھی اسی ذمہ داری کے پیش نظر جسے انہوں نے خود انتخاب کیا تھا (یا ان کیلئے انتخاب کیا گیا تھا) اسی پر وہ گامزن تھے

اس سے ہٹ کر اس واقعہ کے بہت سارے گواہ ہیں کہ خلافت کو ہاتھوں میں لے لیا لیکن آپ کی خلافت کے زمانے میں ایک قطرہ خون بھی نہ بہایا گیا اور اس نص کے بعض راوی تو اپنے سخن کو دو قسموں کے ذریعہ بیان کرتے ہیں۔(۱)

---

(۱)۔ الاصابۃ، ج ۲، ص ۱۲، تاریخ ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۳۸ اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

● گیارہویں فصل :

عقیدہ یا حکومت؟

اس فصل میں جو موضوع ہمارے درمیان مورد بحث ہے اس کو واضح کرنے کیلئے شاید بہترین روش یہ ہو کہ ابتداء میں ہم خلافت کے ان دو مختلف معانی کی تھوڑی سی وضاحت کریں جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا سبب ہے۔ البتہ خلافت کے مسئلہ پر گفتگو کرنا (حتیٰ ان مسائل پر بھی گفتگو کرنا جو اس سے مربوط ہیں) (عام طور سے دو طرف میں سے کسی ایک کیلئے اور کبھی کبھی تو دونوں طرف کیلئے) بڑا خطرناک اور ذمہ داری کا کام ہے۔

ہم فہرست وار اور تسلسل کے ساتھ خلافت کے معنی کو دونوں نقطہ نگاہ کے اعتبار سے پیش کرنا چاہتے ہیں، اس بات کا ارادہ نہیں رکھتے کہ اپنے موضوع سے مربوط مطالب کے علاوہ کچھ اور اضافی باتیں بیان کریں۔

اس کے علاوہ ضمنی طور پر اس بحث کی خاص شکل وصورت کی روشنی میں ہم اس بات کی بھی کوشش کریں گے کہ ان دو مختلف نظریات کے درمیان ایک تقریب ایجاد کرسکیں جو ممکن ہے کہ صلح وآشتی کے پودے کو ہرے بھرے درخت میں تبدیل کردے البتہ اس سرزمین پر اس پودے کے اگنے اور پھلدار ہونے کا اگر کوئی راستہ موجود ہو۔

ہمارا جو مقصود ہے وہ دونوں گروہ یا دو میں سے کسی ایک گروہ کیلئے خطرہ اور ذمہ داری کا سبب قرار نہیں پائے گا کیونکہ اس میں خیر اور اچھائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اور اس اصلاح سے سب برابر کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اب گفتگو کا آغاز اس طرح کرتے ہیں: خلافت: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کی ریاست اور رہبری کے سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام نیابت کا نام خلافت ہے (ریاسة عامة فی امور الدین و الدنیا نیابة عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس مقام اور مرتبہ کے بالمقابل قوم وملت کی ذمہ داری مطلق اطاعت اور قوم وملت کے بالمقابل اس مقام ومرتبہ کی ذمہ داری کتاب خدا اور سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنا ہے۔

مسلمانوں کے دوسرے گروہ کو اس بات کی عادت ہوچکی ہے کہ اس مقام کو حاصل کرنے کے سلسلے میں

ہر اس شخص کو قبول کر لیتا ہے جو اپنے لئے اس مقام کا ادعا اور اظہار کر دے۔ یا زبردستی اور تلوار کے زور پر جس طرح معاویہ کی خلافت میں ہوا کہ کہا گیا (خلافت کو تلوار اور سیاست اور مکر کے ذریعہ حاصل کی ہے) (۱) اسی طرح ابن زبیر، ابو العباس، سفاح، عبدالرحمن ناصر اور کچھ دوسرے لوگوں کی خلافتیں ہیں۔

یا پھر خلافت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی خلیفہ کی ولی عہدی کو قبول کیا جائے کہ خود اس خلیفہ نے طاقت یا کسی دوسری چیز کے ذریعہ اس خلافت کو حاصل کیا ہو جیسے عمر، ہارون الرشید اور اسی قسم کے دوسرے لوگوں کی خلافت۔

یا پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کے انتخاب کا نتیجہ ہو کہ یہ انتخاب بالکل ابتدائی ہو یعنی کسی سابقہ کی بنیاد پر نہ ہو پہلی بار انجام پذیر ہو رہا ہو جیسے ابوبکر، عثمان اور محمد رشاد کی خلافتیں مسلمانوں کا دوسرا فریق اور گروہ نائب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعیین میں صاحب رسالت کی صریح اور واضح گفتار کی طرف رجوع کرتا ہے اور صرف اس شخص کی نیابت و خلافت کو قبول کرتا ہے جسے بنفس نفیس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نیابت و خلافت کیلئے منتخب کیا ہو۔

اسی بنا پر تاریخ کی رہ گزر پر دو گروہ گامزن ہوئے اور اس طرح دو فرقے جو ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں وجود میں آئے۔ (۲)

پھر جس طرح خلیفہ کے نصب میں دونوں گروہوں کے درمیان اختلاف ہے اسی طرح اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے کہ خلیفہ قابل تغییر اور عزل ہے یا نہیں۔ پہلے گروہ کے نظریہ کے مطابق جب بھی کوئی دوسرا شخص موجودہ خلیفہ پر غالب آنے کی صلاحیت پیدا کر لے یا جب بھی ایک شخص کی تغییر خلافت کے مراحل فراہم ہو جائیں تو ایسا خلیفہ معزول ہونے کے قابل ہے۔ لیکن دوسرے نظریہ کے مطابق کسی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معین کردہ خلیفہ کو معزول کر دے۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصوص خلیفہ کبھی بھی ایسے نقص کے مرحلہ میں آ ہی نہیں سکتا اس لئے کہ وہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی نیابت کے درجہ پر فائز

---

(۱)۔ تاریخ الاسلام السیاسی، ج۱، ص۳۹۶.

(۲)۔ پہلے گروہ سے مراد اہل سنت اور دوسرے گروہ و فریق شیعہ ہیں معتزلہ کی اکثر و بیشتر تعداد اس مسئلہ میں شیعہ کے ساتھ ہے وہ کہتے ہیں: امامت نص اور تعیین کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے، ملاحظہ ہو کتاب آراء المعتزلہ السیاسیۃ، ص۱۵، مجلہ الالواح، شمارہ ۱ سال اول.

ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بھی پیغمبر اکرم ﷺ ہی کی طرح عصمت کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔

اب تک کی بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے گروہ کی خلافت ایک عام قدرت وسلطنت ہے جس کی شکل وصورت اور اس کے قوانین ومقررات اسی سے مخصوص ہیں۔ حقیقت کے اعتبار سے اس قسم کی خلافت آج کل کی دنیاوی حکومتوں کی طرح ہے صرف شکل وصورت اور قوانین کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ ہے اسی طرح جس طرح موجودہ حکومتیں قوانین ومقررات کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔

اس قسم کی خلافت کا تقدس اس شخص کی صلاحیت اور قابلیت پر موقوف ہے جس نے جس طریقہ سے اس خلافت کو حاصل کیا ہے ممکن ہے کہ جو اس مقام پر موجود ہے وہ پاک ترین اور مقدس ترین ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دین واخلاق سے بیگانہ اور دور ہونے میں اس سے زیادہ کوئی اس سے آگے نہ ہو۔

لیکن دوسرے معنی پر مشتمل خلافت وہ آسمانی اور الٰہی منصب ہے جس کی اطاعت (پیغمبر اکرم ﷺ ہی کی اطاعت کی طرح) بحکم دین واجب ہے۔ اس معنی کے مطابق خلافت نبوت کا ایک سایہ ہے اور اس اعتبار سے خدا اور ماوراء الطبیعہ سے متصل اور مرتبط ہے۔ اور یہ ارتباط واتصال نبی کے ذریعہ اور اس کی وساطت سے ہے اور نبی اس وساطت کا مصدر اور اس کی معنویت کا سرچشمہ ہے جس طرح اس کی تعیین کا مرکز بھی نبی ہے۔

اس مقام ومرتبہ کا تقدس اس طبیعت اور ذات کا تقاضا ہے جس طرح مقام نبوت کی قداست کا تقاضا ذاتی وطبیعی ہے، منصوص خلفاء کو عام طور پر کائنات کی پاکیزہ ترین اور بافضیلت ترین شخصیتوں میں ہونا چاہیے۔

قدیم زمانے ہی سے خلافت کا موضوع مسلمانوں کے درمیان شدید اختلاف اور افتراق کا سبب اور تاریخ اسلام میں افسوسناک حوادث کا مرکز رہا ہے۔ ان زمانوں میں ان دونوں فریقوں کو نزدیک کرنا، انہیں اعتدال اور میانہ روی کیلئے آمادہ کرنا اور برادری واصلاح کے وظیفہ وذمہ داری کو ان کے کانوں تک پہنچانا (جس طرح آج آسان دکھائی دیتا ہے) ممکن اور آسان نہ تھا۔

یہ اتحاد اور اتفاق اور برادری، دین کی اصل اور اس کے جوہر کو سنبھالنے اور خود غرضی کو دور پھینکنے کا لازمہ ہے یہ وہی حقیقی اسلام ہے یعنی وہ اسلام جو سچے مسلمانوں کیلئے خدا کے ساتھ رابطہ کا ذریعہ ہو اور اسے تعصب کے فریب ودھوکہ اور انحرافی عوامل اور احساسات وجذبات سے محفوظ رکھے۔

دین یعنی انسان اور خدا کے درمیان رابطہ اور آخرت کی زندگی کیلئے ایک تکیہ گاہ (۱) اور دینی مسائل دنیاوی مسائل کی طرح نہیں ہوتے جس میں نفسانی خواہشات ہواوہوس، عادتوں اور تعصب کی پیروی ہو۔

دین کو درک کرنے اور اسے سمجھنے کیلئے دیندار شخص واقعیت کی شناخت اور اسے حاصل کرنے پر مجبور ہے۔ خلافت کے موضوع میں ابھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان واقعات کے درمیان چھوٹے سے چھوٹے دخل وتصرف اور حقیقت میں تحریف کئے بغیر مشترک باتوں کو پیش کریں۔

اب ہم مورد اتفاق دونوں حقیقتوں پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

پہلی واقعیت: پہلے معنی والی خلافت: یعنی وہی سلطنت اور ہمہ گیر قدرت جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد رونما ہوئی یہ ایک واقع شدہ موضوع ہے (یعنی یہ ایک حقیقت ہے) جس کا شیعہ بھی اعتراف کرتے ہیں اور بہت سارے وہ آثار جو اس پر مترتب ہوئے اسے مدح وثناء کا سبب بھی سمجھتے ہیں۔

دوسری واقعیت: دوسرے معنی والی خلافت: یعنی امت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دین میں واسطہ یہ مطلب بھی صحیح روایتوں کے ذریعہ جس کی سند معتبر اور غیر قابل خدشہ ہے ایک مسلم امر اور واقع شدہ موضوع ہے اور سنی حضرات بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہ راہ حل جو اعتبار کی شائستگی رکھتا ہے اور اس کے ذریعہ دونوں گروہ کے درمیان جو گرہ پڑی ہے (بغیر اس

---

(۱)۔ یہ تعریف ماہیت دین کی تعریف ہونے سے زیادہ اثر، نتیجہ اور دین کی غرض وغایت کو بیان کرنے والی ہے۔

دین قرآن کی اصطلاح اور مذہبی پیشواؤں کی گفتار میں اس آئیڈیالوجی اور طرز فکر کا نام ہے جو انسان کی خلقت کے مقصد، اس کی ذمہ داری اور اس کے تکامل کی راہوں کو بیان کرتا ہے۔ نیز وہ اعمال جو اس آئیڈیالوجی کی بنیاد پر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انجام دیئے جاتے ہیں اور اس دنیا میں اس کے راستہ کو معین کرتے ہیں (اور اسی کے نتیجہ میں دوسری دنیا میں بھی راستہ معین ہو جاتا ہے) اس کا نام دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طول تاریخ میں تمام ادیان الٰہی نے اس بات پر کمر ہمت باندھی ہے کہ انسانی سماج کو اپنی رائے کے مطابق تشکیل دیں اور اس نظریہ کی تکمیل کیلئے ایسے پروگرام اور قوانین ومقررات بنائیں جو زمانے اور وقت سے مناسبت رکھتا ہو۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جو چیز بشری فطرت اور سرشت سے مناسب تھی اسے معاشرے کے سامنے پیش کیا اور اسے اجراء کرنے کیلئے تمام ضروری تدبیروں کو استعمال کیا۔ اس حقیقت سے بیشتر آشنائی کیلئے سید قطب کی لکھی ہوئی کتاب آئندہ در قلمرو اسلام، کی دوسری اور تیسری فصل کو ملاحظہ کیا جائے۔ (مترجم فارسی)

کے کہ اس میں کوئی بھی دھوکہ کھائے یا محروم رہ جائے) وہ کھولی جاسکتی ہے۔(۱)

اب چونکہ ہم ایک گروہ کے نظریہ کے مطابق بحث کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں یعنی منتخب ومنصوص خلفاء (وہ لوگ جن کی خلافت کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ نے تصریح فرمائی ہے) تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ

---

(۱)۔دوسرے معنی والی خلافت سے مؤلف کا مقصود "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اور مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجیٰ ومن تخلف عنھا غرق" جیسی روایتیں اور اس کے علاوہ اس قسم کی دوسری روایتوں کا مفاد پیش نظر ہے یہ وہ روایتیں ہیں جو شیعہ اور سنی دونوں کی معتبر اسناد سے ثابت ہیں اور دونوں فریقوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مؤلف محترم کے عقیدہ کی بنا پر ان احادیث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اہل بیت اطہارؑ بمعنائے عام دینی مسائل کی تعلیم کے سلسلہ میں بشریت کیلئے مرکز رجوع ہیں یا مؤلف کی عبارت کے مطابق نبی اور امت کے درمیان واسطہ ہیں.

اس قسم کی حدیثیں جو ان مفاد کے ساتھ ہوں اسلام میں کسی اور کیلئے وارد نہیں ہوئی ہیں۔

وہ موضوع جس کی طرف یہاں پر توجہ دلانا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ اس بیان سے اس مطلب کا ہرگز استنباط نہیں کرنا چاہیے کہ وہ منصب جس پر اہل بیت خدا کی طرف سے بواسطہ پیغمبر منصوب ہیں وہ منصب صرف تعلیم وارشاد، راہنمائی اور بشارت وعظ ونصیحت خلاصہ یہ کہ موعظہ ومسئلہ بیان کرنا ہے لیکن ملت کو ادارہ کرنے اور مسلم سماج کے امور کی تدبیر اور امت اسلامی کی کلی وعمومی سیاست کی تشکیل ان کی شان نہیں ہے بلکہ یہ دوسروں سے مربوط ہے۔ ان کو گھر بیٹھنا چاہیے اور صرف احکام بیان کرنا چاہیے حکومت اور امت کی باگ ڈور کسی اور کے حوالے کردینا چاہیے۔ یہ وہی باطل گمان وپندار ہے کہ مسلمانوں کے درمیان جس کی وسعت مقبولیت نے تمام ادوار تاریخ سے لے کر آج تک ظلم وجور کے خوگر حکام کیلئے عظیم کامیابی کو فراہم کیا ہے اور اسی کے ذریعہ ان لوگوں نے اس بات کی قدرت حاصل کرلی کہ اپنی غاصبانہ حکومت میں مزاحمت ایجاد کرنے والوں (یعنی شیعی ائمہ اور ان کے سچے پیروکار) کو مغلوب ومحکوم کردیں۔ بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ شیعی سماج (کم از کم دو تین صدیوں پہلے ہی سہی) مسلمانوں کے دوسرے گروہوں کی بہ نسبت اس غلط فکر کا سب سے زیادہ باز یچہ قرار پایا ہے۔ اور شیطنت آمیز بری تعلیم کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ بنیادی طور پر یہ دونوں ذمہ داریاں اسلام میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ دین اسلام میں حکومت اسی کے اختیار میں ہے جو لوگوں کی مشکلات کو حل کرنے اور شرعی قوانین کو بیان کرنے کا مرجع ومرکز ہو۔

اور یہ دونوں منصب (کم از کم ایک خاص دور میں تسلیم کرنا ہی ہوگا) خدا کی طرف سے بواسطہ پیغمبر اکرم ﷺ اہل بیت کی برگزیدہ شخصیتوں یعنی طیب وطاہر بارہ اماموں کو عطا کئے گئے ہیں۔ کلی طور پر اسلام میں حکومت ان لوگوں سے مخصوص ہے جو دین کی آئیڈیالوجی سے سب سے زیادہ باخبر ہوں اور اس کے مطالب پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہوں (انہی تفصیلات کی بناء پر جس کا بیان خود ایک بڑی کتاب کا طالب ہے) آج کی دنیا میں بھی ان ممالک میں جہاں حکومت ایک خاص مسلک ومرام اور مکتب کے ذریعہ تشکیل پائی ہے وہاں ہمیشہ حکومت کی سربراہی میں وہ شخص ہوتا ہے جو سب سے زیادہ اس مرام ومکتب سے آشنا ہو یا اپنی مانوس عبارت میں یہ کہا جائے کہ اس کا سربراہ وہ ہوتا ہے جو اس مکتب میں سب سے زیادہ فقیہ ہو اور ایسے شخص کی موجودگی میں سماج ومعاشرے کی حکومت اور رہبری اصلا کسی دوسرے تک پہنچ نہیں سکتی۔

تو اب اگر ہم یہ قبول کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے کچھ لوگوں کو احکام اور قوانین معارف اور دینی تعلیم کا مرجع ومرکز قرار دیا تھا اور دین میں سب سے زیادہ اس کو فقیہ اور دانا متعارف کرایا تھا تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہی افراد امت اسلامی کے حاکم، زمامدار، اور اسلامی سماج کے رئیس وسربراہ بھی ہیں۔ اور کوئی دوسرا عامل اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا جو کسی اور کی حکومت کیلئے معیار قرار پائے۔ (فارسی مترجم)

ہماری مورد بحث خلافت ایسی تھی کہ جس کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے بابا کی شہادت کے بعد اور اس وقت سے جب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو اسی وقت سے احسن عنوان سے خلافت کے دونوں معنی کے حامل تھے اور دونوں صورتوں میں خلیفہ تھے پہلی نوع کے اعتبار سے بھی خلیفہ تھے لیکن انتخاب کے حوالے سے اور دوسری نوع کے اعتبار سے بھی خلیفہ تھے یعنی نص کے ذریعہ امام و پیشوا تھے۔

گویا محترم قاری نے ابھی ہی سے تیسری فصل میں ان کیلئے منصب امامت کی تعیین کے مرحلہ میں نصوص کے نمونے اور لوگوں کی بیعت اور انتخاب کی کیفیت کے انداز کے کچھ گوشوں کو ملاحظہ کرلیا ہے۔

اس ہنگام میں جب امام حسن علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان ہونے والے مسلسل حوادث نے امام حسن علیہ السلام کو حکومت اور عقیدہ کے دوراہہ پر پہنچا دیا تھا۔ حکومت سے مراد یہی غلبہ اور اقتدار تھا کہ وہ لوگوں کے انتخاب کے ذریعہ اس پر فائز ہوئے تھے نہ کہ وہ منصب و مقام کہ جس کا مصدر و منشاء خدا کا انتخاب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعیین اور ان کا نصب تھا کیونکہ یہ منصب (جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں) تغیر و تبدیل کی رہ گزر میں واقع نہیں ہوسکتا ہے اور خدا کے امر و فرمان کے علاوہ کسی دوسری چیز کا تابع نہیں ہوسکتا اور خدا کا فرمان کبھی بھی تغیر و تبدل کے مرحلہ میں وارد نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح برے حوادث اور بلائیں امام حسن علیہ السلام کو اس لحاظ اور دریچہ سے اپنا نشانہ بنا رہی تھیں کہ وہ صاحب قدرت و لشکر حاکم ہیں، نہ کہ اس نقطہ نگاہ سے کہ حسن علیہ السلام ایسے امام ہیں جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معین فرمایا ہے۔

امام حسن علیہ السلام کی امامت تغیر و تبدیل کا بازیچہ اور ضرر و نقصان کی آماجگاہ قرار نہیں پاسکتی۔ آپ کی امامت قرآن کی طرح ہے اور قرآن کو (جو مسلمانوں کا عالی ترین مرکز رجوع ہے جس میں کسی بھی طرف سے باطل کے رسوخ کا راستہ نہیں) کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اگر لوگ اس کی مخالفت کریں یا اس کے حکم کی نافرمانی کریں اور اس سے دوری اختیار کرلیں؟ قرآن کی پیشوائی اور رہبری کا مرتبہ اسی طرح باقی رہے گا۔ اور اس کا کلام خدا ہونا اسی طرح سچا رہے گا چاہے لوگ اس سے راضی ہوں یا نہ ہوں۔ اس کی راہنمائی پر عمل کریں یا نہ کریں۔ اپنی لگام اس کے سپرد کریں یا نہ کریں۔

حسن بن علی علیہ السلام کی امامت بھی اسی طرح ہے۔

قرآن مجید اور حسن مجتبیٰ دونوں اسلام میں مرکز ثقل اور سنگین کے ایک ایک گوشہ ہیں اسی طرح جس طرح قانونی حکومتوں میں قانون اور سربراہ مملکت دونوں مرکز ثقل کے دو گوشہ ہوتے ہیں۔

اسلام میں مرکز ثقل سے ہماری مراد وہی چیز ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بلکہ متواتر حدیث میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و اھل بیتی لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض" میں تمہارے درمیان دو گران بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: کتاب خدا اور ہمارے اہل بیتؑ یہ دونوں آپس میں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے۔(۱)

حسن بن علی علیہ السلام اس دن عترت کی ایک بزرگ شخصیت اور امت کے پیشوا تھے اسی بنا پر آپ دائرہ کا وہ مرکز ہیں جسے صاحب رسالت نے قرآن کے ہمراہ (یعنی عالی ترین مرجع کے عنوان سے) مسلمانوں کے درمیان چھوڑا ہے۔

سچ مچ کیا امامت اس کے علاوہ اور کسی دوسری چیز کا نام ہے؟

امام حسن علیہ السلام کے بارے میں غور کیجئے۔ جب آپ ان کی حقیقت کے سلسلے میں گفتگو کریں گے تو دیکھیں گے کہ کس طرح تمام اطراف وجوانب سے کلمات خداوندی ان کے وجود کا احاطہ کر لیتے ہیں: قرآن، نبوت، امامت، دو گراں بہا اور سنگین وجود، جنت، اصلاح، خون کی حفاظت اور وفا بعہد جیسے کلمات کعبہ حُسن، حسنؑ کا طواف کرنے لگتے ہیں۔

اب آپ اپنے ذہن کو ان کے اس دشمن کی طرف موڑیے جو واجب الاطاعہ فرمان روائی اور حکومت پر

---

(۱)۔اس حدیث کو حاکم نے ج۳ ص۱۴۸ پر اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث شرائط کے لحاظ سے بخاری اور مسلم کی نظر میں (اہل سنت کے دو بزرگ محدث جن کی کتابیں اہل سنت کے نزدیک معتبر ترین کتابیں شمار کی جاتی ہیں) جو صحت حدیث میں معتبر ہیں اسی بنیاد پر صحیح ہیں.

ذھبی بھی کتاب تلخیص المستدرک میں اس حدیث کو نقل کرتے ہیں اور اس کی صحت کا اعتراف بھی شرائط کے اعتبار سے کرتے ہیں.

امام احمد حنبل نے اپنی مسند میں ص۱۷ اور ص۲۶ پر اس روایت کو نقل کیا ہے، ابن ابی شیبہ، ابو یعلی، ابن سعد کنز العمال ج۱ ص۱۴۷ اور اس کے علاوہ بہت سارے دوسرے لوگوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے.

ان سے آمادہ جنگ تھا۔ غور کیجئے کہ جب اس کے سلسلے میں گفتگو کی جاتی ہے تو کیسے کلمات اس کے وجود کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں: طمع ولالچ، حیلہ گری ودھوکہ بازی، فتنہ انگیزی، رشوت، عہد شکنی، مال ومنال، جنگ، غارت، دوسروں کے اموال کو تاراج کرنا اور اس جیسے دوسرے گھناونے کلمات اس کی خصوصیات ہیں۔

حقیقتاً یہ دنیا کی پستی وحقارت کا ایک نمونہ ہے وہ عظیم ذات ایسے شخص کے ساتھ میدان جنگ میں نبرد آزمائی کیلئے آئے۔

ہاں یہ حسن علیہ السلام ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور منصب امامت کے حامل، سلطنت اور دنیا کے مال ومنال کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے؟

ان کے جد بزرگوار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے مطابق یہ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اور یہ کلام ایسا ہے جسے اسلام کے تمام فرقوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے اور صحت وتواتر کے مرحلہ میں اور وہ کلام قرآن کے ہم پلہ ہے اور بلاغت وگہرائی میں عام انسان کے کلام سے بالاتر ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں:

کیا کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ سوال کرے کہ کیوں حسن علیہ السلام کو اس حدیث میں دنیا کے جوانوں کے سردار سے متصف نہیں کیا گیا؟ کیا وہ دنیا میں اپنی ان تمام لوگوں پر فضیلت اور برتری میں نمایاں حیثیت رکھنے کے بعد بھی جوانوں کے سردار نہ تھے؟

تو پھر کیا راز ہے کہ یہ حدیث ایک دنیا سے بطور کامل گذر کر دوسری دنیا کی طرف ناظر دکھائی دیتی ہے؟

آج کوئی اس سوال کی طرف متوجہ نہیں ہے کیونکہ جب تک ذہن امام حسن علیہ السلام (جو اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں اور جنت میں خدا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں) کی طرف ملتفت ہوتا ہے انہیں جنت کے سرداروں میں سے ایک سردار کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھتا ہے پس طبیعی طور پر انہیں جوانان جنت کا سردار ہونا چاہیے۔ اب اس دنیا کی سروری کی طرف منسوب ہونے کیلئے فکر ملتفت ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے صدور کو چودہ سو سال گزرنے اور مختلف مناسبتوں پر اس کے تذکرے کے بعد اس حدیث کو ایک بسیط اور واحد جملہ میں تبدیل کردیا ہے کہ اس کے ذریعہ حسن وحسین علیہما السلام کا نام اور آپ دونوں حضرات کا جنت کے جوانوں کا سردار

ہونا ذہن میں آتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور بات ذہن میں نہیں آتی۔

لیکن جس وقت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاغت آمیز زبان سے یہ حدیث بیان فرما رہے تھے تو آپ کیا فکر کرتے ہیں کہ اس کلام سے اس زمانے کے لوگ کیا سمجھ رہے تھے اور عرب کے اس بلیغ ترین سخنور کے مقصود کو کس طرح تصور کر رہے تھے؟۔

ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اپنے ان دو فرزندوں کو اس لقب سے نواز رہے تھے اشاروں میں سمجھا رہے تھے کہ اس دنیا کی مشکلات سے بھری سرزمین جس پر خیانت اور غداری کے علاوہ کچھ بھی نہیں اُگتا اور اس دنیا کے جوانوں کی طرح بے ثبات اور بے چین افراد جو نفاق اور عہد شکنی کے خوگر ہیں وہ اس بات کی شائستگی اور لیاقت نہیں رکھتے کہ وہ ان دو بزرگ شخصیتوں کی سیادت و سرداری کے سایہ میں پناہ گزین ہوں بنابرین وہ دونوں حضرات جوانوں کے سرور و سردار ہیں لیکن ان جوانوں کے جو ایسے برگزیدہ اور منتخب شدہ افراد ہیں جو خدا سے کئے ہوئے اپنے عہد و پیمان پر وفاشعاری کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور اس برگزیدہ سرزمین میں خدا نے وہاں کے رہنے والوں کے دلوں سے کینہ و کدورت نکال دیا ہے اور انہیں ایک دوسرے کا بھائی اور ایک دوسرے کا مہربان بنا دیا ہے۔

جوانان جنت کے دو سرداروں کا مطلب صرف اور صرف یہی ہے۔

اور واضح انداز میں یوں بیان کیا جائے کہ جب اس دنیا کے جوانوں نے ان دونوں حضرات کے حق سے انکار کر دیا اور ان کو اذیت و آزار پہنچانے پر کمر بستہ ہو گئے، ان کے خلاف طغیانی اور سرکشی کا مظاہرہ کیا، ان کی سیادت و سروری کو قبول نہیں کیا اور ان دونوں کا ساتھ دینے سے گریز کیا... کیا ان حق ناشناسیوں، ناشکری اور انکار نعمت سے ان کے حقوق ضائع ہو جائیں گے؟ نہیں! یہ سیادت و سروری اسی طرح باقی ہے ہاں اس دنیا میں نہ سہی لیکن اس دنیا میں جو اس سے بھی بالاتر اور ان لوگوں کے درمیان جو ان لوگوں سے بہتر ہیں سرداری و سروری باقی ہے۔

رہنے دیجئے! اچھا ہے یہ پست اور حقیر دنیا، ان کی برکت ان کے فضل اور ان کی رہبری سے محروم رہے چھوڑ دیجئے! اس دنیا کے خیانت کے خوگر اور غدار جوان تاریخ کے ننگ و عار، ندامت و رسوائی اور قیامت کے عذاب کو خود اپنے دوش پر سنبھالیں....

اگر اس معنی کو مدنظر رکھا جائے تو مذکورہ حدیث ایک نبوی پیشینگوئی ہوگی جو مستقبل کو زمانے کے پس پردہ

دیکھتی ہے اور اس ابہام آمیز سخن کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ان چیزوں کی طرف اشارہ کر دیا جسے یہ دونوں جوانان جنت کے سردار اس دنیا کے جوانوں کے ہاتھوں دیکھیں گے اور اس حدیث کے ذریعہ دونوں کی بہروری اور فائدہ مند حصہ کو جس میں کوئی نقصان اور ضرر نہیں ہے سب کو معین کر دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو ذات جنت کی سید و سردار اور اس کے جوانوں کی سرور و سالار ہے یقیناً وہ اس دنیا کے تمام انسانوں کی بھی سید و سردار ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات قصار (یعنی چھوٹے چھوٹے جملے) جو صحیح اسناد کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اس حد تک بلیغ ہیں کہ دنیائے روزگار کے فصیح و بلیغ سخنوروں کی عالی ترین بلاغت بھی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ یہ کلمات فصاحت میں عربیت کے اعتبار سے اور وسعت معنی و الفاظ کی زیبائی کے لحاظ سے نادر اور حیرت انگیز زبان اور لغت ہیں۔ بلاغت نبوی کا دلکش ترین وجوہ امتیاز یہ ہے کہ کم الفاظ میں بہت سارے معانی کا افادہ ہوتا ہے یہ مطلب کبھی صراحت اور کبھی اشارہ میں بیان ہوا ہے۔ آنحضرت کے کلمات کا سچی پیشینگوئی کا مجموعہ (جو معجزہ کے علاوہ کسی دوسری چیز پر حمل نہیں کیا جا سکتا) بھی یہیں سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس قسم کی بلاغت جس حدیث میں بھی ہوگی خود یہ بلاغت اس حدیث کی صحت کی دلالت ہے ہر چند اس کی صحت دوسری جہتوں سے قابل تردید ہو۔

ان ہی حدیثوں میں سے ایک وہ کلام ہے جو دونواسوں کی امامت کے تعیین کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوا ہے: ''انھما امامان ان قاما و ان قعدا'' ''یقیناً وہ دونوں امام ہیں چاہے بیٹھے رہیں یا قیام کریں''

ظاہری طور پر اس حدیث سے اسی حد تک سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں امام ہیں لیکن اس ظاہر کے پیچھے ایک سچی پیشینگوئی پوشیدہ ہے جو ان دونوں اماموں کی سیرت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اشارہ اور کنایہ کی زبان میں سمجھا دیا کہ ان میں سے ایک قیام کرے گا اور دوسرا (صلح کر کے) بیٹھ جائے گا یا یہ کہ ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ایک وقت قیام کریں گے اور ایک وقت خاموش رہیں گے۔ ان دونوں حالتوں میں یہ دونوں امام ہیں اور ان کی سیرت کی مخالفت جائز نہیں ہے۔

اسلام میں کوئی بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور آپ کے خلیفہ حسن بن علی علیہ السلام سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئیوں سے واقف نہیں تھا۔ وہ اس حدیث اور اس کے علاوہ دوسری بہت ساری حدیثوں میں اپنے جد بزرگوار کے مقصود کو سمجھ رہے تھے اور سب سے زیادہ اس بات کے سزاوار تھے کہ انہیں پیشینگوئیوں کے ذریعہ موت اور زندگی کی روش کا انتخاب فرمائیں۔

کیا آپ پیغمبر کے فرزند، ان کے خلق وخو کے وارث اور ان کی امت پر ان کے وصی نہیں تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر دعوت کی راہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم سے جو کچھ بھی دیکھا ہے اور جو مصیبتیں اٹھائی ہیں وہ انہیں دیکھیں گے اور وہی کلمات جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس زمانے میں کہا کرتے تھے آپ بھی آج اسے اپنی زبان پر جاری کریں گے: ''خدایا! میری قوم کی ہدایت فرما کیونکہ یہ ناسمجھ ہیں''

یہ شریف نسب اس بلند و بالا خصوصیت کا حامل تھا جو دنیا میں امام حسن علیہ السلام کو دوسرے مسلمانوں کے سامنے امتیاز عطا کر رہا تھا اور آپ کو مادی طاقت وثروت وقدرت سے بے نیاز بنا رہا تھا کیونکہ درحقیقت یہ خود ایک طاقت وثروت وقدرت تھا۔

کوئی بات نہیں رہنے دیجئے کہ معاویہ ان سے دشمنی کرے، عبیداللہ بن عباس ان سے خیانت کرے اور کوفہ ان کی ہمراہی اور مدد سے نافرمانی کرے اور انہیں تنہا چھوڑ دے۔ لیکن جو چیز انہیں کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑ سکتی وہ ان کا باکرامت نسب ان کی واجب الاطاعہ امامت وپیشوائی اور آخر کار ان کی وہ محبت ومودت ہے جسے خدا نے لوگوں پر واجب قرار دیا ہے۔

اس دنیا کی محدود سلطنت اقتدار، اس نامحدود معنوی حکومت کے مقابلہ میں کیا قدر وقیمت رکھتی ہے۔

شکست، ناکامی اور موت حتیٰ ایک دن کیلئے بھی ان معنویات کو تحت الشعاع اور محکومیت کے مرحلہ میں نہیں لا سکتے جو نامحدود افتخار، میدان تاریخ میں قابل تحسین اور مورد اعجاب اور مسلمانوں کے دلوں پر حاکم ہوں۔ اور تجاوزگروں کا تجاوز یا منکرین کا انکار کسی طرح بھی ان معنویات کی شگفتگی اور انہیں نتیجہ خیز ہونے سے نہیں روک سکتا۔ اور جیسے جیسے دن گزریں گے یہ افتخارات اور زیادہ بزرگ اور نمایاں ہو کر اس وسیع دنیا کی نگاہ میں رونما ہوں گے۔

یہاں تک تو ہم نے امام حسن علیہ السلام اور بشریت کے اس چشمہ فیاض (وہ چشمہ جو شر و فساد، سرگردانی قحط سالی کے وقت لوگوں کے سروں پر خیر و ہدایت اور برکتوں کی بارش کرتا تھا) کے درمیان مستحکم رابطہ کو دریافت کرلیا اور امام حسن علیہ السلام کو فرزند رسول خدا، جوانان جنت کے سرور و سردار اور ایسے امام کی صفتوں سے پہچانا جو ہدایت میں قرآن کے شریک ہیں۔

اب یہ مطلب باقی رہ گیا ہے کہ دقت و اہتمام کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کے ان کلمات کو بخوبی درک کریں اور سمجھیں جنہیں خالص صورتحال کو نمایاں کرنے (یعنی حکومت یا عقیدہ کے دوراہے پر) کیلئے آپ نے ارشاد فرمائے ہیں۔

سب سے پہلے تھوڑا بہت ان بہت ساری روایتوں کے بارے میں کچھ گفتگو کی جائے جو متفاوت الحال سندوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں پھر ان اشارات کی وضاحت کریں جو ان روایات کے درمیان موجود ہیں۔ اور اس موضوع میں آخری نظریہ کو انتخاب کرنے میں ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس موضوع کے بارے میں اس شخص سے جو تصریح صادر ہوتی ہے خاص اہمیت کی حامل ہے اسے استماع کریں۔

سلیمان بن صرد (وہ شخص جسے ابن قتیبہ عراق کے آقا اور سردار کے عنوان سے توصیف کرتے ہیں)(۱) کے عتاب آمیز سوال کے جواب میں آپ اس طرح جواب دیتے ہیں: اگر میں دنیاوی امور میں بہت زیادہ جدوجہد کرنے والا ہوتا اور اس تک پہنچنے کیلئے میں تلاش و کوشش و زحمت کرتا تو معاویہ ایسا وجود نہ تھا جو مجھ سے زیادہ طاقتور اور جنگی انسان ہو اور میں بھی اس وقت جو تم دیکھ رہے ہو ایک خاص رائے اور نظریہ کا مالک ہوتا۔ (۲)

یہی ایک نمونہ ہمیں ان تمام بہت سارے جوابوں کو بیان کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے جو آپ نے اپنے شیعوں کو دیا تھا۔

اب ذرا آپ حضرت کے ان جوابات پر غور کیجئے جو آپ نے اپنے دشمنوں کو دیئے ہیں چونکہ آپ کے بعض دشمن جانتے تھے کہ وہ آپ کی جانب سے امن و امان میں ہیں لہذا انہیں آپ کو اذیت پہنچانے میں مزہ ملتا تھا

---

(۱)۔ الامامة والسیاسه: تالیف: ابن قتیبه دینوری، ص۱۵۱.

(۲)۔ وہی مدرک.

جیسے عبداللہ بن زبیر جو واضح طور پر آل محمدؐ سے اپنی دشمنی کا اظہار کرتا تھا، ان جوابات میں سے ایک نمونہ وہ جواب بھی ہے جو آپ نے اسی عبداللہ کو دیا ہے۔

آپ نے اس سے فرمایا: تو یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے؟ وائے ہو تجھ پر! یہ کام کس طرح ممکن ہے جبکہ میں عرب کے شجاع ترین مرد مجاہد کا فرزند اور تمام کائنات کی خواتین کی سید و سردار فاطمہؑ کا لخت جگر ہوں! میری صلح نہ خوف و ہراس کی وجہ سے تھی نہ ضعف و کمزوری کی وجہ سے۔ لیکن ایسے لوگوں نے میری بیعت کی تھی جو تمہاری طرح بیگانہ دلی، دکھاوے والی محبت اور ناپائدار قدموں کے مالک تھے۔(۱)

ایک دوسرا مختصر کلام بھی ہے (لیکن بڑی اہمیت کا حامل ہے) جو اختصار اور اجمال کے باوجود اس ضمن میں شاید رساترین اور سب سے زیادہ مطلب کو واضح کرنے والا ہو اور یہ کلام وہ ہے جسے آپ نے اپنے بھائی اپنے جگر کے ٹکڑے اور اپنی خوشی و غم کے شریک حسینؑ بن علی علیہ السلام کے سوال کے جواب میں بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے آپ سے سوال کیا:

کیا سبب تھا جو آپ حکومت سے دست بردار ہو گئے؟

آپ نے جواب دیا: وہی چیز جس نے مجھ سے پہلے تمہارے والد ماجد کو اس بات پر برانگیختہ کیا تھا۔ (۲)

اس موقع پر مؤلف کا بیان یہ ہے کہ یہ چند نمونے ہمیں اس قسم کے دوسرے جوابات کو بیان کرنے سے (جن میں سے ہر ایک جواب اس بات پر گواہ ہے کہ یہ وہ دشوار ترین آزمایش تھی جس میں مقام امامت دوستوں اور دشمنوں دونوں کی طرف سے مورد امتحان واقع ہو رہا تھا لیکن آخر کار ان تمام امتحانات میں کامیاب ہو گیا) بے نیاز کر دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں امام کے بیانات کی تحقیق سے ہم ملاحظہ کر رہے ہیں کہ آنحضرت نے کلی طور پر اپنے تمام بیانوں میں مندرجہ ذیل چار عناصر پر روشنی ڈالی ہے۔

۱)۔ آپ کی کوئی بھی فعالیت دنیا کیلئے نہ تھی۔

۲)۔ اگر آپ دنیا کی تلاش میں ہوتے تو آپ دشمنوں سے زیادہ طاقتور ہوتے اور آپ کی زندگی کے

---

(۱)۔ المحاسن والمساوی، تالیف: بیہقی، ج۱، ص۶۰۔۶۵.

(۲)۔ بحار الانوار ج۱۰ ص۱۱۳.

طریقے جو ابھی ہیں وہ کچھ اور ہوتے۔

۳)۔ اپنی اس خاص صورتحال میں بھی آپ باطن کی چھوٹی سے چھوٹی کمزوری، سیاست کی ناتوانی اور خوف وڈر میں مبتلا نہ ہوئے بلکہ آپ کے پاس با اخلاص یار و مددگار کا فقدان تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر آپ کے پاس با اخلاص اور سچے یار و انصار ہوتے تو فتح وظفر کے وسائل آپ کیلئے بطور کامل فراہم تھے۔

۴)۔ آپ کا مقصد بھی صرف وہی تھا جو آپ سے پہلے آپ کے والد کا تھا۔ واضح ہے کہ آپ کے والد ماجد کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہ تھا کہ اسلام کی معنویات کو برباد ہونے اور اسلام کے صحیح ادراک کو نابودی سے بچالیا جائے۔

جیسا کہ آپ خود ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ ان چار عناصر سے امامت اور روحانی پیشوائی کی نشانیاں بطور واضح روشن ہیں اس طرح سے کہ نہ تو اسے کمزوری پر حمل کیا جاسکتا ہے نہ ہی میدان سے پیچھے ہٹنا اور نہ ذمہ داری سے فرار کرنا کہا جاسکتا ہے۔ واضح ہے کہ اس روش پر گامزن ہونے کا سبب خود اعتمادی اور استقلال ہے جو اس صفت کے حامل کو خدا کیلئے عمل انجام دینے کی دعوت دیتا ہے۔

ایسا نفس کبھی بھی دنیا کیلئے فعالیت انجام دینے کی خاطر قدم نہیں اٹھاتا کیونکہ دنیا سے اس کا کوئی رابطہ اور لگاؤ نہیں ہے۔

دوسری طرف امامت معنوی اعتبار سے نبوت کا سایہ ہے (کہ خود نبوت آسمان وزمین کے درمیان ایک کا رابطہ ہے) خدائی ارادہ سے نبوت جب بھی زمین پر رونما ہوئی اس کا استقرار اور استحکام با اخلاص یار و انصار کے بغیر ممکن نہ ہوسکا لہذا امامت کیلئے بھی غیر ممکن ہے کہ با اخلاص یار و انصار کے بغیر مستحکم ہوجائے۔ لیکن ایسے یار و انصار کہاں تھے، وہ سست مزاج افراد تھے جو محبت کے دکھاوے کے ساتھ بیگانہ دلی کے شکار تھے اور کامل اطاعت کی شرط کے ساتھ بیعت کرنے کے باوجود کہ جس میں اس کے علاوہ کوئی اور قید وشرط نہ تھی بڑی بے پرواہی کے ساتھ فرار کو قرار پر ترجیح دیدیا۔

جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزشتہ انبیاء کی طرح نبی کے علاوہ کچھ اور نہ تھے آپ کے فرزند حسنؑ بھی اس کے علاوہ کچھ اور نہ تھے کہ ایسے امام ہیں جن کے دل میں قوی ایمان اور اس کی زبان پر عالیشان نمونہ گفتگو اور یہ تھی وہ رسالت جو ان کے جد امجد اور ان کے مقدر میں تھی۔

وہی دشوار اور بحرانی صورتحال جو صلح حدیبیہ اور بنی اشجع کے واقعہ میں آپ کے جد بزرگوار کو درپیش تھی آپ کیلئے بھی وہی مقدر تھا اور وہی بے کسی اور بے یاور جو سقیفہ اور شوریٰ (۱) کے موقع پر آپ کے والد ماجد کو درپیش تھی وہی صورت آپ کو بھی درپیش تھی۔ ایسی صورت حال میں کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ آپ اپنے لائحہ عمل کو اپنے بابا اور نانا سے حاصل نہ کریں اور اپنے عمل کو ان کی سنت پر مرتب نہ فرمائیں؟ ان کیلئے کون سا نقص اور عیب ہوگا اگر وہ ان دو کے تیسرے ہو جائیں؟۔

دوسری شق کے ذیل میں ہم کہنا چاہتے ہیں کہ حسن بن علی علیہ السلام نے خود پر یہ فرض کرلیا تھا کہ اپنی ہاں اور ناں کو اپنی زندگی، اپنی تاریخ، اپنا سیاسی وجود، اپنی تمام طاقتیں اور تمام امکانات کو فکر و مقصد اور اپنے عقیدہ کا خدمت گذار اور انہیں بلند پرواز بنانے کے راستہ میں استعمال کریں۔ آپ نے اس دشوار اور پر خطر وادی میں عقیدہ اور حکومت کے دوراہے کو تمام اپنے آپ کو پارسا اور دنیا سے بے اعتنا امام اور خلیفہ کے چہرہ کو مجسم اور روشن کردیا کہ جس نے حکومت کی ذمہ داری کو صرف اس لئے قبول کیا تا کہ انسانی فضائل و خصائص کے آئیڈیل اور کمال مطلوب کو بشری اجتماع میں بروئے کار لا سکے۔

اسی بنا پر وہ تمام مثبت اور منفی اقدامات میں ایک مسلکی رہبر کے کامل نمونہ ہیں دنیا نے اپنے تمام دھوکہ باز ہتھکنڈوں جیسے حکومت، ثروت، نفوذ اور مختلف لذتوں کے ساتھ خود کو آپ کے اختیار میں دیدیا تھا اور اس اطاعت اور انقیاد اور خود کو آپ سے مخصوص کرنے اور رام ہونے کے صلہ میں وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ آپ اسے قبول کر کے اس کو منتخب کرلیں لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔

اگر آپ قبول کر لیتے تو دنیا کو ترجیح دیتے اور اس کیلئے، بڑی محنت اور جستجو کرتے، ایسی صورت میں یقیناً

---

(۱)۔ روز سقیفہ سے آشنائی کیلئے بے شمار بڑی بڑی کتابوں میں جو بحثیں اس موضوع سے مخصوص ہیں وہ کافی ہیں لیکن روز شوریٰ حضرت علی علیہ السلام کی کیفیت کو روشن کرنے کیلئے بہترین کلام وہ ہے جسے خود حضرت نے اس دن اصحاب شورائی کو خطاب کر کے فرمایا تھا:

''بیشک تم سب جانتے ہو کہ ہر ایک سے زیادہ اس (خلافت) کیلئے میں شائستہ ہوں خدا کی قسم جب تک میں دیکھوں گا کہ مسلمانوں کی حالت اچھی ہے اور کچھ خاص لوگوں کے علاوہ کسی اور پر ظلم نہیں ہو رہا ہے تو میں اس سے دست بردار رہوں گا تا کہ اس ایثار و قربانی کی جزا اور فضیلت میرے نصیب حال ہو اور اس منصب کے زیور اور اس کی زینت جس کی خاطر تم کشمکش اور نوک جھوک میں مبتلا ہو بڑی اچھی طرح دور رہوں گا۔ نہج البلاغہ، ج۱، ص۱۲۴.

آپ دوسروں سے زیادہ اس سے بہرہ مند ہوتے کیونکہ اس وقت تاریخ انسانیت کے برترین نسب اور ممالک علم کی تاریخ میں بڑی سے بڑی حکومت اکھٹی آپ کے اختیار میں ہوتی۔

لیکن جب آپ (بفرض محال) ایک دنیاوی اور مادی شخصیت کے اعتبار سے سامنے آتے تو لامحالہ اپنی وراثت اور تربیت کے قید و بند سے باہر نکلنا پڑتا اور روحانی افتخار کو فراموش کرنا ضروری ہوتا اور ایسا انسان بن کر سامنے آنا پڑتا جو حسن، فرزند علی و فاطمہ اور نواسہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی اور ہو، یعنی لالچیوں کو راضی کریں، اپنے لئے دست و باز و تیار کریں جو لوگ دو دل اور مردد ہوں انہیں رشوت دے کر محبت و احسان کا خوگر بنائیں۔ اس وسیلہ سے حکومت کا ٹیکس اور مالیات آسانی سے ان کی امیدوں اور لالچوں کا جواب دے سکتا تھا جس کی بنیاد پر اس معاشرے کے رہبر اور سود جو قبیلوں کی اولاد اس سے مسحور تھیں۔ ایسی صورت میں منافقین، مومنین و پاکیزہ اندام، خیانت کرنے والے امین اور مخلص افراد کی طرح اور دو دل افراد، سربراہ اور مطیع افراد میں تبدیل ہو جاتے اور تمام ملت نادانستہ طور پر جھوٹے اور غیر حقیقی کردار کی جلوہ نما ہوتی۔

ایسی صورت میں عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ابیہ اور ان جیسے دیگر اس مکتب و مرام کے افراد کو آپ ملاحظہ فرماتے کہ یہ لوگ کوفہ میں حسن بن علی علیہ السلام کے قصر کے اطراف میں اقامت گزیں ہوتے اور ان کے زیر سایہ پناہ میں رہتے جس طرح آج حجر بن عدی، قیس بن سعد، عدی بن حاتم اور ان جیسے دیگر بزرگ افراد آپ کی پناہ میں ہیں یا جس طرح وہ پہلا گروہ آج معاویہ کے محل کا طواف کر رہا ہے (خلاصہ یہ کہ تاریخ کے تمام بدسرشت افراد امام حسنؑ کے پاس جمع ہو جاتے جس طرح معاویہ کے اردگرد موجود تھے اور ہیں)

حسن بن علی علیہ السلام جیسے رہبر اور رہنما ان لوگوں کیلئے اس خاص اہمیت و امتیاز کے حامل ہوتے کہ آپ کردار کی ان برائیوں سے پاک و صاف ہوتے جو معاویہ اور اس سے پہلے اس کے بزرگوں کی زندگی میں بطور واضح قابل دید ہیں۔

ایسی صورت میں امام حسن علیہ السلام کا ماجرا ایسی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا کہ پھر کوئی ضرورت نہ ہوتی کہ اس چیز کے بارے میں کچھ لکھا جائے یا کوئی تحقیق کی جائے یا اپنا وقت اور اپنی زندگی کا ایک حصہ اس پر صرف کر دیا جائے۔

اس فرض کی بنیاد پر کوفہ کی یہی پست قوم جو امام حسن علیہ السلام کے ہم عصر ہے ایک ایسی باثبات، باوقار اور متحد قوم کی شکل میں ظاہر ہوتی کہ جس کا بیت المال ضمیروں کو خریدنے میں کام آتا ہے۔ جس کی حکومت و ولایت لالچ اور لوگوں کو اذیت پہنچانے کی خدمت انجام دے رہی ہے اور ان کی حکومت کی سیاست نفسانی ہوا وہوس، جزئی اغراض ومقاصد اور اپنے اطرافیوں کی دنیاوی لالچوں سے رواداری اور مل بیٹھ کر حل کرنے والی سیاست ہوتی۔

ایسی موجود حالت میں ممکن ہے کہ صرف وہی اقلیتی گروہ سر تسلیم خم نہ کرتا جو حضرت علی علیہ السلام کے آہنی اور فولادی شیعوں پر مشتمل تھا جنہوں نے امام حسن علیہ السلام اور ان کے بابا امام علی علیہ السلام ان میں سے ایک نے یکبارگی دنیا کو چھوڑ دیا اور دوسرے نے دنیا کو ۳ تین طلاق دے دیں) کی ہمراہی میں اخلاص اور پاکبازی کے ساتھ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہمیشہ حقائق کے لشکر کے ساتھ ہیں نہ کہ لالچوں اور ہوا وہوس کے پیچھے۔ اس گروہ کہ سلسلے میں یہ امید بھی کی جاسکتی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام حسن علیہ السلام کی نسبت کی خاطر (یہ غیر قابل جدائی صفت ان کے نزدیک شفیع مقبول الشفاعت بن سکتی تھی) ان لوگوں کے اعتراض وعصیان ومخالفت میں کمی آجاتی۔

اب کس طرح آپ فکر کریں گے کیا معاویہ ایسے حسن علیہ السلام کے سامنے ٹک سکتا تھا یا ان کے بالمقابل فتح وظفر حاصل کر سکتا تھا؟ ایسی حالت میں ان دونوں رقیبوں کے درمیان کس کی کامیابی کا زیادہ چانس تھا؟ حسن علیہ السلام یا معاویہ؟

اس وضاحت کی روشنی میں امام علیہ السلام کے کلام کے مفاہیم کو اب کچھ درک کر سکتے ہیں کہ ''اگر میں دنیا کی جستجو میں ہوتا اور اس کیلئے فعالیت اور کوشش کرتا تو معاویہ ایسا نہ تھا جو مجھ سے زیادہ طاقتور اور جنگ میں مجھ سے زیادہ دلاور ہوتا اور میں، جو ابھی تم دیکھ رہے ہو، اس کے علاوہ کسی اور نظریہ کا حامل ہوتا۔

ہاں! یقیناً امام حسن علیہ السلام اگر دنیا کی تلاش میں ہوتے تو اس کے علاوہ کچھ اور گمان نہیں کیا جاسکتا اور اس کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

لیکن معلوم ومسلم موضوع یہ ہے کہ حسن بن علی علیہما السلام (ان پر اور ان کے والد بزرگوار پر درود وسلام ہو) ایک دوسری قسم کے انسان تھے۔ آپ ایسے انسانوں میں سے تھے جو زمانہ کی صرف ایک خاص مدت میں اس زمانے کی دسترس میں قرار پاتے تھے۔ اور انسانیت، بلند نفسی اور انسانی نمونے ان کی کیفیت زندگی اور روش سے

الہام حاصل کرتی اوران کی رہنمائی سے اپنی سعادت کی راہ پر گامزن ہوتی ہے۔

آپ شرف سے ایک ایسے خاص معنی کو درک فرمارہے تھے جو عزت نفس اور دینی مصلحتوں سے مرکب تھا شرف کے اس معنی میں آپ کے نزدیک نہ حکومت، نہ مال اور نہ ہی اس دنیا کی لذت بخش فوائد کچھ بھی داخل نہ تھے۔

پلیدی اور نجاست سے آپ کی معصومیت (کہ قرآن جس کا گواہ ہے) اور آپ کا نمونہ کردار اور عظیم ترین وسعت قلبی جو آپ کے تمام وجود پر محیط تھی اس نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ آپ شرف کی اس معراج سے چند روزہ دنیاوی تمایلات کی پستی اور اس دنیا کی محدود چاہت اور تاریک عیش وعشرت کی مکدر فضا میں گر جائیں۔ اس کے علاوہ یہ کام خدا، آسمانی کتابوں، الٰہی پیغمبروں اور روز قیامت سے روگردانی کا سبب تھا۔ دنیاوی انسان کے پاس ان چیزوں سے چشم پوشی واجب ہے اور کبھی کبھی تو ان سے دشمنی ضروری ہے۔

ان انحرافی اور فساد آمیز طریقوں کی مدد سے کامیابی حاصل کرنا اس قسم کے اوج نشین اور بلند پرواز انسانوں کی زندگی میں سب سے بڑا نقصان اور گھاٹا ہے۔

ان طریقوں کو اپنانے کا لازمہ (حسن بن علی علیہ السلام کے سلسلے میں) یہ تھا کہ وہ بے نظیر باقدر و قیمت فطرت جو نبوی ہاتھوں سے آپ کے وجود میں بار آور ہوئی تھی، پستان وحی سے آپ نے جو غذا حاصل کی تھی اور محل نزول قرآن مجید میں جو نشو ونما پائی تھی وہ سب کی سب خاک میں مل کر برباد ہو جائیں۔

لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ یہ فطرت جو آپ کی ذاتیات کی طرح اور آپ کے وجود کا حصہ تھیں وہ اس طرح خاک میں مل جائے؟ کیا یہ ممکن تھا کہ وہ (کہ جو فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آغوش کے پروردہ اور ان کے مکتب کے شاگرد تھے) دنیا کی خاطر فعالیت پر اقدام کرتے یا امر دنیا میں جستجو اور کوشش کرتے؟

کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (میدان رسالت کے علاوہ) دنیا سے کوئی اور مطلب تھا؟۔

اس بنیاد پر امام حسن علیہ السلام کو کہ جنہوں نے آنحضرت کی محیط زندگی، عقیدہ اور تربیت سے الہام حاصل کیا تھا انہیں بھی میدان امامت میں اپنے جد کا حقیقی آئینہ دار ہونا چاہیے۔ یہ وہی تاسی اور بہترین پیروی ہے جسے کسی صورت میں بھی کمزور اور عاجز و ناتوا حالت سے مشتبہ یا خوف وہراس سے تہمت زدہ نہیں کیا جاسکتا یا اس قسم کے اور کوئی دوسرے اعتراضات وارد نہیں کیے جاسکتے۔

ہاں! امام حسن علیہ السلام اچھی صفات وخصال میں جس طرح اپنے جد بزرگوار کے آئینہ دار تھے اسی طرح زہد، دنیاوی لالچوں سے کنارہ کشی، سیاست اور امت کی سربراہی میں بھی انہیں اپنے جد کا آئینہ دار اور کامل نمونہ ہونا چاہیے کیونکہ آپ خلقت واخلاق میں لوگوں کے درمیان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔

اس بنیاد پر تنقید کرنے والے اور جلد بازی میں فیصلہ کرنے والے حسن علیہ السلام کی کس کمزوری اور عجز وناتوانی پر اعتراض کریں گے؟

اس گروہ نے گویا اس بحرانی اور دشوار کن صورتحال کو ذہن سے نکال دیا جس سے آپ اپنے اصحاب کی جانب سے دوچار تھے اور یہ بھول گئے کہ ان یار وانصار کی بے وفائی جو حوادث کے ایک سلسلے کی بنیادوں پر موقوف ہے امام حسن علیہ السلام کا ان میں سے کسی میں بھی کوئی ہاتھ نہ تھا بلکہ عہد نبوت کے تیسرے دور میں عمومی زندگی کی دگرگونی سب کا یا اکثر وبیشتر افراد کا تقویٰ کے قید وبند سے باہر نکل جانا اور دنیا کی لذتیں ہوا وہوس اور مطامع پر دلوں کو فریفتہ کر دینا اس صورتحال کے بنیادی عوامل ہیں۔ ایسی صورت میں گناہ، شرائط وکوتاہی کا گناہ اس نسل کی تقصیر تھی جس کے ہمراہ امام حسن علیہ السلام نے زندگی بسر کی اور آپ ہر گناہ وتقصیر سے مبرہ ومنزہ تھے۔

یہ لوگ بھول چکے ہیں کہ جب ایسی ناروا اور پست صورتحال اور ایسی فاسد نسل جو باطل گری اور فساد کی خوگر ہو اس کا سامنا ایسے باایمان وجود سے ہوگا جو اخلاق اور حق گرائی کے علاوہ کسی اور چیز سے سازگار نہیں ہے تو نتیجہ اور عاقبت کار اس صورتحال سے بہتر نہیں ہوگا جو پیش آتی ہے۔

لہذا ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ خاص تدبیریں جو اس ماجرے کے مختلف مراحل میں امام حسن علیہ السلام نے استعمال کی ہیں وہ تمام راہ حل میں ماہر ترین راہ حل اور تدبیروں میں جالب ترین تدبیر تھی جو نہایت دقت نظر اور ایسی سیاست کے ساتھ تھی جو امام کی سیرت کے شایان شان ہے۔

اس کتاب کے مختلف ابواب میں ہم نے ان تمام موارد کو جو امام حسن علیہ السلام کے واقعہ میں کمزوری اور ناتوانی کے عنوان سے ذکر کئے گئے ہیں مختلف مناسبتوں کے اعتبار سے کتاب کے ان ابواب میں ہم نے یاد آوری کی ہے اور ہر مورد میں صحیح اور واقع سے منطبق توجیہ پیش کی ہے جو ہر قسم کی تحریف اور بیہودہ گوئی سے دور رہے۔

یہی وجہ ہے کہ آخر کار حسن مجتبیٰ نے سب سے بڑا اصلاحی قدم اٹھایا اور وہ ہنگامہ جو فتنہ اور اسلحہ پر استوار

تھا اسے اخلاق و محبت و اصلاح میں تبدیل کر دیا اور اس طرح آپ عالمی مصلحین کے درمیان سب سے بڑے مصلح کے عنوان سے ظاہر ہو گئے۔ اور مسلکی رہبروں کے درمیان برترین مدارج کمال تک پہنچ گئے۔

پھر تمام کائنات پر حکم فرمائی کی اگر چہ آپ تخت سلطنت پر نہ تھے۔

کیا در حقیقت اسلام آسمانی روح اور ایسی فرشتہ صفتی کے علاوہ کچھ اور ہے جو دنیاوی مادہ پرستی، پست شہوتوں مضحکہ خیز خیالات اور جھوٹے اوہام کے سامنے ذلیل نہ ہو؟

آپ نے اپنے اصحاب کی کثرت پر نظر کی اور یہ بات آپ پر بڑی گراں تمام ہوئی کہ آپ یہ ملاحظہ فرمائیں کہ وہ لوگ ذمہ داری سے بے اعتنائی، محبت میں بے ثباتی اور لشکر حق کو چھوڑ دینے کی بنیاد پر در حقیقت دشمنوں کی صف میں آ گئے ہیں نہ کہ آپ کی صف میں....

وہ خطرناک چھوت کا مرض جس میں آپ کے لشکر کے بعض خیانت کار افراد مبتلا تھے وہ ان تمام برباد گروہوں کو اور شکست خوردہ دھڑوں کو چیلنج کر رہا تھا۔

ان کے درمیان ہر بات پر اختلاف پایا جاتا تھا۔ لشکر کی صفیں ٹوٹ چکی تھیں اور مختلف سلیقے اور متعدد طرز فکر نے جنم لے لیا تھا، ہر گروہ ایک خاص راستہ کا انتخاب کر رہا تھا اور خود کو جنگ کیلئے آمادہ کر رہا تھا لیکن ایسی جنگ جو اس کی اچھائیوں سے بہت دور اور اس کی نا اُمیدی سے بہت نزدیک تھی۔

حقیقتاً ایسے یار و انصار کہ کوئی بھی دشمن ان سے زیادہ بدتر نہ ہوگا ان سے کیا امید کی جا سکتی ہے؟

ایسی صورت میں وہ امام جو نائب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے وہ اپنی زبان سے ایسے کلمات کیوں جاری نہ فرمائے جو رحمت و عظمت میں گویا زبان نبوت سے صادر ہو رہے ہوں وہی کلام جو لب و حقیقت میں ان دونوں رقیب سے علیحدگی کی علامت ہے۔ گویا ایسی چیز ہے جو ان سب سے برتر ہے۔

در حقیقت کیا امام اس برترین وجود کے علاوہ کچھ اور ہے؟

● بارہویں فصل :

فداکاری رقربانی

اگر اس حد تک قدرت واستقامت وتحمل اور خاص طرز زندگی (کہ جو خدا نے اس بزرگ روح میں ودیعت کیا تھا) کا وجود نہ ہوتا تو قطعی طور پر اس انتہائی درجہ تک سخاوت اور بزرگواری، جوروحی لحاظ سے طاقتور افراد کیلئے بھی قابل تصور نہیں ہے، آسان نہ تھی۔

اگر انسان تمام چیزوں سے بے نیاز ہوکر، تمام بہانے اور رواداریوں کو چھوڑ کر اور دھوکہ ودکھاوے کے ہر رنگ سے دور ہوئے بغیر میدان جہاد اکبر میں قدم نہ رکھے، اپنی شخصی درخواستوں اور بشری طبیعت کی ہواوہوس سے مخالفت نہ کرے، اور بشری انانیت کے طغیان وطوفان کی سرکوبی نہ کرے تو خدا کی راہ میں قربانی وفداکاری، اس کے ارادہ میں محوہونا اور اس کیلئے عمل انجام دینا کس طرح ممکن ہوگا؟

یہ حالت جو خدا سے بطور کامل رابطہ کا معنی رکھتی ہے وہی امامت ہے اور وہ ذات جو تمام وجود سے خدا سے مربوط ہے وہی امام ہے۔

اگر موجودہ صورت حال لشکر باطل پر فتح وظفر کیلئے سازگار نہیں ہے تو کیوں نہ ایسی سازگار فضا سے لشکر حق کی حفاظت اور نگہداری کا راستہ فراہم کیا جائے؟

یہ وہی صورتحال ہے کہ امام حسنؑ کے یاروانصار کی غلط فکر اور بری نیت کے آشکار ہونے کے بعد (جو بظاہر تو جنگ کے رزم آور نعرہ بلند کررہے تھے لیکن باطن میں ذاتی اغراض ومقاصد کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ تھا) امام حسنؑ کا کام یہاں تک پہنچ گیا۔

اگر حقیقی اسلام سے معاویہ کے شرارت آمیز ہاتھوں کو روکنا (کہ جس کی جلوہ گاہ آل محمد کے برگزیدہ افراد اور وہی باقیماندہ خدا کے مخلص گروہ ہیں) اور شامی سپاہیوں کی تخریب کاری اور اس کے لشکر کے فوجی عناصر جو کوفہ کے مرکز میں اور امام علیہ السلام کے لشکر کے درمیان پروپیگنڈے میں مشغول ہیں، یہ کام صرف اس لئے کیا

جارہا ہے کہ معاویہ سلطنت حاصل کرلے، تو پھر چھوڑ دیجئے یہ ناپاک اور شریر ہاتھ اس دنیا کو تمام شہوتوں، ہوا و ہوس ،نقصانات اور تمام عیوب کے ساتھ غنیمت کے طور پر لے جائے اور امام حسن علیہ السلام اور خدا کے باقیماندہ گروہ کیلئے وہی عقیدہ، مسلک و مرام اپنی تمام جلالت، قدرت، وسعت و عظمت اور ہمیشگی کے ساتھ برقرار رہے۔

کیا فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے یہ عیب و نقصان ہے اگر وہ خود کو مادی گندگی اور پستی سے دور رکھیں، دنیا کو اہل دنیا کیلئے چھوڑ دیں اور خود جاویدانہ عظمت، بلند و برتر امامت، اپنے تربیت یافتہ اور معروف فضائل کے ہمراہ، جہاد و استقامت اور مورد شکر و قدردانی اور قربانی کے ساتھ روحانی پیشوا اور مخلوق خدا کیلئے فکری رہبر و راہنما رہیں؟

کسی بھی توجہ رکھنے والے مسلمان اور صحیح عقیدہ سے لگاؤ رکھنے والے مومن کیلئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے کام میں غلطینہ ہوں یا اس کے حق سے انکار کرے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی نسبت کو بھلا دے یا ان کی امامت و پیشوائی سے آنکھیں چرالے۔ وہ امامت و پیشوائی جو ناقابل تغییر و انتقال ہے نیز جس میں ناتوانی اور شکست کا گزر نہیں بلکہ دشمنوں کی تمام ناکام کوششوں کے باوجود یہ ہمیشہ فاتح اور غالب رہی ہے۔ اس کی طاقت کا سرچشمہ خدا کی طاقت، اس کی ہمیشگی اور ابدیت حق کے دائمی ہونے سے وابستہ ہے اور تمام نسلوں کے ہمراہ اسی طرح باقی ہے جس طرح نبوتیں اپنی امت کی گردنوں پر باقی ہیں۔ حقیقی مجد و بزرگی، قدرت و ہیبت اور مخالفین کے کبر و غرور کو حقیر و پست سمجھنا بیک وقت اس میں پورے طور سے موجود ہے۔

یہ مرحلہ اسلامی تاریخ کے مراحل میں نازک ترین مرحلہ ہے یعنی حقیقی خلافت کی حکومت سے جدائی، دینی پیشوائی کی سلطنت سے علیحدگی اور معنوی و روحانی حکومت کی دنیاوی حکومت سے جدائی۔

یہ تفکیک و جدائی اپنی اسی ظاہری صورت کے ساتھ ابتداء ہی میں مسلمانوں کے افکار میں بطور کامل بے سابقہ اور نامانوس تھی لیکن جو بھی ہو یہ ایسی حقیقت تھی کہ تدریجی طور پر اسلام جہاں جا کر منتہی ہوا اور دانستہ یا نادانستہ طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمانوں کو اس کی عادت ہوگئی، بس یہ مختصر فاصلے جو مجموعی طور پر سمندر کے صدیوں میں قطرہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے وہ اس صورتحال سے مستثنیٰ تھے۔

خلافت کے شرعی و قانونی مالک بھی اس لئے اس تفکیک و جدائی کے سامنے تسلیم ہوگئے اور سانس تک نہ لی

کیونکہ اسی خاموشی وسر تسلیم خم کرنے کو اصلاح کا واحد راستہ سمجھ رہے تھے جس کی بنیاد پر اسلامی وجود کی حفاظت کا امکان تھا۔

آیئے اور واضح انداز میں گفتگو کروں اور اپنے مقصود کو آشکار انداز میں بیان کروں: امام حسن علیہ السلام نے اپنی اس خاص حالت میں معاویہ کے ساتھ وہی راستہ اختیار کیا جو ان کے والد گرامی امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی خاص حالت میں ابوبکر اور ان کے دو ساتھیوں کے ساتھ اختیار کیا تھا اور یہ ہے اس کلام کا معنی جو امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے سوال کے جواب میں پیش کیا تھا۔ پہلے ہم عرض کر چکے ہیں کہ آپ کے بھائی امام حسین علیہ السلام نے آپ سے سوال کیا: **ماالذی دعاک الیٰ تسلیم الامر ؟** کیا چیز سبب بنی کہ آپ نے خلافت کو (اسے) دے دیا؟

تو آپ نے جواب دیا: **الذی دعا اباک فیما تقدم** ۔ وہی چیز سبب بنی جو اس سے پہلے آپ کے والد کیلئے سبب بنی تھی کہ وہ اس خلافت کو (ان لوگوں کو) سونپ دیں۔

ان دونوں اماموں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کی خاص شرائط کے پیش نظر ایک عظیم فدا کاری کا نمونہ پیش کیا ہے جس کی وجہ سے اسلام محفوظ ہو گیا۔

اس بنیاد پر امام حسن علیہ السلام نے کرہ زمین سے اپنی مادی حکومت ومملکت کے نقشہ کو مٹا دیا تا کہ اس کے بدلہ میں اپنی معنویت وروحانیت کا پرعظمت نقشہ آسمان وزمین پر کھینچیں۔ ذرا اس نئی اور پرانی نہ ہونے والی مملکت پر ایک نگاہ ڈالیے کیا آپ کو اس کے علاوہ کچھ اور ملے گا کہ ایک طرف حق کی سرحدیں ہیں تو دوسری طرف حق کے علاوہ سب کچھ ہے ایک طرف انسانیت کا نمونہ ہے تو دوسری طرف لامتناہی خودغرضی وسرکشی، ایک طرف وہ امام ہے جس نے ساری زندگی اور موت تک خدائی کلمات کے علاوہ کچھ اور زبان پر جاری نہ کیا: ''**اقیموا الصلاۃ، اتوالزکاۃ**'' (نماز پڑھو، زکات دو) **کتب علیکم الصیام کما کتب علیٰ الذین من قبلکم** (تم پر روزہ اسی طرح واجب ہیں جس طرح ان لوگوں پر واجب تھا جو تم سے پہلے تھے) **للہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا** (اللہ کیلئے ہر صاحب استطاعت حج پر جائے) لیکن دوسری طرف وہ مادہ پرست جبار حاکم ہے جو واضح طور پر لوگوں سے کہتا ہے: خدا کی قسم میں نے اس لئے تم سے جنگ نہیں کی ہے کہ تم نماز پڑھو، روزہ رکھو یا حج انجام دو میں نے تو صرف اس لئے جنگ کی ہے کہ تم پر حکومت کروں۔ جبکہ یہ بات تمہیں پسند نہ تھی لیکن خدا نے مجھے میرے مقصود تک پہنچا دیا''۔ ان دونوں حکومتوں ان دو مقاصد اور دو طریقوں کے درمیان تباین کے

علاوہ آپ کچھ اور مشاہدہ کرتے ہیں۔؟!

لوگوں کو اس بات کی عادت ہوگئی ہے کہ اس قسم کی حقیقت کو بہت بڑے نقصان اور بہت بڑے گھاٹے کی طرح دیکھتے ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کی واقعیت کو دنیا اور مادیت کی تنگ نگاہی سے دیکھتے ہیں اور اس نظریہ کے اعتبار سے مادی نقصان کے علاوہ اس واقعیت میں کچھ اور دیکھا بھی نہیں جاسکتا ہے۔

لیکن وہ نفس مطمئنہ جس کی فطرت خیر محض ہے وہ اس واقعیت کو ان مقاصد تک پہنچنے کی سیڑھی سمجھتا ہے جو حکومت سے بہت زیادہ عزیز اور تمام دنیا سے بہت زیادہ گرامی مرتبت ہے۔لیکن اس کے باوجود یہ وہ باعظمت اور پرشکوہ واقعہ ہے جو تاریخ انسانیت کے افق پر ستارہ کی طرح چمک رہا ہے۔

اس طرح امام حسن علیہ السلام اپنے جہاد، اپنے صبر اور اپنی قربانی وفداکاری میں ساری انسانیت سے برتر ہوگئے۔فضیلتوں کا یہ مثلث تمام فضائل کا مرکز ہے۔

ان تین فضیلتوں کے علاوہ ایک مثلث اور آپ کی فضیلت آثار خصلتوں کا ایک تیسرا مثلث بھی ہے جو مجموعی طور پر آپ کی عظمتوں کے سپاہی اور آپ کی برتری کے گواہ تھے۔

ایک فضیلت یہ تھی کہ آپ امام تھے، آپ کی محبت سب پر واجب اور آپ فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

دوسرا یہ کہ اپنے چاہنے والوں، اپنے دشمنوں اور خود اپنی زوجہ کی طرف سے مصائب اٹھائے۔

ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اپنی جہاد کی ممتاز روش، اپنے عظیم صبر اور اپنی بے نظیر قربانی وفداکاری کی وجہ سے ساری انسانیت سے برتر ہیں۔تو اب ہم خاص طور پر ان تین خصلتوں کو امام حسنؑ کی برگزیدہ خصلتوں کے عنوان سے اس طرح پیش کریں گے کہ کسی گومگو کا راستہ باقی نہ رہے اور کامل واضح انداز میں یہ بات روشن ہوجائے جس کی ہم وضاحت کرنا چاہتے ہیں:

امام حسن علیہ السلام کا جہاد

آپ کا جہاد دلکش اور جذاب ہونے کے ساتھ ساتھ دردناک ترین جہاد کی قسموں میں سے ایک تھا جس کے میدان بڑے وسیع اور رنج وغم بڑے طولانی تھے۔

آپ نے خدا کی راہ میں جہاد کیا لیکن صرف ایک محاذ پر نہیں بلکہ بہت سارے محاذوں پر جہاد کیا ہے:

۱):۔دشمن سے مقابلہ کے محاذ پر: اب چاہے وہ لشکر کے ساتھ ہو یا ان کی شیطنت اور فتنہ انگیزیوں کا مقابلہ ہو۔

۲):۔اپنے اصحاب اور اپنے سپاہیوں کے محاذ پر اس طرح مقابلہ کیا کہ مختلف طریقوں سے ان کی اصلاح کا راستہ نکالا اور کتنے رنج والم اس راہ میں اٹھائے لیکن افسوس ہے کہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۳):۔نفس سے اس طرح جہاد کیا کہ اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھا، اپنے تمایلات کے طغیان پر لگام لگائی اور نفس کی حکومت کو سرنگوں کیا... انسانی رہبروں میں کوئی ایسا رہبر دیکھنے کو نہیں ملتا جو امام حسنؑ کی طرح اپنے احساسات، خواہشات اور اپنے اعصاب پر اتنا مسلط ہو جتنا کہ امام حسنؑ مسلط تھے۔

۴):۔اپنے مخلص شیعوں کیلئے اس طرح جہاد کیا کہ آپ نے صلح کرنے کی وجہ سے عتاب آمیز اور جرأت سے بھرپور سوالات برداشت کئے، آپ فرشتہ صفت اور ایک امام معصوم کی روح کے عنوان سے ان کے سامنے آئے یعنی آپؑ اپنا غصہ پی گئے، صبر سے کام لیا، آپ نے بڑے ہی آرام، میٹھے لہجہ اور بہت زیادہ عفو و گذشت کے ذریعہ ان کو قبول کیا۔آپ ہر ایک عتاب سے بھرے سوال کا صحیح اور روشن جواب دیتے اور اس کے متعلق اپنے مقصد کی تشریح فرماتے اور مخاطب کے مخاصمانہ انداز عتاب کو ختم کر دیتے تھے اس طرح مخاطب خود کو محکم حجت عظیم مقصد اور اصل نظریہ کے سامنے بے بس پاتا اور اپنے امامؑ کی کامیابی اور کامرانی کے ذریعہ انبیاء کی کامیابی کو یاد کرنے لگتا، آپؑ کی باتوں کو آسمانی وحی اور الہام کی مانند تسلیم کر لیتا تھا... کیا ایسا نہیں تھا؟

ان سوال و جواب کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے:

☆۔اے فرزند رسول آپ نے معاویہ سے کیوں صلح کی ہے؟ جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ حق پر ہیں اور وہ گمراہ و ظالم ہے!۔

☆۔ابوسعید! کیا میں اپنے پدر بزرگوار کے بعد مخلوق پر خدا کی حجت اور ان کا امام نہیں ہوں؟

☆۔کیوں نہیں۔

☆۔کیا میں وہ نہیں ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا ہے:

''حسن اور حسینؑ دونوں امام ہیں چاہے وہ دونوں قیام کریں یا صلح کریں''

☆۔کیوں نہیں

اس بنیاد پر میں ہر صورت میں امام ہوں، چاہے قیام کروں اور چاہے قیام نہ کروں۔اے ابوسعید جس چیز کی وجہ سے میں نے معاویہ سے صلح کی ہے وہ وہی چیز ہے جس کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ضمرہ، بنی اشجع اور اہل مکہ سے حدیبیہ سے واپس آتے وقت صلح کی تھی، وہ تنزیل کا انکار کر رہے تھے اور یہ تاویل کے منکر ہیں۔اے ابوسعید! اگر میں خدا کی طرف سے امام اور پیشوا ہوں تو میں جس چیز کے بارے میں نظریہ پیش کروں (جنگ ہو یا صلح) اس کو باطل نہ سمجھو، اگر چہ تم پر اس کام کی حکمت پوشیدہ ہو، کیا تم نے نہیں سنا کہ جب خضر نے کشتی میں سوراخ کیا، بچہ کو قتل کیا اور دیوار بنائی تو موسیٰ کو ان کے اس کام سے غصہ آ گیا چونکہ موسیٰ پر ان کی حکمت مخفی تھی یہاں تک کہ جناب خضر نے موسیٰ کو ان کاموں کی حقیقت سے آگاہ کیا تو موسیٰ راضی ہو گئے۔میں بھی اسی طرح ہوں۔تم مجھ سے خفا ہو رہے ہو چونکہ تم نے میرے کام کی حکمت کو درک نہیں کیا ہے اگر میں یہ کام انجام نہ دیتا تو ہمارے شیعوں میں سے کوئی ایک بھی روئے زمین پر باقی نہ رہتا سب کو قتل کر دیتے۔(۱)

مؤلف: اس جہاد سے دوسرا جہاد بھی ظاہر ہوا لیکن دوسرے لوگوں سے کہ وہ وہی اموی گروہ تھا (جس کو ہم عنقریب بیان کریں گے)۔

ان ہی پانچ طرح کے جہاد میں امام حسنؑ کی عمر گذر گئی آپؑ نے لازوال طاقت اور حیرت انگیز انداز میں، مشقتوں اور زحمتوں کو برداشت کیا۔

کوئی ایسا محاذ نہیں ہے جس سے امام حسنؑ نے جنگ نہ کی ہو۔

آپؑ نے حکومت کو معاویہ کے منہ پر مار دیا تھا اور اس راہ میں اسلام کی بقا، مسلمانوں کی زندگی کو آرام و سکون کے ساتھ گذرنے اور مومنین کو قتل ہونے سے بچانے کیلئے جہاد کر رہے تھے۔حقیقت میں وہ ایسے شخص کے حکم میں تھے جو راہ خدا میں اپنی زندگی کے حق سے صرف نظر کر لیتا ہے اور آخرت کی نعمتوں کے بالمقابل اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے۔

امام حسنؑ کا صبر

آپ کا صبر آپ کے جہاد کی پناہ گاہ تھا اور ایسا قلعہ تھا جس میں آپ تمام میدانوں اور محاذوں پر

---

(۱)۔بحار الانوار، جلد ۱۰، صفحہ ۱۰۱۔

پناہ لیتے تھے۔

آپؑ ،زمانہ ،اور زمانہ کے لوگوں سے اتنی زیادہ محرومیت ،خیانت ،غداری ،سازش ،قتل و غارت ، عہد شکنی ،تہمت ،دشمنوں کے سب وشتم ،روگردانی اور دوستوں کے عتاب وغیرہ اتنے زیادہ برداشت کر رہے تھے کہ تاریخ کے بڑے بڑے افراد (جہاں تک ہماری رسائی ہے) میں بھی آپ کے علاوہ کسی اور کا پتہ نہیں چلتا ہے ۔آپ نے یہ تمام تلخیاں اس طرح برداشت کیں کہ پہاڑ بھی ان کو برداشت نہیں کر سکتے تھے ،وہ تمام نا مساعد حالات جنہوں نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا آپؑ نے ان کو پوری حکمت عملی ،پختگی اور کار آزمودگی کے ساتھ طے کیا ،ہرگز آپؑ غضبناک نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ پر احساسات غالب آ سکے حوادث سے برابر ٹکراتے رہے ،سختیوں میں مضطرب و پریشان نہیں ہوئے ،دین کی مدد ،پرچم قرآن کو لہرانے اور اسلام کی دعوت کو سربلند کرنے کے علاوہ کوئی اور چیز آپ پر غالب نہیں آ سکی۔

ان تمام خصلتوں کے حامل ہی امام حسنؑ فرزند رسول ﷺ ہیں جس حقیقت پر خداوند عالم نے آپ کو خلق کیا ہے۔امام حسنؑ کی ان تمام خصلتوں کا ہٹ دھرم جاہل یا بے انصاف دشمن کے علاوہ کوئی اور انکار نہیں کر سکتا ہے۔آپؑ کے صفات آپؑ کے دور میں برترین صفات تھے ،آپؑ کی بخشش اور کرم کو ضرب المثل کے طور پر یاد کیا جاتا تھا ،آپؑ کی میٹھی گفتار ،حاضر جوابی ،قدرت نطق ،آپ کی ہیبت ،حلم ،عقل اور درایت کی دشمن تصدیق کرتے تھے چہ جائیکہ دوست۔

آپؑ کے سلسلے میں معاویہ کی تعریف کو ملاحظہ کیجئے ،جب بھی اس کے دربار میں اس کی موجودگی میں آپؑ کے سلسلہ میں کوئی بحث ہوتی تھی تو آخر کار وہ آپؑ کی تعریف و تمجید کرتا تھا اور کبھی کسی طرح کی بحث پیش آنے سے پہلے ہی اپنا ستائش آمیز نظریہ پیش کر دیتا تھا۔

ایک مرتبہ آپؑ کی میٹھی گفتگو کو یوں بیان کرتا ہے:

''حسنؑ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں میرے یہ احساسات نہیں ہیں کہ جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو مجھے اچھا لگتا ہے کہ بولتے رہیں۔''(۱)

---

(۱)۔یعقوبی جلد۲ صفحہ۲۰۲ ،ابن کثیر جلد۸ صفحہ۳۹.

ایک بار اس کے سامنے امام حسنؑ کا تذکرہ چھڑ گیا تو بولا: یہ وہ افراد ہیں جن کیلئے کلام کا الہام ہوتا ہے"(۱)

آپؑ کی ہیبت اور آپ کے پاکیزہ حضور کی ستائش کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم ہرگز میں نے ان کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ ان کے غائب رہنے سے ناشاد اور ان کے عتاب سے خوف زدہ رہا"(۲)

اسی طرح یہ کہا:

"خدا کی قسم جب بھی میں نے ان کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا میں ان کے مقام اور ان کی عیب جوئی سے خوف زدہ رہا"(۳)

آپؑ کی تعریف میں اس نے اس مضمون کے اشعار پڑھے:

"حسنؑ اس شخص کے فرزند ہیں جو جس جگہ بھی جاتے تھے موت بھی ان کے قدم پر قدم رکھتی تھی یعنی موت ان کے ساتھ رہتی تھی"

شیر کا بچہ شیر کی مانند ہوتا ہے اور حسن بھی اپنے پدر بزرگوار کی مثل و مانند ہیں۔

اگر آپ کے حلم و درایت کا وزن کیا جائے تو یہ کہنا چاہئے کہ "یذبل(۴)" اور "ثبیر(۵) کے پہاڑ" کی مانند ہے(۵) ہاں یہ امام حسن علیہ السلام کا نمبر ایک دشمن وہی معاویہ ہے۔ اور مروان بن حکم نے بھی امام حسن علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے آپ کا حلم پہاڑوں کے برابر ہے۔(۷)

---

(۱)۔العقد الفرید، جلد۲، صفحہ۳۲۳.

(۲)۔بحار الانوار، جلد۱۰، صفحہ۱۱۶.

(۳)۔شرح نہج البلاغہ جلد۲ صفحہ۱۰۱.

(۴،۵)۔یہ دونوں ایک پہاڑ کا نام ہے.

(۶)۔شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۷۳.

اما حسن فابن الذی کان قبلہ اذا سای سای الموت حیث یسیر

ھل یلد الرئبال الا نظیرہ و ذا حسن شبہ لہ و نظیر

ولکنہ لو یوزن الحلم والحجا بامر. لقالوا یذبل و ثبیر

(۷)۔شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۵ اور ۱۸.

دو دشمنوں کا علی الاعلان تعریف کرنا لوگوں کے اعتقاد کے مطابق امام حسن کے مقام ارجمند پر فائز ہونے یا ان دونوں کی حقیقت تسلیم کرنے کی دلیل ہے ورنہ یہ بات جان لینی چاہئے کہ وہ دونوں حضرت امام حسن کیلئے خفیہ طور پر ایک خطرناک سازش کر رہے تھے۔

یہ جنگ وجدال اور بحثیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ان کو بعض بڑی بڑی کتابوں میں بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ فخر ومباہات والی باتیں ہیں کہ معاویہ امام حسن سے مخصوص جوش وولولہ (چاہے وہ امام حسن علیہ السلام کے صلح کے بعد شام میں رہنے کے زمانہ میں ہو اور چاہے وہ معاویہ کے مدینہ آنے کے زمانہ میں ہو) سے پیش آتا ہے۔ معاویہ اپنے ان دوست واحباب کی میٹینگ کیا کرتا تھا جو اہل بیت علیہم السلام کو لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے سے اپنے لئے مانع سمجھتے تھے، اس میٹینگ میں اکثر عمرو بن عاص، عتبہ بن ابو سفیان، عمرو بن عثمان بن عفان، مغیرہ بن شعبہ، ولید بن عقبہ بن ابی معیط، مروان بن حکم، عبداللہ بن زبیر اور زیاد بن ابیہ حاضر ہوتے تھے۔ بسا اوقات ان میں سے بعض افراد ہی حاضر ہوا کرتے تھے اور کبھی کبھی اور دوسرے افراد بھی ان میں آکر مل جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد امام حسن کو بلایا جاتا تھا۔ تب اس ٹولہ کے سربراہ اور صاحب محفل افراد یکے بعد دیگرے طیش میں آکر بغض وکینہ وحسد سے لبریز دلوں سے جس طرح بھی ممکن ہوتا امام حسن علیہ السلام پر فخر کرنے کیلئے زبان کھولتے تھے اور جو ان کے منہ میں آتا تھا بولتے جاتے تھے اس طرح اپنے ارمان پورے کرتے تھے۔ حقیقت میں یہ جلسے امام حسن علیہ السلام کے خلاف میدان کارزار میں تبدیل ہو جاتے تھے۔

عبداللہ بن جعفر کے بقول: امام حسن علیہ السلام ایسی چٹان تھے جس کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا، آپ کے مقام ومنزلت تک کسی کی رسائی نہیں تھی اور آپ سب سے برتر تھے۔ (۱)

آپ اتنے پاک دل اور اتنی نیک عادتوں کے حامل تھے جو آپ کو اس طرح کے اختلافات میں ملوث ہونے سے دور رکھتے تھے۔ اس کے باوجود آپ ان کا جواب دینے میں کوئی دریغ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''خدا کی قسم اگر بنی امیہ مجھ کو گفتگو کرنے میں ناتوانی کی نسبت نہ دیتے تو بیشک میں ان کا جواب دینے سے خودداری کرتا''۔

آپ ان کو اپنی محکم اور رسا حجت ودلیل کے ذریعہ ان کی روز بروز بڑھتی ہوئی دشمنی کا قلع وقمع کرتے

---

(۱)۔ المحاسن والمساوی/ تالیف بیہقی ج ۱، ص ۶۲۔

ہوئے جواب دیتے اور ان کو سر تسلیم خم کرنے اور خضوع وخشوع کرنے میں تبدیل کر دیتے تھے۔

آپ اپنے بعض جوابات میں میراث نبوت اور ولایت امر سے استفادہ کرتے، اور اپنی حاضر جوابی اور ذکاوت سے جو آپ کے علم کے دریائے بیکراں سے نکلتی تھی آہستہ آہستہ ان کو اپنے اور اپنے پدر بزرگوار کے حق کا اعتراف کرنے کیلئے استفادہ کرتے تھے۔

آپ اپنی گفتگو کو برقرار رکھتے ہوئے اتنی گفتگو کرتے کہ ان کی بری باتوں اور گالیوں (جھوٹ، ناسزا اور دشنام سے کام لئے بغیر) کو دور چھوڑ دیتے تھے۔ آپ اپنے ہر حریف کو الگ الگ آگے بلاتے اور اس کا حسب ونسب اور اس کی وہ خصوصیات بیان فرماتے جن پر وہ اعتماد کرتا تھا۔ اور اس پر اعتراض کرتے تھے۔ بیشک اس طرح کے فخر ومباہات والے محافل میں سب سے بہتر وہ قسم ہے کہ انسان اپنے دشمن کے بڑے بڑے افتخارات جو اس کے اور اس کے گذشتہ بزرگوں کیلئے سربلندی کا سبب ہوں ان کو مورد طعن قرار دے۔

ان تمام محافل میں امام حسن علیہ السلام اپنے کمزور وضعیف دشمن کے مقابلہ میں فتحیاب ہوئے۔

اس مجمع میں ان کے سربراہ معاویہ کو سب سے زیادہ شکست اور کمزوری کا احساس ہوتا تھا جس کے اختیار میں مادی اور انسانی طاقت دوسروں سے بہت زیادہ تھی۔ اس کیلئے یہ بات اتنی زیادہ دشوار اور ناقابل برداشت تھی کہ وہ اپنے بھائیوں اور چچازاد بھائیوں کو دیکھتا رہ جاتا اور وہ سب ہر بحث میں ہار جاتے اور شکست خوردہ حالت میں دربار چھوڑ کر منہ لٹکائے چلے جاتے۔

اس موقع پر معاویہ پر ان سے مخاطب ہو کر کہتا تھا: تم نے دیکھا، میں نے تم کو بہت کہا لیکن تم نے نہیں سنا اور وہ باتیں تمہارے کانوں نے سنیں جن سے دنیا تمہاری آنکھوں میں تیرو تار ہوگئی اور تمہاری محفل تلخ ہوگئی" یا یہ کہتا تھا: "میں نے تم سے کہا تھا وہ (حسنؑ) ایسے شخص ہیں جن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ہے"

کبھی وہ مروان بن حکم کی طرف رخ کر کے کہتا تھا: میں نے تم کو اس شخص (یعنی حسنؑ) سے مقابلہ کرنے کیلئے جتنا منع کیا تم نے نہیں سنا۔ اور جس سے تمہارا کوئی مطلب نہیں تھا تم نے وہ کام کر ڈالا! اپنے نفس کا خیال رکھو! چونکہ نہ تیرا باپ ان کے پدر بزرگوار کے مثل ہے اور نہ تو خود ان کے برابر ہوسکتا ہے! تو ایک آوارہ شخص کا بیٹا ہے اور وہ فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں افسوس بہت سے لوگ اپنی قبر خود تیار کرتے ہیں اور خود اپنے پیروں سے

موت کی طرف جاتے ہیں۔

وہ ڈانٹ کر عمرو عاص سے کہتا تھا کہ: ان کے پدر بزرگوار (یعنی حضرت علیؑ) نے تجھ پر حملہ کیا تو تیری شرمگاہ نے تجھے بچالیا! لہٰذا تم ان سے خوف کھاؤ"۔

ایک اور مقام پر معاویہ نے اس سے کہا: سمندر سے مت ٹکراؤ ورنہ غرق ہو جاؤ گے، پہاڑ سے مت ٹکراؤ ورنہ چور چور ہو جاؤ گے ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ تا کہ تم عذر خواہی کیلئے مجبور نہ ہو"

زبیر کا بیٹا جو اُن ایام میں معاویہ کا ندیم تھا وہ ایک مرتبہ امام حسنؑ سے بحث کرنے میں پشیمان ہوا تو وہ امام حسنؑ سے یوں عذر خواہی کرنے لگا:

"اے ابو محمد مجھے معاف کر دیجئے مجھے اِس شخص (معاویہ کی طرف اشارہ کیا) نے آپؑ سے بحث کرنے کیلئے برانگیختہ کیا ہے وہ ہمارے درمیان نفاق ڈالنا چاہتا ہے اگر میں جاہل ہوں تو آپؑ مجھ سے درگذر فرما دیجئے؟ آپؑ وہ اہل بیتؑ ہیں جنہیں عفو درگذشت کی عادت ہے"۔

معاویہ جو امام حسنؑ سے اُس کی عاجزانہ اور مغلوبانہ عذر خواہی برداشت نہیں کر سکا تھا لہٰذا معاویہ نے اُس سے کہا: یقیناً میری وجہ سے انہوں نے تجھے معاف کر دیا اور تیری رگ حیات کو اپنا ہدف قرار دیا! تم ان کے ہاتھوں میں اس طرح گرفتار ہوئے ہو جیسے شاہین پرندہ اپنے پنجوں میں کسی دوسرے پرندہ کا شکار کر لیتا ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے اس سے کھیلتا ہے! اس کے بعد تم کسی پر فخر و مباہات نہ کرنا (یا کسی کے سامنے اپنی شیخی نہ بگھارنا)!"۔

ایک مرتبہ عمرو عاص، مروان اور زیاد بن سمیہ ایک طرف اور امام حسن دوسری طرف بحث کر رہے تھے تو بحث کے بعد معاویہ نے کہا۔ عمرو نے اچھی بات کہی لیکن اس کی منطق (دلیل) محکوم ہوگئی مروان نے بھی بات نہیں کی لیکن وہ شکست کھا گیا۔ اس کے بعد زیاد کی طرف رخ کر کے کہا۔

تم نے کیوں بحث چھیڑی؟ تجھ کو تو انہوں نے اس طرح قید کر دیا تھا جس طرح شاہین پرندہ کسی دوسرے پرندہ کو اپنے پنجوں میں جکڑ لیتا ہے۔ عمرو عاص نے جواب دیتے ہوئے کہا:

مگر کیا خود تم نے ہمارے پیروں پر تیر نہیں مارا؟ معاویہ نے کہا: اس صورت میں، میں بھی جہالت و نادانی میں تمہارا شریک ہوں کیا جس شخص کے جد رسول خدا گزشتہ اور آئندہ آنے والی نسل کے سردار ہیں اور جن کی مادر

گرامی حضرت فاطمہ زہرا سیدہ نساء العالمین ہیں ان پر فخر مباہات کیا جاسکتا ہے؟

اس کے بعد عمرو سے کہا: خدا کی قسم اگر اہل شام کو اس بحث وگفتگو کا پتہ چل گیا تو عجیب وغریب ذلت ورسوائی ہوگی۔

عمرو نے ہوشیاری سے جواب دیتے ہوئے کہا ''انہوں نے تجھ کو چھوڑ دیا لیکن مروان اور زیاد کو چکی کے نچلے پاٹ کی طرح دبا کر لات ماردی''

زیاد نے پریشانی کے عالم میں کہا: ہاں ایسا ہی ہے لیکن یہ معاویہ ہے جو ہمارے اور ان کے درمیان نفاق پیدا کرنا چاہتا ہے۔

قارئین کرام جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ زیاد اور زبیر کا بیٹا اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ تمام جنگ وجدال اور بحث معاویہ اور اس کے فتنوں کے ذریعہ پیش آئی تھی اور امام حسن علیہ السلام نے بھی اپنے متعدد جوابات میں اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ: ''جب عبداللہ بن عباس نے امام حسنؑ سے خلوت میں ملاقات کی تو عبداللہ بن عباس نے امام حسنؑ کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا: اے میرے چچازاد بھائی میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں! خدا کی قسم آپؑ کا دریائے علم جوش میں ہے آپؑ نے ایسا وار کیا گویا کہ آپؑ نے اس کی اولاد سے میرا انتقام لے لیا....(۱)

ان مشاجروں کا عربی متن بلاغت اور ادبی قدر واہمیت کے اعتبار سے اصلی عربی کی میراث کو نمائش کے طور پر پیش کرنے کے لائق ہے کیونکہ اس کے متن سے یہ آشکار ہے کہ جس سے یہ متن منسوب کیا گیا ہے وہ اپنے زمانہ کے مشاجروں کا بہت بڑا ادیب تھا لیکن جس چیز کو ہم ان سطروں میں پیش نہیں کر سکتے وہ بُرا لہجہ ہے جس کو امویوں نے کذب بیانی سے کام لینے اور خلاف کاری کرنے میں آخری حد تک اختیار کیا جس کی وجہ سے وہ جتنا زیادہ اپنے دشمن کو ذلیل کرنا چاہتے تھے اس سے کہیں زیادہ خود ذلیل ورسوا ہو گئے۔

---

(۱)۔ملاحظہ کیجئے المحاسن والمساوی، بیہقی، جلد ا صفحہ ۵۹۔۶۴۔ عقد الفرید، جلد ۲ صفحہ ۳۲۳ اور بحار الانوار، جلد ۱۰، صفحہ ۱۱۶۔ ہم نے کتاب اوج البلاغہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے خطبے اور خطوط جمع کئے ہیں جن میں ان بحث وگفتگو میں بیان کردہ خطبوں کو بیان کیا ہے۔

ان تمام مشاجروں کے متن سے قطع نظر کرتے ہیں ہم اس حقیقت سے جو ہمارے مورد بحث موضوع ''امام حسنؑ کا صبر'' کے ساتھ مناسب ہے سے چشم پوشی نہیں کر سکتے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ان محافل میں امام حسنؑ سے بہت زیادہ بُرا، برتاؤ کیا گیا جس میں امام حسن کے صبر وتحمل کا معراج تھا اور معاویہ کا یہ بُرا رویہ چاہے وہ جنگ ہو یا صلح سب میں یکساں تھا۔

اس مطلب میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ تمام جلسے پہلے سے طے شدہ تھے، ان کی پیشینگوئی کی گئی تھی اور ان میٹینگوں کی خاص سیاسی غرض ہوا کرتی تھی، اس لحاظ سے ان میٹینگوں کو دوسرا میدان سمجھنا چاہئے کہ معاویہ نے امام حسنؑ اور ان کے شیعوں کیلئے اس فکری وذہنی جنگ کو میدانی جنگ میں بدل ڈالا۔

اس جنگ کے دوسرے میدان بھی تھے جن میں سے بعض کو ہم آئندہ آنے والی فصلوں میں بیان کریں گے۔

۳۔امام حسنؑ کی فدا کاری

آپ کی فدا کاری ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے جو آپ نے اپنی فکر اور عقیدہ کے اعتبار سے حکومت کا سامنا کرنے کیلئے اختیار کی تھی۔

قانونی طور پر صاحب حکومت شخص کا اپنے اسی قانونی حق سے چشم پوشی کرنا جان فدا کرنے سے کہیں زیادہ اور روح کی بلندی اور اہمیت پر بڑی دلیل ہے۔عقیدہ اور مقصد کی راہ میں بلند نظری اور روحانی بزرگی حسن بن علیؑ کے آشکار صفات اور آپؑ کے مسلسل جہاد میں بہترین سپاہی تھے۔

ان دونوں کی فدا کاریوں کے درمیان (جان فدا کرنا یا اپنا قانونی حق ہونے کے باوجود حکومت چھوڑ دینا) دوسری چیز انسانی شخصیت کیلئے بہت زیادہ دردناک ہے اس کا رنج وملال دیر تک رہتا ہے۔

تاریخ کے تمام ادوار میں حاکموں اور بادشاہوں کے دلوں میں حکومت کا عشق جان کے عشق سے زیادہ جڑھ لیے ہوئے اور عمیق ہوتا تھا چہ جائیکہ اور کوئی فکر وخیال ہو۔ہم ایسے متعدد افراد سے واقف ہیں جنہوں نے اپنی حکومت وسلطنت کیلئے اپنی جان قربان کر دی ہے حالانکہ بہت سے ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنی جان کو حکومت کا صدقہ قرار دیا ہے۔

تاریخ میں سلطنت قربان کرنے والوں کے تلخ اور رقت بار مناظر کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہوں نے اپنے تخت و تاج کی حفاظت کیلئے پہلے تخت و تاج کو اس کے بعد (چونکہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا) خود کو فدا کر دیا۔

ہم اس نسبت کے پیش نظر "یعنی ان افراد کی نسبت جنہوں نے تخت و تاج کو اپنی جان کی خاطر چھوڑ دیا ہے، ان افراد کے برعکس جنہوں نے تخت و تاج کی خاطر اپنی جان گنوا دی ہے" ان دونوں فداکاریوں میں عوام الناس کی نظریں معنوی اہمیت کا مشاہدہ کرتی ہیں۔

اسی وجہ سے جن بہت کم موارد میں حکومت اور سلطنت کو فدا کر دیا گیا ہے ہم ان میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ لوگ اس واقعہ کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں، سوال و جواب کرتے ہیں اور پھر اسی دلیل کی بنا پر صرف اسی واقعہ کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں، اس کے اسباب بیان کرتے ہیں، تحلیل کرتے ہیں اور طرح طرح کی فلسفی باتیں کیا کرتے ہیں۔ تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ بیان نہیں کیا گیا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی موقع پر منصب حکومت سے مستعفی ہو جائے اور اس کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہ ہوا ہو، بعض افراد نے اس کو درست اور بعض نے اس کو غلط نہ کہا ہو۔ بعض نے اس کیلئے عذر تراشی اور دوسرے بعض افراد نے اس پر اعتراض نہ کیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ لوگ ایسے موقع پر ضرور ایک دوسرے کے مد مقابل ہوئے ہیں مگر صرف حضرت امام حسن بن علیؑ تھے کہ ملک و حکومت سے کنارہ کش ہو گئے مسند خلافت سے نیچے آ گئے اپنے دنیوی تمام اسباب و وسائل کو اپنے فکر و عقیدہ اور مقصد کیلئے فدا کر دیا تو کسی بھی انسان نے آپؑ کے حسن نیت، اخلاص اور مصلحت جوئی میں کوئی شک نہیں کیا اور اس سال کو "سال اجتماع" کا نام دیا، سب نے آپؑ کی موافقت کی اور عملی طور پر آپؑ کی رائے قبول کر لی۔

تاریخ میں یہ آپؑ کی عظمت کی نشانی ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں آپؑ کا بلند مقام اور آپؑ کی معنوی اور روحی طاقت کی دلیل ہے جس سے اگر لباس سلطنت اتار لیا جائے تو اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

ایک گروہ کو آپؑ کی اس فداکاری پر اعتراض تھا کہ کیوں آپؑ اس کے ذریعہ اسلحہ سے جنگ کرنے سے کنارہ کش ہو گئے یہاں تک کہ اس گروہ میں سے کچھ افراد کا آپؑ کے نامور شیعوں میں شمار ہوتا تھا لیکن ان افراد میں سے جو آپؑ کے احساسات و جذبات کی بنا پر اعتراض کرتے تھے وہ آپؑ کے دینی اغراض یعنی امت اسلامی کے مصالح کی رعایت، مسلمانوں کے خون کی حفاظت اور عالم اسلام کے مقاصد کی ترقی میں کوئی شک نہیں کرتے تھے۔

ہم آئندہ فصلوں میں یہ بیان کریں گے کہ عیب تلاش کرنے والوں نے جو بھی اشکالات اور اعتراضات کیے ان میں سے کوئی بھی انصاف کی رو سے نہیں تھا اور آپؑ نے ان مشکلات سے نکلنے کا جو راستہ انتخاب فرمایا ان حالات میں صرف وہی راستہ اس کا راہ حل ہو سکتا تھا۔

امام حسنؑ کی فدا کاری، نفسیاتی اثر کی رو سے سب سے زیادہ دردناک، دینی اثر کے اعتبار سے سب سے زیادہ بلند، تاریخ میں نایاب اور عرف عام میں سب سے زیادہ با اہمیت تھی، کسی صورت میں آپؑ پر کوئی شک یا تہمت نہیں لگائی جا سکتی تھی اور اس راہ پر کس طرح کوئی تہمت لگائی جا سکتی ہے جو شخص فدا کاری کی انواع و اقسام میں سے صرف ایک ایسے راستہ کا انتخاب کرتا ہے جو خود اس کیلئے بہت زیادہ سخت، دوسروں کیلئے مفید اور خدا سے بہت نزدیک ہے۔ اور خود اس الٰہی شخصیت کو سب قبول کرتے تھے یہ وہی شخصیت ہے جس سے قرآن کریم نے صاف طور پر ہر خطا و اتہام کو دور کیا ہے۔

امام حسنؑ کی زندگی میں دنیا کب اثر انداز ہوئی جس سے دنیوی زندگی سے آپؑ کے ارادہ میں خلل واقع ہوتا اور آپؑ دنیا کے چکّر میں آ کر جوار رحمت و لطف الٰہی میں تاخیر فرما دیں اور جو کرامت آپؑ کے پدر بزرگوار اور جد امجد کے جوار کیلئے منتظر تھی اس کی طرف جلدی نہ کریں؟

امام حسنؑ کب اتنے کمزور اور خوف کھانے والے تھے جو آپؑ راہ خدا میں شہید ہونے سے ڈر جاتے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے سے چشم پوشی کر کے اپنی جان کی حفاظت کر لیتے؟ اور کس کی طرف سے آپؑ کو کمزوری و ناتوانی اور خوف کی نسبت دی جا سکتی ہے؟ آپؑ کے پدر بزرگوار شیر خدا اور ایک شیر مرد کی طرح پیغمبر اکرم کے ہمراہ؟ یا آپؑ کے دو جد بزرگوار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو طالب سالار مکہ؟ یا آپؑ کے دو چچا حمزہ اور جعفر شہیدوں کے سرور و سردار؟ یا آپؑ کے بھائی سید الشہداء؟ یا جنگوں میں آپؑ کے درخشاں اور معروف کارنامہ، عثمان کے محاصرہ کے دن، جنگ بصرہ کے روز اور مظلم ساباط (۱) کیا آپؑ وہی شیر نہیں ہیں جن کیلئے دشمن کہتا تھا: وہ جس جگہ بھی قدم رکھتے ہیں موت ان کے ساتھ رہتی ہے" اور فضیلت و بزرگی وہی ہوتی ہے جس کا دشمن اعتراف کرتا ہے۔

---

(۱)۔ محاصرۂ عثمان کے روز، جنگ جمل میں آپؑ کا مورچہ سنبھالنا اور مظلم ساباط میں آپؑ کی ہمت و بہادری سے آشنائی کیلئے ملاحظہ کیجئے تاریخ فخری، کتاب الجمل، شیخ مفید اور تاریخ یعقوبی۔

اصولی طور پر اگر ذرا دقت سے کام لیا جائے تو امام حسنؑ کا اپنے عقیدہ کی راہ میں حکومت کا فدا کر دینا خود ان کی شجاعت کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود آپؑ کی زندگی میں زندہ رہنے کی طمع یا موت سے ڈرنے کا کہاں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے؟

امام حسنؑ کی رو سے آپؑ کے وہی بلند افکار اور آئیڈیل ایک واحد میزان تھے اور آپؑ کے نقطۂ نظر سے کسی دوسری چیز کا ان سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا، آپؑ کا خیال تھا کہ اپنی حکومت کو ان افکار و آئیڈیل پر نچھاور کر دینا چاہئے اور اس بڑی فداکاری کے ذریعہ ہی آپؑ اس معنوی اقدار کو (ان لوگوں کی واضح دشمنی جو نہ اسی دنیا کی رسوائی و ذلت اور نہ ہی جہنم کی آگ کی فکر میں تھے) بچا سکتے تھے اور آپؑ بغیر کسی انحراف و تبدیلی کے دنیاوی زندگی کو حقیر سمجھتے ہوئے اسی راستہ پر گامزن رہے۔

آپؑ نے اپنے مقاصد کو زندہ رکھنے کیلئے دردناک زندگی گذارنا برداشت کیا موت جس درد و رنج سے بہت آسان ہے۔ آپؑ اپنے تمام وجود کے ساتھ دوسروں کی بھلائی اور مصلحت کیلئے وسیلہ بن گئے حالانکہ آپؑ کا اس میں ذرہ برابر کوئی فائدہ نہیں تھا صرف اس حد تک کہ بلند مقام و مرتبہ رکھنے والے درجہ اوّل کے مصلحین تاریخ اس تک پہنچ سکیں اور یہ ایسی دور دراز منزل ہے اسلامی تربیت کی آخری مقصد تک رسائی کیلئے (یعنی تمام نیکیوں کو مستقر کرنا اور صحیح افکار کو معاشرہ میں رائج کرنے کیلئے) اپنی کمر ہمت باندھی ہے۔

متعدد افراد ہیں جنہوں نے اپنے افکار و مقاصد کی خدمت اور ان کو باقی رکھنے کیلئے متعدد مصیبتیں اور بلائیں برداشت کی ہیں لیکن ہمیں ان کے درمیان کوئی ایسی شخصیت نہ مل سکی جو زندگی کی آخری منزل تک مختلف قسم کے مصائب اور رنج و غم میں امام حسن بن علیؑ کی قائم مقام ہو سکے۔

اس بنا پر امام حسنؑ ہر پہلو اور ہر جہت سے ایک کامل اور عظیم الشان پیشوا اور مصلح ہیں جنہوں نے سختیوں اور درد و رنج و فداکاریوں کو برداشت کرنے کا سبق دیا آپ نے ہدف و مقصد کی خاطر دنیا کے مصلحین کو تعلیم دی۔

اس کے بعد والے مرحلہ میں آپؑ نے ہر مقام پر زہد اور اس دنیا کی بے اعتنائی سے اپنی راہ پر گامزن رہے، اس وجہ سے اس دنیا میں آپؑ کی پارسائی و زہد، زندگی میں آپؑ کا صبر اور ملک و حکومت سے کنارہ کش ہو جانا ان میں سے ہر ایک چیز راہ خدا میں جہاد، فکر و عقیدہ کو زندۂ جاوید کرنے کیلئے اور آپؑ کی شخصیت کی بقاء کیلئے یہ سب چیزیں وسیلہ اور ابزار کے مانند تھی۔

● تیرہویں فصل :

حقیقت صلح

اب تک ہم ان گذشتہ صفحات میں کوئی ایسی قانع کنندہ دلیل نہیں پیش کر سکے جس سے امام حسنؑ کے عمل کا راز آشکار ہو، صلح کے حدود واضح ہوں اور آپؑ کے جام شہادت نوش نہ کرنے کی تحلیل کی جا سکے۔

جس دن سے اس ماجرے کے متعلق اعتراضات ہوئے ہیں اس دن سے امام حسنؑ کے ماجرے کا حساس نکتہ یہی ہے اب تک ہم جن مختلف موضوعات کے بارے میں وسیع بحث کر چکے ہیں ان میں کوئی ایسا قابل توجہ موضوع نہیں جو اتنا توجہ اور تحقیق کا مرکز بنے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ موضوع خود اہمیت کا حامل ہے۔

دوسرا یہ کہ اس موضوع میں جو نقطہ ابہام ہے وہ ہی امام حسنؑ کے عمل کا راز ہے کہ چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی کسی کو اس کے چہرے سے نقاب الٹنے کی توفیق نہ ہو سکی۔

ہمیں یہاں پر اپنے منظور نظر مقصد کو بیان کرنے کیلئے وسیع پیمانہ پر جن وسائل کی ضرورت ہے ان کو بیان کرنے سے پہلے اس سلسلہ میں مشہور و معروف مورخین کا کلام نقل کرتے ہیں اس کے بعد صلح کے بارے میں دقیق تحقیق و جستجو کریں گے پھر بحث کے نتائج بیان کریں گے۔

(۱):۔ تاریخ یعقوبی

''معاویہ نے مخفی طور پر امام حسنؑ کے لشکر میں یہ شائع کرنے کیلئے کچھ افراد بھیجے کہ ''قیس بن سعد'' معاویہ سے مل گیا ہے۔ دوسری طرف عبید اللہ بن عباس کے فرار کرنے کے بعد قیس بن سعد کی سپہ سالاری میں لشکر کے کچھ افراد اس خبر کو منتشر کرنے کیلئے بھیجے کہ امام حسنؑ نے صلح قبول کر کے معاویہ کی موافقت میں جواب دیدیا ہے ۔مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن کریز اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو امام حسن (کیونکہ آپؑ اس وقت مدائن میں اپنے لشکر کے ہمراہ تھے) کے پاس بھیجا جب یہ افراد ان (امام حسنؑ) کے پاس سے نکلے تو دوسروں کو سنانے کیلئے یوں گفتگو

کرتے جارہے تھے:

''خداوند عالم نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ خون کی حفاظت فرمائی، فتنہ کا خاتمہ کردیا، امام حسنؑ نے صلح قبول کرلی، لشکر یہ سن کر غیظ وغضب میں بھر گیا اور کسی کو ان کی سچائی میں کوئی شک نہ ہوسکا۔

اس وجہ سے تمام سپاہی امام حسنؑ پر ٹوٹ پڑے اور جو کچھ آپؑ کے خیمہ میں تھا اسے لوٹ کر لے گئے ،امام حسنؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر ''مظلم ساباط'' روانہ ہوگئے، وہاں پر کمین گاہ میں بیٹھے ہوئے ''جراح بن سنان اسدی'' نے آپؑ کی ران کو اپنے نوک نیزہ سے زخمی کردیا آپؑ نے ''جراح'' کی داڑھی پکڑ کر اتنے پیچ دئے کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی: امام حسنؑ کو مدائن لیجایا گیا، حالانکہ امام حسنؑ کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا، زخم بڑھتا جارہا تھا اور وہاں سے لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے ،معاویہ نے عراق پہنچ کر تمام امور اپنے ہاتھ میں لے لئے حالانکہ امام حسنؑ سخت علیل تھے، آپؑ نے دیکھا کہ آپؑ کی طاقت چھین لی گئی ہے اور آپؑ کے تمام دوست واحباب نے ان کو چھوڑ دیا ہے تو آپؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کرلی''

(۲):۔ تاریخ طبری

''لوگوں نے حسن بن علیؑ سے خلافت کیلئے عہد کیا، اس کے بعد آپؑ ان کو کوفہ سے لے کر مدائن پہنچے ،حالانکہ آپ نے ''قیس بن سعد'' کی سپہ سالاری میں بارہ ہزار کا لشکر پہلے ہی روانہ کردیا تھا۔ معاویہ نے اہل شام کے ساتھ ''مسکن'' میں اترنے کیلئے بات چیت کی، جس وقت امام حسنؑ مدائن میں تھے منادی نے لشکر کے درمیان آواز لگا کر کہا: آگاہ ہوجاؤ کہ قیس بن سعد کو قتل کردیا گیا ہے لہٰذا بھاگ چلو...لوگ یہ سن کر بھاگ کھڑے ہوئے اور امام حسنؑ کے خیمہ کو بھی لوٹ لیا یہاں تک کہ آپؑ فرش پر بیٹھے تھے آپ کے ساتھ پیوست ہوگیا۔ امام حسنؑ لشکر گاہ سے نکل کر مدائن کے مقصورۂ سفید مقام پر پہنچے، مختار بن عبیدہ کا چچا مدائن میں امام حسن علیہ السلام کی طرف سے کارکن تھا جس کا نام سعد بن مسعود تھا مختار نے اس سے کہا: کیا تم مال ودولت اور شرف چاہتے ہو؟ اس نے کہا: مال ودولت کہاں ہے اور کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اس نے کہا: امام حسنؑ کے ہاتھ پیر باندھ کر معاویہ کے حوالہ کردو۔ سعد نے کہا: تجھ پر خدا کی لعنت ہو! میں دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ارجمند کے ساتھ الجھ جاؤں اور ان کے پیروں کو باندھ دوں؟ تو کتنا برا آدمی ہے؟!

امام حسنؑ نے جب اپنا کام تتر بتر دیکھا تو کسی کو معاویہ کے پاس صلح کی درخواست کیلئے بھیج دیا اور معاویہ نے عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس کو ان کی طرف روانہ کیا، وہ مدائن میں امام حسنؑ کے پاس پہنچے اور جو کچھ آپؑ نے شرائط پیش کی تھی اس کو قبول کر کے ان لوگوں نے آپ سے صلح کر لی"

(۳):۔ کامل ابن اثیر

"جیسے ہی امام حسنؑ مدائن پہنچے منادی نے لشکر میں یہ ندا دی: لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ قیس بن سعد قتل کر دیا گیا ہے لہٰذا بھاگ چلو۔ لوگ یہ سن کر بھاگ نکلے اور جو کچھ امام حسنؑ کے پاس تھا وہ بھی لوٹ کر لے گئے ..."

"اس کے بعد وہی عبارت نقل کی ہے جو طبری نے نقل کی ہے" اس کے بعد کہا: "بعض کا کہنا ہے کہ امام حسنؑ نے حکومت معاویہ کے حوالہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب معاویہ نے امام حسنؑ سے حکومت چھوڑنے کیلئے خط و کتابت کی تھی تو انہوں نے لوگوں کیلئے ایک خطبہ دیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا: خدا کی قسم ہمیں اہل شام کے سلسلہ میں کوئی شرمندگی و پشیمانی پیش نہیں آئے گی، لیکن ہم نے اہل شام سے سلامتی اور صبر کیلئے جنگ کی ہے ،اب سلامتی دشمنی اور جزع و فزع کے ذریعہ ختم ہو گئی ہے جس دن تم صفین کی طرف حرکت کر رہے تھے اس دن تمہارا دین دنیا سے پہلے تھا لیکن اب تمہاری دنیا تمہارے دین کے آگے آ گئی ہے۔ آج تم دو طرح سے قتل ہونے والوں کے درمیان زندگی بسر کر رہے ہو: ایک تو صفین میں قتل ہونے والوں پر گریہ کر رہے ہو اور دوسرے نہروان میں قتل ہونے والوں کا انتقام طلب کرنے میں لگے ہو۔ باقی رہنے والوں نے عہد توڑ دیا ہے اور گریہ کرنے والے شورش اور فتنہ و فساد پھیلا رہے ہیں۔ جان لو کہ معاویہ نے ہم کو اس چیز کی دعوت دی ہے جس میں نہ سربلندی ہے اور نہ انصاف ہے اگر تم مرنے تک ڈٹے رہے تو خود اس کی بات کو اس تک واپس کر دو گے اور تلوار کی دھار سے اس کا خدا سے محاکمہ کرائیں گے۔ اگر تم زندگی گذارنے کی فکر میں ہو تو میں اس کو تمہاری رضا کی خاطر قبول کرتا ہوں.. لوگ ہر طرف سے چلا اٹھے مہلت مہلت... صلح قبول کر لیجئے...!۔

(۴):۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید

"مدائنی سے نقل ہوا ہے کہ: "اس وقت عبداللہ بن عباس (اسی طرح) ان کے ساتھ

قیس بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار سپاہیوں کا سپہ سالار بنا کر شام کی طرف روانہ کیا اور آپؑ خود مدائن کے قصد سے کوفہ سے باہر نکلے ساباط میں آپ کو ایک ضربت لگی اور جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ لوٹ لیا گیا اور اس طرح آپ مدائن پہنچے، معاویہ کو اس ماجرے کی خبر ہوئی تو اس نے یہ خبر منتشر کر دی کہ عبداللہ کے ساتھ جو امام حسنؑ کے مشہور و معروف اصحاب اور وابستگان تھے سب معاویہ سے مل گئے ہیں عبد اللہ بن عباس نے یہ بات امام حسنؑ کو تحریر کی تو آپؑ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں لوگوں کی توبیخ و سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگوں نے میرے پدر بزرگوار کی اتنی مخالفت کی یہاں تک کہ وہ حکمیت پر راضی ہو گئے اس حکمیت کے بعد انہوں نے تم کو اہل شام سے جنگ کرنے کیلئے بلایا تو تم نے پھر انکار کیا یہاں تک کہ وہ رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ گئے، پھر تم نے اس شرط پر میری بیعت کی کہ میں جس سے صلح کروں تم اس سے صلح کرو اور جو مجھ سے جنگ کرے تم اس سے جنگ کرو۔ اب مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے بزرگوں نے معاویہ کے پاس جا کر اس سے عہد کر لیا ہے پس میرے لئے اتنے ہی پر بس ہے مجھے میرے دین اور میری جان سے بیگانہ نہ کرو" اس کے بعد عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جن کی ماں ابوسفیان کی بیٹی ہند تھی، کو صلح کرنے کیلئے معاویہ کے پاس بھیجا اور اس سے یہ شرط کی کہ کتاب خدا اور سنت پیغمبر پر عمل کرے اور اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین معین نہ کرے۔"

(۵):۔ ارشاد، شیخ مفید

قبیلوں کے سرداروں کی ایک جماعت نے مخفی طور پر معاویہ کو اس کی باتیں سننے اور اس کی اطاعت کرنے کیلئے لکھا، اس کی طرف متوجہ کیا اور یہ بھی تحریر کیا کہ وہ جیسے ہی ان کے پاس پہنچے گا وہ امام حسنؑ کو اُس (معاویہ) کے حوالہ کر دیں گے یا نا گہانی طور پر اُن کو قتل کر دیں گے" امام حسنؑ اس واقعہ سے باخبر ہوئے اور اسی وقت آپؑ کے پاس قیس بن سعد کا خط پہنچا جبکہ آپؑ، عبید اللہ بن عباس کو معاویہ کے پاس روانہ کر چکے تھے تا کہ وہ معاویہ سے بات کر کے اس کو عراق سے واپس کر دے نیز لشکر کا سپہ سالار اسی کو بنا دیا تھا یعنی جب کوفہ سے باہر تشریف لائے تو قیس بن سعد کو اس کے ساتھ بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر تمہیں کوئی گزند پہنچ جائے تو لشکر کا سپہ سالار قیس بن سعد ہوگا۔ ہاں قیس بن سعد کا اس مضمون پر مشتمل خط پہنچا کہ: اس نے "مسکن کے" اطراف میں "جنوبیہ" نامی دیہات میں معاویہ کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا ہے، معاویہ نے ایک شخص کو

عبید اللہ بن عباس کے پاس بھیجا اور اس ''عبید اللہ بن عباس'' کو اپنے لشکر میں ملحق ہو جانے کی ترغیب دلائی اور اس کو دس لاکھ درہم دینے کا وعدہ کیا جس میں سے پانچ لاکھ درہم نقد اور دوسرا نصف اس کے کوفہ میں وارد ہونے کے وقت ادا کر دے گا۔ عبید اللہ اپنے دوست واحباب کے ساتھ رات میں معاویہ کے لشکر میں ملحق ہو گیا صبح جب لوگ بیدار ہوئے تو انہوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ قیس بن سعد ان کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں اور وہ خود لشکر کے سپہ سالار ہو گئے ہیں۔ اس خط کے ذریعہ امام حسنؑ لوگوں کی نسبت ان کی نامردانگی سے اور مذبذب ہو گئے اور آپؑ کو خوارج کی حکومت کی طرفداری کرنے والوں کی ناپاک نیتوں کا بھی پتہ چل گیا جو اپنی زبان سے علی الاعلان امام حسنؑ کو برا بھلا کہتے تھے اور آپ کی جان و مال کو مباح جانتے تھے۔ امام حسنؑ اور آپؑ کے والد بزرگوار کے خاص شیعوں کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہ گیا تھا جس سے آپؑ آسودہ خاطر ہوتے اور ان کی تعداد بھی شام کی فوج کا مقابلہ کرنے کیلئے کافی نہیں تھی۔ اسی وقت معاویہ نے آپؑ سے صلح اور جنگ کے خاتمہ کیلئے پیشکش کی، امام حسنؑ کے دوستوں کا وہ خط بھی امام کی خدمت میں بھیجا جس میں انہوں نے آپؑ (امام حسن) کا خون بہانے یا آپؑ کو معاویہ کے حوالے کر دینے کی بات لکھی تھی، اس صلح میں بہت سی شرطیں رکھی گئی جو سب کی سب امام حسن علیہ السلام کے فائدہ میں تھی اگر ان شرطوں کو پورا کر دیا گیا ہوتا تو اس سے بڑی اہم مصلحتیں مترتب ہوتیں۔ امام حسنؑ اس سے مطمئن نہیں ہوئے، آپؑ نے ان تمام باتوں کو ایک مکر و حیلہ قرار دیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود امام حسنؑ کے پاس جنگ کی آگ کو ختم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا، چونکہ آپؑ کے یار و انصار انہیں اوصاف کے حامل تھے جن کو بیان کیا گیا یعنی کم بصیرت بہت زیادہ تباہی و فساد پھیلانے والے، کھلم کھلا عہد شکنی کرنے والے ان سب باتوں کے علاوہ ایک گروہ تو آپؑ کا خون بہانا مباح اور آپؑ کو دشمن کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ ایک حقیقت تھی کہ آپؑ کا چچازاد بھائی دشمن سے ملحق ہو گیا تھا۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کچھ لوگوں کا دنیوی منفعت کی طرف مائل ہو جانا اور آخرت کی نعمتوں سے لاپرواہ ہو جانا تھا۔''

مؤلف: تاریخ کی مفصل اکثر کتابوں میں امام حسنؑ کے ماجرے کے متعلق اتنی تفصیل اور اس مطلب کے مشابہ مطلب دستیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں کتنا تناقض، کتنے بیان نہ کئے جانے والے اور کتنی کتر بیونت اور پراگندہ اور منتشر گفتگو ہے۔

مثال کے طور پر ایک جگہ صلح کی پیشکش کرنے والے امام حسنؑ ہیں تو دوسری جگہ پر صلح کی پیشکش کرنے والا معاویہ ہے۔

امام حسنؑ کا صلح کی پیشکش کرنا یا قبول کرنا معاویہ کے ان کارندوں کی وجہ سے تھا جنہوں نے مسکن اور مدائن کے لشکر گاہوں میں فتنہ برپا کیا تھا ''ان فتنے برپا کرنے میں بھی ان کے کئی عقیدے تھے''۔ کچھ افراد نے امام حسنؑ کے ساباط میں زخمی اور بیمار ہو جانے کی وجہ سے آپؑ کی فوج کے تتر بتر ہو جانے کو اس کا سبب جانا ہے۔ دوسرے گروہ کی نظر میں لوگوں کا امام حسنؑ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کے حکم سے نافرمانی کرنا تھا چونکہ انہوں نے امام حسنؑ کے خطبہ کا یہ جواب دیا تھا کہ: مہلت، مہلت، اور صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ صلح نامہ پر دستخط فرما دیجئے۔ ایک اور گروہ کا کہنا ہے کہ: ان کا سپہ سالار فرار کر گیا تھا، آپؑ کے دوستوں نے آپؑ سے خیانت کی تھی، وہ آپؑ کا خون بہانا مباح جانتے تھے اور باقی بچے ہوئے افراد شام کی حکومت کا مقابلہ کرنے کیلئے کافی نہیں تھے۔

اسی طرح مقدمہ الجیش کے لشکر کے سپہ سالار کے سلسلہ میں متعدد اختلافات ہیں: بعض نے اس کو عبد اللہ بن عباس بتایا تو بعض نے عبید اللہ بن عباس، اور کچھ دوسروں نے قیس بن سعد بن عبادہ بتایا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ کیلئے یہی بہت بڑی مصیبت ہے کہ اس میں غلطیاں، حق و باطل کو ملا دینا اور اس میں اس حد تک جھوٹ اور سچ موجود ہو۔

دوسرے تاریخی منابع و مآخذ اس واقعہ سے اس طرح گزر گئے جیسے یہ کوئی تاریخ کا ایک حاشیہ اور غیر اہم موضوع ہو جیسے اس مختصر سے دور (یعنی حضرت امام حسنؑ کی تاریخی حکومت، معنوی و روحی حکومت کا مادی اور دنیوی حکومت سے الگ ہونے کا دور، خلافت کا حکومت اور سلطنت میں تبدیل ہو جانے کا دور اور آخر کار اسلام میں فرقہ وارانہ طور پر اُبھر آنے والے اختلافات کا دور) میں ایک چھوٹا سا واقعہ رونما ہو گیا ہو اور اس کی طرف ذرہ برابر توجہ کی ضرورت نہ ہو۔

اس واقعہ کو لکھنے والے مورخین (چاہے وہ تفصیلی طور پر بیان کرنے والے ہوں یا مختصر طور سے بیان کرنے والے) نے جن حالات کے تحت امام حسنؑ کے نزدیک صلح قبول کرنے کی فکر کو درست جانا ہے یا ان کو صلح کرنے پر مجبور کیا گیا ہے صرف ایک اشارہ کی حد تک بیان کیا ہے کچھ مورخین معترف ہو کر خاموش ہو گئے اور

انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا، بعض نے اس عمل کو درست بتایا اور اس کیلئے دلیلیں بیان کیں اور ایک گروہ جس کو اس عمل کے راز اور ''صلح کی حقیقت'' کی معرفت نہیں تھی اس نے اس پر تنقید کی اور سخت لہجہ اپناتے ہوئے اپنے جاہلانہ تعصب سے پردہ اٹھایا۔

مورخین (چاہے دوست ہوں یا دشمن) جنہوں نے حضرت امام حسنؑ کی مشکلات کے بارے میں روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں بھی ایسا نہیں بیان ہوا جس میں ہر اعتراض کا جواب موجود ہو یا کم سے کم اس مودّبانہ سوال کا جواب ہو کہ: بیشک ایک پیشوا اور رہبر کا بہترین سرانجام اور شائستہ ترین عاقبت شہادت ہے تو امام حسنؑ نے شہید ہونے سے کیوں رخ موڑ لیا؟

حالانکہ اگر وہ چاہتے تو اس راز کو کشف کرنے کی طرف قدم اٹھا سکتے تھے اور اس کا جواب دے سکتے تھے اور یہ امام حسنؑ کی صلح کی اصل وجہ کو واضح کرنے کیلئے کافی تھا اور اس کے بعد امام حسن کی دوسری مشکلوں اور محنتوں کو شمار کرنے کی کوشش کی کوئی ضرورت نہیں تھی چونکہ تنقید کرنے والوں اور سوال کرنے والوں کے عقیدہ کے مطابق یہ تمام مشکلات اس بات کی دلیل نہیں بن سکیں کہ صرف صلح ہی عملی طور پر راہ حل شمار ہو سکتی ہے اور اس کے حل کیلئے اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا اس گروہ کا سوال یہ ہے کہ کیوں امام حسنؑ نے سب سے بہترین راہ حل یعنی خدا کی راہ میں شہید ہونے کو منتخب نہیں فرمایا جس طرح امام حسینؑ نے اپنے بھائی امام حسنؑ کی مانند مشکلات میں شہادت کو انتخاب فرمایا اور یہی شائستہ انتخاب تاریخ انسانیت میں ظلم کی ضد قرار پایا۔

کیوں امام حسنؑ نے پہلے دور میں اس راہ کو انتخاب نہیں فرمایا جس کا آخری دور میں آپ کے بھائی امام حسینؑ نے انتخاب فرمایا مختصر یہ کہ امام حسنؑ نے کس وجہ سے جام شہادت نوش نہیں فرمایا؟

کیا آپ ڈر گئے؟

بالکل نہیں! چونکہ آپ کے بھائی امام حسینؑ نہ آپ سے زیادہ قوی دل اور شجاع تھے اور نہ زیادہ تلوار چلانے والے اور نہ ہی جنگوں میں آپ سے زیادہ پیش قدم اور سابقہ دار تھے۔ یہ دونوں بھائی تمام انسانی خصلتوں میں بالکل ایک تھے: اخلاق، دین، خدا کیلئے فداکاری اور عقیدہ، بہادری اور میدان جنگ میں مردانگی دکھانے تمام صفات میں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے خلاصہ یہ کہ: عرب میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ اس صورت میں ان

کے اندر بزدلی کا مشاہدہ کہاں کیا جاسکتا ہے۔ یا دنیاوی زندگی کی طمع؟

ہرگز نہیں وہ روحانی پیشوا اپنی درخشاں تاریخ اپنی معطر زندگی کے ساتھ، دنیوی زندگی کو جاودانہ نعمتوں اور اُس جہان کے ابدی ملک جس کو خدا نے ان کیلئے برقرار رکھا ہے، ترجیح دے اور اس پست دنیا کو اُس بہشت کے بدلے انتخاب کرے جس میں وہ جوانان جنت کے سردار ہیں بنیادی طور پر اُس انسان کی زندگی کتنی کامیاب ہے جو حکومت اور عظیم ریاست سے نیچے آ گئے ہو، جس کی بزرگ روح نے، جہاد اور فداکاری کے ساتھ پرورش پائی ہو کیا اس کی یہ عادت ہوگئی ہو وہ اس دنیا پر نظر رکھے اور اس کی طمع کرے۔؟!

یا معاویہ کو حکومت کے لائق دیکھا جس سے حکومت اس کے حوالہ کردی؟!

اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں ہے کہ امام حسن جیسی شخصیت معاویہ جیسے کو حکومت کے لائق وشائستہ نہیں دیکھ سکتی۔ معاویہ کے بارے میں آپ کے وہ کلمات جو آج ہماری دسترس میں ہیں ان میں سے ہر ایک میں آپ نے صاف طور پر اس کی طرف بغاوت کی نسبت دی ہے، اس کے ساتھ جنگ کو واجب شمار کیا ہے، اس کے بارے میں کسی شک وشبہ کے بغیر گفتگو کی ہے اور آخر کار اس کو کافر بتایا ہے۔

آپ نے بیعت کے ایام میں اس کو کوفہ سے اس طرح کے مضمون کا خط تحریر فرمایا: بغاوت وسرکشی سے باز آجا، زمین پر مسلمانوں کا خون نہ بہا، خدا کی قسم اس میں تیرے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے کہ تو خداوند عالم سے اس حال میں ملاقات کرے کہ لوگوں کے خون کا وبال تیری گردن پر ہو۔(۱)

صلح کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ایک صحابی نے آپ کے سلسلہ میں تند لہجہ میں کچھ باتیں کہی تو آپ نے اس کے جواب میں یوں رقم فرمایا۔ خدا کی قسم اگر مجھ کو اچھے یار وہمدم ومونس ملتے تو میں رات ودن معاویہ سے جنگ کرنے سے گریز نہ کرتا۔(۲)

مدائن میں ایک تاریخ ساز خطبہ میں فرمایا: خدا کی قسم ہمیں ملک شام کے لوگوں کے سلسلہ میں کوئی پشیمانی وشرمندگی نہیں ہونی چاہئے۔

---

(۱)۔شرح نہج البلاغہ، جلد۴، صفحہ۱۲۔

(۲)۔احتجاج طبرسی، صفحہ۱۵۱۔

ابن سعید سے مخاطب ہوکر فرمایا جس کو ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں کہ: مجھے معاویہ سے صلح کرنے کیلئے اسی چیز نے ابھارا ہے جس چیز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی ضمرہ، بنی اشجع اور اہل مکہ کے ساتھ (جس دن آنحضرتؐ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے) صلح کیلئے برانگیختہ کیا تھا وہ تنزیل قرآن کا انکار کررہے تھے اور یہ تاویل قرآن کا انکار کررہے ہیں۔

لہٰذا آپؑ کی صلح نہ معاویہ کو شائستہ جاننے کے معنی میں ہے نہ جنگ کا ترک کرنا بزدلی اور خوف کی وجہ سے ہے اور نہ شہادت سے گریز "جو زندگی کی طمع" کی وجہ سے، ہو، اس معنی میں ہے بلکہ آپ نے ان حالات میں صلح کی جن میں صلح کرنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ آپ (امام حسنؑ) اور امام حسینؑ کی موقعیت کے درمیان فرق اسی جگہ پر ہے چونکہ امام حسینؑ کے پاس مخصوص حالات میں دو راہ چارہ تھی۔

شہادت اور صلح اور یہ فطری بات ہے کہ سب سے برتر شخصیت سب سے بہتر اور شائستہ راہ حل کو نہیں چھوڑ سکتی لیکن امام حسنؑ ان حالات میں تھے کہ آپ کیلئے شہادت کا دروازہ بند تھا اور آپ کے سامنے صرف ایک راہ (راہ صلح) کے علاوہ اور کوئی راہ نہ تھی اور اس کے انتخاب کرنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

میں اس مطلب کا مکمل طور سے معتقد ہوں۔ ممکن ہے یہ مطلب کہ "آپ پر شہادت کا راستہ بند تھا" عجب نظر آئے یقیناً جو انسان خدا کا گرویدہ ہو اور خدا کی خاطر اپنے حق زندگی سے صرف نظر کرے کیا اس کیلئے اس کے علاوہ اور کچھ ہے کہ وہ بے خوف وخطر خدا کیلئے موت کی جستجو میں میدان جنگ میں چلا جائے، دنیا کو پیچھے چھوڑ دے، اپنی جان خدا پر قربان کردے اپنے جسم کو تلواروں کا لقمہ بنادے اور تیر و نیزوں کو اپنے خون سے سیراب کرے اور وہ زندۂ جاوید شہید میں بدل جائے؟ اس طرح تقدیر کی اور ایسا سادہ راستہ اس مجاہد کیلئے کیسے ناقابل وصول ہوگا جو اپنے سامنے وسیع میدان کا نظارہ کررہا ہوگا؟

امام حسنؑ کا "مسکن" میں میدان آراستہ تھا اور وہاں پر آپؑ کا دشمن بھی آمادہ و تیار تھا! تو آپؑ بے دھڑک وہاں کیوں نہیں گئے؟ اور ہم کو یہ بات سننے کو کیوں نہیں ملی کہ آپؑ وہاں تشریف لے گئے ہوں، یا وہاں پر دشمن کے مدمقابل ہوئے ہوں یا سختیوں میں آپؑ کی جان لبوں پر آگئی ہو؟ بیشک اگر آپؑ ایسا اقدام فرماتے یعنی میدان جنگ میں قدم رکھتے، جان کو ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کرتے تو آپؑ کے سارے مخلص شیعہ آپؑ کی طرح

جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اور جان کی بازی لگا کر میدان جنگ میں آ جاتے چونکہ وہ سب اپنے آپؑ کو موت کے گرداب میں ڈالنے کیلئے آپؑ کے آخری اشارہ کے منتظر تھے۔

ہاں یہ وہی مقام ہے جہاں امام حسنؑ کا واقعہ دوسرے اہل بیتؑ کے واقعہ کے علاوہ ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے یہ وہی مقام ہے جہاں پر تاریخ میں مشکل اعتراضات کو مرکب و منظم کر کے پیش کیا گیا اس کے بعد بیہودہ بکنے والوں نے اپنی گھڑی ہوئی خود ساختہ منطق سے مشکل کو اور مشکل بنا دیا اور حقیقت کو لوگوں کی فہم و فراست سے دور کر دیا۔

یہ فطری بات ہے کہ اس طرح کی زبردستی بکواس کا لازمہ واقعات کے متن سے دور اور اجنبی بنا دینا ہے کہ بے بنیاد فیصلے کئے جائیں اور یہ فیصلہ ہر چیز سے زیادہ امام حسنؑ کی سیاست کو اپنی لپیٹ میں لے لے، ان کی سیاست کو کمزور سیاست کا جلوہ اور بغیر کسی فکر و سوجھ بوجھ کے ان کی طرف تنقید کا سیلاب جاری کرے۔

ہم تحقیق و جستجو کے بعد یہ بیان کریں گے کہ ان دونوں نظریوں (جو امام حسنؑ نے انتخاب فرمایا، یا جس کو عیب جو لوگ صحیح سمجھتے ہیں) میں کونسا نظریہ درست ہے اور پالیسی کے ساتھ سازگار محکم اور مناسب ہے۔

اور یہ بھی بیان کریں گے کہ امام حسنؑ کی عظمت ایسی نہیں جس پر شبہات و اعتراضات کی بوچھاڑ کی جا سکے اور وہ ایسے پیشوا اور رہبر نہیں ہیں جن پر عیب جو افراد آسانی سے اعتراض اور تنقید کیلئے لب کشائی کر سکیں۔

اب جبکہ ہماری بحث تنقید اور عیب جوئی کے بنیادی مرکز تک پہنچ چکی ہے قضیہ کو حل کرنے سے پہلے تین حقیقتیں جو بحث کی مشکلوں کو حل کرنے کیلئے ضروری ہیں ان کی وضاحت کریں۔

ان تینوں حقیقتوں کے واضح ہونے کے ساتھ ساتھ خود بخود پہلا ابہام روشن و واضح ہو جائے، تنقیدیں، معذرت خواہی میں بدل جائیں گی اور عیب تلاش کرنا تعریف میں تبدیل ہو جائے گا۔

یہ تین حقیقتیں کچھ یوں ہیں:

۱)۔ شہادت کا مطلب

۲)۔ اس مبہم حالت کی منظر کشی کرنا جس نے آخری لمحوں میں مدائن میں امام حسنؑ کا احاطہ کر لیا تھا

۳)۔ امام حسن علیہ السلام کے اہداف و مقاصد کے متعلق معاویہ کی پالیسی

ان بحثوں کو بیان کرنے کیلئے ہم دوبارہ ان مطالب کی طرف اشارہ کرنے کیلئے مجبور ہیں جن کو ہم اس کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے تکرار کا سبب اس چیز کا موجب بنے گا کہ ہم بہت زیادہ شوق کے ساتھ اس بحث کو جامع اور ہمہ گیر طریقے سے پیش کر سکیں۔

خدا کی راہ میں شہید ہونا

جو شہادت انسان کی زندگی کا سرچشمہ اور اس کی زندگی کو کارساز بناتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایک نیک اور پسندیدہ سنت یا ایک بری اور ناپسند سنت کا خاتمہ کرنے کیلئے اپنی جان قربان کر دے۔

جو قربانیاں خدا کی راہ میں نیکی سے دفاع اور برائی سے مقابلہ کرنے کیلئے نہیں ہوتیں ان کو کسی طرح بھی شہادت شمار نہیں کیا جا سکتا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی کافر میدان جنگ میں کسی مسلمان کو قتل کر دے تو وہ مسلمان شہید ہے۔ اسی طرح اگر کوئی باغی (اسلامی معاشرہ کے نظم وضبط میں خلل ڈالنے والا) میدان دفاع میں کسی مسلمان کو قتل کر دے تو وہ مسلمان بھی شہید ہوتا ہے۔

لیکن اگر ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو اپنے ذاتی جھگڑوں یا مذہب کی کسی صحیح فکر کی حمایت یا دفاع کی بنا پر قتل کر دے تو وہ مقتول نہ شہید ہوتا ہے اور نہ ہی اس کیلئے کوئی فخر کی بات ہوتی ہے، چونکہ تاریخ انسانیت میں شہید کی جو اتنی قدر و قیمت ہے اور اس کا اتنا احترام کیا جاتا ہے وہ حقیقت میں اس کی جان کی قیمت ہوتی ہے جو اس نے مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر نثار کی ہے۔ اس بنا پر ذاتی واقعات یا جو فداکاریاں انسانوں کی مصلحت کے منافی ہوتی ہیں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔

قتل ہونے کی اور دوسری قسمیں بھی ہیں جن کا مطلب شہادت سے بہت دور اور ان کی قربانی کا خون دوسری قسموں سے بہت پست اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی لیڈر یا سربراہ کو اس کے پیروکار اور اس کے ساتھ کام کرنے والے حقدار اور صاحب نظر افراد قتل کر دیں۔ ہر معاشرہ میں جو شخص معاشرہ پر ملت کے نام سے ان پر حکومت کرتا ہے اس کی قدر و قیمت و طاقت کا منبع و مصدر یا اُن کے امور اس شخص کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اس سے مراد ملت و قوم کا وہی مجموعہ ہے۔ یہ وہی اساس و بنیاد ہے جس پر اسلام میں معاشرتی

طاقتیں برقرار ہیں اسی بنیاد پر صدر اسلام کے مسلمانوں نے عمر بن خطاب سے مخاطب ہو کر کہا تھا: اگر ہم نے تجھ میں کسی کج روی کا مشاہدہ کیا تو تجھے تلواروں سے کاٹ ڈالیں گے۔

اس طرح سے قتل ہونے کا شہادت سے کوئی مطلب نہیں ہے چونکہ جو ہاتھ اس طرح کے شخص کو قتل کرنے کیلئے بلند ہوئے انہوں نے اپنے حق کی خاطر اپنی حجت کو ثابت کیا، لوگوں کے فیصلہ میں اس شخص کا عذر مقتول سے کہیں زیادہ صحیح اور اس کا عمل قابل قبول ہے۔ اور اس نظریہ کے اعتبار سے بھی "قفال شافعی کے بقول" جس امت نے اس کو ولایت کا تاج پہنایا اب اسی نے اس پر حد جاری کر دی یا آسان لفظوں میں اس کی ولایت کا خاتمہ کر دیا۔

مثال کے طور پر عثمان جن کو تاریخی اعتبار سے مسلمانوں کی تیسری بڑی شخصیت مانا جاتا ہے اُن کو انہیں کے صلاح کاروں نے موت کے گھاٹ اتار دیا نہ تاریخ اور نہ ہی ان کے دوست تاریخ میں ان کے نام پر شہادت (وہی معنی جو کلمہ شہید سے ذہن میں آتے ہیں) ثبت کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

لیکن وہ سیاہ غلام فقیر جس کی زندگی اس حد تک بااثر نہیں تھی کہ وہ اپنی فکر و حافظہ کو اپنے لیئے مصروف رکھے "ابوذر غفاری کے آزاد کردہ جون" چونکہ راہ خدا میں قتل ہوئے تھے لہٰذا ان کو مکمل طور پر شہید شمار کیا جاتا ہے اور تاریخ ان کی تقدیس و احترام کرنے کیلئے ناچار ہے۔

ان تمام باتوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شہید ہونے کی شرط یا شہادت کے محترم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مقتول کو بڑی شخصیت ہونا چاہئے۔ اسی طرح ایک بڑی شخصیت کے "بڑے ہونے" کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ وہ جس طرح بھی اور جس صورت میں بھی قتل ہو جائے اس کو شہید شمار کیا جائے۔

اب اس موضوع کو چھوڑ دیتے ہیں ہم دوسرے موضوع کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہیں اور پھر ضرورت کے تحت اپنے بیان کردہ مطالب سے استفادہ کریں گے۔

مدائن کی غیر معمولی حالت کی دور سے ایک جھلک

ہم پہلے اس بات سے آشنا ہو چکے ہیں کہ امام حسنؑ کی فوج کے برگزیدہ افراد وہی لوگ تھے جو "مسکن" میں فوج کے مقدمہ لشکر کے عنوان سے گئے تھے لیکن، جن افراد سے امام حسنؑ نے مدائن میں اپنے لشکر کے سپاہیوں

کی تشکیل دی تھی۔ وہ روحی اور ایمانی لحاظ سے آپؑ کی فوج کے تمام افراد سے بہت کمزور اور اختلاف وتفرقہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ ناقابل اطمینان تھے۔

اور یہ دیکھا گیا ہے کہ امام حسنؑ کے مدائن پہنچنے سے پہلے ہی دنوں میں اور اس سے قبل دوسرے امدادی گروہ آپؑ کے لشکر سے ملحق ہوں تین چیزیں وقوع پذیر ہوئیں جن کو مجموعی طور پر مستقبل کیلئے خطرہ کی گھنٹی کہا جاسکتا ہے۔

ان تین چیزوں میں سے ایک چیز یہ تھی کہ آپؑ کو ''مسکن'' سے بڑی بڑی خیانتوں کی خبریں مل رہی تھیں، دوسری چیز جھوٹا پروپیگنڈہ جو ''مسکن'' کے لشکر کے دوسرے سپہ سالار قیس بن سعد کا قتل ہو جانا، جس سے لوگوں کو فرار ہونے کی طرف زیادہ راغب کر رہا تھا۔ تیسری بات یہ تھی کہ شام سے آنے والے افراد کے جھوٹ ''(جو کوفہ کے خیانتکاروں کے خطوط دکھانے کیلئے امام حسنؑ کے پاس آئے تھے'') نے فتنہ برپا کیا اس طرح کہ جب وہ امام حسنؑ کے لشکر سے باہر نکل رہے تھے تو انہوں نے یہ اظہار کیا کہ فرزند رسولؐ نے صلح قبول کر لی ہے!

جس طرح ہم اس کتاب کی گذشتہ ایک فصل میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ امام حسنؑ کے لشکر میں کچھ فتنہ و فساد پھیلانے والے، کچھ مال غنیمت جمع کرنے والے، کچھ خوارج اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے ناسالم گروہ موجود تھے، ان تمام بداندیش گروہوں سے فتنہ وفساد کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

امام حسنؑ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ان کو نیک اندیشی، پائیداری اور استقامت کی طرف رغبت دلائی، ان کے سامنے جنگ صفین کے ایام اور واقعات بیان فرمائے اور اس کے بعد اپنے لشکر کے درمیان دھڑے بندی اور اختلافات سے متعلق اپنے افسوسناک خیالات کا اظہار فرمایا۔ آپؑ کیلئے اس خطبہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ جنگ کے سلسلہ میں نافرمانی کرنے والے لوگوں سے صاف طور پر یہ اعتراف اور ان کیلئے یہ واضح کیا کہ معاویہ کی پیشکش (صلح کی پیشکش) کو قبول کرنے کے سلسلہ میں ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ آپؑ نے خطبہ کے آخر میں فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ معاویہ نے ہم کو اس چیز کی دعوت دی ہے جس میں نہ سربلندی ہے اور نہ انصاف، اگر تم مرنے کو تیار ہو تو ہم اس کی باتوں کا خود اسے جواب دیتے ہیں اور شمشیر بُراں سے اس کا خاتمہ کر دیں، اور اگر زندہ رہنے کی تمنا رکھتے ہو تو اس کی پیشکش کو قبول کر لیں اور تمہاری خوشنودی کو

جلب کریں۔ ہر طرف سے لوگوں کی آوازیں بلند ہونے لگی: مہلت، مہلت صلح کر لیجئے"۔(۱)

مؤلف: ہم امام حسنؑ کے سلسلہ میں وارد ہونے والی روایتوں میں صرف دو ایسی روایات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو راویوں کی کثرت اور اس کے نتیجے میں تاریخی مسلمات میں شمار ہونے کی وجہ سے دوسری تمام روایتوں پر برتری رکھتی ہیں۔ ایک روایت تو وہی ہے جس میں لوگ امام حسنؑ کا کلام سن کر یہ کہنے لگے کہ صلح کو قبول کر لیجے دوسری روایت یہ ہے کہ: "مدائن میں لوگوں کا امام حسنؑ کے خلاف شورش برپا کرنا کہ آپ صلح کیوں کر رہے ہیں"!!

اب ان دو متضاد نظریوں میں سے لوگوں کا کونسا حقیقی نظریہ تھا اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے!!

اِن تمام باتوں کے مدنظر کیا امام حسنؑ کے لشکر میں اختلاف کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا؟

کیا آپؑ کے لشکر میں ہونے والے شدید ہرج و مرج کو واضح طور پر نہیں دیکھا جا سکتا؟ ایسا ہرج و مرج جس سے کوئی بھی میدان جنگ کارساز نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف وہ بھی ایسے افراد کے ماتحت جو ظاہری طور پر صلح کی دعوت دے رہے ہوں لیکن باطن میں جنگ کی آگ بھڑکا رہے ہوں۔ کیا اس ہرج و مرج کے باوجود جہاد کی دعوت اور امام کا ساتھ دینا امکان پذیر ہے؟

بہر حال مدائن کی فوج مختلف رنگوں میں تھی اس کی مختلف رنگوں میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس فوج کے مقدرات میں مختلف عناصر کا ہاتھ تھا۔

فوج کے باغیوں اور شورش برپا کرنے والوں کے حلقوم سے امام حسنؑ کی تکفیر (کافر کہنا) کی صدا کا نکلنا اس بات کی نشاندہی ہے کہ یہ سب خوارج کی تحریک تھی جس کا وہ اپنی زبان حال سے اظہار کر رہے تھے۔ جب یہ فرقہ کسی مسلمان یا مسلمانوں کے کسی رہبر کی نسبت بھڑک جاتا تھا تو یہی حربہ استعمال کرتا تھا۔ خوارج کا اس آگ کو بھڑکانے (یعنی امام حسنؑ کی طرف کفر کی نسبت دینا) کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایسا کر کے اپنے جہنمی اصول و ضوابط کے مطابق سب سے بڑی خیانت کے مرتکب ہونے کا جواز چاہتے تھے یعنی وہ امام حسنؑ کے خون سے ہاتھ رنگین کرنا چاہتے تھے۔ آپؑ نے مشاہدہ کیا کہ ان میں سے ایک شخص نے آپؑ کی ران پر ایسی کاری ضرب لگائی تھی

---

(۱)۔ابن خلدون، ابن اثیر، مجلسی اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ اس خطبہ کا پہلا نصف حصہ اس فصل میں تواریخ قدیم سے نقل کر چکے ہیں جو قارئین کرام کی نظروں سے گذر چکا ہے۔

جس کا اثر آپؑ کی ہڈی تک پہنچا تھا۔

ایسی شرمناک لوٹ مار جس میں امامؑ کی ردا اور ان کا مصلّیٰ تک لوٹ لیا گیا یہ ساری باتیں اس مطلب کی گواہ ہیں کہ یہ کام آپؑ کے لشکر کے اس گروہ کا ہے جس کو قدیمی منابع و مآخذ نے مال غنیمت طلب کرنے والوں کا نام دیا ہے۔

امامؑ کے لشکر میں بجلی کی طرح فتنہ وفساد کا ہر جگہ پھیل جانا اس بات کی علامت ہے کہ اس فتنہ وفساد میں خیانت کاروں کا ہاتھ تھا اور یہ گروہ چاہے وہ کوفہ میں ہو یا فوجی چھاؤنی یا دوسرے مقدس جہاد کے واقعات وہ سب میں شامل تھے اور انہوں نے اس کی رہبری اور وسعت میں موثّر کردار ادا کیا ہے۔

ہاں مدائن کی حالت ایسی تھی کہ اس میں فتنہ کی آگ بہت زیادہ بھڑک گئی تھی جو شیعوں اور امام حسنؑ کے مخلص افراد کے قابو سے باہر ہوگئی تھی اچانک ایسے واقعات رونما ہو گئے تھے کہ جنہوں نے مومنین کو بھی اپنے فریضہ پر عمل کرنے سے روک دیا تھا، تزلزل اور عدم ثباتی نے پائیداری اور ثابت قدمی کے امکان کا خاتمہ کر دیا تھا، بڑے اور مقدس اغراض و مقاصد کے مقام پر پست اور برے اغراض و مقاصد آ گئے تھے اور آخر کار یہ خیانت والی فکر رائج ہوگئی تھی کہ: اگر معاویہ سے جنگ کرنے میں ہمیں کچھ ملنے والا نہیں ہے تو ہم امام حسنؑ سے کیوں نہ جنگ کریں، اور اگر ہمیں جنگ میں مال غنیمت نہیں مل سکتا تو ہم کیوں اپنے دوستوں اور جنگ کرنے والوں کا مال نہ لوٹیں؟! اگر ہم اس لشکر گاہ ''مسکن کی فوجی چھاونی'' کے سرداروں اور سپاہیوں کی طرح معاویہ کی آغوش میں پناہ نہیں لے سکتے ہیں تو کیوں ہم اس کو یہ نہ لکھیں کہ وہ ہماری طرف چلا آئے!!!

ان تمام مطالب کو تاریخ نے رقم کیا ہے اور اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے۔

ممکن ہے اس طرح کے دوسرے مطالب بھی رہے ہوں جو تاریخ سے محو ہو گئے یا تاریخ نے اُن کو فراموشی کے سپُرد کر دیا تاریخ میں ان کی تفسیر و توضیح کرنے کا دم خم نہیں رہ گیا تھا اور خدا کے علاوہ ان سے کوئی آگاہ نہیں ہے۔

آپ اس مقام پر امام حسنؑ کے بجائے معاویہ کو فرض کر لیں ایسا موقع اور ایسے سپاہیوں کے درمیان آپ انصاف کیجئے کیا معاویہ اتنا چالاک اور کشادہ دست ہونے کے باوجود اس مشکل اور تنگ راستہ سے امام حسنؑ

سے بہتر طریقہ سے گذر سکتا تھا جبکہ وہ اپنے مستقبل کے لائحہ عمل اور اغراض و مقاصد کو بچائے رکھے؟!

اب ہم وہ اسباب بیان کرتے ہیں جن کی وجہ سے امام حسنؑ پر شہادت کا راستہ بند ہو گیا تھا ہم قارئین کو تاریخ کے اس تیسرے دشوار مرحلہ کی نشاندہی کراتے ہیں۔

امام حسنؑ کے اغراض و مقاصد کے مقابلہ میں معاویہ کا کردار

عثمان کے مرنے کے بعد معاویہ سے والی ''گورنر'' کا عنوان اٹھالیا گیا، اس کے بعد معاویہ کو کس لقب سے یاد کیا گیا یا اس کو کس چیز کا ذمہ دار بنایا گیا ہمیں اس کا علم نہیں ہے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ دو قانونی خلیفہ یعنی حضرت علیؑ اور آپؑ کے فرزند ارجمند امام حسنؑ نے اس کو گورنر نہیں بنایا۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام کے قانون کے مطابق ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے اور جب ایسا ہے تو وہ خلیفہ بھی نہیں ہو سکتا۔

اس بنا پر عثمان کے بعد معاویہ کون تھا اور کیا تھا؟

ہم یہ نہیں جانتے۔

ہاں اتنا جانتے ہیں کہ جب اس کو شام کی گورنری کے عہدے سے معزول کیا گیا تو اس نے اُن دو خلفاء پر تلوار کھینچ لی اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا قدم اٹھائے تو اسلام کا قانون اس کو ایک لقب دیتا ہے لیکن ہم اس بات سے مطمئن نہیں ہیں معاویہ اپنے لئے اس لقب سے راضی تھا یا نہیں اور وہ لقب ہے باغی، یعنی ستمگر اور تجاوز کرنے والا۔

آپ غور و فکر کریں کہ وہ خود اپنے لئے تجاوز کرنے والوں کے رئیس کا لقب و منصب کے علاوہ کوئی اور لقب و منصب سے پہچانا جاتا تھا!

یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ معاویہ اپنی گستاخی اور سرکشی کی وجہ سے اس کیلئے اتنا اہم نہیں تھا کہ کچھ ایام ، کسی لقب کے بغیر زندگی بسر کرے اس کے باوجود کہ شریعت کی رو سے اسے متجاوز و ستمگر کے لقب سے متعارف کرایا جائے۔

جو انسان سب سے بڑے منصب و عہدے کو تلوار کی نوک اور شرع مقدس کی پروا کئے بغیر حاصل کر سکتا

ہے تو اس کی نظر میں اس قانون کی کیا اہمیت ہوگی جو اس کو لقب نہ دے یا اگر لقب دے بھی دے تو وہ متجاوز اور ستمگر کا لقب عطا کرے؟! سعد بن ابی وقاص جس نے اس واقعہ کے بعد اسے بادشاہ کہا ہو اور مسلم بن عقبہ (۱)، مغیرہ بن شعبہ (۲) اور عمرو بن عاص (۳)

جسے اپنا خلیفہ اور امیر المومنین کہتے ہوں اور وہ کہ جس کا دنیا سے استفادہ اس قدر ہو کہ وہ خود یوں کہے: دنیا میں کوئی ایسا فائدہ نہیں تھا جس سے میں نے فائدہ نہ اٹھایا ہو تو ایسے شخص کو' اس سے کیا ڈر ہو سکتا ہے کہ قانون ان القاب اور عنوانات کو اس سے سلب کر لے اور دین، تلوار کے زور پر ان القاب کو جائز نہیں جانتا اور خلیفہ کا لقب

---

(۱)۔ یہ شخص تاریخ کے شرمناک واقعہ "حرہ" (یعنی اس نے تین دن تک مدینہ کے لوگوں کی جان و مال و عزت و آبرو کو سب کیلئے مباح کر دیا تھا اور کعبہ کو منجنیق و پتھر وغیرہ سے ویران و برباد کیا تھا) کا ہیرو ہے۔ یہ وہی شخص ہے جب معاویہ نے یزید کی حکومت کے اسباب فراہم کئے تو اس نے اس ہدف کیلئے مقدمات فراہم کرتے ہوئے کہا: تیرا مدینہ کے لوگوں کے ساتھ جھگڑا ہوگا اگر ایسا ہو گیا تو مسلم بن عقبہ کو ان کے پاس بھیجنا چونکہ اس کی خیر خواہی میرے لئے ثابت ہے!!" ملاحظہ کیجئے طبری، بیہقی اور ابن اثیر۔

(۲)۔ کتاب "المحاسن اور المساوی" میں بیہقی کے قول کے مطابق وہ ایسا پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں رشوت دی ہے اور (ان تمام مورخین کے مطابق جنہوں نے اس کا نام بیان کیا ہے) زیاد کے "استلحاق" کا ماجرا (یعنی زیاد کی ماں کے ابوسفیان کے ساتھ غلط تعلقات کی وجہ سے زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے) اسلام کے مخالف یہ عمل اسی کی دلالی میں انجام پایا۔

اور ایسا شخص ہے جس نے یزید کو خلافت کیلئے معین کرانے میں سب سے پہلے سبقت کی اور اس سلسلہ میں اس نے خود کہا: میں نے معاویہ کو اس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا جو امت محمد کا دیر تک مقابلہ کرے گا اور ایسی گرہ لگا دی ہے جو جلدی کھل نہیں سکتی ہے" اور وہی شخص ہے جس کے بارے میں حسان بن ثابت نے کہا ہے: اگر برائی اور پلیدی مجسم ہو جائے تو وہ بدصورت اور ایک آنکھ والا "ثقیف" کا غلام ہوگا"

(۳)۔ یہ وہ معروف شیطان ہے جس کے بارے میں اس کے غلام "وردان" کے بقول "یہ وہ ہے جس کے دل میں دنیا اور آخرت نے جھگڑا کیا اور اس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور اس شرط پر معاویہ کے ساتھ جا ملا کہ مصر کو اس کے حوالہ کر دیا جائے... لیکن نہ بیچنے والے کو کوئی فائدہ ہوا اور نہ ہی خریدار کی عزت باقی رہی۔

"ابن عبد ربہ" نے اپنی سند سے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ: معاویہ کو یہ احساس ہوا کہ اگر عمرو نے اس کی بیعت نہ کی تو وہ حکومت کا کام نہیں کر پائے گا لہٰذا اس کو اپنے ساتھ کام کرنے کیلئے کہا۔ عمرو نے کہا: میں کس لئے تیرے پیچھے آؤں؟ اگر آخرت کیلئے تیرا پیچھا کروں تو تیرے پاس دور دور تک بھی اس کی خبر نہیں ہے؟ یا دنیا کی خاطر تیرا پیچھا کروں اس صورت میں صرف اسی وقت تیرا ساتھ دوں گا جب تو مجھے اپنی حکومت میں شریک کرے؟ معاویہ نے کہا: میرا شریک ہو جا۔ عمرو نے کہا: تو مصر اور اس کے اطراف کا علاقہ میرے نام پر لکھ دے معاویہ نے بھی لکھ دیا اور آخر میں مزید لکھا کہ: عمرو میری بات سنے گا اور میری فرمانبرداری کرے گا۔

صرف ان ہی افراد کو زیب دیتا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ شباہت رکھتے ہیں اور اس لقب کو کسی ایسے آدمی کو دینا جائز نہیں سمجھتا جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس شخص میں اتنا فاصلہ ہو جتنا دو ادیان کے درمیان پایا جاتا ہے؟۔

ہم دقیق طور پر یہ نہیں جانتے کہ معاویہ نے یہ القاب اپنے یا اپنے بیٹے یزید (جس کو وہ ہر شخص سے زیادہ اچھے طریقہ سے پہچانتا تھا) کیلئے منتخب کئے تو اس کو ان القاب نے دین کے معاملہ میں کتنا مقید اور پابند بنایا۔

اسی طرح قطعی طور پر ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ اس کو خدا کی بارگاہ میں جن مسائل کا حساب دینا ہے ان

عمرو نے کہا: لکھ کہ اس سننے اور فرماں برداری کرنے کی شرط میں کوئی رد و بدل نہیں ہوگی۔ معاویہ نے کہا: یہ ضروری نہیں ہے۔ عمرو نے کہا: پھر بھی لکھ...!!"

یہ بوڑھا تقریباً ۹۸ سال کا صحابی اتنی دراز عمر پا کر بھی اتنی برے انجام پر راضی ہو گیا اور بے دھڑک یہ کہہ رہا ہے: اگر مصر اور وہاں کی حکومت نہیں ہوتی تو میں نجات کے مرکب پر سوار ہوتا چونکہ میں جانتا ہوں کہ علی بن ابی طالبؑ حق پر ہیں اور میں ان کا مخالف ہوں!

اس کی زندگی کا ابتدائی حصہ اسلام اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت ہی صدمہ، خسارہ اور مشکلات کا سبب تھا۔ وہ اس وقت ایسا شخص تھا جو ہجرت کے وقت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرانے کی سازش میں شریک تھا اور وہ شخص تھا جس کے سلسلہ میں آیت "انّ شانئک ھو الابتر" نازل ہوئی۔

اس کے بعد یہ عثمان کے خلاف ہنگامہ کرنے والوں میں شریک تھا اور فلسطین بھی نہیں گیا تھا اگرچہ اس نے بڑی سخت سازش رچ رکھی تھی (اس طرح کہ جب اس نے عثمان کے قتل کی خبر سنی تو اس نے اس موضوع کا اعتراف کیا)۔

ان تمام رسوائیوں کے باوجود بھی وہ معاویہ سے مل گیا۔

جنگ صفین جس کو تاریخ میں بہت ہی ذلت و رسوائی سے یاد کیا جاتا ہے وہ اپنی یقینی موت سے نجات پا گیا اور اس کے بعد اس نے قرآن کو نیزہ پر بلند کرنے کا منصوبہ بنایا جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور دین کو سست کرنے کا سبب بنا۔ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے سے کہا: میں ان کاموں میں منہمک ہو گیا ہوں نہیں جانتا کہ خدا کی بارگاہ میں کیا دلیل پیش کروں گا" اس کے بعد اپنے مال پر نظر ڈالی اور زیادہ مال دیکھ کر کہنے لگا: کاش یہ لید و گوبر ہوتا، کاش میں تیس سال پہلے مر گیا ہوتا، میں نے معاویہ کی دنیا کو آباد کیا اور اپنے دین کو تباہ کر ڈالا، دنیا کو حاصل کر لیا اور آخرت کو چھوڑ دیا، اندھا ہو گیا اور راستہ بھول گیا یہاں تک کہ میری موت نے مجھے آ لیا" اس نے باغ اور کھیت کے علاوہ سونے کے تیس ہزار دینار اور چاندی کے بیس لاکھ درہم چھوڑے۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اور معاویہ کے بارے میں فرمایا: یہ دونوں دھوکہ دینے کے علاوہ کسی اور چیز پر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ اس حدیث کو طبرانی اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے۔ احمد حنبل اور ابو یعلی نے اپنی سندوں میں ابی برزہ سے نقل کیا ہے کہ ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے تو ہم نے غناء کی آواز سنی، آنحضرتؐ نے فرمایا دیکھو یہ کیا ہے، میں اوپر گیا تو کیا دیکھا کہ معاویہ اور عمرو عاص دونوں گانے میں مشغول ہیں، میں نے واپس آ کر پیغمبر اکرمؐ کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا:

کے محاسبہ کیلئے اس نے کتنی اہمیت دی۔

لیکن اس کے اعمال و کردار اور انتظامات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اس نے کبھی بھی حقیقی طور پر اپنی رسیدگی نہیں کی، جاہ و منصب طلبی اور بلندی پروازی اس کو اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی کہ وہ اپنی متزلزل اور بے معنی شخصیت کو ہمیشہ یاد رکھے اور اس بات کو بھی فراموش نہ کرے کہ ان القاب و عنوانوں اور ظاہری شان و شوکت کے زیر سایہ مکڑی کے تنے ہوئے تاروں کے علاوہ قابل اعتماد کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

وحشیانہ احساسات نے اس کے افکار کے دروازے اس پر اس طرح بند کر دیئے تھے کہ عمرو بن عاص کے

پروردگارا! ان دونوں کو فتنہ میں ڈال دے! خدایا! ان دونوں کو جہنم کی آگ میں جلا"

کتاب تطہیر الجنان کے مؤلف ابن حجر سے نقل ہوا ہے کہ "عمرو" نے منبر پر جا کر علیؑ کو ناسزا باتیں کہیں اس کے بعد مغیرہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ امام حسنؑ سے کہا گیا: آپؑ منبر پر جا کر ان کا جواب دیجئے آپؑ نے انکار فرمایا مگر اس شرط کے ساتھ اگر یہ دونوں یہ عہد کریں کہ اگر سچ کہو تو تصدیق کریں اور اگر جھوٹ کہو تو تکذیب کریں تو انہوں نے اس کا وعدہ کیا پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا: خدا کی قسم اے عمرو اور اے مغیرہ! یہ تجھے معلوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "مہار پکڑنے والے" اور "سوار" پر لعنت کی ہے اور ان دو میں سے ایک معاویہ تھا؟ اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک دن ابو سفیان مرکب پر سوار تھا اور اس کے بیٹے معاویہ اور عتبہ میں سے ایک آگے تھا اور دوسرا پیچھے سے مرکب ہانک رہا تھا اور ایک راستہ سے گذر رہے تھے کہ اچانک رسول خدا کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا: "اللھم العن القائد والسائق والراکب" انہوں نے جواب دیا: ہاں ہم واقف ہیں۔

اس کے بعد فرمایا اے مغیرہ اور اے معاویہ! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "عمرو" پر ہر قافیہ کے ساتھ لعنت فرمائی؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم جانتے ہیں، اس کے بعد فرمایا: تم کو خدا کی قسم اے عمرو اور اے معاویہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص (یعنی مغیرہ) پر لعنت فرمائی؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں جانتے ہیں۔

اس وقت امام حسنؑ نے فرمایا: ہم خدا کی اس نعمت پر شکر گزار ہیں کہ اس نے تم کو ان لوگوں میں قرار دیا جو علیؑ سے دشمنی کرتے ہیں۔

یہ "عمرو" وہی ہیں جن کے بارے میں بزرگ صحابی عمار بن یاسر نے جنگ صفین میں یہ جملے کہے: کیا تم ایسے شخص کی طرف جانا چاہتے ہو جس نے خدا اور رسول سے دشمنی کا راستہ اختیار کیا، مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا مشرکین کی مدد کی اور جب دیکھا کہ خداوند عالم اپنے دین کو عزیز اور اپنے رسول کو کامیابی عطا کرتا جا رہا ہے تو مسلمان ہو گیا وہ بھی خوف و ڈر کی وجہ سے مسلمان ہوا نہ کہ اپنی خوشی اور رغبت کی وجہ سے مسلمان ہوا۔ پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داعی اجل کو لبیک کہا خدا کی قسم اس کے بعد سے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور تباہ و برباد کرنے والوں کے ساتھ مدارات کرنے والوں کے علاوہ کسی اور طریقے سے نہ پہچانا گیا۔ ثابت قدم رہو اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرو چونکہ وہ نور خدا کو خاموش کرنا اور خدا کے دشمنوں کی مدد کر رہا ہے" (طبری، ابن ابی الحدید، مسعودی اور دوسروں نے اس کو نقل کیا ہے)۔

اس کے خلیفہ ہونے کی گواہی مغیرہ بن شعبہ کا اس کے بیٹے یزید کو مسلمانوں کا خلیفہ نامزد کرنا اس کی نظر میں جائز شمار ہوتا تھا جس کی وجہ سے اس نے اسلام کے شرائط کو صاف طور پر نظر انداز کر دیا، حالانکہ یہ دونوں کام (جن کی تاریخ گواہ ہے) مصر اور عراق کی حکومت کیلئے رشوت اور ان دونوں پست اور شرم آور معاملوں کو اہمیت دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

ابوسفیان کے بیٹے سے اس طرح کے کاموں کا صادر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، چونکہ وہ یا حقیقت میں ایک صحیح النسب اموی فرد تھا یا اگر صحیح النسب اموی فرد ہونے میں کوئی خدشہ بھی تھا تو وہ عمل کے حساب سے صحیح النسب اموی فرد ہونے کی کوشش کرتا تھا۔(۱)

ان دونوں قبیلوں اموی اور ہاشمی میں زمانۂ دراز سے جنگ وجدل ودشمنی کسی پر مخفی نہیں ہے۔

فطری طور پر عکس العمل اس بات کا اقتضا کرتا ہے کہ امویوں یعنی ان کی ہر فرد چاہے وہ زمانہ جاہلیت میں ہو یا ظہور اسلام کے بعد ہو ہمیشہ وہ اپنے القاب وقبیلہ کو فخر کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام کو مجبوری ولاچاری کی بنا پر قبول کیا اور انہوں نے کبھی بھی اسلام کو اسلام کی نظر سے نہیں دیکھا اور نہیں سمجھا، ہمیشہ انہوں نے پرانی اور وراثتی کدورت ودشمنی کو محفوظ رکھا اور اپنے گذشتگان کی شکست کا انتقام لینے کی جستجو میں رہے۔

فتح مکہ کے بعد معاویہ عہد نبوت کے سہانے دور میں (جیسا کہ اس نے خود نقل کیا ہے) ایک آزاد شدہ ننگے پیر غلام کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا لیکن جب بنی امیہ نے دوبارہ اپنی عزت وآبرو اور حیثیت کی تلاش وجستجو کی اور نئی سیاست کے موقع پر امویوں کی ایک فرد کو شوریٰ میں خلیفہ کا انتخاب کرنے کیلئے نمائندہ بنایا گیا تو پھر خلیفہ کا چچازاد بھائی شام کی ایک مقتدر طاقت بن کر کیوں نہ ابھرے، اپنے یار و مددگار کیوں نہ پیدا کرے،

---

(۱)۔ملاحظہ کیجئے "ربیع الابرار مؤلف زمخشری"، "المثالب "ابن سائب، "الاغانی "ابو الفرج، "مثالب بنی امیہ" مؤلف ابن السمان اور "بهجة المستفيد مؤلف جعفر بن محمد همدانی".

مؤلف: سرور عرب نے نهج البلاغه میں ان الفاظ کے ساتھ اسی موضوع کی طرف اشارہ فرمایا ہے: "وليس الصريح كاللصيق"۔ چپکی ہوئی چیز آشکار کی طرح نہیں ہوتی.

مذکورہ کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد قارئین کرام کو ان کتابوں میں معاویہ کے جن چار والدوں کے نام ونسب کا تعارف کرایا گیا ہے ان میں سے کسی ایک سے نسبت دینے میں اختیار ہے.

فوجیوں، مشاوروں اور اپنے ماتحت رہنے والوں کو خوش کیوں نہ کرے، محل، باڈی گارڈ اور دربان کیوں نہ رکھے اور شام کی بے حساب دولت سے استفادہ کیوں نہ کرے؟

اگر عہد نبوت میں معاویہ ایک پست رعایا تھا اور جس طاقت وقدرت سے اس کے قبیلہ نے ہاتھ دھو لئے تھے تو جب اس کو یہ طاقت وقدرت دوبارہ مل جائے تو وہ اپنا پچھلا حساب کیوں نہ چکائے؟ وہ اپنی پرانی عادت پر کیوں نہ پلٹے، بڑی تلاش وجستجو کے بعد اپنے دشمنوں کے باقی ماندہ افراد، ان کی اولاد، بھائی اور دوستوں سے کیوں نہ انتقام لے؟ ان تمام حقائق کے مدنظر مکمل طور پر یہ فکر کی جارہی تھی کہ معاویہ سب سے پہلے مناسب موقع پر اپنی مسلح فوج کے ذریعہ علیؑ اور حسنؑ پر حملہ کرے گا اور دوسرے میدان (یعنی جنگ سرد) میں اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے اور ان دونوں بزرگواروں کے خلاف اپنی طویل اور عمیق جدوجہد اور جنگ کو جاری رکھے۔

معاویہ کی اس طویل حکومت کے دوران متعدد ڈیپلومیٹک اقدامات اور حملوں سے اس حقیقت کا استدلال کیا جاسکتا ہے کہ وہ مکتب علوی کے اصول ومبانی کے خلاف یا یہ کہئے کہ واقعیت وجوہر اسلام جو مکتب علی اور ان کی اولاد کے ذریعہ متجلی ہوئی ہے سب کے خلاف منصوبہ بنا رہا تھا۔

قطعی طور پر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ وہ اس حملہ کے پس منظر میں چند مقاصد کی فکر میں تھا:

۱:۔ وہ شیعوں کے گروہ کو نیست ونابود کرنا چاہتا تھا اور آہستہ آہستہ اس گروہ سے متعلق افراد کو شکست دینا چاہتا تھا۔

۲:۔ خاندان پیغمبر سے متعلق مراکز اور جن جگہوں اور مقامات پر شیعہ زندگی بسر کررہے تھے ان میں افراتفری پیدا کرنا اس کے بعد ان لوگوں کو سخت سزا دینا اور ان کے درمیان بدنظمی اور شورش پیدا کرنا۔

۳:۔ خاندان پیغمبر کو دنیائے اسلام اور لوگوں سے دور کرنا، ان کو بھلا دینا یا ان کو برائی سے یاد کرنا، ان کے ہر طرح کے نفوذ سے مانع ہونا اور اس کے بعد ان کو مخفیانہ طور پر قتل کرنے کے طریقہ سے نابود کرنے کی کوشش کرنا، ان پر قاتلانہ حملہ کروانا۔

۴:۔ اعصابی جنگ بھڑکانا، اس آخری میدان میں معاویہ کے ظالمانہ حملے اتنے زیادہ تھے کہ جن کا خداوند عالم کی بارگاہ میں حساب بھی طویل ہوگا جس طرح تاریخ میں اس کا حساب طولانی ہوگیا ہے اور ہم اپنی بحث

(جس مقام پر معاویہ نے امام حسنؑ سے صلح کی شرطوں کی مخالفت کی ہے) میں اس کے ظلم وستم کے چند نمونے پیش کریں گے۔

معاویہ کی حضرت علیؑ، ان کے خاندان، ان کے افکار واغراض ومقاصد اور ان کی ایڈیالوجی سے دشمنی کا ایک کھلم کھلا نمونہ یہ ہے کہ جہاں جہاں پر بھی اس کا نفوذ تھا اس نے علیؑ اور آل علیؑ پر قانونی طور پر سب وشتم کرنا رائج کیا اور اس عمل (سب وشتم کرنا) میں یہ چیزیں مضمر ہیں یعنی ان کے خلافت کے حق سے انکار کرنا، ان کی فضیلت میں وارد ہونے والی احادیث کو نقل کرنے سے منع کرنا اور لوگوں کو ان سے بیزاری ودشمنی کرنے کیلئے مجبور کرنا۔

معاویہ پہلا وہ شخص تھا جس نے پیغمبرؐ کے اصحاب پر سب وشتم کرنے کا باب کھولا، یہ اس کا ایسا سابقہ ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی دیندار مؤمن اس پر رشک نہیں کرے گا! وہ عام افکار کو اس بڑی بدعت کی خاطر آمادہ کرنے کیلئے شیطنت آمیز تدبیروں سے متوسل ہوا، وہ تدبیریں جو معاویہ کے افکار سے بالکل سازگار اور الٰہی مبادی واصول سے بہت دور تھیں۔

معاشرہ کے سب سے عجیب حالات میں سے ایک عجیب وغریب حالت یہ ہے کہ بہت جلد تند وتیز اور طاقتور پروپگنڈہ سے متاثر ہونا ہے خاص طور سے اگر مال اور منصب کی طمع کے دونوں اسباب موجود ہوں۔

انصاف سے بتایئے کہ لوگ کس چیز سے خوش ہوکر معاویہ کے ساتھ ہم آواز ہوکر علی، حسن اور حسین علیہم السلام پر سب وشتم کرتے تھے، اور ان کو اہل بیت علیہم السلام میں کونسی ایسی کمی نظر آرہی تھی جس سے وہ معاویہ کے حسب منشاء ان پر سب وشتم کرتے تھے۔

شاید اس نے لوگوں کو اس بات پر قانع کردیا تھا کہ جن لوگوں نے دعوت اسلام کے آغاز میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کی ہے، جس طائفہ نے حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام قرار دیا ہے، جو زنا کو نسب کی جگہ پر بیان کرتے ہیں، جن لوگوں نے عہد وپیمان اور قسموں کو توڑ دیا ہے، جن لوگوں نے بزرگان اسلام کے خون سے ہولی کھیلی ہے، بے گناہوں کو زندہ درگور کردیا ہے اور بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھائی ہے (۱) وہ علی اور

---

(۱)۔اس موضوع سے مطلع ہونے کیلئے ''مروج الذھب جلد۲ صفحہ۴۲'' اور اس سے پہلے ہم ان جنایتوں کی مناسبت سے جن مدارک کو بیان کر چکے ہیں یا بعد میں اس سے متعلق فصل ''معاویہ کی صلح کی شرطیں وفا کرنے کی نوعیت'' میں بیان کریں گے ان کی طرف رجوع کریں۔

آل علیؑ ہوں گے!

شاید اسے لوگوں کی بات منوانے کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچی ہو اس نے لوگوں کو لالچ دینا شروع کر دیا یا اگر لالچ نہیں دی تو ان پر رعب ڈال دیا اور ان کو دھمکیاں دینے لگا، بہر حال وہ ہر ممکن وسیلہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ''کسی قید و بند کے بغیر اطاعت کا یہ کام اس حد تک پہنچا کہ ان کے درمیان علیؑ پر سب و شتم کرنا سنت بن گئی کہ بچے علیؑ پر سب و شتم کرتے ہوئے جوان ہوتے رہے اور بوڑھے علیؑ پر سب و شتم کرتے ہوئے دنیا سے رخت سفر باندھتے تھے''(۱)

قوی گمان کے مطابق خود معاویہ نے اس بدعت کو سنت کا نام دیا، اس کی ریاست کے دھوکہ میں آنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والوں نے بڑی دلچسپی اور رغبت کے ساتھ اس نام کو تسلیم کیا اور اس کے بعد سب لوگ اسی بری بدعت پر باقی رہے یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز نے اس بدعت کو ہٹایا اور منع کیا۔ مندرجہ ذیل تاریخی متن ملاحظہ کیجئے:

خطیب جامع ''حران'' نے ایک خطبہ دیا جب اس کا خطبہ تمام ہوا تو اس نے اپنی عادت کے مطابق ابوتراب پر سب و شتم نہیں کیا۔ اچانک چاروں طرف سے لوگوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں: آہ آہ سنت، سنت! تم نے سنت کو چھوڑ دیا!''

---

(۱)۔ مروج، الذہب، جلد ۲ صفحہ ۷۲۔ اس مقام پر یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ صفین میں سنا کہ بعض اصحاب شام والوں پر سب و شتم کرتے ہیں تو آپؑ نے ان سے فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم اپنی زبان سے ناسزا الفاظ ادا کرو، بلکہ تمہارے لئے تو ان کے اعمال اور حالات کو بیان کرنا بہتر ہے، یہ تمہارے لئے صحیح اور عذر خواہی کے نزدیک ہے، ناسزا الفاظ کے بجائے یہ کہو: خدایا! ان کے اور ہمارے خون کی حفاظت فرما، ہمارے اور ان کے درمیان صلح کر، ان کو گمراہی سے نجات دے تا کہ گمراہ ہونے والے حق کو پہچان لیں اور باطل افراد گمراہی سے باز آ جائیں' شرح نہج البلاغہ، جلد ۱، صفحہ ۴۲۰۔۴۲۱)

ایک دن معاویہ کا ایلچی امام حسنؑ کے پاس آیا اور اس نے اپنی گفتگو کے دوران کہا: میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی حفاظت کرے اور اس قوم کو ہلاک کرے۔

امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''آرام سے رہو! جو شخص تجھے امین جانتا ہے اس کے حق میں خیانت نہ کر، تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے ماں باپ کی وجہ سے دوست رکھتے ہو اور تمہاری خیانت کاری کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ کچھ لوگ تم سے مطمئن ہوں اور تم ان کے دشمن ہو اور ان کیلئے بد دعا کرو'' (الملاحم و الفتن، صفحہ ۱۳۴، طبع، نجف)

آنے والے زمانے میں معاویہ کی یہ سنت اس کلمہ سے دوسرے مطلب کی اساس اور بنیاد بن گئی اور یہ دوسرا مفہوم لوگوں کے درمیان باقی رہ گیا جس کے نتیجہ میں اس کی ابتدائی سیاسی مناسبت فراموش کر دی گئی۔ اس شخص کے ایک جیسے اور یکسو حالات اور اوصاف پر جب ہوشیاری کے ساتھ منصفانہ طور پر نظر کی جائے تو قارئین کو اس شخص کی پہچان کیلئے بہت زیادہ مثالیں دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

ان تمام باتوں کے باوجود اگر امام حسنؑ اور معاویہ کی جنگ میں معاویہ کامیاب ہو جاتا اور امام حسنؑ شہید ہو جاتے تو معاویہ کس طرح عمل کرتا؟ کیا ان تمام بیان شدہ مطالب کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس صورت میں اعتدال اور میانہ روی کی رعایت کرتا اور امام حسنؑ کے دوست و مددگار، ان کے شیعہ اور ان کے باقی رہنے والے ورثا سے اپنے سابقہ حالات کی رو سے مناسب رویہ اختیار نہ کرتا کیا ان کو پریشان اور تتر بتر کر کے اپنی بہترین کامیابی میں خود رکاوٹ کا سبب نہ بنتا؟ اس مطلب کے پیش نظر کہ اس نے فرزند رسول کے ساتھ ظاہری طور پر ایسا مخاصمانہ عمل کیا اور پیغمبر اکرم ﷺ کے باعظمت خاندان کی مایہ ناز شخصیت پر اپنے سرسخت پروپگنڈے کے مقابلہ میں شرمناک حملہ کیا اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس صورت میں (یعنی امام حسنؑ کے قتل ہو جانے سے میدان میں کوئی مدمقابل نہ جاتا) تو اس صورت میں ایک وسیع قتل عام وجود میں آتا جس میں اہل بیتؑ کے شیعہ اور مخلص افراد کا قلع قمع ہو جاتا۔

اس میں کوئی شک و تردید نہیں ہے کہ معاویہ اس صورت میں بے دھڑک اور سیاسی باریکیوں کے لحاظ سے یا شریعت کی طرف سے اس کیلئے کوئی چھوٹا سا مانع نہیں تھا اور وہ اصول و مبانی سے ایک دم اپنا حساب صاف کر لیتا وہی اصول و مبانی جو علیؑ کی خلافت کے آغاز سے بلکہ دنیا میں انوار بنی ہاشم کے جلووں کے ظہور و وسعت کے وقت سے اور حتیٰ کہ جس وقت ''امویت'' کدورت و افتراق کی وجہ سے شام کی طرف فرار کر گئی اس کو ہمیشہ پریشان کئے رہے اور اس کے آرام و عیش کو ختم کر دیا تھا۔

معاویہ ایسا شخص نہیں تھا جو امام حسنؑ کے قتل کے بعد اپنی تدبیروں اور شیعوں کے تتر بتر کرنے کے منصوبوں کو چھوڑ دے اور اپنے عہد میں ان منصوبوں و تدبیروں کے ذریعہ دھوکہ میں آئی ہوئی نسلوں کو اس عمل کے انجام دینے میں اپنے موافق بنا لے۔

وہ وہی شخص تھا جس نے ان ہی شیطنت وشرارتوں کے ذریعہ علیؑ پر سب وشتم کو رائج کیا اور خود خون عثمان کی ذمہ داری بھی اسی کی گردن پر پڑگئی، نہ معلوم اس کے سامنے کونسی ایسی مشکل آ گئی تھی جو وہ شیعوں کی بنیاد کو اکھاڑنے اور اس سلسلہ کی تیسری دوزخی کڑی قرار پائے؟ وہ بنیادی طور پر اسی طرح کی شیطنت وشرارتوں کا مرد میداں تھا۔

شام کے اونچے اونچے محلوں کے ساتھ، خریدے جانے والے ضمیر، قلم آمادہ رکھنے والے ایجنٹ بہت زیادہ موجود تھے، اس کیلئے کیا مشکل تھی جو اس کے بنائے ہوئے طور طریقوں کے ذریعہ اس کی احادیث، رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جعل کی جائیں، مکتب علوی کے اصولوں پر دھاوا بول دیا جائے، ان کے افکار اور تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے، اور ان کی تعلیمات کو لوگوں کی نظروں میں ایسی حقیر اور بے اہمیت بنا کر تعارف کرایا جائے جو قابل دوام نہ ہو، اس کے بعد (جو ماحول آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالی ہے) ان مسخ شدہ حقائق سے لوگوں کے حقیقی اسلام سے روگردانی کرنے کا وسیلہ فراہم کیا جاسکے اسلام کے پہلے بانیوں پر تہمت لگائی جاسکے، اور جو سب سے پہلے اسلام لائے اور اس کی تعلیمات کے چشموں سے فیضیاب ہوئے ہیں ان کا اسلام کے دشمنوں میں تعارف کرایا جائے اس کے بعد آہستہ آہستہ دوسرا اسلام جو معاویہ کے افکار اور اس کی مصلحت کو مدنظر رکھنے والا تھا اس کو لوگوں کیلئے بیان کر دیا جائے۔

یہ وہی خطرہ تھا جس کا امام حسنؑ نے بذات خود اپنے چاہنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے اس جملے میں اشارہ فرمایا تھا: ''تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے کیا کیا خدا کی قسم میں نے جو کام انجام دیا ہے وہ دنیا میں جتنے بھی شیعہ ہیں سب کیلئے اہمیت کا حامل ہے''۔

اور دنیا میں فکر ونظر کو جاودانہ اور اہم بنانے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے جو دنیا میں اس سے زیادہ قیمتی ہو۔

یہ وہی حقیقت تھی جس کی طرف امام محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام (الباقر) نے جب آپ سے امام حسنؑ کی صلح سے متعلق سوال کیا گیا تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''وہ بہتر جانتے تھے کہ کیا کیا جائے، اور اگر وہ اس کام کو انجام نہ دیتے تو بیشک ایک عظیم سانحہ پیش آجاتا''۔

نتائج بحث

قوی احتمال کی بنا پر قارئین کرام کو اس بحث کے تینوں مرحلے ہمارے نتیجہ حاصل کرنے سے پہلے ہی ان کے مدنظر نتیجہ تک پہنچا دیں گے اور اس سلسلہ میں آہستہ آہستہ تنقید کے اسباب فراہم کرنے والی تمام مشکلوں کو حل کر دیں گے۔

اب ہم امام حسنؑ کیلئے شہادت کا راستہ بند ہونے کے متعلق اپنے بیان اور گفتار کا اثبات کرتے ہیں اور یہ نشاندہی کرائیں گے کہ امام حسنؑ نے شہادت سے فرار اختیار نہیں کیا بلکہ ''شہادت'' ان کی دسترس میں نہیں تھی، اس سلسلہ میں ہمارا کہنا ہے:

اگر امام حسنؑ آخری لمحوں میں مدائن میں ان پر چھا جانے والی مشکلوں اور تنگیوں کو اپنا پاک خون بہا کر حل کرتے، اور ساٹھ ہزار شام کی فوجوں کو علی الاعلان بری اور ستمگرانہ روش کو اپنی شہادت کا سبب قرار دے کر اس عظیم وار جمند مقام تک پہنچتے تو کسی صورت میں بھی یہ کام ان کے ذریعہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچتا اور آپؑ اس عمل کے ذریعہ شہید ہونے کے بجائے بغیر مقصد کے قتل ہو جاتے اور آپؑ کے یار و انصار بھی ہرگز اس بات پر قادر نہ ہوتے کہ آپ کا نام تاریخ میں ''ایک شہید'' کے عنوان سے لکھا جائے۔

اس مطلب کی دلیل یہ ہے:

اس وقت مدائن میں جو افسوسناک حالات فوج کے کچھ سپاہیوں کے مخاصمانہ نعروں کی وجہ سے پیش آ گئے تھے یہاں تک کہ ان کے اسلحہ استعمال کرنے کی حکایت بھی کر رہے تھے، کوفہ کے خیانت کاروں نے امام حسنؑ کو قتل کرنے کیلئے معاویہ سے جو عہد کیا تھا وہ آشکار ہو گئے آخر کار امام حسنؑ نے ان خطوط سے جن حالات کا خود مشاہدہ فرمایا تھا۔ ان تمام افسوسناک حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر انسان اس حقیقت کو قبول کرنے کیلئے ناچار ہے کہ لشکر کے سرداروں کے درمیان ایک منصوبہ بنا تھا جس کے نتیجہ میں امامؑ کیلئے سب سے بڑی جنایت وقوع پذیر ہو سکتی تھی اور اس منصوبہ کی طرفداری کرنے والے اس کو عملی جامہ پہنانے کی مناسب فکر میں تھے۔

لشکر کا نظم و ضبط درہم و برہم ہونے، فوج پر رعب و دبدبہ چھا جانے، ''مسکن'' کی ناگوار خبروں کے پہنچنے کم فہم اور پست گروہ کے درمیان مصنوعی ہرج و مرج کا آشکار ہو جانا، خیانت کاروں کیلئے ایک مناسب موقع کو

فراہم کر چکا تھا اور جس آخری اور یقینی ضربت کیلئے ''خوارج'' اور ''اموی ٹولہ'' انتظار میں تھا وہ ان کیلئے آمادہ ہو گیا تھا... اور ہم اس بات کو بھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں کہ معاویہ نے امام حسنؑ کو اپنے پہلے خطوط میں اس طرح کے پیش آنے والے واقعہ سے ڈرایا تھا، کیا معاویہ کے خطوط میں اس عبارت: ''ایسا کام انجام نہ دیجئے کہ آپ ذلیل اور پست لوگوں کے ہاتھوں قتل کئے جائیں'' کا مطلب یہی ڈرانا دھمکانا نہیں ہے۔

حالات اتنے حساس اور آشفتہ تھے کہ امام حسنؑ کی جانب سے ہر طرح کے اقدامات (چاہے وہ جنگ کا قصد ہو یا صلح کا ارادہ، چاہے ''مسکن'' کے محاذ پر جانا ہو یا کوفہ کی طرف واپس پلٹ آنا) کی سخت مخالفت اور اس کے بعد سب کا متحد ہو کر آپ کے حکم کی نافرمانی، اور آخر کار آپؑ کو مسلحانہ شورش سے مقابلہ کرنا ہوتا اور معاویہ کی یہی ایک خواہش تھی جس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے وہ شام کے مال و دولت کو لٹا رہا تھا۔

اور اس صورت میں امام حسنؑ کے پاک و پاکیزہ خون کے علاوہ کوئی بھی چیز اس سرکش شعلہ کو نہیں بجھا سکتی تھی۔

بڑی اور دیوانہ وار شیطانی بغاوتیں ہمیشہ ایسے ہی ہوتی ہیں جو ظالمانہ حکم صادر کرتی ہیں، بے گناہ قربانی کی تلاش میں رہتی ہیں... اور کسی کی عظمت و شخصیت بھی اس قربانی میں مانع نہیں ہو سکتی ہے۔

کیا ساباط مدائن میں امام حسنؑ کو لگنے والی ضربت اس ادعا کی دلیل نہیں ہے؟ اور کیا یہ ضربت عمداً اور پہلے سے بنائے ہوئے منصوبہ کے ذریعہ نہیں لگائی گئی؟ آپؑ اس وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اپنے گورنر کی قیام گاہ کی طرف تشریف لیجا رہے تھے تا کہ وہاں پر لشکر کے شور و غوغا سے دور رہ کر امن و امان کی جگہ پر اس فتنہ کو خاموش کرنے کیلئے ضروری تدبیریں اتخاذ کریں۔

اس بارے میں مورخین یوں رقمطراز ہوئے ہیں: ''شیعوں اور آپ کے خاندان والے آپ کا حلقہ کئے ہوئے تھے اور کسی کو آپؑ کے پاس جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے'' تاریخ کے ایک اور متن کی عبارت کچھ یوں ہے: ''ان کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے اور لوگوں کو آپؑ سے دور کر رہے تھے'' لوگوں کو ان سے کیوں دور کر رہے تھے اور کسی کو ان کے پاس کیوں نہیں آنے دے رہے تھے؟ کیا یہ تمام باتیں صاف طور پر اس بات کو ثابت نہیں کرتی ہیں کہ امام حسنؑ کی جان کو خطرہ لاحق تھا اور ان پر رعب ڈالا جا رہا تھا اور کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جو

لوگ کوفہ سے آپؑ کا دفاع اور جہاد کی غرض سے آئے تھے کچھ مدت کے بعد آپؑ کے دشمنوں کی صورت میں ظاہر ہو گئے؟

کیا آپؑ کا اپنے گورنر'' سعد بن مسعود'' کی قیام گاہ پر جانے کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور تھا کہ آپؑ اس فتنہ پرور ماحول میں جو، بڑے بڑے حوادث اور چاروں طرف سے ہونے والی بغاوت کہ نہ معلوم ان کا کیا نتیجہ ہو ان سب سے دور رہیں؟ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ فرمایا کہ ان کے متعلقین اور ان کے ماتحت رہنے والے ان کے خیمہ کو لوٹ رہے ہیں اور خود اپنے کانوں سے سنا تھا کہ (پاک و پاکیزہ مقام و منصب کے باوجود) ان کی تکفیر کر رہے ہیں اور ان کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، انہوں نے مشاہدہ کیا تھا کہ وہ اپنے پہلے سے بنائے ہوئے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں یا ان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، انہوں نے یہ احساس کیا کہ دشمن کا کام یہاں تک پہنچ گیا کہ وہ ان کو دیکھنے کی تاب بھی نہیں رکھتے، اگر آپؑ ان کے درمیان آ جاتے تو وہ آپؑ سے عصیان و تمرد کے ساتھ پیش آتے، اس بنا پر آپ اس ماجرے سے کچھ دور فاصلہ پر جانا چاہتے تھے اور یہی نقل مکانی (حالات کا علاج قبول کرنے کی صورت میں) اس علاج کا سبب ہو سکتی تھی۔

یہ واضح و روشن ہے کہ دنیا میں امام حسنؑ سے زیادہ کوئی بھی کامیابی کا خواہاں نہیں تھا اسی طرح اس سلسلہ میں کسی شخص کی بھی آپ سے زیادہ فعالیت ولولہ و نشاط اور ضرورت پڑنے پر بے دریغ فداکاری نہیں تھی۔

اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ قضیہ کو حل کرنے کے طریقے اور نظریات جو آج آسانی سے ہمارے سامنے بیان کئے جاتے ہیں آپؑ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھے اور جو تدبیریں ہماری نظر میں آتی ہیں وہ ان کی نظروں میں بھی تھیں۔ آپؑ کی زندگی کے تمام مراحل یہ نشاندہی کرتے ہیں کہ آپؑ اتنے روشن فکر اور با تدبیر تھے کہ آپ اپنی پوری زندگی کی تمام مشکلات (جنگ یا صلح میں، راہ جہاد یا راہ مسالمت میں، مقر حکومت ''کوفہ'' یا مقر امامت ''مدینہ'') میں کامیاب و کامران ہوئے اور مسئلہ کو حل کرنے کے بہترین طریقوں کو منتخب فرمایا۔

اب انصاف کے ساتھ بتایئے کہ کیا اس طرح کے بحرانی اور پریشان کن حالات میں یہ ادعا کیا جا سکتا ہے کہ زندگی آفرین موت (یعنی شہادت) کیلئے تھوڑا سا بھی راستہ موجود تھا؟! اس بات کو ماننا پڑے گا کہ ان حالات میں صرف امام حسنؑ کیلئے ابدی موت جو بے اثر تھی، کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا اور یہ موت وہی ہے کہ

جس سے اہم اور بڑی شخصیتوں کو (جو کسی سنت کو زندہ کرنے یا امت کو نجات دینے کیلئے موت کو گلے لگاتی ہیں) اس سے گریز کرنا چاہئے۔

امام حسنؑ جن بلا و مصیبت کی ڈراؤنی موجوں کے درمیان گھر گئے تھے اس کی تصویر کشی، اور اس قوی اور مجاہد امام کے چاہنے والوں کیلئے ان سخت حالات کی یاد آوری بڑی دشوار اور طاقت فرسا ہے۔

جو واقعات انسان کے معمولی اور روزمرہ کی باتوں کے نتائج ہیں (جیسے ذاتی دشمنیاں یا قبیلہ کی دشمنیاں یا فکری اختلافات انسان آسانی کے ساتھ ان کا تصور اور ان کی توجیہ کرسکتا ہے۔ معاویہ کی امام حسنؑ سے دشمنی یا بنی امیہ کی بنی ہاشم سے خصومت، یا خوارج کے علیؑ اور اولادِ علیؑ سے اختلافات اسی طرح کے ہیں لیکن وہ حالات اور حوادث جن کا ہدف اور مقصد صرف لالچ اور بشری پستی و پلیدی کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا ایسے دردناک امور ہیں جن کو انسان لوگوں کی بے قاعدگی قانونی انحراف کا ذہن میں تصور کرتا ہے۔

فکر کیجئے کہ کیا یہ بات امکان پذیر ہے کہ ایک شیعہ امام حسنؑ کی امامت کا اسی طرح عقیدہ رکھتا ہے جس طرح وہ آپؑ کے جد پیغمبر اکرم ﷺ کی نبوت کا عقیدہ رکھتا ہے اس کے علاوہ اس نے ان کی اور ان کے پدر بزرگوار کی نعمتوں کے زیر سایہ زندگی بسر کی ہے وہ امامؑ اور اپنے ولی نعمت کے سب سے زیادہ بحرانی اور سب سے زیادہ مشکل حالات، اور جن لمحات میں امامؑ کو اپنے شیعوں کے اخلاص کی بہت زیادہ ضرورت ہے وہ ان کی نسبت سب سے بڑی خیانت کا مرتکب ہوجائے؟!

ہاں یہ واقع نہ ہونے والا امر وقوع پذیر ہوا!! اس سے مراد وہی پست سازش ہے جو آپ مدائن میں مدت امامت کے دوران ''مقصورہ سفید'' کے حصار میں آپ کے بارے میں تیار کی گئی تھی۔

اب آپ ملاحظہ کیجئے کہ جس نسل کے درمیان سے امام حسنؑ کو اپنے دشمن سے جہاد کرنے کیلئے اپنی فوج کا انتخاب کرنا ہے وہ کس طرح پست اور منحرف اخلاق کے حامل تھے۔

کبھی ایک فرد ذاتی طور پر فضیلت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی وہ خود تک و تنہا ماحول کے اثرات سے ہٹ کر اخلاقی فضائل کا حامل ہوتا ہے! لیکن کبھی یہی شخص اپنی فطرت کی کمزوری کی وجہ سے اس وقت سستی کا شکار ہوجاتا ہے جب وہ عمومی روش اور ایک عام رزمیہ شور و غل کے روبرو ہوتا ہے ایسے وقت میں وہ اپنی فردی صداقت کو کھو

بیٹھتا ہے اور اسی عمومی رسم ورواج کو قبول کر لیتا ہے۔ اسی عمومی انداز فکر میں فکر کرتا ہے اور اسی طرح احساس کرتا ہے اور ان کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ایسا شخص اپنی فطرت سے حاصل کرنے والے مطالب سے ہمیشہ دست وگریباں رہتا ہے اور مخالف، ہوا کے تیز جھونکے کے ختم ہو جانے اور اس ہنگامہ کے خاتمہ کے بعد سخت ندامت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

مدائن کا بحران بھی کچھ اسی طرح کا تھا یہاں تک کہ درمیانی حالات کے شیعہ بھی اس کی رو میں آ کر بہہ گئے، شیعہ گری، گروہی غرور اور عربوں کے سادہ عواطف سے بھی جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا ان کو بھلا دیا۔

اگر یہ امام نہیں ہیں تو ولی نعمت بھی نہیں ہیں؟ اور اگر کچھ نہیں ایک مجروح شریف انسان بھی نہیں ہیں؟

اس فوج کی تاریخ شیعہ کا یہ ایک یادگار نمونہ ہے۔ ''خوارج''، ''امویوں''، ''شک پرستوں'' اور ''الحمراء'' کے حالات کا آپ خود اندازہ لگا لیجئے اور تاریخ جس ایک نمونہ کو رقم کرتی ہے وہ معمولا دوسرے متعدد نمونوں کی دلیل ہوتا ہے جس کو یا تو تاریخ کے صفحات سے محو کر دیا جاتا ہے یا آغاز ہی سے اس کو مرقوم کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے۔

دوسری طرف امامؑ نے ان شیعوں کے جواب میں فرمایا جو صلح کے متعلق شک کیا کرتے تھے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

''معاویہ سے صلح میں میرا صرف یہ مقصد تھا کہ میں تم کو ہلاک ہونے سے نجات دیدوں''(۱)

قارئین کرام کو اس جملہ سے مکمل طور پر حقیقت درک کرنے اور اس کے معتقد ہو جانے کیلئے ہم اس سلسلہ میں کچھ وضاحت کرتے ہیں:

حقیقت میں امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان جنگ ان دو افراد کی طرح نہیں تھی جو حکومت تک پہنچنے کیلئے سعی وکوشش کیا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ جنگ دو مسلک اور دو فکروں کی جنگ تھی جو ایک دوسرے سے زندگی اور موت کیلئے لڑ رہے تھے اور آپس میں بقا اور ابدیت کے سلسلہ میں برسر پیکار تھے۔ اس جنگ میں کامیابی وکامرانی کا مطلب ان دونوں مسلک اور دونوں طرز فکر میں سے ایک کا ہمیشہ کیلئے باقی رہنا تھا جس کیلئے دونوں رقیب آمنے سامنے ہوئے تھے۔ مسلکی ومذہبی جنگ ہمیشہ اسی طرح ہوتی ہے۔ ان جنگوں میں اسلحہ کے ذریعہ کامیابی، حقیقی

---

(۱)۔ دینوری، صفحہ ۲۰۳۔

کامیابی نہیں ہوتی بلکہ جو چیز دونوں مد مقابل میں سے ایک کو کامیاب کرتی ہے وہ اس محاذ کے مکتب و مسلک کی بقا ہے اور بسا اوقات یہ کامیابی اس محاذ کی ہوتی ہے جو جنگ میں اسلحہ کے ذریعہ مغلوب اور شکست خوردہ ہو جاتا ہے۔

اس دور میں مسلمان، عقیدہ اور مکتب کے اعتبار سے دو گروہ میں تقسیم ہو گئے تھے دو محاذ اور دو متخاصم لشکر (چھاؤنی) میں مستقر تھے ہر محاذ اپنی فکر اور عقیدہ کا دفاع کر رہا تھا اور ہر طرح سے اس راہ میں فداکاری کر رہا تھا۔

وہ دو مکتب، مکتب علوی اور مکتب اموی تھے اور وہ دو لشکر گاہ (چھاونیاں) کوفہ اور شام تھے۔

شام میں معاویہ نے عثمان کے خون کا انتقام لینے کی وجہ سے لوگوں کو بھڑکایا تھا لہٰذا شام کی لشکر گاہ کو شیعہ اور علیؑ کی اولاد سے خالی کر دیا اور وہ آرام سے زندگی بسر کرنے کی خاطر مجبور ہو کر کوفہ یا اس کے اطراف میں جا کر آباد ہو گئے اس طرح عام طور سے اہل بیتؑ کے شیعہ کوفہ، بصرہ، مدائن، حجاز اور یمن میں جمع ہو گئے۔

مسلمانوں کی بڑی بڑی ہستیاں اور باقی بچے ہوئے مہاجرین و انصار ہر طرف سے عراق منتقل ہو رہے تھے اور ہاشمی خلافت کے دور میں کوفہ اسلام کا مرکز اور میراث رسالت کی امن و امان کے خزانہ میں تبدیل ہو گیا۔

اس بنا پر یہ بات فطری تھی کہ امام حسنؑ کی اس جہاد کیلئے عام دعوت جس سے ان دونوں مکتبوں کی تقدیر معین ہونے والی تھی ان تمام بزرگ، اور برگزیدہ افراد کے قبول کرنے کا سبب جو آپؑ کے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد باقی رہ گئے تھے جن میں اکثر آپؑ اور آپؑ کے پدر بزرگوار کے شیعہ اور آپ کے جد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب تھے، اسی بنا پر یہ سب ایک ساتھ، صفوف کے درمیان اپنے اپنے مقام اور اپنی اپنی فوجی ٹکڑیوں کے ساتھ نخیلہ کی لشکر گاہ میں جمع ہو گئے۔

دنیا کے کسی خطہ میں بھی کوئی فوج اس فوج (جو بیش قیمت گروہ اور بنی ہاشم کے پاک خاندان پر مشتمل تھی) سے زیادہ اسلام کی میراث کو صحیح طریقہ سے محفوظ رکھنے کی استعداد و قابلیت نہیں رکھتی تھی۔

''نخیلہ'' کے لشکر گاہ میں ان بزرگ افراد کے پہلو میں دوسرے لوگ بھی موجود تھے کہ جن کے عناصر، اہداف اور ان کے اعمال کے نتائج ہم تفصیلی طور پر بیان کر چکے ہیں۔

صف آرائی اور جنگ کیلئے آمادہ ہونا حالات کا تقاضا ہے جس کے متعلق ہم گذشتہ فصلوں میں بیان کر چکے ہیں۔

انگشت شمار تعداد ایام سے بھی کم مدت میں مسکن اور مدائن کی لشکر گاہ میں مختلف طرح کے واقعات وحالات پیش آ رہے تھے اور مختلف قسم کے اشخاص سے جنگ کی صفیں لگائی جارہی تھیں۔ ان دونوں لشکر گاہوں میں مسلمانوں کے ممتاز طبقہ یعنی مذہبی، ایمان دار اور مخلص افراد کے پہلو میں مختلف اور درمیانی حالات کے لوگ قرار پا رہے تھے۔

عبیداللہ بن عباس اور اس کے ساتھیوں کا معاویہ کی طرف فرار کر جانا یہ ایک حساب چکا لینے کے مانند تھا کہ اگر اس طرح کے دوسرے واقعات رونما نہ ہوتے تو اس صورت میں یہ مفید واقع ہو سکتے تھے اس لئے کہ یہ واقعہ ''مسکن'' کی لشکر گاہ جو دشمن کے مدمقابل تھی حقیقت میں اس لشکر میں جو غیر خالص اور فاسد افراد تھے ان سے خالی ہوگئی۔

لیکن مدائن میں امام حسنؑ اور ان کے قریبی دوست واحباب اس کثیر تعداد کے درمیان تھے جن کا جوش و جذبہ شکست خوردہ لشکر کے جوش وجذبہ کی مانند تھا نہ ان کی معاویہ تک رسائی تھی، نہ فرار کر سکتے تھے اور نہ ہی ان میں کوئی ایسا شرعی وظیفہ یا ذمہ داری تھی جس سے وہ استقامت کرتے۔ یہی وہ افراد تھے جو کچھ مدت کے بعد اس تاریخی واقعہ کا ذریعہ بنے یعنی امام حسنؑ اور اس جنگ کے مقصد کے درمیان ایک دیوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اُن پر شہادت کا افتخار آمیز راستہ بند کر دیا اور ان کے تمام امور کو تباہ و برباد کر دیا (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)۔

اب ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ امام حسنؑ جنگ برقرار رکھنے یا صلح قبول نہ کرنے میں سے کسی ایک طریقہ کا انتخاب کر سکتے تھے، وہ یہ کہ آپ مدائن میں جس حصار میں تھے ''مسکن'' کے بااخلاص افراد کو ان کے نئے کمانڈر قیس بن سعد بن عبادہ کی سربراہی میں جنگ شروع کرنے کا حکم صادر فرما دیتے، اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ شخص تھا کہ ان کی ذاتی رجحانات کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں تک کہ امام حسنؑ کی صلح کے بعد بھی یہ جنگ کو ترجیح دیتا تھا۔(۱)

اگر چہ مدائن کے خلل ڈالنے والوں کی نافرمانی اور شورش امام حسنؑ کی اس فوج کو جنگ کیلئے آمادہ کرنے میں مانع تھی لیکن وہ آپؑ کے ''مسکن'' کی لشکر گاہ میں مخلص اور باوفا ساتھیوں کو مخفی یا آشکار طور پر فرمان صادر کرنے میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی تھی۔

---

(۱)۔اس سلسلہ میں ملاحظہ کیجئے تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۔

شاید بہت سے با اخلاص مجاہدین جو مدائن میں اکثریت کے تحت الشعاع تھے، نیز جب ان کی امام حسنؑ کی طرف تشویق کی جاتی تھی یا ان کی طرف سے کسی طرح کی آمادگی اور موافقت کا احساس کرتے تھے تو ان کو ''مسکن'' کے لشکر کی امداد کے طور پر روانہ کیا جاسکتا تھا۔ اس صورت میں خود امام حسنؑ بھی کچھ مدت کے بعد جب طوفان حوادث خاموش ہو جاتا تو ان سے ملحق ہو جاتے اور وہاں پر یقینی کامیابی یا شہادت کے درجہ پر فائز ہو جاتے۔

اس بنا پر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ: جب اس طرح کی راہ حل موجود تھی تو امام حسنؑ نے صلح کیوں قبول فرمائی؟

اس سوال کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ:

شاید امام حسنؑ کیلئے مدائن کے آخری ایام میں یہ فرمان صادر کرنا ممکن تھا یا ممکن نہیں تھا۔ لیکن ہر حال میں جس طرح بھی کامیابی کی امید ہو سکتی ہے اسی کو راہ حل کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے بسا اوقات ممکن ہے ایک مدبرانہ عمل، دوسرے حالات و شرائط کے تحت بہت زیادہ مشکلات اور دشواریوں کی کنجی بن سکتا ہے۔ یہ وہ ایک اصل ہے جس کی طرف ہر راہ حل کو انتخاب کرتے وقت متوجہ رہنا چاہئے۔

لیکن کیا اس پیشکش کو پیش کرنے والے نے مسکن کے چار ہزار سپاہیوں کے شام کے ساٹھ یا اسّی ہزار فوجیوں کا مقابلہ کرنے کی مدت کے بارے میں بھی فکر کی ہے؟ (اس تحلیل کی بنا پر جو گزشتہ فصلوں میں سے ایک فصل میں گزر چکی ہے کہ اس جنگ کی مدت کیا ہوگی جس کے فوجی پینتالیس برابر ہوتا)۔

اسی طرح امام حسنؑ کی اس کم مدت میں تمام ہو جانے والی جنگ کے بعد کیا حالت ہوتی، یعنی جس وقت ''مسکن'' کے تمام باوفا افراد قتل ہو جاتے تو آپ کی کیا حالت ہوتی؟

کسی شک و تردید کے بغیر اس صورت (اگر آپ زندہ رہتے) میں آپ کی حالت یہ ہوتی کہ آپ کسی قید و شرط کے بغیر تسلیم ہو جاتے، اور یہ وہی موقع تھا جس کا معاویہ اپنے واقعی اقدامات کے آغاز سے کوفہ اور شام کے مسائل کے سلسلہ میں انتظار کر رہا تھا۔ کوفہ پر اپنی فوج کے ذریعہ حملہ کرتا، کامیاب اور کامران ہو کر اس شہر میں داخل ہوتا، خاندان پیغمبر سے سخت انتقام لیتا، امید کے تمام راستوں کو بند کر دیتا، ان سرزمینوں کے تمام برجستہ شعائر (نشانیوں) کو تباہ و برباد کر دیتا اور جو اصول خدا کی راہ میں برگزیدہ لاکھوں شہدا کے خون سے استوار ہوئے ہیں ان کو

ختم کر دیتا۔

ہم یہ گمان نہیں کر سکتے ہیں کہ کوئی ان قطعی نتائج کو تو سمجھتا ہو لیکن اس بیہودہ اور نا فرجام راہ حل کو نہ سمجھتا ہو!

اس راہ حل کا سب سے واضح اشکال واعتراض یہ ہے کہ اس صورت میں امام حسنؑ سب سے کم زمانہ میں اس خطرناک دشمن کی طرح جو صلح نامہ میں اپنی تمام شرطوں کو رقم کر دے اور پھر اس شکست خوردہ دشمن کی طرح ہو جائے جس کے پاس کسی قید و بند کے بغیر تسلیم ہونے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جب ہم یہ فرض کر لیں کہ امام حسنؑ جنگ کے ختم ہونے تک زندہ رہتے اور قتل نہ ہوتے۔ اب ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ یہ تھوڑی سی مدت کی جنگ میں وہ خود قربان ہو جاتے یعنی کس امام کیلئے ممکن ہے کہ وہ مدائن سے نکل کر مسکن پہنچے اور جنگ میں شریک ہو (ایسا کام جس کو کسی طرح بھی عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا) اور آخر کار قتل ہو جائے۔

اس صورت میں اور اس فرض کے ساتھ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس صورت میں شہادت کی وجہ سے پورا مکتب تباہ و برباد ہو رہا ہو وہ شہادت خدا کی بارگاہ اور تاریخ کے فیصلہ میں سرفرازی کا سبب نہیں ہو سکتی ہے۔

جو تاریخ اس جنگ کے ماجرے کو امام حسنؑ کی شہادت اور اس کے افسوسناک نتائج برآمد ہونے کے بعد تحریر کرے وہ امام کے حالات اور ان کی جنگیں آنے والی نسلوں کیلئے اس طرح تصویر کشی کرے کہ جس کا مطلب رخنہ اندازی اور اپنے زمانہ کے خلیفہ کے خلاف قیام کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔ یہ وہی مطلب ہے جس کو ہم "معاویہ کا امام حسنؑ کے اغراض و مقاصد کے مقابلہ میں طور طریقہ" کے عنوان کے تحت اسی فصل میں بیان کرنا چاہتے تھے۔

اس مطلب کی وضاحت کچھ یوں ہے:

ہم اس بات سے پہلے واقف ہو چکے ہیں کہ دین کے برجستہ افراد، باقی رہ جانے والے مہاجر و انصار اور وفادار منتخب شیعوں نے عام طور پر امام حسنؑ کی آواز پر لبیک کہا اور جس فوج کو امام حسنؑ نے معاویہ سے جنگ کرنے کیلئے آمادہ کیا اس میں شریک ہوئے اور اس طرح کے افراد میں سے ہم نے کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ اس نے جان بوجھ کر امام حسنؑ کی دعوت جہاد نہ سُنی ہو اور اس کا جواب نہ دیا ہو۔

یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان یہ ابتدائی موقعیت بالکل اسی موقعیت کے مشابہ تھی جو ماضی میں ان دونوں کے والد (رسول خداﷺ اور ابوسفیان) کے درمیان ہوئی تھی کہ ''کل ایمان کل کفر کے مدمقابل تھا''۔

اسی طرح ہم اس بات سے بھی آشنا ہو چکے ہیں کہ اس پوری دنیا میں کوئی گروہ ایسا نہیں تھا جو امین ولائق ہو کہ صحیح طریقہ سے اسلامی امور کا راز دار اور اسلام کے بنیادی اور آئیڈیل اصول کی صحیح حفاظت کر سکے مگر وہ لوگ جو امام حسنؑ کے مخلص اور باوفا ساتھی تھے۔

ان مقدمات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ: اگر امام حسنؑ جنگ کا اقدام کرتے اور پوری فوج کو اس جنگ میں جھونک دیتے جس میں یقینی طور پر ایک آدمی بھی زندہ نہ بچتا تو حقیقت میں اس کے بیش بہا امانتداروں اور محافظوں کو نابودی کے حوالے کر دیتے۔ اور اس بیش بہا امانت کی نابودی کا مطلب یہ تھا کہ علیؑ اور ان کے خاندان کے بزرگ آئمہ کا رابطہ آنے والی نسلوں سے قیامت تک کیلئے منقطع ہو جائے۔

اس صورت میں امام حسنؑ کا ماجرا بھی تاریخی اثر کے لحاظ سے علوی سادات کے ماجرے سے مشابہ ہوتا جو اسلامی حکومتوں کے مختلف حالات میں اصلاح کیلئے قیام کرتے تھے اور ہمیشہ رسول خداﷺ سے قربت کی راہ پر گامزن رہتے تھے اور نتیجتاً کوتاہ یا طویل مدت کے بعد مغلوب یا تتر بتر ہو جاتے تھے اور تاریخ یا ''انساب'' کی کتابوں میں ان کے نام کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہتا تھا۔

حقیقت میں اگر اموی مکمل طور پر آل محمدؐ سے اپنا حساب چکا لیتے اور امام حسنؑ قتل ہو جاتے آپؑ کے خاندان کے تمام افراد اور آپ کے بزرگ اصحاب (خدا کے نیک اور شائستہ بندے) سب قتل ہو جاتے اور اسلام اموی شکل اختیار کر لیتا تو پھر تاریخ میں محمدؐ کی کیا یادگاریں باقی رہتیں؟ وہ تربیتیں اور اسلام کی وہ نمونہ تعلیمات جو اس نے ان بزرگان کی روح میں پھونکی تھی ختم نہ ہو جاتیں اور کیا باقی رہتا؟ مگر کیا اسلام کے پاس سپاہ شام کی تلواروں کا لقمۂ اجل بننے والوں کے علاوہ کچھ اور تربیت یافتہ افراد موجود تھے؟

گزشتہ مباحث میں ہم اس بات سے آشنا ہو چکے ہیں کہ معاویہ پر اپنے قبیلہ کے کبر وغرور فخر ومباہات، خود پرستی اور گذشتہ لوگوں کی میراث کا کتنا اثر تھا۔ اس اطلاع کے باوجود کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس آخری

حساب چکانے میں علیؑ اور ان کی اولاد کا نام سوائے برائی کے نہ لیا جائے، کیا ہم اس کے امیدوار ہو سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور ان کی تعلیمات اور ان کے بنیادی افکار ان کی بدگوئی اور گالی گلوچ کے ساتھ متصل نہیں ہوتی؟

فاتح دشمن، معاویہ ابوسفیان کا فرزند ہے یعنی وہی شخص جس کا خود کہنا ہے کہ لوگ روزانہ پانچ مرتبہ ہاشمی مرد (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اذان میں اسلامی سنت کے مطابق نام لیتے ہیں جس سے وہ ناراحت اور پریشان تھا! اتنا پریشان تھا کہ مغیرہ بن شعبہ کا کہنا ہے:

''ان تمام اوصاف کے ساتھ، کتنا منظم پروگرام ہو سکتا ہے، نابودی کے علاوہ، نابودی کے علاوہ!!''(۱)

اس کے فاتح دوستوں اور کارکنوں میں سے اس کا شرعی بھائی!! زیاد بن ابیہ ہے دوسرا بوڑھا صحابی عمرو بن عاص، تیسرا ہوشیار اور پاک دامن! شخص مغیرہ بن شعبہ اور چوتھا شخص مدینہ و مکہ کو فتح کرنے والا مسلم بن عقبہ تھا اس کے علاوہ کچھ دوسرے افراد بھی اسی قسم کے تھے جو متحد طور پر اسلامی معنویات سے متعصب تھے!

کوفہ میں ''زیاد'' کے جرائم، صفین اور ''دومة الجندل'' میں ''عمرو'' کی فتنہ انگیزیاں اسلام کے سب سے پہلے رشوت لینے والے مغیرہ کی یزید کو خلافت تک پہنچانے کی کوششیں، زیاد کو ابوسفیان سے ملحق کرنے، ''مسلم بن عقبہ'' کے مدینہ اور مکہ میں جنایات بھرے حملے کو بیان کر دینا ہی ان لوگوں کی اسلامی میراث اور اس مقدس آئین سے محبت اور مسلم معاشرے کی اصلاح کیلئے ان کے عشق کو آشکار کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ جنایت کرنے والے اس موقع پر ان چیزوں کے مرتکب ہوئے جب خاندان پیغمبر کے شاگرد اور آپؐ کے

---

(۱)۔مروج الذهب، جلد۲، صفحہ۳۴۳، ابن ابی الحدید، جلد۲، صفحہ۳۵۷.

مطرف بن مغیرہ کہتا ہے:

''میں اپنے والد مغیرہ کے ساتھ شام میں معاویہ کے پاس پہنچا میرے والد اس کے پاس جاتے اس سے باتیں کرتے اور جب واپس آتے تو مجھ سے معاویہ اور اس کی عقل و درایت کے بارے میں باتیں بتاتے اور اس کی تعریف کرتے۔ ایک رات جب وہ معاویہ کے پاس سے واپس آئے تو اتنے زیادہ غمناک تھے کہ کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں ایک گھنٹے تک اس انتظار میں رہا شاید یہ کچھ کہیں، میں خود سوچنے لگا کہ ہمارے یا ہمارے کام کے متعلق کوئی نئی بات پیدا ہو گئی ہے۔

آخر کار میں نے ان سے کہا: آپ اس رات اتنے زیادہ رنجیدہ کیوں ہیں؟ ۔

برجستہ یار و مددگار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اسلحہ سے لیس ان کے مدمقابل تھے اور ان کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اگر یہ بہت بڑی رکاوٹ برطرف ہو جاتی، آل محمد اور خدا کے صالح و نیک بندے دنیا سے منھ چھپا لیتے تو یہ جنایتیں کہاں تک پہونچتیں؟ خدا بہتر جانتا ہے!

اس بحث کا براہ راست اور بہت واضح و روشن نتیجہ یہ ہے کہ اگر امام حسنؑ اس فرض کے ساتھ مسکن کے محاذ پر حاضر ہو جاتے تو بے دریغ اپنی اور اپنے شیعوں کی جان نچھاور کر دیتے، اپنے ہاتھ سے اپنی موت کے حکم پر گردن ڈال دیتے، اپنے نام کو انساب کی مختلف کتابوں میں منتقل کرتے، آپؑ کا مکتب تباہ و برباد ہو جاتا، اور بہت کم وقت میں اس کا دنیا میں نام باقی نہ رہتا، آپ کی افتخار آمیز تاریخ اور آپؑ کے عظیم و باعظمت خاندان کا تاریخچہ سب سے شرمناک اور سب سے برے افسانوں میں بیان کیا جاتا جن کو معاویہ اپنی خواہش کے مطابق گھڑتا اس کے بعد مروان اور مروان کے ماننے والے جو کچھ چاہتے اس میں اضافہ کرتے رہتے۔

حقیقت میں یہ اسلام کی انسانی تاریخ کا اختتام اور امویت کی نشانیوں اور مشخصات کے ساتھ اموی تاریخ کا آغاز تھا حدیث میں آیا ہے کہ:

ح انہوں نے کہا: میرے بیٹے! میں اس وقت سب سے زیادہ پلید شخص کے پاس سے آ رہا ہوں۔

میں نے کہا: ایسی کیا بات پیش آ گئی ہے؟

میرے والد نے کہا: آج رات میں نے تنہائی کے عالم میں معاویہ سے کہا: اے امیر المومنین تم اپنی آرزوؤں تک پہنچ گئے! اب تم عدالت اور اچھائی اختیار کرو۔ اب تمہاری عمر اتنی ہو گئی ہے لہٰذا اچھا ہے کہ تم اپنے برادران بنی ہاشم سے نظریں ہٹا لو اور ان کے ساتھ اپنی رشتہ داری جیسا برتاؤ کرو۔ خدا کی قسم ان کے پاس تجھ کو ڈرانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

معاویہ نے مجھے جواب دیا: ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! قبیلہ تیم کے ایک مرد کو حکومت ملی اس نے عدالت سے کام لیا، تمام امور انجام دئے لیکن جیسے ہی وہ مرا اس کا نام بھی مر گیا۔ کبھی کوئی اس کا اس طرح نام لیتا ہے: ابوبکر۔۔ اس کے بعد قبیلہ عدی سے وابستہ شخص کو حکومت ملی اس نے دس سال زحمت اٹھائی اور آرام نہیں کیا۔ وہ بھی جیسے ہی مرا تو اس کا نام بھی مر گیا صرف کبھی کوئی کہنے والا اس کا نام لیتا ہے: عمر۔

اس کے بعد ہمارے بھائی عثمان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی جس کے نسب جیسا کوئی دوسرا نہیں تھا، اس نے بھی کام انجام دئے اور اس کے ذریعہ سے کام انجام دئے جاتے تھے لیکن جیسے ہی وہ مرا اس کے نام اور کاموں کا کوئی اثر نہیں تھا... لیکن اس ہاشمی مرد کا نام ہر روز پانچ مرتبہ اذان میں لیا جاتا ہے: اشھد ان محمدا رسول اللہ ۔! ان صفات کے باوجود ان کیلئے کیا کیا جا سکتا ہے؟ سوائے نابودی، نابودی!''۔ یعنی اس نام کو دفن کیا جائے۔

''اگر بنی امیہ میں سے بوڑھی کمر خمیدہ عورت کے علاوہ کوئی اور باقی نہ رہتا تو وہ بھی یقینی طور پر، دین خدا کو دشمنی سے پامال کر دیتی اور اس میں اپنی دلخواہ انحراف کی باتیں داخل کر دیتی''(۱)

اس صورت میں کیا امام حسنؑ کے پاس اس راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ تھا جس کو آپ نے انتخاب فرمایا؟

بہت کم تحقیق و جائزہ کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ آپؑ کا عمل وہ بہترین طریقہ تھا جس کے ذریعہ معاویہ کی طرف سے کئے جانے والے سخت اقدامات کو کم کیا جا سکتا تھا، بلکہ آپ کے راستہ کے علاوہ یہاں کسی اور راستہ کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔

امام حسنؑ ان پیش آنے والی چیزوں کو اپنے ساتھ وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی مانند دیکھ رہے تھے آپ کو اپنے شیعوں اور یار و انصار کی جان کی حفاظت کا بھی خیال تھا آپ نے صرف آئندہ نسلوں سے اپنے رابطہ کو ہی ملحوظ خاطر نہیں رکھا، بلکہ آپ نے اپنے بعد کے زمانے کیلئے اپنے پدر بزرگوار جد بزرگوار کے رابطہ کی بھی حفاظت فرمائی، اور اپنے مکتب و نمونہ کو یقینی نابودی سے نجات دی اور تاریخ اسلام کو مسخ ہونے، تحریف اور دھوکہ دھڑی سے دور رکھا۔

وہ گہری پریشانی اور شکست جو اس کی دنیا پر چھائی ہوئی تھی اس کو بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے مستقبل کی فکر و معنویت کیلئے درخشاں طور پر واضح کر دیا اور اپنی دنیا کو اپنے دین کی حفاظت کیلئے قربان کر دیا۔

یہ وہی نشان امامت ہے جو اس پاک و پاکیزہ نسل اور نبوت کے درخت کی اس محکم و مضبوط شاخ میں موجود ہے۔

---

(۱)۔الخرائج والجرائح، مؤلف، سعید بن ھبۃ اللہ راوندی، متوفی ۵۷۳ھ، صفحہ ۲۲۸۔

❖ تیسرا باب

صلح

- پہلی فصل : صلح سے دونوں فریق کا مقصد
- دوسری فصل: صلح کی قرارداد
- تیسر فصل: صلح نامہ کی اہم شرطوں پر ایک تحقیقی نظر
- چوتھی فصل : کوفہ میں ملاقات
- پانچویں فصل : نئے محاذ پر
- چھٹی فصل: قرارداد صلح کی شرطوں سے وفا
- ساتویں فصل: معاویہ اور علی علیہ السلام کے شیعہ
- آٹھویں فصل: معاویہ اور شیعوں کی معزز شخصیتیں



● پہلی فصل :

صلح سے دونوں فریق کا مقصد

اپنے اہداف ومقاصد تک رسائی کیلئے معاویہ کے اقدامات کی کیفیت سے آشنائی کے بعد یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ وہ خود صلح کے مشورہ میں پہل کرے (۱) اور صرف ایک امتیاز یعنی حکومت کے حصول کی خاطر ہر قسم کے عہد و پیمان امام حسن علیہ السلام کو سونپ دے۔

ابھی جب کہ دونوں فریق جنگ کے تب وتاب میں تھے اسی وقت معاویہ نے منصوبہ بنالیا تھا اور اپنے لشکر کے نظم ونسق اور جنگی امور میں تدبیروں سے پہلے ہی اس نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اپنی فعالیت کو اسی پر منحصر کر دیا تھا۔ وہ منصوبہ یہ تھا کہ وہ پہلے امام حسن علیہ السلام کو صلح کا مشورہ دے گا اگر انہوں نے قبول کرلیا تو کیا کہنا اور اگر انکار کیا تو زبردستی انہیں صلح کرنے پر مجبور کرے گا اور ہر قیمت پر جنگ چھڑنے سے روکے گا۔

اس مقصود کو عملی جامہ پہنانے کیلئے تمام چیزوں سے پہلے یہ ضروری تھا کہ امام حسن علیہ السلام کے لشکر میں ایسی حالت پیدا کر دی جائے کہ جو خود ان لوگوں کو صلح کی فکر میں ڈال دے۔

اس بنیاد پر، رشوت کا بازار گرم ہوگیا، ان وعدوں کی قطار میں جس نے سارے سپہ سالاروں یا سپہ سالاری کی تمنا رکھنے والوں کے دلوں کو اڑا لیا تھا اس قسم کے وعدہ دکھائی دے رہے تھے: ایک لشکر کی سپہ سالاری ایک علاقہ کی حکومت، ایک اموی شہزادی سے شادی!! اور نقدی رشوت میں دس لاکھ کی رقم دکھائی دیتی ہے۔

اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے معاویہ نے اپنی تمام طاقتوں، اپنی ساری ہوشیاری صلاحیتوں اور

---

(۱) صحیح قول یہی ہے اور اس کی دلیل وہ خطبہ ہے جسے امام حسن علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے ہوئے مدائن میں پیش کیا تھا اور اس میں ارشاد فرمایا: جان لو کہ معاویہ نے مجھے ایسے کام کی دعوت دی ہے جس میں نہ تو سربلندی ہے نہ ہی انصاف' اس کے علاوہ دوسرے منابع بھی اس قول پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض مورخین نے اس قول کو غلط کہا ہے لیکن ان لوگوں کی گفتار پر امام حسن علیہ السلام کا کلام مقدم ہے۔

تجربوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ بہت سارے ایسے ضمیر فروش افراد جنہوں نے بظاہر امام حسن علیہ السلام کو نہیں چھوڑا تھا وہ بھی بباطن اسی کے آلہ کار شمار کئے جاتے تھے امام حسنؑ کے لشکر میں اس کیلئے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے تھے اور اس کے مقاصد کی ترویج میں کسی بھی امکانی صورت کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔

لشکر، اسلحے اور لشکروں کو حرکت میں لانے کا عمل بھی درواقع اسی صلح کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا ایک اور راستہ تھا۔

وہ اس پر مائل نہ تھا کہ پہلی بار ہی عراق پر حملہ کردے کیونکہ دوسرے راستے کی موجودگی میں امام حسن علیہ السلام سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا البتہ معاویہ کا نظریہ عام لوگوں اور نئے نئے دین کے نظریات سے بہت مختلف تھا۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں معاویہ نے جن وسائل کو استعمال کیا وہ سب کے سب نئے، ابتکاری، بڑے نپے تلے اور خاص دقت آمیز طریقوں سے منظم تھے یہ تمام چیزیں اس کے خاص نظریہ و منصوبہ کو (یعنی ایسا ماحول فراہم کردینا کہ مدمقابل صلح کی فکر میں پڑ جائے) بطور کامل لباس عمل پہنا سکتی تھیں۔

جب ایک طرف عراقی محاذ کا سپہ سالار اور اس کے پیچھے بہت سارے لشکر کے سربراہ افراد مال اور وعدہ سے اپنے ضمیر کا معاملہ کرلیں، دوسری طرف ناگہاں جھوٹے تردید آمیز ہولناک اور متزلزل کرنے والے پروپیگنڈے کا سیلاب مسکن اور مدائن کو درہم برہم کرے اور آخر کار ان جھوٹے پروپیگنڈوں کے نتیجے میں خود امام حسن علیہ السلام ایسی حالت میں آجائیں کہ مثبت اقدام کیلئے ان کے پاس کوئی راستہ نہ بچے حتیٰ نوبت یہ آجائے کہ اپنے سپاہیوں کے سامنے بھی نہیں آسکتے ہیں اور اگر سامنے آئیں تو داخلی دشمنوں کے ناگہانی حملہ کی آماجگاہ بن جائیں ایسی آشفتہ حالت اور نامساعد صورتحال میں صلح کے علاوہ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا ہے؟

بڑی عجیب وغریب حالت تھی، اچھائیاں، اور اچھے ماحول، فساد اور لوگوں کی بدفکری اور بداندیشی میں بدل گئے۔ ایسی صورت میں رہبر اور پیشوای امت امام حسن علیہ السلام پر کیا اعتراض کیا جاسکتا ہے جب شرائط ہی نامساعد اور حالت ہی دگرگوں ہوں؟ لوگوں سے بھی کیا گلہ وشکوہ ہو جب ان کے درمیان فتنہ وفساد رائج ہوگیا ہو۔ البتہ بعض طبیعتوں کے انحراف اور اسلام کے نوظہور ہونے (کہ ان میں سے ہر ایک ایسی حالت کے وجود میں آنے کے جدا جدا عامل تھے اور اسی طرح وہ لوگ جو اسلام کیلئے وبال جان تھے) سے بھی آنکھیں نہیں چرائی جاسکتی ہیں۔

اب ایسی صورت حال میں جب حسنؑ بن علیؑ ان بیرونی عوامل کی بنیاد پر جو ان کے اختیار سے خارج تھے پہلی صف آرائی میں شکست کے روبرو ہوتے ہیں تو اب قاعدہ یہ ہے کہ اسی دن اسی وقت سے دوسری صف آرائی کی فکر کریں اور معاویہ سے اپنی جنگ کو ایک نئے میدان میں تبدیل کر دیں اور وہ میدان ایسا ہو کہ سپاہیوں کی خیانت کا ہاتھ جہاں نہ پہنچ سکے اور طبیعتوں کا انحراف جسے نقصان نہ پہنچا سکے اور دشمن کی دسیسہ کاریاں اور فتنہ انگیزیاں روز بروز اس کو فتح وظفر سے نزدیک کرتی رہیں۔

یہ اس منصوبہ کا خلاصہ ہے جس سے امام حسنؑ نے بہت ہی اچھے انداز میں فائدہ اٹھایا اور معاویہ اس وقت اپنی تمام ہوشیاری اور چالاکی کے باوجود بھی اس سے غافل رہ گیا اور اسے درک نہیں کر پایا۔

معاویہ کی صلح کا مشورہ امام حسنؑ نے قبول کر لیا لیکن یہ صرف اس مقصد کے تحت تھا کہ اسے شرائط و عہد و پیمان کی قید و بند میں جکڑ دیں جبکہ یہ معلوم تھا کہ معاویہ جیسا انسان زیادہ دنوں تک ان شرائط پر پابند نہیں رہے گا اور مستقبل قریب میں ایک کے بعد ایک ساری شرطوں کو توڑ دے گا اور لوگ جب یہ صورت حال دیکھیں گے تو خود بخود اپنے غصہ، انکار اور ناراضگی کو واضح طور پر بیان کریں گے۔ اور یہی نتیجہ ہوا خشم وانتقام کا بیج وہی بیج جو لوگوں کے دلوں کی زمین پر طویل زمانے سے نسلوں کے ہمراہ برقرار ہے اسی صلح کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں چھینٹا گیا۔ یہ غیظ وغضب ان بغاوتوں کا سرمایہ بنا جو طویل تاریخ میں غاصبانہ طاقتوں کو مٹانے میں مددگار ثابت ہوں۔

اسے اس سیاسی منصوبہ بندی کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے جس کی بنیاد پر امام حسنؑ نے صلح کو قبول کر لیا پھر بہترین انداز میں اس سے فائدہ اٹھایا اور معاویہ کو غافل گیر کر دیا اور یہ عمل اس مظلوم امام کے فرق اقدس پر مظلومانہ شخصیت کی علامت بن کر چمک رہا ہے۔

ایسی صورت میں امام حسنؑ پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے اگر وہ اپنی نپی تلی سیاست کے پیش نظر صلح کو قبول کر لیں؟ پہلے میدان کی نامساعد حالت اور دوسرے میدان میں نتائج کی امید نے امام حسنؑ کو صلح کی طرف متوجہ کیا، اس کے علاوہ امت اسلامی کے درمیان اصلاح اور اس کے قہری آثار جیسے خونریزی سے نجات، مقدسات کی حفاظت اور اسلام کے رخ زیبا کی محافظت خود ہی صلح کو ترجیح دینے کا سبب بنی۔

چند ماہ سے زیادہ نہ گزرے تھے یعنی انگلیوں کی تعداد سے بھی کم مدت میں ان چند مہینوں میں ایسے توڑ

ڈالنے اور ریزہ ریزہ کر دینے والے حوادث میں رونما ہوئے جو آسمان پر ستاروں کی طرح آشکار ہو گئے۔ زمانے کا یہ حصہ وہ ہے جس میں ہر آدمی کا دل اپنے تمام وجود کے عشق و تحسین کے ساتھ سامنے آ گیا۔ نبوت کا دل آویز عطر پھیلنے لگا اور صحیح امامت اس میں متجلی ہونے لگی اور بہت ہی کم مدت میں ان لوگوں کے بے شمار حقائق اور ان کا باطن آشکار ہو گیا۔ یہ وہی مہینے ہیں جس میں ان کا کام بڑے اچھے انداز میں مسالمت آمیز اور اصلاحی طور پر ختم ہو گیا اور اس میں برترین سرانجام اور دین و دنیا کی مصلحتیں یکجا ہو گئیں۔

حسن بن علی علیہ السلام اس مصلح اکبر کے عنوان سے ظاہر ہوئے جن کے بارے میں ان کے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان ابنی هذا سیّد سیصلح الله بین فئتین عظیمتین من المسلمین ۔ میرا یہ فرزند سید و سردار ہے اور مستقبل قریب میں خدا اس کے ہاتھوں مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح قائم کرے گا۔

خدا کا ارادہ اس بات پر ہے کہ یہ گھرانہ شرف کے تمام برترین مراحل کا مختلف شکل و صورت کے ساتھ حامل ہو۔ اگر فتح و ظفر تلوار کے ذریعہ میسر نہیں تو خدا کی راہ میں موت کو گلے لگا کر شہادت کے ذریعہ کامیابی عطا کی جاتی ہے جسے تاریخ اپنی قضاوت میں ارزشمند اور باقدر و قیمت بناتی ہے اور اگر ان دونوں چیزوں کیلئے کوئی راستہ نہ ہو تو اصلاح، وحدت کلمہ، پیروان توحید کو یکجا کرنے کے ذریعہ شرف عطا کیا جائے۔ ایک آدمی کے شرف کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ پیام آور صلح ہو اور ایک انسان کی کامیابی اس سے متعلق ہے کہ جو انسان کو زندگی کی طرف حرکت اور سید و سرداری پر قائم ہے۔

اب تک جو کچھ گذرا ہے اسے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے نزدیک صلح سے کیا مقصد تھا تا کہ اسے پہچانا جائے۔

لیکن وہ مقاصد جو صلح کے موضوع پر معاویہ کی پیش قدمی کے سبب بنے وہ بالکل ایک دوسرے قسم کے مقاصد تھے کہ یہ مقاصد نہ تو عجز و ناتوانی کی وجہ سے تھے اور نہ ہی دین نہ ہی امت کے درمیان اصلاح یا خونریزی سے بچاؤ کیلئے تھے۔ امت کے درمیان اصلاح یا خونریزی سے حفاظت کا مقصد کبھی بھی معاویہ کیلئے فاتح ہونے کے امتیاز سے چشم پوشی کا سبب نہیں ہو سکتا۔ مدینہ و مکہ و یمن میں اس کے شبیخون اور اس کی سفاکیوں اور صفین

میں اس کی گستاخانہ حالت اس کی شیطانی حقیقت سے پردہ اٹھا رہی تھی۔ اگر چہ ایسے افراد بہت کم ہیں جو بطور کامل معاویہ کو پہچانتے ہوں۔

ایسی صورت میں یہی کہنا چاہیے کہ معاویہ کی طرف سے صلح کا مشورہ صرف ایک منفعت طلب احساس کی طغیانی کا نتیجہ تھا اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں، یہ بات وہی ہے جو معاویہ کی افسانوی سرگزشت سے زیادہ مناسب اور مطابق ہے۔

اس نے یہ سمجھا تھا کہ امام حسن علیہ السلام کی حکومت سے کنارہ کشی اس کیلئے فائدہ مند ثابت ہوگی اور عمومی افکار اس کنارہ کشی کو خلافت سے بھی کنارہ کشی تصور کریں گے۔ اس نے یہ گمان کیا تھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ مسلمانوں کی نگاہ میں ایک قانونی خلیفہ کی حیثیت سے پہچانا جائے گا۔(۱)

یہ وہ مزے دار خواب تھا کہ معاویہ ہر قیمتی چیز کو اس کے مقابلہ میں ذلیل و رسوا شمار کر رہا تھا لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ اسلام اس سے کہیں عزیز و سربلند ہے کہ اس جیسے پست اور نادان سرشت انسان کو قبول کرے یا اپنی لگام ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیدے جو جنگی غلام بن کر آزاد کر دیئے گئے ہوں یا ان کی نسل سے ہوں جو آزاد کردہ غلام تھے۔

اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ بھی کچھ اور مقاصد در پردہ موجود ہوں جو

---

(۱)۔اس سلسلے میں حسن بصری کا بڑا ہی عمدہ اور فصیح و بلیغ بیان ہے جسے ہم ۱۷ویں فصل میں بیان کریں گے احمد نے مسند میں، ابو یعلی، ترمذی، ابن حیان، ابوداود اور حاکم نے۔ اس روایت کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ: الخلافة بعدی ثلاثون ثم ملک بعد ذالک) خلافت میرے بعد ۳۰ سال تک برقرار رہے گی اور اس کے بعد بادشاہی ہوگی۔ کتاب ''الفتن'' میں ابو نعیم اور کتاب الدلائل میں بیہقی کے بیان کے مطابق آپ نے یہ فرمایا: ''ثم تکون ملکا عضوضا'' اس کے بعد کاٹ کھانے والی سلطنت ہوگی۔

یہ حدیث اہل سنت کے ایک گروہ کے مطابق صحیح خبروں کی شرائط پر کھری اترتی ہے۔ ان میں سے ایک نے اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے کہا کہ یہ ۳۰ سال حسن بن علی علیہ السلام کی خلافت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔

ابو سعید عبدالرحمن بن ابزی نے عمر سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: جب تک جنگ بدر میں شرکت کرنے والے زندہ ہیں۔ حکومت ان کے ہاتھوں سے نکلنی نہیں چاہیے اور ان لوگوں کے بعد جب جنگ احد میں شرکت کرنے والے موجود ہیں ان کے علاوہ کسی اور کا حکومت میں حصہ نہیں ہے۔ آزاد شدہ غلام، ان کی اولاد اور فتح مکہ کے موقع پر جو لوگ تسلیم محض ہو گئے وہ حکومت کی شائستگی نہیں رکھتے۔

مؤلف: لیکن وہ بیعت جو معاویہ نے اپنی معروف روش اپنا کر لوگوں سے حاصل کی وہ ناجائز کو جائز نہیں بنا سکتی۔

معاویہ کو دوسری شخصیت کا حامل بنادے کہ جو جنگ کا دشمن صلح کا چاہنے والا، عہد و پیمان، قسموں اور تاکیدی میثاقوں کو قبول کرنے والے کی صورت میں دکھائی دینے لگے لیکن اس کے دیگر مقاصد کی تحقیق اس مطلب کی قوت میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں کرتی کہ اس کا سب سے بڑا مقصد اور جس چیز نے اس کو اس کام پر ابھارا تھا وہ وہی لذت بخش خواب تھا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

اب ہم مندرجہ ذیل ان موضوعات کے ایک مجموعہ کی طرف اشارہ کریں گے جن میں سے ہر ایک اس کے صلح کے مشورہ کے مقاصد کا ایک حصہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ اسے معلوم تھا حسن بن علی علیہ السلام حکومت کے اصلی وارث ہیں اور حکومت حاصل کرنے کیلئے چاروناچار اصلی وارث کو (ولو ظاہری طور پر) قانع کرنا ضروری ہے اور قانع کرنے کا بہترین راستہ صلح ہے۔

اس مطلب پر اس کا اعتقاد (یعنی یہ کہ حسن بن علی علیہ السلام حکومت کے اصلی حقدار ہیں اس خط کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے جو اس نے مسکن کی طرف فوج کی حرکت سے کچھ قبل امام علیہ السلام کو لکھا تھا:

آپ اس امر کے زیادہ سزاوار اور اس کیلئے زیادہ شائستہ ہیں'' اور اس گفتگو میں جس میں وہ اپنے بیٹے یزید سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیتؑ کے سلسلے میں باتیں کر رہا تھا کہتا ہے:

میرے بیٹے! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حق انہیں لوگوں کا ہے (۱) اس کے علاوہ جو خط اس نے زیاد بن ابیہ کو لکھا ہے اس میں بھی اس کی تصریح ہے کہ: اور یہ کہ وہ (یعنی امام حسن علیہ السلام) نے تم پر برتری کا اظہار کیا اور حاکمانہ انداز میں گفتگو کی تو یہ ان کا حق ہے اور انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ (۲)

دینی مشکلات اور پریشانیوں میں وہ امام حسن علیہ السلام کا نظریہ انہیں لوگوں کی طرح دریافت کرتا تھا جو ان کی امامت کے قائل تھے (۳) اور اس مطلب کی بارہا تصریح کی ہے کہ حسن علیہ السلام مسلمانوں کے سردار و سالار

---

(۱)۔ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۵۔

(۲)۔ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۳ و ص ۷۳۔

(۳)۔ اس موضوع کے شواہد تاریخ یعقوبی میں ج ۲، ص ۲۰۱ اور ص ۲۰۲۔ ابن کثیر کی کتاب البدایۃ والنہایۃ، میں ج ۸، ص ۴۰ اور بحار الانوار میں ج ۱۰، ص ۹۸ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ہیں(۱) کیا مسلمانوں کے پیشوا اور امام کے علاوہ بھی کوئی ان کا سرور و سالار ہو سکتا ہے؟

۲:۔اس کے باوجود تمام وسائل اس کے اختیار میں تھے لیکن امام حسن علیہ السلام کے ساتھ جنگ کے نتائج سے کافی خوف زدہ تھا اور اس مطلب کو چھپاتا بھی نہیں تھا۔ مثلاً اپنے عراقی دشمنوں کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے: خدا کی قسم جب بھی میں صفین میں ان کی ان آنکھوں کو یاد کرتا ہوں جو ان کے خود سے نمایاں تھیں تو میرے ہوش اڑنے لگتے ہیں (۲) کبھی ان کے سلسلے میں یہ کہا کرتا تھا: خدا ان پر غضب نازل کرے گویا ان سب کا دل ایک ہے (۳) اسی لئے وہ صلح کو ان لوگوں سے بچنے اور خود کو اندر سے ان کی آنکھوں کے مشاہدہ سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بنا رہا تھا!۔

۳:۔لوگوں کے درمیان فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسن علیہ السلام کی شخصیت و اہمیت کے پیش نظر جو اسلامی اعتقاد کے مطابق بہت اہم تھی اس سے وہ فرار کر رہا تھا۔ لذا صلح کی طرف مائل تھا۔

وہ اس فکر و اندیشہ میں تھا کہ ممکن ہے خداوند عالم شام کی صفوں کے درمیان سے کسی کو اس بات پر برانگیختہ کردے جو اُن حقائق کو لوگوں کے سامنے بیان کردے اور وہ ناپسندیدہ کیفیت جو وہ لوگ امام حسن علیہ السلام کے بالمقابل اختیار کئے ہیں اس سے ان کو مدلل طریقہ سے آگاہ کردے ایسا حادثہ یقیناً اس کے محاذ کے مسلمانوں کو شورش اور نافرمانی پر اکسا دیتا اور آخر کار اس کی فوج تتر بتر ہو جاتی۔

وہ اس تمام مدت میں جس میں وہ امام حسن علیہ السلام سے صف آرا تھا صفین میں ''نعمان بن جبلہ تنوخی'' کا واقعہ اس کے ذہن میں بخوبی موجود تھا، اس جنگ میں وہ جو خود شامی فوج کا ایک سرکردہ سپاہی تھا بڑے بے باک انداز میں بڑی صراحت کے ساتھ معاویہ سے اس طرح ہم کلام ہوا کہ ایک معمولی آدمی سے ایک حاکم کے سامنے اس طرح کی بے باکانہ گفتگو کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ اور معاویہ کو تمسخر اور استہزا کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

معاویہ حتیٰ ان دنوں اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا کہ شامیوں کا شعور اس دن اس مرد کی طرح آج

---

(۱)۔ الامامة والسیاسة ص ۱۵۹، ۱۶۰.

(۲)۔ تاریخ مسعودی (تاریخ ابن اثیر کے حاشیہ میں) ج ۶، ص ۶۷ اور اس کے علاوہ دوسرے منابع.

(۳)۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۳.

بھی موجود ہے۔

اس دن صفین میں اس شخص نے جو باتیں معاویہ سے کیں تھیں اس میں سے کچھ یوں ہیں: خدا کی قسم (اے معاویہ!) میں نے اپنے نقصان میں تمہارے لئے خیر خواہی کی اور تیری حکومت وسلطنت کو اپنے دین پر ترجیح دی، تیری ہوا وہوس کی خاطر اس راہ ہدایت کو چھوڑ دیا جس سے میں آشنا تھا اور اس حق وحقیقت کے راستہ سے الگ ہٹ گیا جسے میں دیکھ رہا تھا۔ میں کس طرح رشد وہدایت کا راستہ حاصل کرسکتا ہوں جبکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی، سب پہلے ان پر ایمان لانے والے اور سب سے پہلے ہجرت کرنے والے سے نبرد آزما ہوں؟ اگر وہ چیزیں جو میں نے تیرے اختیار میں دے دی ہیں یہی سب کچھ اس کے اختیار میں دے دیتا تو یقیناً مہربان دل اور زیادہ سخاوت آمیز ہاتھ تک رسائی ہوجاتی۔ لیکن اب ساری چیزیں ہم نے تجھے سونپ دی ہیں اور چار وناچار (چاہے حق ہو یا باطل) اب اسے خاتمہ تک پہنچانا ہے۔ اب جبکہ بہشت کے پھل اور وہاں کی نہروں سے محروم ہوچکا ہوں تو غوطہ (۱) کے انجیر اور زیتون ہی کا دفاع کروں گا۔ (۲)

معاویہ کی ایک سیاسی تدبیر یہ تھی کہ اہل شام کو شام سے باہر رہنے والی اسلامی شخصیتوں سے روشناس نہیں ہونے دیتا تھا کہ کہیں اس آشنائی سے اس کی مخالفت اور دوسرے گروہ میں تبدیل ہوجانے کا دریچہ کھل نہ جائے۔ لہذا یہ بات ہمارے لئے پوشیدہ ہے کہ اس مرد شامی نے کس طرح ابن عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا اور کس طرح اسلام میں ان کی سبقت ان کے مہربان دل، ان کے دست فیاض اور حکومت کیلئے ان کی اولویت سے مطلع ہوگیا۔

اسلام کی بزرگ شخصیتوں سے بے خبر رکھنے کی سیاست کو معاویہ نے اپنی حکومت کے آخری لمحہ تک برقرار رکھا۔ یہ سیاست وہ آلہ کار تھی جس کے ذریعہ وہ اتنی عظیم بھیڑ کو جنگ صفین میں اور اس کے بعد مسکن کی طرف لشکر کشی میں اتنی بڑی فوج فراہم کرنے کی قدرت حاصل کرسکا۔

اس سیاست کو استعمال کرنے کی ایک نشانی خود اس سیاست کا استعمال کرنے والے کی کمزوری کی دلیل ہے اس گفتگو میں دیکھی جاسکتی ہے جسے معاویہ نے عمرو عاص کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا، یہ ان دنوں کی بات

---

(۱)۔شام میں ایک جگہ کا نام جہاں پانی اور درخت بہت زیادہ ہیں یہ جگہ زمین کی چار بہشت میں سے ایک ہے۔

(۲)۔تاریخ مسعودی ابن اثیر کے حاشیہ میں) ج۵، ص۲۱۶.

ہے جب امام حسن علیہ السلام کے سامنے عمرو عاص نے فخر و مباہات کی زبان کھولی اور آپ جناب سے بڑے بلیغ انداز میں دندان شکن جواب (جبکہ اس جواب میں اسے تحریک کرنے والا معاویہ بھی خود اس میں محفوظ نہ رہ سکا) سن لیا تو اس وقت معاویہ نے عمرو عاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم اس بات سے میری اہانت کے علاوہ تمہارا کوئی اور مقصود نہ تھا اہل شام اس وقت تک یہ کلمات انہوں نے حسنؑ سے سنے ہیں یہ تصور بھی نہیں کرتے تھے کہ کوئی مجھ سے بھی بلند مرتبہ اور بلند منزلت والا ہوگا۔(۱)

۴:۔ معاویہ کی پالیسی نے اپنے ذاتی مفاد میں بہت کم خطا کی ہے، اس لئے اس نے صلح میں پیش قدمی کی اور اس پر اصرار کر رہا تھا اور اس سے جہاں تک ہو سکا دو علاقے یعنی شام اور عراق نیز دنیا کے دیگر لوگوں کو اس

---

(۱)۔ المحاسن والمساوی: تالیف، بیہقی، ج۱، ص۶۴.

تاریخی داستانوں کے نوادرات میں اسلام کی بزرگ شخصیتوں کے بارے میں اہل شام کی بے خبری کے بڑے نمونے مل جائیں گے مثلا شام میں قوم کے ایک بزرگ و عاقل شخص سے ایک آدمی نے پوچھا کہ یہ ابوتراب کہ امام (یعنی معاویہ) جس پر منبر سے لعنت کرتے ہیں کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بیابانی ڈاکو ہوگا!!!

ایک دن ایک اہل شام نے اپنے ساتھی سے پوچھا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیج رہا تھا: اس محمد کے بارے کیا کہتے ہو؟؟ کیا یہ ہمارا خدا نہیں ہے؟

جب ۱۳۲ ہجری میں عبداللہ بن علی نے شام کو فتح کیا تو شام کے کچھ بزرگوں، سربراہ اور داڑھی سفید افراد کو ابوالعباس سفاح کے پاس روانہ کیا۔ ان لوگوں نے ابوالعباس کے سامنے قسم کھائی کہ اس وقت تک کہ جب کہ آپ خلیفہ کے عہدہ پر فائز نہیں ہوئے تھے ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی رشتہ داری جو میراث کا سبب ہوتی ہے بنی امیہ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے تھے اس سلسلہ میں مروج الذھب کا مطالعہ کیجئے جو ۶ جلدوں والی کامل بن اثیر پر موجود ہے ص۱۰۷ تا ۱۰۹.

مؤلف: مندرجہ بالا مطلب اس بات کی دلیل ہے کہ اموی بادشاہ اسلام کی بزرگ شخصیتوں سے شامیوں کو بے خبر رکھتے تھے خصوصا خاندان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لاعلم رکھنے اور شام میں ان کے نام کے نفوذ سے بچاؤ والی معاویہ کی سیاست کی عام طور پر پیروی کرتے تھے۔ اسی ضمن میں شامیوں کے مسلمان ہونے کے حوالہ سے محبت و عنایت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ گمان یہ ہے کہ اموی دور میں شام میں اس وقت بھی غیر مسلم اکثریت پائی جا رہی تھی جس میں رومی اور آرامی نسل کے شہری تھے اور فتح شام کے علاوہ کوئی دوسرا واقعہ ہمیں یاد نہیں ہے کہ جو قدیم حالات اور سنتوں کی تبدیلی کا سبب ہو، کسی بھی تاریخی متن میں ایسا کوئی مطلب نہیں ہے جو اس گمان کو باطل کر دے۔

یہ نسل آرام سے منسوب ہے جو جناب نوح کے بیٹے سام کی پانچویں پشت سے تھے یہ قوم سامی نژاد قبائل سے متعلق ہے جس نے ۱۲ ق م سوریہ اور شمال بین النہرین پر حملہ کیا۔ (اردو مترجم)

صلح طلبی کا گواہ بنایا۔

اس کا اس ظاہری صلح کی پیشکش سے کچھ اور ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ مستقبل قریب میں جنگ کے نتیجہ کو معین کر کے اس کی راہ ہموار کر رہا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں سے جن کی امید تھی ایک صورت یہ تھی کہ جنگ شام کی کامیابی پر تمام ہو اور حسنؑ، حسینؑ، ان کے خاندان والے اور اصحاب و انصار ایک ساتھ مار دیئے جائیں ایسی صورت میں اس عظیم جرم کے بارے میں اس سے بہتر کوئی اور بہانہ نہیں ہو سکتا کہ امام حسن علیہ السلام کو ذمہ دار ٹھہرائے اور جھوٹ بولے بغیر لوگوں سے کہے میں نے تو حسن کو صلح کی دعوت دی لیکن انہوں نے میری پیشکش کو رد کر دیا اور جنگ شروع کر دی میں تو ان کی حیات کا خواہاں تھا لیکن وہ موت کے طالب تھے۔ میں لوگوں کے خون کی حفاظت چاہ رہا تھا اور وہ ان لوگوں کے قتل کے درپے تھے جو میری اور ان کی طرف سے جنگ کر رہے تھے۔

یہ سیاسی تدبیر، معاویہ کے بہت سارے اغراض و مقاصد کو پورا کر رہی تھی اور اسے موقع فراہم کر رہی تھی کہ وہ آل محمدؐ سے اپنا پورا بدلہ چکا لے، ایسی صورت میں وہ ایک فاتح رقیب اور لوگوں کے درمیان ایک عادل اور منصف انسان سمجھا جائے گا یعنی جن لوگوں نے بھی صلح کی آواز سنی ہوگی وہ سب اُسے (معاویہ) حق پر سمجھیں گے اور اس کے انصاف اور عدالت کی گواہی دیں گے۔

لیکن امام حسن علیہ السلام ایسے نہ تھے جو اس ماہرانہ سیاست سے غافل ہوں یا خود اس قسم کی سیاست کو استعمال کرنے سے عاجز ہوں؛ وہ ہر حال میں اپنے دشمن سے زیادہ ہوشیار، زیادہ زبردست اور خدا پسندانہ انداز میں فرصتوں سے فائدہ اٹھانے میں زیادہ اچھی قدرت رکھتے تھے۔ لہذا ان نامساعد شرائط کو ملاحظہ کرتے ہوئے جو چاروں طرف سے آپ کو گھیرے ہوئے تھے اور دعوت صلح سے دشمن کے پلید مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے صلح کے مشورہ کا مثبت جواب دیا۔

پھر صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ معاویہ کی سازش کو بیکار کر دیں بلکہ صلح کے آئینہ میں ایک حکیمانہ و قاطعانہ روش کے ذریعہ اپنے دشمن کو ہمیشہ کیلئے مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔

اس سلسلے میں آئندہ فصلوں میں قارئین کے سامنے اس سے زیادہ وضاحت پیش کی جائے گی۔

● دوسری فصل :

صلح کی قرارداد

مورخین کے ایک گروہ جیسے طبری اور ابن اثیر نے روایت کی ہے کہ معاویہ نے ایک سفید کاغذ پر مہر لگا کر امام حسن علیہ السلام کے پاس بھیج دیا اور یہ لکھا: آپ کو اختیار ہے اس کاغذ پر جو چاہیں وہ لکھیں۔(۱)

اس کے بعد روایت کو ناتمام چھوڑ دیا اور اس کی وضاحت نہ کی کہ امام حسن علیہ السلام نے اس کاغذ پر کیا لکھا۔ ہم نے جہاں تک ممکن تھا تمام منابع مصادر کی تحقیق کی ہے لیکن ان تمام مدارک میں چند قرارداد کہ علاوہ مجھے کچھ بھی نہ ملا۔ اس مطلب کا اعتراف خود ان روایتوں نے کیا ہے جنہوں نے قرارداد صلح کی روایت کی ہے کہ تمام موارد میں سے کچھ ہی کا ذکر ملتا ہے۔ صرف ایک مآخذ میں قرارداد کی صورت منظم انداز میں آغاز وانجام کے ساتھ دکھائی دیتی ہے اس کا سبب یہ ہوا کہ راوی نے گمان کیا کہ صلح کی یہی قرارداد کامل قرارداد ہے لیکن اس قرارداد کے بہت سارے موارد دوسری روایتوں کے مقابلہ میں جو اس روایت سے سندی اور عددی دونوں لحاظ سے برتر ہیں، متناقض دکھائی دیتے ہیں۔

اگر بنا اسی پر رکھی جائے کہ ہم ایک ہی روایت پر اکتفا کریں تو پھر قرارداد صلح کے مطالب کی اطلاع حاصل کرنے کیلئے ہم (قدیم راویوں کی روش کے مطابق) سفید کاغذ والی روایت سے آگے نہیں بڑھ پائیں گے اور انہیں لوگوں کی طرح روایت کو ناتمام چھوڑ کر اسی اجمال پر قناعت کرنی پڑے گی۔ کیونکہ قرارداد صلح پر اس بناء کی بنیاد پر دستخط کرنا کہ آپ جو شرط لکھنا چاہتے ہیں لکھیں'' اس معنی پر مشتمل ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے دستخط کردہ سفید کاغذ پر اپنی مورد نظر شرطیں تحریر فرمائی تھیں اور وہ موارد جو ان کی مصلحت اور جو چیزیں خود ان کے، ان کے گھر والے، ان کے شیعہ اور ان کے مقاصد کی تکمیل کیلئے ہوں انہیں کو صلح نامہ میں ذکر کیا تھا۔

---

(۱)۔طبری، ج۶، ص۹۳، ابن اثیر، ج۳، ص۱۶۲.

اگر چہ صلح نامہ کے تمام مواد سے ہم آگاہ نہیں ہے لیکن اس بات پر اطمینان حاصل کیا جاسکتا ہے کہ صلح نامہ کی وہ نقلیں جو ہم تک پہونچی ہیں اگر چہ وہ بھی امام حسن علیہ السلام کی مصلحت اور ان کی فکر و ہدف سے نزدیک تر ہیں، وہ سراسر واقعیت سے قریب ہیں اور روایات کی جرح و تعدیل کے مرحلہ میں ایسی روایتوں کو ان روایتوں پر ترجیح دی جائے جو ان شرطوں کی حامل ہیں جو معاویہ کے فائدہ پر تمام ہوتی ہیں۔ یہ وہی قطعی اور مسلم نتیجہ ہے جو صلح نامہ کی تنظیم میں امام حسن علیہ السلام کی آزادی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ ان تمام مطالب تک ہماری دسترسی نہیں ہے جنہیں امام حسن علیہ السلام نے اس سفید کاغذ پر مرقوم فرمایا تھا لہذا اپنی استعداد کے مطابق ہماری فکر یہ ہے کہ ان مختلف مطالب کو یکجا کریں جو تاریخی مصادر و منابع میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان ان مطالب کو انتخاب کریں جو صحیح ترین اور اہم ترین شرطیں ہیں اور انتخاب اور نظم کے ساتھ قرارداد صلح کو ایک ایسی شکل میں پیش کریں جو واقعیت سے سب سے زیادہ نزدیک ہو۔

دونوں کی دستخط کے ہمراہ قرارداد صلح کا متن

پہلی شرط

المادة الاولیٰ

تسليم الامر الى معاوية ، على ان يعمل بكتاب الله وبسنة رسوله (صلى الله عليه وآله) ، وبسيرة الخلفاء الصالحين.

یہ حکومت معاویہ کو اس شرط پر سونپی جارہی ہے کہ کتاب خدا، سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱) اور شائستہ و صالح خلفاء کی سیرت پر عمل کرے۔ (۲)

المادة الثانية :

ان يكون الامر للحسن من بعده ، فان حدث به حديث فلاخيه الحسين ، وليس

---

(۱)۔مدائنی ، شرح نہج البلاغہ میں ابن ابی الحدید کے بیان کے مطابق ج ۴ ص ۸۔

(۲)۔فتح الباری (شرح صحیح بخاری) النصائح الکافیہ میں ص ۱۵۶ طبع اول پر ابن عقیل کے بیان کے مطابق، بحار الانوار ج ۱۰، ص ۱۱۵۔

لمعاوية ان يعهد به الى احد .

دوسری شرط

معاویہ کے بعد حکومت حسنؑ سے متعلق ہے(۱) اور اگر حسنؑ کیلئے کوئی حادثہ پیش آجائے تو حسینؑ سے متعلق ہے۔(۲) معاویہ کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ کسی کو اپنے بعد جانشین معین کرے۔(۳)

المادة الثالثة :

ان يترک سبَّ امير المومنين والقنوت عليه بالصلاة ، وان لا يذكر عليا الا بخير .

تیسری شرط

معاویہ کیلئے ضروری ہے امیر المومنین کو برا بھلا کہنا اور نمازوں میں ان پر لعنت بھیجنا ترک کرنا پڑے گا(۴) اور انہیں نیکی اور اچھائی کے علاوہ کسی دوسری چیزوں سے یاد نہ کرے۔(۵)

المادة الرابعة :

استثناء ما فی بيت مال الكوفة ، وهو خمسة الاف الف فلا يشمله تسليم الامر . وعلىٰ معاوية ان يحمل الىٰ الحسين كل عام الفى الف درهم ، وان يفضل بنى هاشم فى

---

(۱)۔ تاريخ الخلفاء / سيوطی ص۱۹۴، ابن كثير ، ج۸، ص۴۱، الاصابة ج۲، ص ۱۲۔۱۳. ابن قتيبہ ص۱۵۰، دائرۃ المعارف/ فريد وجدی ، ج۳، ص۴۴۳، طبع دوم ومدارک دیگر.

(۲)۔عمدۃ الطالب ، تالیف (ابن عنبہ) ص۵۲.

(۳)۔مدائنی ، شرح نهج البلاغه میں ابن ابی الحدید کے بیان کے مطابق ج۴، ص۸، بحار الانوار ج۱۰، ص۱۱۵، الفصول المهمه /ابن صباغ مالکی ،اور اس کے علاوہ دیگر مدارک.

(۴)۔اعیان الشیعہ، ج۴، ص۴۳.

(۵)۔مقاتل الطالبين /تالیف ابو الفرج اصفهانی ، ص۲۶، شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۱۵، اس کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی بیان کیا ہے کہ حسنؑ نے معاویہ سے چاہا کہ وہ علیؑ کو گالیاں نہ دے لیکن معاویہ نے اسے قبول نہ کیا ہاں اس پر راضی ہو گیا کہ جس بزم میں حسنؑ ہوں اور وہ سن رہے ہوں وہاں علیؑ کو گالیاں نہ دی جائیں۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ بعد میں اس پر بھی وفا نہ کی.

العطاء والصلات علی بنی عبد شمس ، وان یفرق فی اولاد من قتل مع امیرالمومنین یوم الجمل واولاد من قتل معه صفین الف الف درهم ، وان یجعل ذلک من خراج دار ابجرد .

چوتھی شرط

کوفہ کا بیت المال جس کی موجودہ مالیت ۵۰ لاکھ درہم ہے وہ مستثنیٰ ہے، یہ رقم حکومت کے شامل حال نہیں ہے اور ہر سال معاویہ کو ۲۰ لاکھ درہم حسینؑ کیلئے روانہ کرنا ہوگا، بنی ہاشم کو بخشش و ہدیے میں بنی امیہ پر امتیاز دینا ہوگا اور جنگ صفین اور جمل میں شہید ہونے والے افراد کے پسماندگان کے درمیان دس (۱۰) لاکھ درہم تقسیم کرنا ہے اور یہ سارے کے سارے اخراجات ''دار ابحرد ''(۱) کی مالیات سے ادا کئے جائیں۔(۲)

المادة الخامسة :

" علیٰ ان الناس آمنون حیث کانوا من ارض الله ، فی شامهم وعراقهم وحجازهم وبینهم ، وان یومن الاسود والاحمر ، وان یحتمل معاویة مایکون من هفواتهم ، وان لایتبع احدا بما مضی ، وان لا یاخذ اهل العراق باحنة "

علی امان اصحاب علی حیث کانوا ، وان لاینال احدا من شیعة علی بمکروه ، وان اصحاب علی وشیعة آمنون علیٰ انفسهم واموالهم ونسائهم واولادهم ، وان لایتعقب علیهم شیئا ولا یتعرض لاحد منهم بسوء ، ویوصل الیٰ کل ذی حق حقه ، وعلی ما اصاب اصحاب علی حیث کانوا ....

وعلی ان لایبغی للحسن بن علی ، ولا لاخیه الحسین ، ولا لاحد من اهل بیت رسول الله ، غائلة ، سرا ولاجهرا ، ولایخیف احدا منهم ، فی افق من الآفاق.

---

(۱)۔فارس کا ایک شہر جو اہواز کے قرب وجوار میں ہے۔ جرد، یا جرا دقدیم فارسی یا جدید روسی زبان میں شہر کو کہا جاتا ہے لہذا "دار ابجرد " کے معنیٰ ''شہر داراب'' ہوئے۔

(۲)۔اس شرط کے مطالب پراکندہ طور پر ان کتابوں میں مل جائیں گے: الامامة والسیاسة، ص۲۰۰، تاریخ طبری، ج۶، ص۹۲، علل شرائع /تالیف ابن بابویہ، ص۸۱، تاریخ ابن کثیر اور اس کے علاوہ دیگر مدارک۔

پانچویں شرط

لوگ خدا کی زمین کے ہر گوشہ و کنار میں (شام ہو یا عراق یا یمن یا حجاز) امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کریں، سیاہ فام اور سرخ فام دونوں نسل کے افراد امنیت کا احساس کریں اور معاویہ کو ان تمام لوگوں کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنی ہوگی۔ اور کسی کو بھی اس کی گزشتہ غلطیوں کی بنیاد پر مواخذہ نہیں کرنا ہے، اور اہل عراق کو گزشتہ بغض وکینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے۔(۱) اصحاب علی جس جگہ بھی ہوں امن وامان میں ہوں، اور حضرت علیؑ کے چاہنے والوں میں سے کسی کو کبھی اذیت وتکلیف نہ پہنچائی جائے، اور علیؑ کے یار و مددگار اپنی جان، مال عزت اور آبرو سے خوف زدہ نہ ہوں، کوئی ان کا پیچھا نہ کرے اور انہیں تھوڑا سا بھی نقصان نہ پہنچائے، اور ہر حق دار کا حق اس تک پہنچایا جائے اور جو کچھ بھی اصحاب علیؑ کے پاس ہے اسے چھینا نہ جائے۔(۲)

حسن بن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ بن علیؑ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں سے کسی ایک کے خلاف پوشیدہ یا آشکار طور پر سازش نہ رچی جائے، اور عالم اسلام کے کسی بھی حصہ میں ان کو مرعوب اور خوف زدہ نہ کیا جائے۔(۳)

ابن قتیبہ لکھتے ہیں: پھر عبداللہ بن عامر (جو معاویہ کی طرف سے آیا تھا) نے امام حسنؑ کی قیود وشروط کو اسی طرح معاویہ کیلئے لکھا جس طرح آپ نے اس سے بیان فرمایا تھا اور پھر روانہ کر دیا معاویہ نے ان سب کو ایک کاغذ پر اپنی تحریر میں لکھا اور اس پر مہر لگائی اور تاکید آمیز عہد و پیمان اور شدید قسموں کا اس پر اضافہ کیا اور شام کے تمام سربراہ افراد کو اس پر گواہ قرار دیا اور پھر اسے اپنے نمائندہ عبداللہ بن عامر کے پاس روانہ کیا اور

---

(۱)۔ مقاتل الطالبین، ص۲۶، شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۱۵، بحار الانوار، ج۱۰، ص۱۰۱ اور ص۱۱۵، دینوری، ص۲۰۰، گفتگو کا ہر حصہ مورد نظر منابع کی عین عبارت ہے۔

(۲)۔ حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب اور شیعوں کی امنیت سے مربوط عبارتیں مندرجہ ذیل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، طبری، ج۶، ص۹۷، ابن اثیر، ج۳، ص۱۶۶، مقاتل الطالبین، ص۲۶، شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۱۵، بحار الانوار، ج۱۰، ص۱۱۵، علل الشرائع ص۸۱، النصائح الکافیہ، ص۱۵۶ کا مطالعہ کریں۔

(۳)۔ بحار الانوار ج۱۰ ص۱۱۵، النصائح الکافیہ ص۱۵۶ طبع اولی۔

اس نے اسے حسنؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (۱)

دوسرے مورخین اس جملہ کو جس میں معاویہ نے صلح نامہ کے آخر میں کچھ لکھا تھا اور اس کے بعد خدا سے اس پر وفا کا عہد و میثاق باندھا تھا اس طرح ذکر کیا ہے: خدائی عہد و میثاق اور ہر وہ جس کی وفاداری کیلئے خدا نے لوگوں کو مجبور کیا ہے معاویہ بن ابوسفیان کی ذمہ داری ہے کہ اس قرارداد پر عمل کرے۔ (۲)

یہ واقعہ صحیح ترین روایات کے مطابق ۱۵ جمادی الاول ۴۱ ہجری کو وقوع پذیر ہوا۔

---

(۱)۔ الامامة والسیاسة ص ۲۰۰.

(۲)۔ بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۵۵.

● تیسری فصل :

صلح نامہ کی اہم شرطوں پر ایک تحقیقی نظر

صلح نامہ کی شرطیں اس لحاظ سے کہ دینی اور سیاسی دونوں اعتبار سے بہت ہی اہم موضوعات پر مشتمل ہیں ان شرطوں کو ترتیب دینے والی ذات کی وسعت نظر پر دونوں رخ سے گواہ ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام حسنؑ کے فرمودات وتدبیروں کو اس دوران میں ملاحظہ کرنے سے جس میں اسی قسم کی چیزیں بہترین سیاست کی دلیل تھیں اندازہ ہوتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام سیاسی صلاحیتوں سے بے حد وحساب بہرہ مند تھے اور ہمیں اس پر یقین کرنا پڑتا ہے کہ اگر آپ موجودہ حالات کے علاوہ دیگر حالات میں ایسے لوگوں اور ایسے ماحول کے درمیان ہوتے جہاں راستہ زیادہ فراہم ہوتو آپ کارآزمودہ ترین سیاست داں اور اسلام کے سب سے بڑے حکمران شمار کئے جاتے۔

جب تک کسی کی دوراندیشی قوت تدبیر اور بلند رائے ہونے کے شواہد موجود ہیں اس وقت تک اس پر اعتراض وتردید کی راہ بند ہے اور اس پر مناقشہ اور اعتراض کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، محرومیاں اور وقتی شکست جو طبیعت زمان، شرائط اور حالات کا نتیجہ ہیں وہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتیں کہ ایسی ذات پر تنقید یا اعتراض کریں۔

شخصی صلاحیتیں اگرچہ محرومیوں اور شکست کے نتیجے میں بطور کامل ظہور وتجلی کیلئے امکان پذیر نہیں ہوتیں لیکن یکبارگی وہ میدان عمل کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ لہذا اس ابتکار آمیز میدان عمل کو غور سے ملاحظہ کیجئے جسے یہ بزرگ ہستی وجود میں لائی ہے اور اس ذات والا صفات کی ایک نئی فکر کو ملاحظہ کیجئے جو اس ساری قوم کی جان کی حفاظت کے سلسلے میں حال اور آئندہ دونوں لحاظ سے پیش کی ہے پھر غور کیجئے کہ کس طرح اس فکر کو قرارداد کے ان جملوں میں سمیٹ لیا گیا ہے اور شرائط کی صورت میں اسے دشمن کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

ان پنجگانہ شرائط کی شیوائی اور گویائی بخوبی اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ان شرائط کو تنظیم کرنے والی ذات نے حادثاتی طور پر یا پراکندہ اور جدا جدا انداز میں ان موضوعات کو ایک دوسرے کے ساتھ ترتیب نہیں دیا

ہے بلکہ ان گزشتہ سے پیوستہ شرطوں کی تنظیم اور انتخاب میں ایک ہدف اور خاص غرض کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ نزدیک ترین اور عملی ترین راہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مقصد کی تکمیل کی جائے یعنی اپنے شرعی حق کا اثبات اور اپنے اور اپنے بھائی کے مقام و منزلت کی حفاظت کی جائے اپنے اور اپنے بابا کے شیعوں کی امنیت کی ضمانت اور ان کے یتیموں اور پسماندگان کو آسائش فراہم کی جائے تا کہ اس کے ذریعہ ان کے ثبات اور وفاداری کی جزا دی جائے۔ اس کے علاوہ ان کے ایمان، مدد و نصرت اور اخلاص کی اس دن کیلئے ضمانت لے لی جس دن یار و انصار کی ضرورت ہے۔

اس قرارداد میں حکومت، معاویہ کو اس شرط پر سونپی جائے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور خلفاء صالحین کی سیرت پر عمل کرے گا، اس شرط کے ذریعہ معاویہ کو (وہ کہ جو اس کی نفسانی کیفیت اور اس شرط کے مدمقابل اس کے ردعمل سے سب سے زیادہ آشنا تھے) مخالفتوں، ہٹ دھرمیوں اور دشمنیوں کے دائرہ میں لا کر کھڑا کر دیا اور اس کے نتیجے میں اس کی حکومت کے ستون کو متزلزل کر دیا۔

قرارداد کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ دونوں فریق جس پر دستخط کریں تا کہ اپنے ان التزامات کا اثبات کرے جو اس قرارداد میں دیا ہے یا کہا ہے۔ اور اس مورد میں قرارداد کا موضوع (زیادہ) یہ ہے کہ محدود مادیات جو ان میں سے ایک کیلئے انتہائی لالچ اور محبت کا سامان ہے لامحدود معنویات کے مقابلہ میں قرار پائے جو دوسرے فریق کی ہمتوں کا مرکز ہے۔

صلح سے معاویہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ حکومت حاصل کرے اور امام حسن علیہ السلام اس پر راضی نہ ہوئے مگر اس وجہ سے کہ اپنے مکتب اور اپنے فکری اصول کو مٹنے سے بچالیں اور اپنے شیعوں کو نابود ہونے سے محفوظ کر لیں اور معاویہ کے مرنے کے بعد اپنے غصب شدہ حق کو واپس لینے کا راستہ ہموار کر دیں۔

صحیح انداز فکر کا لازمہ یہ ہے کہ قرارداد صلح سے ہم ایسے مفاہیم کو حاصل کریں۔

صلح ہوتے وقت دونوں فریق کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں تفسیر و توضیح کی صحت کو بطور کامل آشکار کرنے کیلئے ضروری ہے کہ گزشتہ مورخین کی اندھی تقلید کی زنجیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تاریخ کی اس اہم حقیقت کو کشف کرنے کیلئے یکبارگی شرائط صلح کے سلسلے میں دونوں فریق کے نظریات کے سراغ میں لگ جائیں یا کلی طور پر

ان بیانات کی طرف رجوع کریں جو شرائط کے ابہامات کو واضح کردے۔ شاید اس راستے سے بہت سارے اسرار ہم پر آشکار ہو جائیں حتیٰ جو چاہنے والوں سے بھی پوشیدہ ہیں۔

ا۔ دونوں فریق کی تصریح

صلح کے بعد اس سلسلے میں معاویہ کے اظہار خیالات میں سے صرف دو جملوں پر اکتفا کرتے ہیں:

پہلا جملہ وہ جسے ابن کثیر (۱) اور دوسرے مورخین نے اس سے نقل کیا ہے: میں اس سلطنت سے راضی اور خوش حال ہوں اور دوسرا جملہ وہ جو صلح کی راہ ہموار کرنے کیلئے ایک خط کی شکل میں امام حسن علیہ السلام کے پاس لکھ کر روانہ کیا تھا: آپ کیلئے یہ امتیاز ہوگا کہ کوئی بھی آپ پر حکم فرمائی نہیں کرے گا اور آپ کو اطلاع دیئے بغیر کوئی کام بھی نتیجہ تک نہیں پہنچے گا اور کسی بھی امر میں آپ کے نظریہ کی مخالفت نہیں کی جائے گی۔ (۲)

امام حسن علیہ السلام کے اظہار خیالات میں سے بھی مندرجہ ذیل بیان پر اکتفا کرتا ہوں:

پہلا کلام وہ جسے بارہا آپ نے اپنے شیعوں کو فلسفہ صلح کی تفہیم کیلئے بیان فرمایا؛ تم لوگوں کو کیا معلوم کہ میں نے کیا کیا ہے! خدا کی قسم میں نے جو بھی کیا ہے وہ ہمارے شیعوں کیلئے دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس سے بہتر ہے۔ دوسرا وہ جملہ جو آپ نے بشیر ہمدانی سے بیان کیا جو کوفہ میں شیعوں کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے ایک تھے: اس صلح سے اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں تھا کہ میں تم لوگوں کو قتل ہونے سے بچالوں (۳) تیسرا صلح کے بعد آنحضرتؑ کے خطبہ کا وہ جملہ جس میں آپ نے فرمایا:

"بیشک خدا نے ہمارے بزرگوں کے ذریعہ تمہاری ہدایت کی اور تمہاری جان کو ہمارے آخری افراد کے ذریعہ بچالیا۔ اب میں نے معاویہ سے صلح کی قرارداد باندھ لی ہے ہمیں کیا معلوم شاید یہ ایک آزمائش ہو اور دوسرے زمانے تک ایک فرصت۔" (۴)

---

(۱)۔ تاریخ ابن اثیر، ج۶، ص۲۲۰.

(۲)۔ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۳.

(۳)۔ دینوری، ص۲۰۳.

(۴)۔ یعقوبی، ج۲، ص۱۹۲.

ان تصریحات یا ان کے علاوہ دیگر تصریحات میں چاہے وہ معاویہ کی طرف سے ہوں یا امام حسن علیہ السلام کی جانب سے کسی میں بھی کوئی بات نہیں ہے جو ہمیں قرارداد کے اہداف ومقاصد جو استنباط کرنے میں ابہام یا اشکال سے دوچار کرے، معاویہ حکومت حاصل کرنے کا مشتاق تھا اور امام حسن علیہ السلام اپنے شیعوں کو قتل سے نجات اور اسلامی اصول وافکار کی حفاظت کیلئے وقتی صلح کے راستے طے کر رہے تھے (کیونکہ یہ بات ان کیلئے تمام اہل زمین سے زیادہ قیمتی تھی)

یہ وہ حقیقت ہے کہ مندرجہ بالا تصریحات کے پیش نظر جسے انکار اور تعجب کے بغیر قبول کیا جاسکتا ہے۔ اور مورخین کی اس تحریف کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے جو دونوں فریق کے اہداف صلح کے بارے میں انہوں نے بیان کیے ہیں نیز دونوں فریق کے اظہار خیالات کو سمجھنے میں وہ لوگ جس غلطی کے شکار ہوئے ہیں اس سے بھی آشنائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ نہ ہی صلح نامہ کی شرائط میں نہ ہی دونوں فریق کی کسی تصریحات میں بیعت وامامت وخلافت کا ذرہ برابر بھی تذکرہ نہیں ہے لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کا معاویہ سے بیعت کرنے کا موضوع جسے بعض مورخین نے ذکر کیا ہے جس کے پیروکار ابن قتیبہ دینوری ہیں، کس مدرک میں موجود ہے!!

یہاں پر ہم اس موضوع پر تحقیق کرنے سے پہلے یا ان لوگوں کے بارے میں کچھ بیان کرنے سے قبل جنہوں نے اس مطلب کو بیان کیا ہے ایک چھوٹا سا مقدمہ، معاویہ بن ابوسفیان سے خلافت اسلامی کے انتساب کے سلسلے میں پیش کرنا چاہتے ہیں اور اس مطلب کو آشکار کرنا چاہتے ہیں کہ اس جیسے انسان کے ہاتھوں پر شرعی بیعت کس طرح ممکن ہے۔

معاویہ اور خلافت

گزشتہ مباحث کے ذیل میں اسلام میں خلافت کے موضوع پر ہم نے کچھ مطالب بیان کئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے: اسلام میں خلافت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی صرف اسی شخص کیلئے مناسب ہے جو روحی ومعنوی لحاظ سے سب سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شباہت رکھتا ہو اور بقول عمر بن خطاب) آزاد شدہ غلاموں اور ان کی اولاد اور فتح مکہ کے موقع پر تسلیم محض ہونے والے کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہے؛ اہل سنت کے راویوں سے معتبر

حدیث کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کا دور ۳۰ سال تک ہے اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہی کا زمانہ ہے؛ شیعی عقیدہ اور معتزلہ کے نظریہ کے مطابق امامت صرف نصب وتعیین کے ذریعہ محقق ہوتی ہے؛ غلبہ حاصل کرنا یا قدرت حاصل کرنا ناجائز کو جائز نہیں بنا سکتا۔ لہذا یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی خلافت کو زبردستی حاصل کرلے یا اسے طاقت وقوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں پر زبردستی تھوپ دے؛ جو خلیفہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اسے اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوانین کی (آشکار طور پر یا پوشیدہ انداز میں) مخالفت یا اس سے مقابلہ کرے مثلاً زنا کو نسب سے ملحق کرے جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھائے اور خدا کے عہد و پیمان کو توڑ ڈالے۔

آیئے اب اپنی کہی ہوئی باتوں میں کچھ اور اضافہ کروں: اس وسیع وعریض پروپیگنڈہ کے باوجود جس میں نام نہاد اموی خلفاء نے ہزار مہینہ حکومت کے دوران اپنے چیلوں کے ذریعہ بے حساب رشوتوں کے بل پر افسانے اور جھوٹی روایتیں اپنے دل پسند مطالب کیلئے جعل کیں لیکن پھر بھی مسلمانوں کے صاحب نظر افراد کے نزدیک معاویہ کی حکومت سے لے کر آج تک ان میں سے کوئی بھی حکومت کو خلافت کے معنی میں حاصل نہ کرسکا اور کسی نے بھی ان لوگوں کو خلیفہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے قبول نہیں کیا اور وہ لوگ اپنی تمام مالی کوششوں اور وسیع پروپیگنڈے کے باوجود تاریخ میں صرف ایک بادشاہ بنام خلیفہ پہچانے گئے۔

معاویہ کی حکومت مستقر و مستحکم ہونے کے بعد ایک دن سعد بن ابی وقاص اس کے پاس آئے اور اس سے کہا:

''سلام ہو تم پر اے بادشاہ!''

معاویہ ہنس پڑا اور بولا: اے ابو اسحاق! ''کیا ہو جاتا اگر امیر المومنین کہتے''۔

سعد نے جواب دیا: ''کیا خوشی اور ہنسانے والی باتیں کرتے ہو! خدا کی قسم مجھے پسند نہیں ہے کہ میں اس مسند کو اس راستہ سے حاصل کروں جس راستہ سے تم نے حاصل کیا ہے۔''(۱)

''ابو موسیٰ اشعری'' سے ایک مفصل گفتگو میں ''ابن عباس'' نے کہا:

''معاویہ میں ایسی خصلت جو اسے خلافت سے نزدیک کرے موجود نہیں ہے۔''(۲)

---

(۱)۔ کامل، ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۶۳، السصالح الکافیہ ص ۱۵۸.

(۲)۔ مروج الذھب (کامل بن اثیر کے حاشیہ میں) ج ۶، ص ۷.

معاویہ کی خلافت کے انکار میں ''ابو ھریرہ'' نے یہ حدیث، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے:

''مدینہ میں خلافت ہے شام میں سلطنت ہے۔''(۱)

ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ''سفینہ'' سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا کہ کیا بنی امیہ خلافت کے مستحق ہیں یا نہیں، تو اس نے جواب دیا:

''نیلگوں چشم حقیر کنیز کے بچے جھوٹ بولتے ہیں، وہ لوگ بدترین وشریرترین بادشاہ ہیں اور سب سے پہلا بادشاہ معاویہ ہے۔''(۲)

ام المؤمنین عائشہ نے معاویہ کی طرف سے خلافت کے دعویٰ کو ناروا شمار کیا اور اس سلسلے میں اس کی برائی کی اور جب اس کی اطلاع معاویہ کو ملی تو اس نے کہا:

''عائشہ سے کتنے تعجب کی بات ہے کہ وہ اس پر معتقد ہے کہ جس چیز کی میں صلاحیت نہیں رکھتا اس پر قابض ہوں اور جو مسند میرا حق نہیں ہے اس پر براجمان ہوں۔ اسے ان باتوں سے کیا مطلب؟ خدا اسے معاف کرے۔''(۳)

ابوبکر (زیاد بن ابیہ کا مادری بھائی) معاویہ کے دربار میں حاضر ہوا تو معاویہ نے اس سے کہا:

اے ابوبکر کوئی حدیث بیان کرو! ابن سعد کا بیان ہے کہ ابوبکر نے اس طرح کہا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: خلافت ۳۰ سال ہے اور اس کے بعد سلطنت ہے۔ ابوبکر کے فرزند عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ معاویہ نے اس حدیث کو سننے کے بعد ہمیں باہر نکالنے کا حکم دیا تو ہمیں اتنا دھکا دیا گیا کہ ہم باہر نکل گئے؟(۴)

معاویہ نے صعصعہ بن صوحان عبدی سے پوچھا: مجھے خلفاء میں سے کس جیسا سمجھتے ہو؟

---

(۱)۔ تاریخ، ابن کثیر ج۶، ص۳۲۱.

(۲)۔ النصائح الکافیہ، ص۵۳، طبع ایران.

(۳)۔ شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۵.

(۴)۔ النصائح الکافیہ، ص۱۵۹، طبع ایران.

صعصعہ نے جواب دیا: وہ شخص جو زبردستی لوگوں پر حاکم بنا ہو، کبر وغرور کے ساتھ ان سے برتاؤ کرتا ہو اور باطل ہتھیاروں جیسے جھوٹ فریب کے ذریعہ ان پر مسلط ہوا ہو وہ کس طرح خلیفہ ہوسکتا ہے۔ اے معاویہ! خدا کی قسم تو نے جنگ بدر میں ایک تلوار نہ چلائی اور نہ ہی کوئی تیر پھینکا۔ اس دن تو اور تیرا باپ مشرکین کے لشکر میں تھے اور تم لوگ مل کر دوسرے لوگوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھڑکا رہے تھے، تو غلام اور غلام زادہ تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے اور تیرے باپ کو آزاد کیا۔ کس طرح خلافت آزاد شدہ غلام کا حق ہوسکتی ہے(۱) ایک دن اس کا دوست مغیرہ اس کے پاس آیا اور جب وہاں سے باہر نکل رہا تھا تو اپنے بیٹے سے کہا: میں پلید ترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں۔(۲)

''سمرہ'' جو بصرہ میں اس کا کارکن تھا جس دن اپنے شغل سے معزول ہوا اس پر لعنت بھیجی اور کہا: خدا معاویہ پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم جیسی میں نے اس کی پیروی کی خدا کی کرتا تو وہ ہرگز مجھے عذاب نہ کرتا۔(۳)

''حسن بصری'' کا بیان ہے:

معاویہ میں ایسی چار خصلتیں تھیں کہ جن میں سے ہر ایک اس کی ہلاکت وبدبختی کیلئے کافی تھی۔ ایک صفت یہ تھی کہ اس نے نادان اور سفیہ لوگوں کو امت کی گردن پر سوار کردیا یہاں تک کہ امر خلافت کو امت کے مشورہ کے بغیر ہتھیالیا جبکہ صحابہ اور صاحبان فضیلت افراد کی تعداد ان کے درمیان موجود تھی۔ دوسرے یہ کہ اپنے سرمست شراب خوار بیٹے کو جو ریشم پہنتا تھا اور طبلہ بجاتا تھا، اپنا جانشین بنادیا۔ تیسرے یہ کہ زیاد کو اپنا بھائی اور ابوسفیان کا بیٹا بنادیا جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''فرزند اس بستر کا ہے جس پر پیدا ہوا ہو اور زنا کار کا نصیب پتھر ہے۔''

چوتھے یہ کہ ''حجر کو قتل کر ڈالا، وائے ہو اس پر حجر اور اصحاب حجر کی طرف سے وائے ہو اس پر حُجر اور اصحاب حجر کی طرف سے...(۱)

---

(۱)۔مروج الذهب، (کامل بن الیر کے حاشیہ میں) ج۶، ص۷۔

(۲)۔مروج الزهب، ج۲، ص۳۴۲، ابن ابی الحدید، ج۲، ص۳۵۷۔

(۳)۔النصائح الکافیہ کے بیان کے مطابق وابن الیر، ص۹۔

(۴)۔تاریخ طبری، ج۶، ص۱۵۷ طبع اول۔

معتزلہ نے صلح کے بعد معاویہ کی بیعت سے انکار کر دیا اور حسنؑ و معاویہ دونوں سے دوری اختیار کر لی اور اسی لئے اپنا نام معتزلہ (یعنی دوری اختیار کرنے والے) رکھ لیا۔(۱)

اور جب کاروان زمان نے معاویہ کے شرح حال کو آئندہ نسلوں تک پہنچایا تو مذاہب اربعہ (اہلسنت کے چار مذاہب) کے فقہاء فقہی بحثوں میں معاویہ کو ستمگر بادشاہ کے عنوان سے مثال کے طور پر بیان کرنے لگے (۲) اور ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اسے ایسا ظالم و ستمگر سمجھتے تھے جس سے دشمنی واجب تھی (۳) لہذا وہ خلافت کہاں ہے جو معاویہ کیلئے فرض اور گمان کی گئی ہے۔

زمانے گزرتے رہے یہاں تک کہ عباسی حکومت کا زمانہ آ گیا اور معتضد عباسی مسند حکومت پر بیٹھا تو اس نے از سر نو معاویہ کے تمام کاموں، اس کی بڑی بڑی جنایت کاریوں، اور وہ کلمات جو اس کے سلسلے میں بیان کئے جاتے تھے اور وہ روایتیں جو اس کے سلسلے میں نقل کی جاتی تھیں سب کی نشر و اشاعت کی اور ایک فرمان میں تمام مسلمانوں کو اس پر لعنت کی نصیحت کی۔ یہ واقعہ ۲۸۴ ہجری میں واقع ہوا۔(۴)

غزالی نے حسن بن علی علیہ السلام کی خلافت کے تذکرہ کے بعد اپنی کتاب میں اس طرح تحریر کیا ہے: اور خلافت ایسے لوگوں تک پہنچی جنہوں نے استحقاق کے بغیر اسے غصب کر لیا۔(۵)

چھٹی صدی ہجری میں فصیح و بلیغ ترین سخن جو معاویہ کے سلسلے میں بیان ہوا ہے وہ بصرہ کے نقیب کا بیان

---

(۱)۔التنبیہ و الرد علی اھل الاھواء والبدع / محمد بن احمد الملطی متوفی ۳۷۷ھ ص ۲۸

(۲)۔اس فقہی مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ ظالم بادشاہ کی عدلیہ میں ہونے والا فیصلہ قبول کرنا جائز ہے۔اس کی دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے معاویہ کی حکومت میں قضاوت کو قبول کیا ہے۔

(۳)۔ابوحنیفہ نے کہا: معلوم ہے اہل شام کیوں ہمارے دشمن ہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں معلوم تو انہوں نے کہا: ان کی دشمنی کا سبب یہ ہے کہ ہم معتقد ہیں کہ اگر علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کو درک کرتے تو اسی لشکر کی مدد و نصرت کرتے اور اس کیلئے معاویہ سے جنگ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ہم سے محبت نہیں کرتے ہیں النصائح الکافیہ / ابن عقیل ص ۳۶ پر ایک روایت میں جو کتاب التمہید فی بیان التوحید میں ابی شکور سے مروی ہے بیان کیا ہے۔

(۴)۔اس فرمان کا متن تاریخ طبری کی ج ۱۱، ص ۳۵۵ پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(۵)۔دائرۃ المعارف / فرید وجدی، ج ۳، ص ۲۳۱۔

ہے: معاویہ کھوٹے سکہ کی طرح ہے۔(۱)

ابن کثیر حدیث نبوی سے استناد کرتے ہوئے صریحی طور پر معاویہ سے خلافت کی نفی کرتے ہیں ان کا بیان ہے: ''اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ خلافت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ۳۰ سال ہے اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت ہے۔ یہ ۳۰ سال حسن بن علی علیہ السلام کی خلافت پر تمام ہو جاتے ہیں۔ لہذا معاویہ کا زمانہ اسی دوران سلطنت کا آغاز ہے۔''(۲) دمیری (متوفی ۸۰۸ھ) امام حسن علیہ السلام کی مدت خلافت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ خلافت کے اُس زمانہ کا تتمہ تھا، جس کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کے بعد سلطنت ہے جس کے پیچھے زمین پر کبر آمیز اور فساد انگیز تسلط ہوگا۔ اور ویسا ہی ہوا جیسا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔(۳)

اور آخر کار محمد بن عقیل آئے اور اپنی پر اہمیت وار جمند کتاب **النصائح الکافیہ لمن یتولی لمعاویہ** لوگوں کے سامنے پیش کردی۔ یقیناً یہ کتاب معاویہ کے سلسلہ میں آخری فیصلہ ہے اور اب تک یہ کتاب دوبار شائع ہو چکی ہے۔

معاویہ اور خلافت کے موضوع پر اب تک جو بیان کیا گیا ہے، یعنی:

۱۔ ایسی خلافت کا اسلامی قوانین سے ناسازگار ہونا۔

۲۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاویہ کی واضح مخالفت۔

۳۔ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان صاحب نظر علماء نے معاویہ سے ادعاء خلافت کی برائی اور اس سے انکار کا مظاہرہ کیا ہے۔

وہ ہمیں اس سلسلے میں بحث کو اور زیادہ آگے بڑھانے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

خود امام حسن علیہ السلام نے بھی معاویہ کو حکومت سپرد کرنے کے بعد (دوسرے اسلامی بزرگوں کی طرح)

---

(۱)۔ابو جعفر النقیب، ص۴۱، طبع بغداد.

(۲)۔البدایۃ و النہایۃ، ج۸، ص۱۹.

(۳)۔حیاۃ الحیوان ج۱، ص۵۸.

صریحی طور پر اس سے خلافت کی نفی فرمائی اور اس خطبہ میں جو کوفہ میں دونوں گروہ کے یکجا ہونے کے دن پیش کیا تھا اس میں فرمایا:

وان معاوية زعم انى رأيته للخلافة اهلا ولم أرانفسى لها اهلا فكذب معاوية . نحن اولى الناس بالناس فى كتاب الله عز وجل وعلى لسان نبيه .

معاویہ گمان کرتا ہے کہ میں اسے خلافت کا اہل سمجھتا ہوں اور خود کو اہل نہیں سمجھتا۔ وہ جھوٹا ہے۔ اور کتاب خدائے عزّ وجل اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق تمام لوگوں سے زیادہ ہم حکومت کے حق دار ہیں۔

آئندہ فصلوں میں اس خطبہ کا کامل متن پیش کیا جائے گا۔

ایک دوسرے خطبہ میں جو معاویہ سے صلح کے بعد پیش کیا تھا اس میں اس طرح بیان فرمایا:

"وليس الخليفة من دان بالجور وعطل السنن واتخذالدنيا ابا واما ولكن ذلك ملك أصاب ملكا يمتع به وكان قد انقطع عنه ، واستعجل لذته وبقيت عليه تبعته فكان كما قال الله عز وجل : وان ادرى لعله فتنة و متاع الىٰ حين ."(۱)

"خلیفہ وہ نہیں ہے جو ظلم وستم کے ہاتھ کھول دے اور سنتوں کی تعطیل کر دے اور دنیا کو اپنا باپ ماں سمجھے۔ ایسی شخصیت بادشاہ ہے جس نے حکومت پر قبضہ کیا ہے اور اس سے بہرہ مند ہوا ہے۔ یہ حکومت اس سے واپس لی جائے گی اور وہ لذت بہت ہی جلد تمام ہونے والی ہے اور گناہ کا بوجھ اس کی پشت پر باقی رہ جائے گا اور ایسا ہوگا جیسے خدائے عزوجل نے فرمایا: ہمیں کیا معلوم شاید یہ ایک آزمائش اور بہرہ وری ہے ایک دوسرے زمانے تک۔"

۲۔ موضوع بیعت

کلینیؒ کی روایت میں اس طرح آیا ہے: حسنؑ نے معاویہ سے شرط کی کہ وہ خود کو امیر المومنین نہ

---

(۱)۔ اسے بیہقی نے اپنی کتاب المحاسن والمساوی کے ج ۲ ص ۶۳ پر ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

کہے(۱) اور ابن بابویہ کی کتاب علل الشرائع کے ص ۸۱ پر اور اس کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی روایت نقل کی ہے کہ حسنؑ نے معاویہ سے شرط کی کہ وہ کسی چیز کی گواہی کیلئے آپ کے سامنے نہ آئے۔

معاویہ کی خلافت کے اعتراف سے پرہیز (چہ جائیکہ بیعت) اس سے بہتر نہیں ہوسکتا کہ اسے امیر المومنین نہ کہا جائے اور آپ کے سامنے وہ گواہی کیلئے نہ آئے۔ جو امر واقع ہوا وہ صرف سلطنت کا حوالے کرنا ہے جسے صلح نامہ کے متن میں "تسلیم امر" کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور دوسروں نے اسے تسلیم حکومت کا عنوان دیا ہے۔

اب رہا کتاب الامامة والسیاسة میں دینوری کا بیان جس میں ان کا کہنا ہے کہ حسنؑ نے معاویہ سے بعنوان امامت بیعت کی تو سب سے پہلی بات تو یہ کہ معاویہ کی خصوصیات کے پیش نظر ہم نے ملاحظہ کیا کہ مسلمانوں کی زمام داری اور اسلامی خلافت سے یہ بات کتنی غیر مناسب ہے دوسری بات یہ کہ معاویہ کی خلافت کے انکار کے مرحلہ میں امام حسن علیہ السلام کی تصریح، تیسرے یہ کہ اس سلسلے میں آپ کی دقت کہ آپ کی طرف سے معاویہ کی خلافت کیلئے کوئی اعتراف صادر نہ ہو (جیسا کہ یہ مطلب مندرجہ بالا دو روایتوں سے قابل استفادہ ہے) دینوری کی گفتگو سے بالکل سازگار نہیں ہے۔

مجموعی طور پر امام حسنؑ اور معاویہ کے باب میں دینوری سے جو بات منقول ہے وہ جانبداری اور تعصب کی جلوہ نمائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ ایسی باتیں اس مورخ پر زیب نہیں دیتی ہیں جو تیسری صدی ہجری (یعنی وہ زمانہ جس میں معاویہ کے پروپیگنڈے اور اس کی رشوتوں کا کوئی اثر باقی نہ رہا) میں زندگی بسر کر رہا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس قسم کے فیصلے ان محبتوں اور رجحانات کے نتائج ہیں جس سے اکثر و بیشتر مسلمان مورخین دور نہیں رہ پائے ہیں مثلاً ایک دوسری جگہ پر یہ مورخ رقمطراز ہے کہ حسن و حسین علیہما السلام نے اپنی پوری زندگی میں معاویہ سے کوئی برے اور ناروا عمل کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اس مورخ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ اس سے برا عمل اب اور کیا ہوگا کہ کسی کو زہر سے مسموم کر دیا جائے۔ اور کون سا ناروا کام اس سے بڑا ہوگا کہ ان مسلم حق و مقام کو غصب کر لیا جائے۔ دینوری کے معیارات اور آلات پیمائش کیسے ہیں؟

---

(۱)۔ اصول کافی، ص ۶۱۔

اگر یہی طے پا جائے کہ ایسے مورخین کے بارے میں تکلف وزحمت کے ساتھ کوئی عذر تراشی یا عذر کی طرح کوئی بات بنائی جائے جنہوں نے معاویہ کے ہاتھوں پر امام حسن علیہ السلام کی بیعت کا تذکرہ کیا ہے تو ان کے سلسلے میں یہی کہنا پڑے گا کہ یہ لوگ بھی انہیں وسیع وعریض پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے جس نے ان لوگوں کے زمانے تک بھی لوگوں کے اذہان کو چین وسکون سے نہیں رہنے دیا۔ اسلامی تاریخ میں کوئی بھی ماجرا اس ماجرے سے زیادہ نمایاں نہیں ہوگا جس میں اسلامی حکومت ایسی شخصیت کے ہاتھوں سے نکل جائے جو خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہو اور ایک ایسے جنگی آزاد شدہ غلام کے ہاتھوں میں چلی جائے کہ خود جس کی اور اس کے گھرانے کی زندگی تاریخ میں معروف ہو۔ اس واقعہ کی اہمیت سبب قرار پائی کہ مخالفین صلح، خود کو حق دینے لگے کہ اس ماجرے کے حاشیہ میں جو دل میں آئے کہیں اور جو سمجھ میں آئے لکھ ڈالیں۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے حقائق کو بھی بدل دیا اور مطالب اپنی طرف سے گھڑ ڈالے اور اسی رھگذر میں بیعت کا افسانہ بھی خام خیالیوں کا شکار ہو گیا۔

واقعہ صلح کے بعد حکومت کے کارندوں کیلئے اس جعلی افسانے کو پیش کرنا بڑی اہم مصلحت کا حامل تھا کیونکہ یہ افسانہ ان کے اس پروپیگنڈے کیلئے قابل ملاحظہ مدرک بن سکتا تھا کہ معاویہ خلافت کا مستحق تھا۔ معاویہ کی خلافت کا مسئلہ جو مسلمانوں کی عمومی فکروں میں انکار اور نفرت کا مرکز تھا جس کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام سفینہ کا بیان تھا کہ نیلگوں چشم اور حقیر کنیزوں کے بچے جھوٹ بولتے ہیں یہ لوگ بدترین وشریر ترین بادشاہ ہیں اور اس کا سب سے پہلا بادشاہ معاویہ ہے، اس پروپیگنڈے کے ذریعہ اس کو مستحکم اور ثابت کرنا چاہتے تھے۔

بعد میں جب سادہ لوحی اور سطحی نگری مورخین کیلئے بلائے جان ہو گئی اور جو کچھ بھی تاریخ اسلام سے حاصل کیا اس سے متاثر ہو گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ من گھڑت افسانہ بھی حقیقت وواقعیت کے رنگ میں رنگ دیا گیا۔ ایک قلیل طبقہ نے بے سروپا باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھا لیکن بعض لوگوں نے تو حقیقت سے اتنا زیادہ باہر قدم نکال لیا کہ خبط الحواسی اور آشفتہ کلامی کے شکار ہو کر کہنے لگے کہ حسنؑ نے صریحی طور پر بیعت کا اعتراف کیا ہے بعض مورخین نے تو خود کو افتراء وتہمت سے آلودہ کر دیا اور ایسے گڑھے میں گر گئے کہ جو کسی بھی ایسے مسلمان کی جواں مردی کو زیب نہیں دیتا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کے سلسلے میں زبان کھول رہا ہو۔ ان لوگوں نے لکھ دیا کہ حسنؑ نے خلافت کو دنیاوی مال کے مقابلہ میں بیچ دیا!...

ہم تہمت لگانے والوں کی ان بے سروپا باتوں کا جواب دینے کے مرحلہ میں نہیں ہیں۔اس سلسلے ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق اگر واقعہ صلح (وہ صلح جو دونوں فریق کی دستخط کے ساتھ اور دونوں کے نزدیک مورد قبول تھی) میں اس خیالی بیعت کا اصلا وجود نہ تھا تو اس گفتگو میں ہم اس صحیح ادراک کے علاوہ کسی دوسری چیز پر بھروسہ نہیں کر سکتے جسے بیعت اور امامت کے مفہوم سے ہر مسلمان کو سمجھنا چاہیے۔اس کے علاوہ اس بحث سے مربوط روایتیں اور موثر شخصیتوں کے نظریات بھی اس مدعا کی دلیلیں ہو سکتی ہیں۔

کائنات میں کسی ایسی حقیقت کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا کہ جس کے اثبات پر ایسی متقن اور وہ قطعی دلیلیں موجود ہوں اور اس کے باوجود بھی وہ ابہام و تردید کا شکار ہو۔

آج تک یہی عادت رائج ہے کہ کسی واقعہ کی شناخت و فہم کیلئے ان قدیم مورخین کے کلمات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو اس واقعہ کے معاصر یا اس واقعہ سے کچھ کم یا زیادہ فاصلہ پر زندگی بسر کیا کرتے تھے۔آئندہ نسلوں اور بعد میں آنے والے افراد کیلئے اس روش پر جمود اس چیز کا سبب قرار پایا کہ ایک قوم اور ایک آئین کے پیروکاروں کے درمیان آراء عقائد اور مختلف طبقہ بندیاں معرض وجود میں منصۂ شہود پر ظہور پذیر ہوں۔اس کا صرف یہ سبب ہے کہ تاریخ کی طرف رجوع کرنے والے خود آراو عقائد میں مختلف طبقہ بندیاں اور خاص رجحانات سے اس حد تک متاثر ہو کر زندگی بسر کرتے تھے کہ ان سے دوری ممکن نہ تھی حقیقت تو یہ ہے کہ اس ماحول میں یہ بہت دشوار امر تھا کہ کوئی مصنف اور اہل قلم ان جذباتی اثرات سے کنارہ کش ہو جائے جو اس کی اخلاقی اور اجتماعی دونوں زندگیوں میں موثر ہو۔

اسلامی تاریخ کے بہت سارے موضوعات کا اضطراب اور ان کی افسوسناک آشفتگی اسی مرکز سے شروع ہوتی ہے۔

حقیقی طور پر معتقد ہونا پڑے گا کہ افسانہ، بیعت (جو در واقع معاویہ سے امام حسنؑ کی صلح پر اعتراض کا ایک انداز ہے) انہی عوامل کا نتیجہ ہے جنہیں مورخین نے اپنی کتابوں میں انہیں مطالب سے متاثر ہو کر لکھا ہے، وہ غرض آمیز پروپیگنڈے جو اس افسانہ کو واقعی دکھانے میں صرف ہوئے انہوں نے ان مورخین کو مادی حساب وکتاب یا واقعیت سے بے اطلاعی کی بنیاد پر اس طرح متاثر کر دیا کہ وہ ان غلط پروپیگنڈوں کی پیروی کرنے لگے۔

لفظ "تسلیم امر" جو صلح نامہ کے متن میں آیا ہے ان لوگوں کیلئے ایک راستہ فراہم کر دیا کہ یہ ادعا کریں کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کی خلافت کو قانونی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا اور پھر اس کے مدعی ہو جائیں کہ اس کی بیعت بھی قبول کر لی!! یہ لوگ اس بات کی طرف متوجہ نہیں رہے کہ خلافت اس لحاظ سے کہ الٰہی اور آسمانی منصب ہے وہ معاملہ یا بخشش یا تسلیم کرنے کے مرحلہ میں ہرگز واقع نہیں ہو سکتی۔ اور اتفاقی واقعات جیسے صلح یا قبول حکمیت ناممکن ہے کہ اس خلافت کو واقعی حیثیت دیں سکیں۔

اب لفظ "تسلیم امر" جو صلح نامہ کی پہلی شق میں مذکور ہے بطور کامل روشن ہو سکے ہم اپنی روش پر اور واقعی مطالب کی جستجو انہیں مورخین کی ضعیف گفتگو سے شروع کرتے ہیں اور اس مجمل کلمہ کی تفسیر و توضیح خود فریقین کی گفتگو سے پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۳۔ تسلیم امر

گزشتہ صفحات میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ خاندان پیغمبر کے سلسلے میں معاویہ نے اپنے بیٹے یزید سے گفتگو کے دوران یہ کہا تھا: یقیناً حق ان کا ہے۔ اور صلح کا راستہ ہموار کرنے والا جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی قلم بند کیا تھا کہ آپ کی اطلاع کے بغیر کوئی کام انجام نہ پائے اور کسی بھی امر میں آپ کے نظریہ کی مخالفت نہ ہوگی۔ اور صلح کے واقعہ کے بعد یہ کہا: میں اس سلطنت سے راضی و خشنود ہوں اور وہ خطبہ جو کوفہ میں وارد ہونے کے دن پیش کیا تھا اس میں یہ کہا تھا کہ میں نے نماز اور زکات کیلئے تم سے جنگ نہیں کی ہے بلکہ اس لشکر کشی سے ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ میں تم لوگوں پر حکمرانی کروں۔"

اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے روبرو اس کی خلافت سے انکار کیا تو وہ خاموش رہا اور کچھ نہ بولا۔

اس بنیاد پر ایک دوسرا مطلب ہماری معلومات میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور وہ یہ کہ معاویہ جونہی سلطنت سے راضی ہوا تو اس نے اپنے سے عنوان خلافت کی نفی کر دی اور اس کا یہی کہنا تھا کہ میں نے نماز اور زکوۃ کیلئے تم سے جنگ نہیں کی ہے .....وہ اس جملہ سے ثابت کر گیا کہ وہ ایک دینی خلیفہ نہیں ہے بلکہ دوسرے بادشاہوں کی طرح ایک بادشاہ ہے جنہیں لوگوں کی نماز و زکات سے کوئی مطلب نہیں ہوتا ان کی ساری ہمت

وطاقت لوگوں پر حکمرانی میں صرف ہوتی ہے۔ پھر اس کا امام حسنؑ سے یہ کہنا کہ آپ کی اطلاع کے بغیر کوئی کام انجام پذیر نہ ہوگا یا اپنے بیٹے سے کہنا کہ یہ حق انہی کا ہے، امام حسن علیہ السلام کے رفیع وبالا مقام ومنزلت کا واضح اعتراف ہے اور آپ کے اس تسلط کو قبول کرتا ہے جس سے اس نے عدم مخالفت قبول کی ہے اور وہ چیز صرف مقام وتسلط خلافت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسی صورت حال میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب امام حسنؑ نے اس کے منہ پر اس کی خلافت کا انکار کر دیا اور اس کے بے جا اور بیہودہ دعوے کی پہلے ہی تکذیب کر دی تو وہ خاموش ہو گیا اور کچھ بول نہ پایا۔ تو اب ذرا غور کیجئے کہ یہ حقائق کجا اور تسلیم خلافت کجا؟ جسے یہ مورخین تسلیم امر سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا موضوع جو تحلیلی نقطہ نظر سے شاید جس کی دلالت زیادہ ہو کہ معاویہ نے جس میں اپنے لئے خلافت کے عدم استحقاق کا اعتراف کیا ہے اس کی وہ شکست خوردہ ہنسی ہے جو وہ سعد بن ابی وقاص کے سامنے ہنسا تھا کہ جب وہ اس کے پاس آکر یہ بولا تھا: سلام ہو تجھ پر اے بادشاہ۔ اور یہ نہیں کہا کہ اے امیر المومنین۔ یہ آشکارا ہنسی اس کی خطا کے اعتراف کی (کہ وہ لقب خلافت کو جنگی غنیمت کی طرح سمجھ رہا تھا نہ کہ امت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کا رابطہ) خبر دیتی ہے اسی وجہ سے یہ بات سبب بنی کہ سعد بن ابی وقاص جو تاریخ کی قد آور شخصیت ہیں اور وہ معاویہ کی چرب زبانی سے مغلوب نہیں ہوئے اس کے جواب میں کہتے ہیں: خدا کی قسم مجھے پسند نہیں ہے کہ اس مقام کو اس راستہ سے حاصل کروں جس راستہ سے تو نے اسے حاصل کیا ہے۔ یعنی وہ خود کو اس لقب سے بالاتر شمار کرتے ہیں جس کیلئے ناحق خون بہایا گیا ہو، لشکر کے درمیان سیاہ فتنے برپا ہوئے ہوں اور جھوٹے عہد و پیمان کی پیداوار ہوئی ہو۔

آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ ''سعد بن ابی وقاص'' بھی تسلیم امر سے تسلیم سلطنت وحکومت کے علاوہ کسی دوسری چیز کو نہیں سمجھتے اور یہ وہی بات ہے جسے ہر شخص جو خلافت کے سلسلے میں قرآن کے نظریہ سے آشنا اور صلح نامہ میں دونوں فریق کی زبان سے آگاہ ہے، کو سمجھ لینا چاہئے۔

اسلام کے بڑے محقق سید امیر علی ہندیؒ جب اس صلح کے موضوع پر پہنچے تو اس مرحلہ کو حکومت سے کنارکشی کے عنوان سے پیش کیا۔ (۱)

---

(۱)۔ مختصر تاریخ العرب والتمدن الاسلامی، ص ۶۱.

اس گفتگو میں جس میں خود حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے اصحاب سے صلح کی تفسیر پیش کر رہے تھے فرمایا: میں نے مومنین کو ذلیل نہیں کیا ہے بلکہ مجھے یہ پسند نہیں تھا کہ میں سلطنت کیلئے لوگوں کو قتل کروادوں۔(۱)

اس طرح ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ جنگ (امام حسن علیہ السلام اور معاویہ) دونوں کی طرف سے حکومت وقدرت کی جنگ تھی لہذا وہ مصالحت جس کے صلح نامہ کی شرائط پر بھی دونوں فریق متفق تھے اسے بھی اسی موضوع پر ہونا چاہیے کیونکہ آج وہ لوگ اسی بات پر صلح کر رہے تھے جس پر کل ان دونوں کے درمیان جنگ تھی۔ان لوگوں کے نقطہ نظر میں چاہے ان کی تصریحات ہوں یا صلح کا موقع ہو کہیں پر بھی خلافت کے لین دین کی بات نہیں ہوئی۔

ہم تو ان تصریحات میں ایک دوسرے موضوع سے بھی آشنا ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ دونوں فریق کو اس بات پر اتفاق ہے کہ حکومت سے برتر وبالا رتبہ (یعنی وہ مقام جس کی بنیاد پر حکمران کسی بھی رائے میں اس مقام ومنزلت کے حامل کی مخالفت نہیں کرے گا اور کوئی کام بھی ان کی اطلاع کے بغیر انجام نہیں دیا جائے گا) حسن بن علی علیہما السلام سے متعلق ہے۔اور اسی مقام کا حامل ہونا امام حسن علیہ السلام کو اجازت دیتا ہے کہ آپ معاویہ کے سامنے اس انداز میں گفتگو کریں جیسے کوئی شخص کسی کو کوئی ذمہ داری انجام دینے پر مامور کرے: وہ اپنی حالت سے خود زیادہ آشنا ہے اور جو کام اس کے سپرد کیا ہے وہ اس پر زیادہ شکر گزار ہے (۲) یعنی حکومت وزمام داری۔

کتنا بڑا فرق ہے اس مقام میں اور اس میں جسے بے سروپا باتیں کرنے والوں نے گمان کیا ہے اور اپنی کتابوں میں لکھ ڈالا ہے یعنی امام حسن علیہ السلام کا معاویہ کی بیعت کرنا اور خلافت اسے سونپ دینا۔

یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بے سروپا باتیں سب سے پہلے کسی خودغرض اور بداندیش انسان کے ہاتھوں قلم بند ہوئیں اس کے بعد دوسرے لکھنے والوں نے اپنا خاص نظریہ دیئے بغیر ہی اسے اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور تاریخ میں اس طرح کی بہت ساری غلطیاں دیکھنے کو مل جائیں گی اور یہ وہی چیزیں ہیں جس نے حقائق کے چہرہ کو دگرگوں اور اس کی خوبصورتیوں اور زیبائیوں کو پوشیدہ کر دیا جس کے نتیجے میں محققین کی زحمتیں دوچنداں

---

(۱)۔تاریخ ابن کثیر ج ۸،ص ۱۹،اعیان الشیعہ ج ۴،ص ۵۲ اور المستدرک / حاکم نیشاپوری.

(۲)۔المحاسن والمساوی / بیہقی ج ۱،ص ۶۴.

ہوگئیں اور جب بھی کوئی زحمت کش اور کاوش کرنے والا کسی موضوع پر صحیح مطالب دریافت کرنے کیلئے کمر ہمت باندھے گا تو وہ دیکھ لے گا کہ یہ تحریفات اور بے سروپا باتیں کسی ایک مدرک واصل کی طرف برگشت کرتی ہیں اور جب اپنی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے اسی مدرک وماخذ پر زیادہ تحقیق کرے تو یہ بھی دیکھے گا کہ یہ مطلب بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے۔

البتہ یہ کہ نام نہاد خلافت اور خلیفہ کا لیبل (LABLE) معاویہ کے تصرف میں (اور اس کے بعد دوسرے خودسروں کہ جنہوں نے اس نام کو خود سے منسوب کرلیا تھا یا تلوار کے زور پر یا میراث میں اس نام کو حاصل کیا تھا) تھا اس میں کوئی شک وتردید نہیں ہے۔

اگر کسی عظیم اجتماع یا گروہ میں معاویہ یا کسی دوسرے متصرفین (۱) اور خودسر اشخاص نے بیعت کی ہو ایسی صورت میں صحیح ہے خلافت کا نام اس حکومت پر رکھا جائے جو طاقت اور خودسری کے بل پر اور بے بنیاد ادعا سے ہتھیائی گئی ہو تو ہم ایسے لوگوں سے لفظی بحث نہیں کرنا چاہتے، کہنے دیں اس صورت میں معاویہ خودسری و زبردستی کا خلیفہ وجانشین ہوا اور امام حسنؑ خلیفہ پیغمبر اور شریک قرآن رہیں۔ آپ یہ فرض کرلیں کہ جو باتیں بعض روایتوں میں آئی ہیں (بشرطیکہ ان کی سند صحیح اور ان کا متن تحریف سے دور ہو) اس صورت میں وہ کلمہ خلیفہ کی جدید اصطلاح ہوگی۔

۴۔ معاویہ کے بعد خلافت کا حال

صلح کا راستہ فراہم کرنے کیلئے جتنے بھی خطوط معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو لکھے ہیں اس میں ہمیں یاد نہیں ہے کہ معاویہ کے مرنے کے بعد خلافت کے مستقبل'' کا موضوع فراموش کردیا گیا ہو یا اس موضوع کا تذکرہ نہ ہوا ہو ان تمام خطوط میں امام حسنؑ سے اس کی یہی گزارش ہے کہ حکومت کو اس وقت تک اس کے حوالے کردیا جائے جب تک وہ زندہ ہے ان خطوط میں سے بعض میں اس جملہ کا بھی اضافہ ہے: ''میرے بعد حکومت آپ کی ہوگی''۔ (۲)

---

(۱)۔ لفظ خلیفہ جس کے تصرف میں تھا (وہ معاویہ اور اس کے بعد جن خودسر اشخاص نے زبردستی سے اسے اپنا لیا تھا) مترجم اردو۔

(۲)۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۴، صفحہ ۱۳۔

ایک دوسرے خط میں لکھتا ہے :''آپ،لوگوں کے درمیان سب سے زیادہ اس منصب کیلئے اولیٰ اور حقدار ہیں۔(۱)

صلح نامہ کے متن میں بھی مطلب اسی انداز میں مذکور ہے۔لوگوں نے بھی صلح سے اس مطلب کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں سمجھی تھی کہ قدرت وحکومت اس وقت تک معاویہ کے اختیار میں ہے جب تک وہ زندہ ہے اور اس کے مرنے کے بعد (چونکہ اس میں اور امام حسن میں سنی اعتبار سے ۳۰ سال کا فرق تھا) حکومت اور قیادت اپنے اصلی حقدار کی طرف پلٹ جائے گی اور امام حسنؑ اس وقت یا پیرانہ سالی کے ابتدائی مرحلہ میں یا جوانی کے آخری مرحلہ میں ہونگے البتہ جہنمی دسیسہ کاریوں اور شیطانی سازشوں کی پیشگوئی معمولی حساب وکتاب کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔!!

وہ شق جس میں تصریح کی گئی کہ امام حسنؑ کو معاویہ کے بعد حکمران کے عنوان سے پہچنوایا ہے وہ اس ۱۰ رسالہ مدت میں اسلامی معاشروں میں ہمیشہ نمایاں اور معروف ترین شرط رہی جو زبان زد خاص وعام تھی۔لیکن بعد میں آنے والے مفاد پرست پروپیگنڈوں نے اس شرط کو دگرگوں کر دیا اور روایتوں کی فیکٹری میں راویوں نے اُس میں خوب خوب تبدیلیاں کیں بعض راویوں نے اس عبارت کو اس طرح بدل دیا: معاویہ کو حق نہیں ہے کہ حکومت کو اپنے بعد کسی دوسرے کے حوالے کردے۔کچھ دوسرے ضمیر فروش راویوں نے اس جملہ میں جھوٹ کی ملاوٹ کر کے یہ لکھ دیا کہ:''اس کے بعد حکومت مسلمانوں کی شوریٰ (کمیٹی) اور ان کے مشوروں پر موقوف ہے۔''

فقط صداقت پسند راویوں نے اس جملہ کو اس کی اصلی شکل میں روایت کیا ہے۔

فنکار مورخین اس نکتہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے کہ اس حقیقت کی تحریف اور صلح نامہ کے متن میں الٹ پھیر اس شرط کو عملی جامہ پہناتے وقت اس حقیقت کو ان کے فائدہ میں تبدیل نہیں کرسکتی ہے کیونکہ یہ بات عام طور پر محال تھی کہ مسلمان معاویہ کے مرنے کے بعد اور امام حسنؑ کے زندہ رہنے کی صورت میں اور خلیفہ کے انتخاب (الیکشن) اور عوام کی آزادی کی صورت میں وہ لوگ کسی دوسرے کو فرزند رسول پر مقدم کردیں اور کسی دوسرے شخص کو شوریٰ یا کسی دوسرے ذریعہ سے خلافت کیلئے منتخب کرلیں۔لہذا تمام روایتیں (خواہ وہ صحیح روایتیں ہوں یا جعلی

---

(۱)۔سابق حوالہ۔

اور گڑھی ہوئی) اور تمام تینوں صورتیں جو اس ایک روایت کے سلسلے میں محتمل ہیں وہ سب کی سب امام حسنؑ کی زندگی میں عملی لحاظ سے ایک ہی نتیجہ تک پہنچیں گی۔

لہذا اس تاریخی امانت سے گریز کرنے کا سبب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس جھوٹ کو بڑھاوا دینے والے راوی یہ چاہتے تھے کہ حاکم وقت کے ساتھ اپنی دنائت آمیز اور گھٹیا اتحاد کے ذریعہ یزید کی بیعت کا راستہ فراہم کریں؟!

وہ چالاک اور فنکار مورخ جس نے امام حسنؑ کی صریح تعیین کو اس شق سے حذف کر دیا اور اس کے بجائے شوریٰ کے موضوع کو رکھ دیا وہ اس گمان میں تھا کہ اس نے جعل وتحریف کی بہترین روش کو انتخاب کیا ہے! لیکن وہ سمجھ نہ سکا کہ اس کا عمل اس کے دوسرے ساتھی کی طرح جس نے شوریٰ کا تذکرہ نہیں کیا ایک ہی ہے کیونکہ شوریٰ اسلام میں انتخاب اور خلیفہ کو منتخب کرنے کے سلسلے میں نہیں ہے بلکہ ان امور سے متعلق ہے جسے مسلمانوں کا خلیفہ یا سربراہ انجام دیتا ہے، پہلے ہی مرحلہ میں جب شوریٰ کا حکم قرآن مجید کی آیت ''وشاورھم فی الامر'' کے ذریعہ تشریع ہوا اور خداوند عالم نے اس پر مسلمانوں کی ستائش کرتے ہوئے آیت نازل فرمائی کہ وہ اپنے امور میں مشورہ سے کام لیتے ہیں: ''وامرھم شوریٰ بینھم'' اس کا مقصود ان عمومات اور امور میں مشورت کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا جسے مسلمانوں کا سربراہ انجام دیتا ہے۔

وہ آیت جو مشورہ کا حکم دیتی ہے وہ لوگوں کی طرف سے عہدہ سونپنے کی صریحاً نفی کرتی ہے چہ جائیکہ اس کا اثبات کریں۔

اس مورخ کا گمان اور اسی طرح دوسرے افراد جنہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ کو کتاب خدا سے مستند کرنے کی کوشش کی ہے وہ ایک خطاء ولغزش کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ عائشہ نے جس وقت لوگوں کو شوریٰ کی دعوت دی تھی اسے انہوں نے خدا سے منسوب نہیں کیا بلکہ اس کیلئے عمر بن خطاب کے عمل کو دلیل قرار دیا اگر اس مطلب کو کتاب خدا سے مستند کرنے کا امکان ہوتا تو وہ اس دلیل سے جو زیادہ روشن اور قطعی تھی ہرگز ہاتھ کھینچے ہوئے عمر کے عمل کو دلیل قرار نہ دیتیں۔ آپ جب بصرہ وارد ہوئیں تو کہنے لگیں: ''صحیح وصواب تو یہی ہے کہ عثمان کے قاتل گرفتار کئے جائیں اور ان کے خون کے قصاص میں ان سب کو قتل کر دیا جائے اور اس کے بعد اسی

طرح جس طرح عمر بن خطاب نے قرار دیا ہے سربراہی اور حکومت کا کام شوریٰ کے حوالے کر دیا جائے۔(۱)

بہر حال بہت سارے بے شمار قطعی قرائن کے پیش نظر مورد بحث متن ان مطالب کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا جنہیں ہم نے صلح نامہ کی دوسری شق میں ذکر کیا ہے۔

اس کی سب سے پہلی دلیل: معاویہ کے وہ خطوط ہیں جو اس نے امام حسنؑ کے نام لکھے تھے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ یہ مطالب اس مطلب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ صلح نامہ کی شرائط کو امام حسنؑ تحریر کرنے والے ہیں دیگر تمام مطالب سے زیادہ مناسب اور حقیقت سے زیادہ نزدیک ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل سفید کاغذ والی روایت کے ذیل میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ یہ روایت زیادہ مشہور اور دوسری روایتوں کے مقابلہ میں بیشتر ہے۔

چوتھی دلیل: یہ ہے کہ یہ دوسری شق امام حسنؑ کی زندگی تک مشہور تھی اور اس حد تک تھی کہ بہت سارے خطبوں اور احادیث میں اس کو سند کے طور پر بیان کیا گیا ہے مثال کے طور پر سلیمان بن صرد صلح کے بعد امام حسن علیہ السلام کو دیئے گئے اپنے مشورہ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور معاویہ کے سامنے جابر بن قدامہ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کے حق حکومت کو ایک مسلم و معروف موضوع کے عنوان سے پیش کرتے ہیں اور احنف بن قیس اپنے اس خطبہ میں جو اس نے معاویہ کے سامنے یزید کی بیعت کی مخالفت میں پیش کیا تھا اس میں اس مطلب کو ایک مسلم موضوع کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

وہ اپنے خطبہ میں اس طرح بیان کرتا ہے: یہ بات تم بخوبی جانتے ہو کہ تم نے عراق کو تلوار کے زور پر فتح نہیں کیا ہے اور طاقت کے بل پر اس پر مسلط نہیں ہوئے ہو بلکہ جیسا کہ تمہیں خود معلوم ہے کہ تم نے امام حسن علیہ السلام سے خدائی عہد و میثاق باندھا ہے کہ حکومت تمہارے بعد ان کا حق ہوگی، اب اگر اس عہد کو وفا کرتے ہو تو تمہارے لئے یہ کام بہتر ہے اور اگر غداری اور حیلہ گری کا دامن پکڑا تو تم نے ستم کیا ہے۔ خدا کی قسم امام حسنؑ کی پشت پر بہترین گھوڑے، محکم اور طاقتور کلائیاں اور برندہ تلواریں آمادہ ہیں اگر ایک بالشت بھی مکر و فریب سے

---

(۱)۔ دائرۃ المعارف، مؤلف، فرید وجدی، جلد ۴، صفحہ ۵۳۵۔

کام لیا تو طاقتور بازوؤں کو ان کی مدد میں اپنے سامنے دیکھو گے۔ تمہیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ اہل عراق نے جس دن سے تمہارے بغض کو اپنے دل میں جگہ دی ہے اس دن سے ایک لمحہ کیلئے بھی تم سے محبت نہیں کی ہے۔(۱)

اس کے علاوہ اس موضوع پر بہت سارے شواہد موجود ہیں اختصار کی بناء پر ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

۵۔قرارداد صلح کی باقی شرطیں

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہماری تحقیق ابھی تک پہلی اور دوسری نمایاں اور اہم شقوں سے آگے نہیں بڑھ پائی ہے۔

تیسری شق کے بارے میں ۱۴ویں فصل میں تفصیل سے مطالب گزر چکے ہیں۔۱۶ویں فصل میں ''سفید کاغذ'' والی روایت کی مناسبت سے ہم نے اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ روایت اس مطلب پر ایک اہم قرینہ ہے کہ قرارداد صلح کی شرائط سے مربوط روایتوں کے درمیان وہ روایت سب سے زیادہ قابل قبول ہے جس کا مضمون امام حسن علیہ السلام کی مصلحت سے زیادہ منطبق ہو نہ کہ امام حسن علیہ السلام کے دشمنوں کی مصلحت میں، اس بنا پر صلح کی تیسری شق کے سلسلے میں اس مطلب پر معتقد ہونا پڑے گا کہ اس شرط کا مفاد یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہنے سے بطور مطلق روکنا ہے چاہے وہ امام حسن علیہ السلام کے سامنے ہو یا ان کے غائبانہ میں ہو۔اور بعض مورخین نے جو یہ کہا ہے کہ صرف امام حسنؑ کے حضور میں یہ ممنوعیت تھی یہ سراسر غلط ہے(۲) کیونکہ ابھی جو باتیں ہم نے بیان کی ہیں اس کے علاوہ بنیادی طور پر ''مشروط ممنوعیت صلح کی روح اور دونوں فریق کے صلح وصفا اور تفاہم کے مرحلہ میں ہونے سے سازگار نہیں ہے۔

اب چوتھی شق کا مسئلہ یہ شق اس حد تک ان خاص اموال کو ان چیزوں سے مستثنیٰ کرتی ہے جس کی بنیاد پر دیگر اموال معاویہ کے سپرد کئے جا رہے ہیں۔اس کا مفاد اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے کہ اس استثنیٰ کا معنی یہ ہے

---

(۱)۔یہ سارا خطبہ اور اس کا حوالہ اس کتاب کی بیسویں فصل میں اس مقام پر بیان کیا گیا ہے جہاں پر یزید کی بیعت کے مقدمات کے سلسلہ میں گفتگو کی گئی ہے قارئین کرام رجوع فرمائیں.

(۲)۔یہ مطلب ابن اثیر نے تحریر کیا ہے ''الکامل جلد۳، صفحہ۱۶۲'' اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ: ''اس نے اس شرط کو بھی پورا نہیں کیا''.

کہ قرارداد صلح، معاویہ کی مورد نظر ملک وحکومت واموال اس کے حوالہ کرتی ہے لیکن ان اموال کے علاوہ جن کی طرف اس شق میں اشارہ کیا گیا ہے امام حسنؑ نے جسے اپنے اور اپنے بھائی اور اپنے شیعوں کیلئے نظر میں رکھا تھا۔ "دارابجرد" کی مالیات کو اس مناسبت سے منتخب کیا تھا کہ آپ شرعی طور پر بغیر کسی مشکل کے اسے جائز سمجھتے تھے۔(۱)

اب آپ خود ملاحظہ کیجئے کہ اس توضیح وتفسیر اور اس طعن وتشنیع اور افتراء پردازی کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے جسے بعض مورخین نے امام حسنؑ سے نسبت دی ہے ان مذکورہ مورخین نے اس شرط کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی صورت میں مذکورہ اموال کو خلافت کی قیمت سمجھتے ہوئے امام حسنؑ کو بیچنے والا اور معاویہ کو خریدار کہہ دیا! کتنا اچھا ہوتا کہ ایسے احمق اور نادان افراد جو مورد معاملہ جنس اور اس کی قیمت دونوں کو بیچنے والے کا مال فرض کرتے ہیں اس کے باوجود اس کا نام خرید وفروخت رکھتے ہیں" قلم نہ اٹھاتے اور ایسے موضوعات پر کچھ نہ لکھتے جس میں ان کی دخالت ان کی نادانی اور بیوقوفی کی دلیل بن جائے اور مورد نظر بحث کو خراب کرنے سے پہلے خود ہی کو خراب کرلیں۔

گزشتہ صفحات میں جہاں ہم نے خلافت کے معنی کو ذکر کیا ہے اور اس مسند کیلئے معاویہ کی صلاحیت اور شائستگی کو بیان کیا وہیں اس بے سروپا بات کے محال ہونے کے سلسلے میں بھی کچھ مطالب ذکر کئے ہیں جس کی تکرار مقصود نہیں ہے۔

اب پانچویں شرط باقی رہ جاتی ہے کہ آئندہ فصلوں میں اس سلسلے میں مطالب ملاحظہ کیجئے گا۔

---

(۱)۔ابن اثیر، کتاب الکامل میں یوں رقمطراز ہیں: "بصرہ والوں نے یہ کہتے ہوئے دارابجرد کا ٹیکس نہیں دیا کہ یہ حصہ ہم سے مخصوص ہے اور ہم اس کو کسی کو نہیں دیں گے" اس کے بعد مزید لکھتے ہیں: "یہ کام بھی معاویہ کے ذریعہ انجام دیا گیا"۔

● چوتھی فصل :

کوفہ میں ملاقات

یہ بات واضح تھی کہ قرارداد صلح کی شرائط پر دستخط کے بعد دونوں فریق کسی ایک مسالمت آمیز مقام پر اجتماع کریں تا کہ صلح کو ایک ایسے نمونہ عمل سے مکمل کریں جس کی تاریخ گواہی دے سکے اور یہ دونوں فریق جو ایک دوسرے سے عہد و پیمان کر چکے ہیں عام مسلمانوں کے سامنے اعتراف کر سکیں۔

دونوں فریقوں نے کوفہ کا انتخاب کیا اور اسی طرف روانہ ہو گئے اور ان کے ساتھ ساتھ قوم کا ایک سیلاب بھی کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اس دارالسلطنت کو ہر قسم کے لوگوں سے بھر دیا اس بھیڑ میں زیادہ تر دونوں فوج کے سپاہی تھے جو چھاؤنی کو چھوڑ کر اسی تاریخی واقعہ میں شرکت کیلئے (جو کوفہ کے نحس افق پر ثبت ہوا اور خواہ نخواہ اسے اس کا شاہد ہونا پڑا) اس شہر کی طرف روانہ ہوئے تھے یہ پہلی بار تھا کہ عراق کی دارالسلطنت شام کے دسیوں ہزار سرخ پوش شامی عیسائی یا مسلمان سپاہیوں کو نزدیک سے دیکھ رہی تھی۔ ایک طویل مدت سے یہ دونوں چھاونیاں امن وامان کو ایک دوسرے سے دریغ کر رہی تھیں اور قدیم زمانے سے (عثمان بن عفان کے زمانے میں ''سلمان باهلی ''اور''حبیب بن مسلمه' فهری'' کے حوادث سے) تاریخی دشمنی اور خونی حوادث کے علاوہ کسی دوسری چیز کے ساتھ روبرو نہیں ہوئے تھے۔ اب فکر کریں کہ کوفہ کے وفادار سپاہیوں کے دلوں میں اس وقت کیا احساسات پیدا ہو رہے ہوں گے جب وہ دیکھ رہے ہوں کہ چار و ناچار اسلحہ کو زمین پر ڈال دیں اور ان شامی سپاہیوں کے غرور و تکبر کی بپھری ہوئی موجوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں جو اس باعظمت مسجد کے سارے گوشہ و کنار پر قابض ہیں جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی؟

یہ واقعہ خاندان پیغمبر کے ان مخلص یار و انصار کیلئے بہت تلخ اور قاتل تھا جو یا تو صلح سے امام حسنؑ کے مقاصد یا بنیادی طور پر ان حالات سے ناواقف تھے جنہوں نے امام حسن علیہ السلام کو صلح کرنے پر مجبور کیا تھا لیکن خیانت

کارا کثریت سارے پردوں کو ہٹا کر اپنا حقیقی چہرہ لے کر سامنے آ گئی تھی۔ شامی سپاہیوں کے جم غفیر میں کوفیوں کے ایسے گروہ بھی دکھائی دے رہے تھے جو افسردہ اور بے رونق جشن اور بے نتیجہ فتح کی خوشی میں ان کے ساتھ شریک تھے!

منادی، قرارداد صلح کے دونوں فریقوں کے خطاب کو سماعت کرنے کیلئے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد کی طرف دعوت دے رہے تھے۔

پہلا خطیب معاویہ کو ہونا تھا لہٰذا وہ منبر پر گیا اور وہاں جا کر بیٹھ گیا۔(۱)

اور مفصل خطبہ پیش کیا کہ تاریخی مآخذ و مدارک نے چند اہم ٹکڑوں کے علاوہ کچھ اور اپنے سینے میں نہیں سمیٹا ہے۔

ان اہم ٹکڑوں میں سے ایک کو یعقوبی نے اس طرح محفوظ کیا ہے:

"... ان تمام باتوں کے بعد، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر امت میں اس کے پیغمبر کے بعد اختلاف پیش آیا ہے تو باطل حق پر فتح یاب ہوا ہے!!"

یعقوبی کا بیان ہے: "ناگہاں معاویہ سمجھ گیا کہ یہ جملہ اس کے نقصان میں ہے لہٰذا اضافہ کیا: لیکن اس امت میں حق نے باطل پر غلبہ حاصل کیا۔"(۲)

ایک دوسرے ٹکڑے کو مدائنی نے اس طرح بیان کیا ہے:

اہل کوفہ جان لو! تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں نے نماز، روزہ اور حج کیلئے تم سے جنگ کی ہے؟ جبکہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ان سب کو انجام دیتے ہو! میں نے تو صرف اس لئے تم سے جنگ کی ہے تا کہ میں تم پر حکمرانی کر سکوں اور تمہارے امور کی زمام اپنے ہاتھوں میں لے لوں! خداوند عالم نے میری خواہش تک مجھے پہنچا دیا ہے اگر چہ تمہیں یہ ناپسند تھا۔

---

(۱)۔ جابر بن سمرہ کا کہنا ہے کہ: میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے دیکھا ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے وہ جھوٹا ہے" اس حدیث کو جزائری نے کتاب "آیات الاحکام" صفحہ ۷۵ میں نقل کیا ہے، گویا معاویہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بیٹھ کر خطبہ دیا ہے۔

(۲)۔ تاریخ یعقوبی، جلد ۲، صفحہ ۱۹۲۔

تو اب جان لو! جو بھی خون اس فتنہ میں اس زمین پر بہا ہے برباد ہے اور جو بھی عہد میں نے کسی سے باندھا ہے وہ میرے ان دونوں پیروں کے نیچے ہے!! لوگوں کی مصلحت صرف تین کام میں ہے:

۱): وقت پر مالیات کی ادائیگی۔

۲): وقت پر سپاہیوں کو روانہ کرنا۔

۳): اور دشمن سے اسی کے گھر میں جنگ کرنا کیونکہ اگر تم ان کی طرف نہیں جاؤ گے تو وہ خود تمہاری طرف آجائیں گے۔

ابو الفرج اصفہانی حبیب بن ثابت سے مسند طریقہ سے نقل کیا ہے کہ معاویہ نے اس خطبہ میں حضرت علیؑ کا تذکرہ کیا اور ان کو گالیاں بکنے لگا اور اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کو بھی برا بھلا کہا۔ (۱)

ابو اسحق سبیعی نے (۲) اس جملہ کو اضافہ کے طور پر نقل کیا ہے کہ معاویہ نے کہا:

"جان لو کہ میں نے جو بھی عہد و پیمان حسن بن علیؑ سے کیا ہے وہ ان دو پیروں کے نیچے ہے، میں اس کی وفا نہیں کروں گا۔"

پھر وہ کہتا ہے:

خدا کی قسم وہ مکار اور حیلہ گر تھا۔ (۳)

کچھ دیر انتظار میں گزری اور پھر ناگہاں فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صورت و اخلاق و ہیبت اور آقائی میں پیغمبر سے سب سے زیادہ مشابہ تھے دکھائی دیئے جو اس باعظمت مسجد میں اپنے بابا کے محراب کی طرف سے منبر کی طرف جا رہے تھے ... افراد کے کثیر مجمع میں معمولاً شیفتگی اور بے چینی ہوتی ہے جس کی بنیاد پر بزرگوں

---

(۱)۔ شرح نہج البلاغہ، جلد ۴، صفحہ ۱۶۔

(۲)۔ وہ "عمرو بن عبد اللہ ہمدانی" تابعین (جن لوگوں نے بذات خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نہ کیا ہو۔ لیکن ان کے اصحاب کا زمانہ درک کیا ہو) میں سے تھے یہ وہی شخص ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ میں نے نماز صبح شام کے وضو سے ادا کیا ہے ہر رات میں ایک قرآن ختم کیا ہے اور ان کے زمانہ میں کوئی ان سے زیادہ عابد اور حدیث میں ان سے زیادہ معتبر نہیں تھا"

(۳)۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۱۶۔

کے چھوٹے سے چھوٹے حالات پوشیدہ نہیں رہتے۔ لوگ اپنے آپ میں معاویہ کی جلد بازی اور زبان کی لکنت کو امام حسنؑ کی متانت اور بہت زیادہ خون سردی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ جو ابھی منبر پر تشریف فرما تھے اور بڑی ہی دقت کے ساتھ مجمع کی کثرت کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ مسجد سراپا گوش تھی سب یہ چاہتے تھے کہ دیکھیں حسنؑ بن علیؑ فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاویہ کو کیا جواب دیتے ہیں اور اس کی عہد شکنی اور بدزبانی کے مقابلہ میں کس ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ اور حضرت حسن بن علیؑ فی البدیہ گفتگو میں سب سے اعلیٰ اور موضوع کو آشکار کرنے اور اس کی شکل وصورت کو پیش کرنے میں تمام بڑے خطیبوں سے زیادہ قادر الکلام تھے۔ لہٰذا اس حساس موقع پر ایک مفصل بلیغ خطبہ (جو اسناد کے اعتبار سے بہترین سند ہے جو وفات پیغمبر کے بعد خاندان پیغمبر کے ساتھ لوگوں کے روابط کے متعلق۔ اسی ضمن میں یہ خطبہ پند ونصیحت اور مسلمانوں کو محبت ومہربانی اور ایک دوسرے سے روابط برقرار رکھنے کی دعوت دینے میں سرشار ہے) پیش کیا اپنے بیان کے ذریعہ لوگوں کو خاندان پیغمبر کی موقعیت یاد دلائی بلکہ الٰہی پیغمبروں کی موقعیت وحالت سے روشناس کرایا اور پھر آخر میں معاویہ کی بے سروپا باتوں کو رد کیا لیکن اسے گالیاں نہیں دیں یا برا بھلا نہیں کہا اگرچہ آپ کی وہ بلاغت آمیز گفتگو تلوار سے زیادہ تیز تھی۔

خطبہ کو اس طرح شروع کیا:

"الحمد لله كلما حمده حامد، و أشهد ان لا اله الا الله كلما شهد له شاهد. و أشهد أن محمداً عبده ورسوله، أرسله بالهدىٰ، وائتمنه على الوحي، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. أما بعد، فوالله انى لارجو أن اكون قد صبحت بحمد الله و منّه، وأنا أنصح خلق الله لخلقه، وما أصبحت محتملاً على مسلم ضغينة، ولا مريداً له سوءا ولا غائلة. ألا و انّ ما تكرهون فى الجماعة، خير لكم مما تحبون فى العرقة، الا وانى ناظر لكم خيرا من نظر كم لانفسكم، فلا تخالفوا أمرى، ولا تردّوا علىّ رأيى. غفر الله لى ولكم، و أرشدنى و اياكم لما فيه المحبة والرضا"

''حمد وستائش کرتا ہوں اس خدا کی اسی طرح جس طرح اس کی حمد وستائش کرنے والوں نے ستائش کی ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اسی طرح جس طرح گواہی دینے والوں نے اس کی گواہی دی ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندہ اور پیغمبر ہیں جنہیں اس نے مخلوق کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا اور اپنی وحی کا امین قرار دیا، اُن پر اور اُن کے خاندان پر خدا کا درود وسلام ہو۔ امابعد: خدا کی قسم میں امیدوار ہوں کہ مخلوق کیلئے خیر خواہ ترین خلق رہوں، (خدا کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ) میرے دل میں کسی بھی مسلمان کیلئے کوئی کینہ نہیں ہے اور کسی بھی مسلمان سے برائی اور دھوکے کا قصد نہیں رکھتا ہوں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ہم آہنگی میں جو بات تمہارے لئے ناپسند ہے وہ تمہارے لئے تنہائی اور افتراق سے بہتر ہے جسے تم پسند کرتے ہو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جو باتیں میں نے تمہارے لئے مدنظر رکھی ہیں اس سے بہتر ہے جو خود تم اپنے بارے میں سوچ رہے ہو، تو بس اب میرے حکم کی مخالفت نہ کرو اور میری رأے اور نظریہ کو قبول کرلو خداوند عالم ہمیں اور تم کو بخش دے اور جس چیز میں اس کی خوشنودی اور محبت ہے ہماری تمہاری اسی طرف راہنمائی کرے۔(۱)

پھر فرمایا:

''ایها الناس، ان الله هداكم بأولنا، و حقن دماء كم بآخرنا، وان لهذا الامر مدولة، والدنيا قال الله عزّوجل لنبيه محمد ﷺ'' : ﴿وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ﴾ ﴿إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ﴾ ﴿وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ﴾.

(اے لوگو) خداوند عالم نے ہمارے بزرگوں کے ذریعہ تمہارا ہدایت فرمائی اور ہماری وجہ سے تمہارے خون کی حفاظت فرمائی (ہمارے اولین کے ذریعہ تمہاری ہدایت اور ہمارے

---

(۱)۔ارشاد شیخ مفید، صفحہ ۱۶۹۔ طبع ایران۔

آخرین کے ذریعہ تمہارے خون کی محافظت کی) اس حکومت کیلئے ایک خاص مدت ہے اور دنیا تغییر و گردش کے عالم میں ہے۔

خداوند عالم نے اپنے نبی حضرت رسول خدا سے فرمایا ہے:

''میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے قریب آ پہنچا ہے یا (ابھی) دور ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس بات کو بھی جانتا ہے جو پکار کر کہی جاتی ہے اور جسے تم لوگ چھپاتے ہو اس سے بھی واقف ہے اور یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید یہ تمہارے واسطے امتحان ہو اور ایک معین مدت تک قابل استفادہ ہو۔(۱)

پھر آپؑ نے فرمایا:

''...وان معاوية زعم لكم أني رأيته للخلافة أهلا، ولم أر نفسي لها أهلاً، فكذب معاوية. نحن أولى الناس بالناس في كتاب الله عزّوجل و على لسان نبيه. ولم نزل – أهل البيت – مظلومين منذ قبض الله نبيه. فالله بيننا و بين من ظلمنا، وتوثب على رقابنا، وحمل الناس علينا، و منعنا سهمنا من الفيء، و منع أمّنا ما جعل لها رسول الله. واقسم بالله لو أن الناس بايعوا أبي حين فارقهم رسول الله، لا عطتهم السماء قطرها والارض بركتها، و لما طمعت فيها يا معاوية. فلما خرجت من معدنها، تنازعتها قريش بينها، فطمع فيها الطلقاء و أبناء الطلقاء، أنت و أصحابك. وقد قال رسول الله: ما وّلت أمة أمرها رجلا و فيهم من هو أعلم منه، الاّ لم يزل أمرهم يذهب سفالا، حتى يرجعوا الى ما تركوا. فقد ترك بنو اسرائيل هارون و هم يعلمون أنه خليفة موسىٰ فيهم، واتبعوا السامري، وتركت هذه الامة أبي و بايعوا غيره و قد سمعوا

---

(۱)۔ سورہ ، انبیاء / آیات، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱.

رسول الله يقول له: أنت منى بمنزلة هارون من موسىٰ الاّ النبوة ، وقد رأوا رسول الله نصب أبى يوم غدير خم، و أمرهم ان يبلغ أمره الشاهدُ الغائب. وهرب رسول الله من قومه و هو يدعوهم الى الله، حتى دخل الغار، ولو أنه وجد أعوانا لما هرب، كف أبى يده حين ناشدهم، واستغاث فلم يغث. فجعل الله هارون فى سعة حين ا ستضعفوه و كادوا يقتلونه ، وجعل الله النبى فى سعة حين دخل الغار ولم يجد اعوانا. وكذلک أبى و أنا فى سعة من الله، حين خذلتنا هذه الامة. و انما هى السنن والامثال يتبع بعضها بعضا".

"...معاویہ نے تمہارے لئے ایسا گمان کیا ہے کہ میں اسے خلافت کا اہل سمجھتا ہوں اور خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا معاویہ جھوٹ بولتا ہے، ہم خدائے عزوجل کی کتاب اور اس کے نبیؐ کے فیصلہ میں حکومت کیلئے سب سے زیادہ حق دار ہیں اور جب سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی ہم ظلم وستم کی بھینٹ پر چڑھتے رہے ہیں خداوند متعال ہمارے اور اُن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا جنہوں نے ہم پر ستم کیا ہے، ہم پر مسلط ہوئے ہیں، لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکایا ہمارے حصہ کو ہم سے چھینا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ہمارے لئے مقرر کیا تھا وہ سب کچھ ہم سے چھین لیا گیا۔ خدا کی قسم اگر لوگوں نے اس وقت ہمارے بابا کے ہاتھوں پر بیعت کر لی ہوتی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار فانی سے کوچ کر گئے تھے تو آسمان اپنی رحمتوں کو ان پر برساتا اور زمین اپنی برکتوں سے ان پر دریغ نہ کرتی، اور اے معاویہ! (آج) تو خلافت میں لالچ نہ کرتا لیکن چونکہ خلافت اپنے معدن سے باہر نکل گئی، قریش آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنے لگے تو نوبت یہ پہنچی کہ آزاد شدہ اور آزاد شدہ افراد کے بچے آج اس میں طمع کر رہے ہیں یعنی تو اور تیرے یار وانصار بھی اس میں لالچ رکھتے ہیں جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "جب بھی کوئی قوم اپنی زمام کسی ایسے کے سپرد کردے جس

سے بہتر اس امت کے درمیان افراد موجود ہوں تو مسلسل اس کے امور انحطاط اور پستی کی طرف سیر کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اپنی پہلی منزل پر پلٹ آئیں۔ بنی اسرائیل نے ہارون کو چھوڑ دیا جبکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ موسیٰ کے خلیفہ ہیں اور سامری کی پیروی کرنے لگے۔ امت مسلمہ نے بھی میرے والد ماجد کو چھوڑ دیا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی بیعت کر لی جبکہ ان لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کیلئے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو موسیٰ کو ہارون سے تھی بس اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اور یہ بھی دیکھا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے دن میرے بابا کو منصوب کیا تھا اور لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ حاضرین غائبین تک اسے پہنچائیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (جو اپنی قوم کو خدا کی طرف بلا رہے تھے) اپنی قوم سے دور ہو کر غار میں پناہ لی اگر ان کے پاس یار و انصار ہوتے تو کبھی غار میں پناہ نہ لیتے۔ میرے بابا نے لوگوں کو قسم دی اور مدد چاہی لیکن جب جواب نہ ملا تو ہاتھ کھینچ لیا خداوند عالم نے ہارون کو جو بے یار و مددگار اور کمزور پڑ گئے تھے اور جن کی جان خطرے میں تھی انہیں وسعت عطا فرمائی اور اُن کا مواخذہ نہیں کیا اور پیغمبر نے جو غار میں پناہ لی تھی اس پر آزاد چھوڑ دیا، باز پرس نہیں کی میں اور میرے بابا جن کی اس امت نے حمایت نہیں کی اور ہم نے کسی کو اپنا مددگار نہیں پایا تو ہم سے بھی خدا باز پرس نہیں کرے گا۔ اور ہمیں وسعت عطا فرمائے گا۔ یہ خدا کی سنتیں ہیں اور ایک ہی جیسے امور ہیں جو ایک کے بعد ایک ظاہر ہوتے ہیں"(۱)

پھر فرمایا:

"فو الذی بعث محمداً بالحق، لا ینتقص من حقنا – أهل البیت – أحد الاّ نقصه الله من عمله، ولاتکون علینا دولة الاّ وتکون لنا العاقبة، وَلتعلَمُنَّ نبأه بعد حین".

---

(۱)۔ بحار الانوار، جلد ۱، صفحہ ۱۱۴۔

''قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق پر مبعوث کیا جو ہم (اہل بیت) کے حق میں تھوڑی سی کمی کرے گا خدا اس کے عمل میں نقص ایجاد کردے گا کوئی بھی حکومت ایسی نہیں ہے جو ہم پر حکومت کرے مگر یہ کہ آخر میں وہ حکومت ہماری ہی ہوگی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس خبر کو تم زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جان لوگے۔(۱)

پھر دوبارہ معاویہ کی طرف رخ کیا تا کہ وہ گالیاں جو اس نے آپ کے پدر بزرگوار کو دی تھیں انہیں اسی کی طرف لوٹا دیں تو یوں رطب اللسان ہوئے اور کیا بلیغ انداز میں فرمایا:

" ایها الذاکر علیاً! انا الحسن و ابی علی، و أنت معاویه و ابوک صخر، و امی فاطمه و امک هند، وجدی رسول الله وجدک عتبه بن ربیعه، وجدتی خدیجه و جدتک فتیله فلعن الله اخملنا ذکرا، والامنا حسبا وئرنا قدیماً و حدیثا واقدمنا کفراً و نفاقاً "!

''اے علیؑ کا نام لینے والے! میں حسنؑ ہوں اور میرے باپ علیؑ ہیں اور تو معاویہ ہے اور تیرا باپ صخر ہے؛ میری ماں فاطمہؑ اور تیری ماں ہند ہے؛ میرے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور تیرا جد عتبہ بن ربیعہ ہے؛ میری جدہ ماجدہ خدیجہ اور تیری دادی فتیلہ ہے۔ لہذا خدا ہم دونوں میں سے اس پر لعنت کرے جس کا نام ونشان زیادہ پست، جس کا خاندان اور اس کی بنیاد زیادہ ننگ وعار، جس کا ماضی زیادہ شرارت آمیز اور جس کے کفر ونفاق کا سابقہ سب سے زیادہ ہو!!

راوی کہتا ہے:

مسجد میں موجود گروہوں نے باآواز بلند کہا: آمین.

فضل بن حسن کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا: میں بھی آمین کہتا ہوں.

ابوالفرج، ابوعبید سے نقل کرتا ہے کہ فضل بن حسن نے کہا: میں بھی آمین کہتا ہوں.

---

(۱)۔ مسعودی حاشیہ ابن اثیر، جلد ۶، صفحہ ۶۱۔۶۲، ابن کثیر، جلد ۸، صفحہ ۱۸ اور طبری، جلد ۶، صفحہ ۹۳.

علی بن حسین اصفهانی(ابو الفرج) کہتا ہے میں بھی آمین کہتا ہوں.

ابن ابی الحدید کتاب شرح نهج البلاغه میں لکھتے ہیں:عبد الحمید ابی الحدید بھی آمین کہتے ہیں۔(۱)

مؤلف: ہم بھی اپنی حد میں آمین کہتے ہیں.

تاریخ کے عالمی خطبات میں یہ پہلا خطبہ ہے جو تاریخ کی رہگزر میں ہر دور میں داد و تحسین کا خراج حاصل کرتا رہا۔ ہاں سخن حق ایسا ہی ہوتا ہے وہ مسلسل معراج کے مراحل کو طے کرتا رہتا ہے اور کوئی چیز اس پر برتری حاصل نہیں کر پاتی ہے۔

اس کے بعد امام حسنؑ مدینہ کی طرف حرکت کیلئے آمادہ ہوگئے ،شیعوں کے سر براہ افراد میں سے "مسیب بن نجیه فرازی" اور "ظبیان بن عماره تیمی" وداع کیلئے آپ کے پاس آئے تو امام حسن علیہ السلام نے اس ملاقات میں فرمایا:

الحمد لله الغالب علیٰ امره لو اجمع الخلق جمیعا علی ان لایکون ما هو کائن ما استطاعوا .

حمد ہے اس خدا کی جو اپنے امر پر غالب ہے اگر ساری دنیا مل کر اس کام کو روکنا چاہے جس کا ہونا یقینی ہے تب بھی اسے نہیں روک سکتی۔ پھر مسیب نے گفتگو کی اور خاندان پیغمبر کے سلسلے میں اپنے اخلاص اور قلبی لگاؤ کا اظہار کیا۔ تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: "اے مسیب ! نحن نعلم انک تحبنا۔ اے مسیب ہمیں معلوم ہے کہ تم ہم سے محبت کرتے ہو۔

اور امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: سمعت ابی یقول سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول : من احب قوما کان معهم .

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه، جلد۴، صفحہ۱۶.

☆ :اس کتاب کا اردو مترجم حقیر سید مراد رضا رضوی بھی اپنے تمام وجود کے ساتھ آمین کہتا ہے اور یہ کتاب بھی آمین کہتی ہے۔ اور اسی طرح کتاب کے مصححین بھی آمین کہتے ہیں.

میں نے اپنے بابا سے سنا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو وہ انہیں لوگوں کے ہمراہ ہوگا پھر مسیب اور ظبیان نے درخواست کی کہ آپ کوفہ پلٹ جائیں۔ آپ نے جواب دیا: اس کا کوئی راستہ میرے پاس نہیں ہے۔ جب دوسرا دن آیا تو آپ کوفہ سے روانہ ہوگئے اور لوگوں نے آنسوؤں کے ساتھ آپ کو خدا حافظ کہا۔ صلح کے بعد کوفہ میں آپ کی اقامت چند دنوں سے زیادہ نہیں رہی۔

جب آپ دیر ہند(۱) (حیرہ) تک پہنچے تو کوفہ کی طرف نگاہ کی اور یہ شعر پڑھا:

ولاعن قلیّ فارقت دار معاشری هم المانعون حوزتی وذماری

نفرت اور دشمنی کی وجہ سے اپنے ساتھ رہنے والوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ لوگ تو ہمارے حریم کی مدافعت کررہے تھے۔(۲)

وہ کیسی فرشتہ صفت روح ہے کہ جس نے اتنی تکلیف، مصیبت اور رنج والم اس شہر کی نافرمانی اپنے قلب پر برداشت کی لیکن اس شعر کے ساتھ ان کو وداع کررہے ہے اور ان کے ماضی کو وفاداری کے علاوہ جوان کے حریم کی مدافعت کی خاطر انجام دی ہے کسی اور چیز کو یاد نہیں کیا اور ان کے ذہن میں ان لوگوں کے علاوہ کوئی آتا ہی نہیں جنہوں نے مدائن میں ان کی حفاظت کی اور ''مسکن'' کی دشوار گھڑی میں ان کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اگرچہ وہ کم تھے لیکن ہمیشہ ان کے سچے بھائی اور نیک خواہ یار وانصار کے عنوان سے باقی رہے۔

وہ باعظمت قافلہ جو زمین پر حزب اللہ اور اسلام میں رسول خدا ﷺ کی میراث کو اپنے مرکب پر اٹھائے ہوئے تھا اب اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ کوفہ پر ان کا قیام سخت تھا یا یہ کوفہ سے تنگ آچکے تھے اور اب یہ لوگ اپنے پہلے وطن کی طرف روانہ تھے تاکہ اپنے جد بزرگوار کے مرقد کی پناہ میں زمانہ کی ناگوار تکلیفوں سے محفوظ رہیں۔

کوفہ سے آل محمدؐ کے خارج ہونے کے بعد طاعون کے مرض نے کوفہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور عمومی

---

(۱)۔ یہ جگہ نعمان بن منذر کی بیٹی ''ہند'' سے منسوب ہے جو مقام حیرہ کے اسی دَیر میں رہبانیت کی زندگی بسر کرتی تھی۔

(۲)۔ گذشتہ مطالب کیلئے رجوع کیجئے، شرح نہج البلاغہ، جلد۴، صفحہ۶۔

موت کا بازار گرم ہو گیا اور یہ سب سے پہلی سزا تھی جس کا مزہ اس شہر نے ان پاک وجود افراد سے ناپسند رفتار کے نتیجہ میں چکھا اس شہر کا اموی گورنر ''مغیرہ بن شعبہ'' طاعون کے خوف سے بھاگ گیا اور جب بعد میں واپس لوٹا تو لوگوں نے اس پر ایسی ضرب لگائی کہ مر گیا۔(۱)

(۱)۔ملاحظہ کیجئے مروج الذهب مسعودی ''حاشیہ ابن الیر'' جلد ۶ صفحہ ۹۷.

● پانچویں فصل :

نئے محاذ پر

شاید آپ نے بھی یہ بات ہماری طرح قبول کرلی ہو کہ پریشانیوں اور زندگی کی حیرانیوں میں لوگوں کی شخصیتوں کو پرکھنے کا ایک اہم آلہ اور معیار یہ ہے کہ ان عہد و پیمان کے سایہ میں ان کی رفتار کو ملاحظہ کیا جائے جو انہوں نے اختیاری صورت میں کسی سے کیا ہے۔

ہر باشخصیت انسان اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ جب بھی وہ کوئی عہد و پیمان کسی کے حوالے کرتا ہے تو اگر اسے وہ توڑ ڈالے تو اس کی انسانی حیثیت، نیک نامی اور اس کی اپنی شخصیت پر بہت بڑی چوٹ لگتی ہے بڑی آسانی کے ساتھ اس انسان کو مدنظر رکھا جاسکتا ہے جو اپنی دی ہوئی زبان یا اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان پر اپنی جان نچھاور کردے! ایسی شخصیت ایک بلند و بالا انسانی عادت کی قربانی ہے جس نے اس بلند عادت کی بنیاد پر اس زندگی کے افق سے اپنی آنکھیں بند تو کرلیں لیکن نامحدود ابدی زندگی کے دائرہ میں قدم رکھ دیا۔ اس کے علاوہ اس نے آئیڈیل اور نمونہ عمل انسانیت جس کے وجود میں ہر نیکی اور خوبصورتی ہے، جس کی بنیاد میں ایک نئی اینٹ کا اضافہ کیا ہے۔

لیکن وہ عہد جو ناپائدار ہوں وہ پیمان جو توڑا جائے اور وہ شخص جو جھوٹا ہو اس کو آسانی کے ساتھ انسان نہیں کہا جاسکتا جو خوشروئی اور زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ وعدہ تو دے لیکن پھر ترش روئی اور پشیمانی کے ساتھ اس وعدہ سے مکر جائے وہ ایک طرف انسانیت کا دشمن ہے جس نے انسانیت کی بنیادوں کو ویران کیا ہے اور اس کے قوانین کو بے حیثیت سمجھا ہے اور دوسری طرف وہ خود اپنا دشمن ہے کیونکہ اس نے سماج و معاشرے کے اعتماد کے سامنے خود کو ذلیل و رسوا، بدنام اور محروم کیا ہے۔ اور یہ نظریہ بھی کہ ''مقصد تک پہنچنے کیلئے ہر وسیلہ جائز ہے'' اس شخص کیلئے عذر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کا دفاع کرسکتا ہے کیونکہ یہ عذر خود ہی ایک ایسا بہت بڑا گناہ ہے جس کے بخشے جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ مختلف اغراض و مقاصد ان عمومی قراردادوں کے ہمراہ اپنی مخصوص

ارزش اہمیت رکھتے ہیں اور ہر مقصد کو اس سے مناسب وسیلہ کے ہمراہ ہونا چاہیے جو اس کی ارزش اور اہمیت ہے کسی بھی مقصد کو اس وقت تک عظیم اور قدر آور نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے ذرائع و وسائل شرافت مند نہ ہوں۔ یہ عمومی خیر کا ایک جلوہ ہے معاشرتی بنیاد کی ابتداء ہی سے لوگ قسم، عہد و پیان کی قدر و قیمت اور اعتبار کے ایک ساتھ قائل ہیں اور تمام آسمانی ادیان اس رسالت پر متفق تھے کہ عہد و پیان ذمہ داری کو وجود میں لاتا ہے۔

شاید بہتر ہو کہ یہاں پر امیر المومنین کے اس عہد نامہ سے اپنی آنکھوں اور قلوب کو منور کریں جو انہوں نے مالک اشتر نخعی کے نام تحریر فرمایا تھا جس کے بعض جملے یہ ہیں:

وان عقدت بینک و بین عدوک عقدة ، او البسته منک ذمة فحط عهدک بالوفاء ، وارع ذمتک بالامانة ، واجعل نفسک جنة دون ما اعطیت .فانه لیس من فرائض الله شیء الناس اشد علیه اجتماعا مع تفرق اهوائهم وتشتت آرائهم ، من تعظیم الوفاء بالعهود . وقد لزم ذلک المشرکون فیما بینهم دون المسلمین ، لما استوبلوا من عواقب الغدر ، فلا تغدرن بذمتک ولا تخیسن بعهدک ولا تختلن عدوک ، فانه لا یجتریء علی الله الا جاهل شقی . وقد جعل الله عهده وذمته امنا افضاه بین العباد برحمته ، وحریما یسکنون الی منعته ویستفیضون الی جواره ....

"اگر اپنے دشمن سے کوئی پیان باندھا ہے یا کوئی عہد اس کے سپرد کیا ہے تو اس عہد و پیان کا پاس رکھنا اور اپنی جان کو اس کیلئے سپر قرار دیدینا۔ کیونکہ انسان تمام نظریاتی اختلافات اور جدا جدا راستوں کے باوجود خدا کے فریضوں میں سے عہد و پیان کے احترام کے فریضہ سے زیادہ کسی فریضہ پر متحد نہیں ہے۔ مشرکین بھی اپنے درمیان (نہ کہ مسلمانوں سے) خدا کے اس واجب کے سامنے تسلیم ہو چکے ہیں کیونکہ انہوں نے مکر و فریب کے نتائج اور اس کے وبال و زحمت کو بخوبی سمجھ لیا ہے۔ پس کبھی بھی اپنے وعدہ میں خیانت نہ کرنا اور اپنے عہد کو نہ توڑنا اور اپنے دشمن کو بھی دھوکہ نہ دینا کیونکہ بد بخت نادان کے علاوہ کوئی بھی خدا کے سامنے جرأت نہیں دکھاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے عہد و پیان کو امن کی جگہ قرار دیا ہے جس میں

رحمت الٰہی کے زیر اثر سب شریک ہیں اور وہ پناہ گاہ ہے جس کے حصار میں سارے بندے آسائش میں ہیں اور اس کی پناہ میں بہرہ مند ہیں۔"

اب ان حقائق کی طرف متوجہ ہونے کے بعد جب ہم اپنے مورد بحث موضوع کی طرف پلٹتے ہیں تو ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ شرائط جنہیں حسن بن علی علیہما السلام نے قرارداد صلح میں قرار دے کر قبول کروایا تھا تاریخ کو جتنے عہد و پیمان یاد ہیں ان سب میں سب سے زیادہ تاکیدی اور بظاہر مستحکم عہد و پیمان تھا اور یہ معاویہ تھا جس نے قرارداد صلح کے آخری نسخہ کو اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اس پر مہر لگائی تھی۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر اس زمانے کا عالم اسلام رائے میں اس قسم کے عہد و پیمان اور قسموں کے سلسلے میں وفا کی امید رکھے کیونکہ اس طرح کی شخصیتوں کے دستخط سے یہی امید ہوتی ہے کہ وہ ان شرطوں پر ثابت قدم رہیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ مسجد کوفہ میں فراز منبر پر جب معاویہ نے اس صراحت کے ساتھ پیمان توڑا جبکہ قرارداد صلح پر دستخط کو ابھی ایک ہی ہفتہ گزرا تھا اور (مدائنی کی روایت کے مطابق) کہا: میں نے جو بھی عہد و پیمان باندھا ہے وہ میرے ان دو پیروں کے نیچے ہے اور "سبیعی" کی روایت کے مطابق امام حسن علیہ السلام کا نام بھی لیا اور کہا: جو بھی عہد و پیمان حسنؑ سے کیا ہے وہ میرے ان دونوں پیروں کے نیچے ہے اور میں اس کو وفا نہیں کروں گا۔ اس کی ان باتوں کا اسلامی معاشرے پر ایسا اثر ہوا جیسے بجلی گر گئی ہو اس طرح وہ دنیا سے بہرہ مند، اخلاق سے خالی شخص اعلانیہ اپنی قسموں اور عہد و پیمان سے بے وفائی کی صورت میں قوم ملت کے درمیان اعتماد و اطمینان کے درجہ سے بالکل نیچے گر گیا اور انسانوں کے درمیان مورد اتفاق معنوی معیار کے مطابق کم وزن ترین انسانوں میں شمار ہو گیا اور اس کے لائق جزا کیلئے یہی کافی ہے کہ اس کے سلسلے میں دھوکہ کھانے والے اور بظاہر اسے حق بجانب سمجھنے والے اس کے ساتھ اسی رفتار سے پیش آئیں جو رفتار اس نے اپنے عہد و پیمان کے ساتھ اختیار کی تھی: یعنی اسے ہیچ و پوچ بھی شمار نہ کرنا اور بہت معمولی اور ہلکا سمجھنا۔

ہمیں کیا معلوم؟! شاید یہی وہ موقع ہو جہاں مغلوب ماضی اور غالب مستقبل کے درمیان جدائی کا مرحلہ ہو یعنی امام حسن علیہ السلام اور معاویہ کے راستے سے امام حسن علیہ السلام صلح تک پہنچے اور معاویہ اپنی تمام درایتوں کے ساتھ جو اس نے اپنی مصلحتوں کیلئے بروئے کار لائی تھیں اس سے غافل رہ کر ہار گیا۔

یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام سب سے زیادہ اس بات سے واقف تھے کہ معاویہ کس حد تک ان عہد و پیمان سے وفا کرنے کے مرحلہ میں ہے آپ جو معاویہ سے اتنے تاکیدی عہد و پیمان لے رہے تھے اس سے آپ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ زیادہ سے زیادہ اس کی سچائی اور وعدہ وفائی پر اطمینان حاصل کریں۔ تاکہ کند ذہن افراد کو بھی اس کی صداقت، راستگوئی، وفاشعاری اور اس کے شرف و بزرگی سے واقف کرادیں۔

یہ وہ پہلا مرحلہ تھا جہاں امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ ایک دوسرے میدان میں اپنی پیشروی کا آغاز کردیا تھا اور یہیں سے اہل بیتؑ کی رسالت وذمہ داری کی عمارت کی نئی شکل میں سنگ بنیاد رکھ دی آئندہ جس طرح زمانے آگے بڑھتے رہے اسی طرح کامیابی کے ساتھ گام بہ گام یہ منصوبہ بھی تدریجی طور پر کامیابی کے مراحل طے کرتا رہا اور ایک عظیم سپاہ کی طرح جس میں مدد کیلئے ایک کے بعد ایک لوگوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اس کی کامیابی کا افق بھی دن بدن کامیابی کے مراحل طے کرتا رہا۔

بہت ساری کامیابیاں وہ ہیں جن میں اسلحہ کی ضرورت نہیں ہوتی بہت ساری کامیابیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں شروع میں ایسا لگتا ہے کہ انسان ہار جائے گا ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے لیکن عقلمندوں کی آنکھیں کامیابی کے درخشندہ گوہر کو اس کے سر پر مشاہدہ کرتی ہیں۔

صلح کے سایہ میں معاویہ کی حقیقت کو اجاگر کرنے (اس کی زندگی اور اس کے مرنے کے بعد دونوں صورتوں میں) بلکہ عمومی طور پر بنی امیہ کے چہرہ کو بے نقاب کرنے میں صلحنامہ کی شرطوں نے جو اہم کامیابی حاصل کی ہے اس کے چند نمونے یہ ہیں۔

۱)۔ معاویہ کی مستقل حکومت کے ابتدائی مرحلہ میں مملکت اسلامی کی بہت ساری اہم شخصیتیں اس کی دشمن ہوگئیں اور اعلانیہ اس پر لعنت بھیجنے لگیں۔ کچھ لوگوں نے اس کو پلید اور ناپاک کہا، ایک گروہ اس کے سامنے مقابلہ پر آمادہ ہوگیا اور کچھ لوگوں نے اس سے قطع تعلق کرلیا بلکہ ایک بزرگ شخصیت کو اس کے کرتوت اتنے برے لگے کہ وہ غم واندوہ میں جان بحق ہوگئے۔ ایک دوسرے بزرگ نے اس کے سلسلے میں یہ فیصلہ کیا کہ معاویہ میں ایسی چار

خصلتیں تھیں کہ جن میں سے ہر ایک اس کی بدبختی اور ہلاکت کیلئے کافی تھی (۱) اس قسم کی مخالفتوں کا اظہار بہت سارے مردوں اور بہت ساری خواتین نے کیا ہے۔ لیکن ہم یہاں اسے بیان کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

۲)۔ وہ افراد جنہیں قرارداد صلح میں ذکر کیا (چاہے ان کی جانی امنیت کا تقاضا کیا ہو یا ایک خاص مال ان کیلئے معین کیا ہو) انہیں معاویہ کے مخالف گروہ میں شامل کر دیا اور ان لوگوں کیلئے معاویہ کے دل میں دشمنی ایجاد کر دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناگہاں معاویہ ایک بھاری اکثریت کی نگاہ میں ایک ایسے خونخوار دشمن کی حیثیت سے مجسم ہوا جو ان کی جان و مال کے سلسلے اپنے دیئے ہوئے وعدہ سے انہیں محفوظ نہ رکھ سکا تو اب پھر خود اس سے کس طرح اپنی جان و مال کو محفوظ سمجھا جا سکتا ہے۔

۳)۔ معاویہ نے یہ سمجھا تھا کہ عہد و پیمان کو توڑ کر وہ قانونی طور پر اپنے بیٹے یزید کیلئے بیعت لے لے گا اور بیعت اور خلافت کی صلاحیت کے سلسلہ میں مقرر اور رائج اسلامی سنتوں کو کوئی اہمیت نہیں دے گا لیکن حقیقت نے بہت جلدی اسے اس کی غلطی سے آگاہ کر دیا کیونکہ یہی بیعت سبب بنی کہ مسلمانوں کی عمومی ذہنیت یزید کو خلافت کیلئے نامزد کرنے سے پہلے ہی بنی امیہ کے ناپاک مقاصد سے واقف ہو چکی تھی اور سب ایک ہی مرتبہ اس کی دشمنی پر متفق ہو گئے۔

۴)۔ آئندہ آنے والے زمانے میں بطور آشکار خونریز جرائم جو صلح کو قدموں تلے کچلنے کے بعد معاویہ سے سرزد ہوئے یعنی ان بے گناہ نیک مردوں کا قتل جو سب کے سب اصحاب رسول یا تابعین میں سے تھے ان میں سے ہر ایک جدا جدا ایک عامل قرار پایا جو پہلے ہی سے امام حسنؑ کی سیاست اور ان کی منصوبہ بندی کے ہمراہ اس قرارداد صلح میں پوشیدہ تھیں سب نے مل کر معاویہ کے امور کو ذلت و رسوائی کی ڈگر پر لگا دیا اور اس کی معنوی حیثیت پر ایک سنگین چوٹ پہنچی۔

---

(۱)۔ جس نے اس پر لعنت کی وہ خود اس کا دوست سمرہ تھا اور جس نے اس کو پلید و ناپاک کہا اس کا رفیق خاص مغیرہ تھا اور جس نے روبرو اس کی مذمت کی وہ عائشہ تھیں، جس نے اس سے قطع تعلق کیا وہ مالک بن ہبیرہ سکونی ہے اور جو اس کے ظلم و ستم اور جنایتوں کے غم واندوہ میں جان بحق ہو گیا وہ ربیع بن زیاد حارثی تھے اس کے بعد والے ابو اسحاق سبیعی اور آخری فرد حسن بصری ہیں۔ اس سلسلے میں آپ شرح نہج البلاغہ کامل ابن اثیر اور مروج الذہب وغیرہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

۵)۔۶۱ ہجری کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا ماجراوہ قوی ترین تیر تھا جسے امام حسن علیہ السلام نے پہلے ہی قرارداد صلح کی کمان میں چھپا دیا تھا اور اسے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں میں دے کر اپنے، اپنے بھائی اور اپنے پدر بزرگوار کے مشترک دشمن کی طرف روانہ کر دیا۔

ہم اسے بھول نہیں سکتے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"لایوم کیومک یا ابا عبداللہ" اے حسین تمہارے دن جیسا دن کوئی نہ ہوگا یہ کلام اپنے تمام اختصار اور بہترین پوشیدگی کے ہمراہ تنہا وہ راز ہے جو امام حسن علیہ السلام سے ان کی پوشیدہ منصوبہ بندی کے سلسلے میں سنا گیا۔ وہی منصوبہ جو صلح کے لمحہ سے لے کر آج تک شش جہت سے پیچیدہ اور ابہام کے دائرہ میں ہے۔ اس مختصر سے جملے میں ایک "عظیم سپہ سالار، کا لحن دکھائی دیتا ہے جو اپنے سے نیچے والے سپاہیوں کی ذمہ داری انہیں سونپتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہر منصوبہ کو ہر شخص کی مناسبت سے اس کے حوالے کر رہا ہے۔ اس وقت اپنے بھائی اور میر کارواں کو اس درمیان مشخص کرتے ہوئے فرما رہا ہے۔ کوئی دن تمہارے دن جیسا نہیں ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ زمانے کی رفتار اس منصوبہ کی فصلوں کو جو ایک دوسرے سے وابستہ ہیں ایک کے بعد ایک تحقق بخشے گی اور اس حلقہ کی زنجیر ایک کے بعد دوسرے وجود کو حیات عطا کرے گی اور ہر شعلہ ایک دوسرے شعلہ کو وجود میں لائے گا اور اسی طرح آخر تک یہ سلسلہ جاری رہے گا....

امام حسن علیہ السلام نے ان اقدامات میں سے ہر قدم اور مرحلہ کیلئے صلح کی گفتگو ہی سے ایک لازم محاسبہ کر لیا تھا صرف یہی نہیں بلکہ حریف مقابل کی باطنی خصوصیت کو جو ان سے، ان کے بھائی، ان کے شیعوں اور ان کے اہداف و مقاصد سے بے حد دشمنی رکھتا تھا ان سب کی بطور کامل تحقیق کر لی تھی۔ یہی تحقیقات و محاسبات وہ بنیادیں تھیں جس پر امام حسن علیہ السلام اپنے اور اپنے دشمن کے سلسلے میں آئندہ کے ارادوں کی عمارت تعمیر کر رہے تھے۔

اور یہ بات بھی واضح تھی کہ اگر حسن بن علی علیہ السلام کو شخصی طور پر یہ مہلت نہ ملے کہ اس فیصلہ کے سہارے

آگے بڑھ سکیں اور اپنے ہاتھوں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا سکیں تو پھر یہ کام آپ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے حوالے کر دیں گے اور یہ وہی مطلب ہے جس کی طرف ہم نے اس گفتگو کی ابتداء میں اشارہ کیا تھا۔

اس طرح امام حسین علیہ السلام کا جاویدانہ قیام درواقع آپ کے عظیم الشان نابغہ دہر بھائی امام حسن علیہ السلام، کی حساس اور بہت اہم کلی منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔

وہ واقعہ جس کے سلسلہ میں تمام اہل زمین نے کچھ نہ کچھ کہا ہے وہ ایسا سیاہ دھبہ تھا جس نے بنی امیہ کی تاریخ کو اس وقت تک کیلئے جب تک کہ کربلا کا نام ونشان اور بنی کا نام باقی ہے ننگ وعار سے ہمکنار کر دیا۔

۶)۔ واقعہ کربلا کے بعد بھی ہمیشہ یہ عمیق اور دراز مدت منصوبہ تاریخ کے نزدیکی فاصلوں میں پے در پے بڑے بڑے حوادث ایجاد کرتا رہا جن میں سے ہر ایک بدون استثنیٰ اموی نظام کا (جو معاویہ کے عہد سے اس کے چچازاد بھائی مروان حمار(۱) کے دوران تک اکثر وبیشتر خصوصیات میں ایک جیسے تھے) سرچشمہ ہے۔

مسلمانوں کے انسائکلو پیڈیا میں جن کے مسلمان ہونے پر گفتگو ہوتی ہے وہ بنی امیہ اور ان کے حواری ایک ظالم ستمگر اور جبار حکومت جو اسلامی اور دینی مقدسات سے اور بے مروت اور کھلواڑ کرنے والی سب سے زیادہ بے اعتنا حکومت کے عنوان سے پہچانی گئی جیسے جیسے زمانے گزرتے رہے ویسے ویسے ان لوگوں سے لوگوں کی دشمنی میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ نوبت یہ پہنچی کہ بنی امیہ کے خلاف اور ان سے نبرد آزمائی کیلئے جو بھی پرچم لہرایا جاتا ہے اس میں ہزاروں بلکہ دسیوں ہزار سے کم ایسے افراد دکھائی نہیں دیتے تھے جو موت کی شرط پر بیعت کرتے تھے۔

لہذا یہ بات ہمیں قبول کرنی پڑے گی کہ صلح کا بیج اسلام اور اہل بیتؑ کی مصلحتوں کی گہرائیوں اور وحی

---

(۱)۔ وہ اموی مروان ہے جو "حمار" کے لقب سے ملقب ہے۔ اس کا ایک لقب جعدی بھی۔ یہ لقب اس کا اس کے مربی جعد بن درھم کی وجہ سے ہوا۔ بنی امیہ کی حکومت کا اسی کے زمانے میں خاتمہ ہوا اس کا مربی، ابن درہم زندیق تھا اس نے اپنے آئین کی اسے تعلیم دی۔ جعدی کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی مذمت کیا کرتے تھے۔ جب عباسی فاتحین نے اس کا پیچھا کیا تو اس نے اپنے گھر والوں کو شہر "بومیر" میں ایک کلیسا (عیسائیوں کی عبادت گاہ) کے سپرد کیا اور خود بھاگ گیا۔ گویا مسجدوں سے اسے کوئی ربط نہ تھا۔ اس سلسلے میں آپ کامل بن الیر، ج ۵، ص ۱۵۹، کو ملاحظہ کیجئے۔

الٰہی کی بنیادوں سے حاصل کیا گیا تھا اور اس بات کی تصدیق کرنی پڑے گی کہ امام حسن علیہ السلام ایک مدت گزرنے کے بعد جو ایک صدی سے بھی کم مدت کا زمانہ ہے ایک ایسے فاتح حریف کے عنوان سے تاریخ کے افق پر نمودار ہوئے جس نے تاریخ میں اپنے رقیب کو شکست سے دوچار کیا ہے۔

کامیابی کے یہ قدم، سر بلند اور دشمن پر حملہ آور پالیسی لیکن اس کے باوجود سکون و اطمینان، فروتنی وانکساری، اور پوشیدگی جو اصلاح و مسالمت کے پرچم تلے انسانوں کے خون کی حفاظت کے ساتھ انجام پذیر ہوئی ہو سچ بتایئے! کیا عظمت اس کے علاوہ کچھ اور ہوتی ہے؟!

● چھٹی فصل :

قرارداد صلح کی شرطوں سے وفا

صلح کا مشورہ دینے یا اسے قبول کرنے کے سلسلے میں یہاں تک ہم نے دونوں فریق کے مقاصد کو بخوبی سمجھ لیا ہے اور ہر ایک کی ان شرطوں سے بھی باخبر ہو چکے ہیں جنہیں ان لوگوں نے صلح سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے مشورہ کی صورت میں پیش کیا تھا۔

اسی طرح اس بات سے بھی آگاہ ہو چکے ہیں کہ دونوں فریق صلح کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کوفہ میں یکجا ہوئے تھے۔ امید تو یہی تھی کہ یہ تاریخی ملاقات قانونی گفتگو اور تحریری ردو بدل سے زیادہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے قریب کرے گی... لیکن معاویہ (جو ایسی حالت میں تھا کہ وہ امام حسن علیہ السلام سے زیادہ مسالمت اور حفظ ظاہر کا محتاج تھا اور احنف بن قیس کے بقول وہ ایسا بادشاہ تھا جو ایسے لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا تھا جنہوں نے ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے محبت نہ کی) نے اس ملاقات میں خوش رفتاری کا دامن چھوڑنے کو ترجیح دی اور جو چاہتا تھا اور جس کی فکر میں تھا اسے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا لہذا امام حسن علیہ السلام سے اس کی ملاقات کی شکل ابوسفیان کے بیٹے کی فرزند فاتح مکہ کی ملاقات کی صورت اختیار کر گئی، ان دو حریفوں کی ملاقات نہ ہو سکی جنہوں نے اسلحہ ڈال کر ایک دوسرے سے اسناد صلح کا تبادلہ کیا ہو۔ معاویہ کی یہ صفت و خصلت (جو بالکل اس کی بناوٹی اور تکلف آمیز بردباری کے بالمقابل تھی) امام حسن علیہ السلام کے ہاتھوں میں ایک آلہ دے گئی اور آپ نے اس سے ایک براں اسلحہ کی صورت میں معاویہ کے ساتھ ایک دوسرے میدان نبرد میں بھرپور فائدہ اٹھایا جیسا کہ آپ نے گزشتہ فصل میں اسے ملاحظہ فرمایا ہے۔

اب جب کہ مندرجہ بالا مطالب سے ہم گزشتہ فصل کے ذریعہ آشنا ہو چکے ہیں تو آیئے دیکھیں کہ ان عہد و پیمان میں سے ہر ایک سے کتنی وفا ہو سکی اور کس حد تک انہیں عملی جامہ پہنایا گیا یا یہ تمام شرطیں بے اعتنائی اور پیمان شکنی کی نذر ہو گئیں۔ اس مرحلہ میں ہم تاریخ کے ایسے حساس موڑ پر کھڑے ہیں جس کے عواقب بہت زیادہ ہیں۔

ہم تو یہ چاہتے تھے کہ اس موضوع کو بیان کرنے سے جو دردناک یا ذلت آمیز یادوں کو تازہ کرنے والے ہیں ان سے چشم پوشی کرلیں (جبکہ ان میں سے بعض موارد ہی قابل اغماض ہیں) لیکن چونکہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اس کتاب میں امام حسن علیہ السلام کے ماجرے کے سلسلے میں ایک تحلیلی بحث تمام گوشہ وکنار کی تفصیل کے ساتھ تحقیق کریں لہذا اس موضوع سے غفلت جو صلح کے مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے میں ایک بہترین اثر کی حامل ہے، جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

چونکہ یہ موضوع (اپنی تمام دشواریوں اور ناگواریوں کے باوجود) ہمارے مورد بحث اصلی موضوع کے سلسلے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے لہذا ناچار ہمیں صبر وحوصلہ کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھانا ہوگا اور قطعی اور مسلم مقدمات سے روشن اور مطلوب نتیجہ تک پہونچنا ہوگا، اس وقت ہم ان نتائج کے آئینہ میں مظلوم کی فتح وظفر موج شان وشوکت اور عظمت وجلالت نیز شکست خوردہ ظالم کی بدبختی اور ذلت کا مشاہدہ کریں گے۔

۱۔ پہلی شرط سے وفا (معاویہ کی حکومت)

صرف یہی ایک شرط ہے جسے امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے فائدہ میں پیش کیا ہے اسی طرح صلح نامہ کی تمام شرطوں میں یہی ایک شرط ہے جس سے وفا کی گئی ہے۔

صلح نامہ پر دستخط کے بعد ہم نے کسی سے بھی یہ نہیں سنا ہے کہ امام حسن علیہ السلام اس شرط کو توڑنے کے سلسلے میں کوشاں رہے ہوں یا اس کے سلسلے میں کوئی گفتگو کی ہو یا حتی اس سلسلے میں گفتگو پر راضی ہوئے ہوں۔

جب معاویہ نے صریحی طور پر اعلان کردیا کہ وہ ان عہد وپیمان پر بالکل پابند نہیں ہے۔ تو اس دور کے شیعہ رؤسا امام حسن علیہ السلام کے پاس (جب آپ مدینہ واپس لوٹ چکے تھے) حاضر ہوئے اور اس بات کا اظہار کیا کہ وہ خود اور ان کے پیروکار آپ کی رکاب میں جنگ کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔ اہل کوفہ نے وعدہ کیا ہے کہ اس شہر کے اموی گورنر کو باہر نکال دیں گے اور جنگ کیلئے ضروری مان کو مہیا کریں گے اور شام پر دوبارہ حملہ کیلئے ان کی خدمت میں پیش کریں گے۔ لیکن احساسات وجذبات کے اس طوفان نے آپ کو حرکت تو دی لیکن دوستوں کا شور وولولہ اور تحرک ان پر کارگر نہ ہوسکا۔

سلیمان بن صرد جو (ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق) عراق کے رئیس اور سردار تھے آپ سے عرض

کی: معاویہ نے سب کے سامنے کہا ہے (اور میں نے خود سنا ہے) کہ میں نے لوگوں کو جو وعدہ دیا تھا، جن شرطوں کو قبول کیا تھا اور ان کے دلوں میں جو امیدیں دلائی ہیں اب وہ تمام چیزیں میرے پیروں تلے ہیں اور خدا کی قسم اس کا مقصود ان عہد و پیمان سے جو آپ سے باندھا تھا اس کے علاوہ کچھ اور نہ تھا پس آپ جنگ کیلئے تیار ہو جایئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ کوفہ جا کر وہاں کے گورنر کو باہر نکال دوں اور اعلانیہ طور پر اسے معزول کر دوں اور خود انہیں کی طرح ان کے ساتھ نقض عہد کر دوں۔ خداوند عالم خیانت کار دشمنوں کو نتیجے تک نہیں پہنچاتا اور نہ ہی ان کی ہدایت کرتا ہے۔

سلیمان کے بعد حاضرین میں سے ہر ایک نے سلیمان ہی کی طرح اظہار خیال کیا اور کہا: سلیمان کو بھیج دیجئے اور ان کے ساتھ ہم لوگوں کو بھی روانہ کر دیجئے اور جب آپ کو یہ اطلاع مل جائے کہ ہم نے کوفہ کے والی کو نکال باہر کر دیا ہے اور اس کی معزولی کا اعلان کر دیا تو آپ بھی ہم سے ملحق ہو جایئے گا۔(۱)

حجر بن عدی کندی جو عراق میں بہت اہم شخصیت کے حامل تھے، منجملہ ان افراد میں سے تھے جو امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

مسیب بن نجبہ قبیلہ مضر کے وہ واحد شہسوار تھے کہ (زفر بن حارث کے بقول) اگر قبیلہ مضر کے دس باشرف لوگوں کو شمار کیا جاتا تو ان میں سے ایک یہ تھے۔ منجملہ ان افراد میں سے تھے جو امام علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئے تھے اور اسی قسم کی گفتگو کی تھی۔

اس کے بعد کچھ دوسرے لوگ بھی اسی قسم کے مشورہ کے ہمراہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ لیکن امام حسن علیہ السلام نے ان تمام مشوروں کو ایک خوبصورت انداز میں ٹال دیا اور اس کام کو معاویہ (جو کہ آپ کا ہم پیمان تھا) کی موت کے بعد کیلئے چھوڑ دیا۔

آپ کوفہ کی پہلی آزمائش سے ان نتائج تک پہنچ چکے تھے لہذا اب دوبارہ نئی آزمائش کی ضرورت نہ تھی۔

آخری جواب جو ان تمام لوگوں کو دیا وہ یہی تھا کہ جب تک معاویہ زندہ ہے تم میں سے کوئی بھی اپنی پناہ گاہ کو اپنے ہاتھوں سے نہ جانے دے۔ اگر معاویہ مر گیا اور ہم اور تم زندہ رہے تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری راہنمائی کرے اور ہمارے امور میں ہماری مدد کرے اور ہمیں ہماری حالت پر نہ چھوڑے یقیناً خدا اہل تقویٰ

---

(۱). ابن قتیبہ، ج۱، ص۱۵۱.

اور نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہے۔(۱)

دوسری شرط سے وفا: (جانشین معین نہ کرنا)

تمام مورخین (چاہے وہ کسی گروہ سے وابستہ ہوں یا مستقل) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صلح نامہ کی قرارداد میں معاویہ نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین معین نہیں کرے گا۔ اس شرط کا مطلب یہ ہوا کہ حکومت، معاویہ کے بعد اس کے شرعی وارث تک پہنچ جائے گی یعنی امام حسن علیہ السلام ابن علیؑ کی طرف اور اگر وہ زندہ نہ رہے تو ان کے بھائی امام حسین علیہ السلام کی طرف پلٹ جائے گی۔ یہ مطلب یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے حکومت کو صرف اس کی زندگی تک اس کے حوالے کیا تھا اور اس قسم کی قراردادوں کا مفہوم یہ ہے کہ معاویہ میں اس بات کی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اپنے بعد کسی اور کو حکمران کی حیثیت سے منصوب کر سکے۔

اس مطلب کو تمام مورخین نے بھی لکھا ہے کہ معاویہ نے اس شرط کو پیروں تلے کچل دیا اور اپنے بیٹے یزید (وہی مشہور یزید) کو اپنا ولی عہد بنا دیا۔

یہاں پر ہم معاویہ کی عہد شکنی کے موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتے ہیں کیونکہ معاویہ میں یہ خصلت صلح کی وجہ سے اس کی تمام خطاؤں میں ایک مشترک وجہ ہے جس کا دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ مرتکب ہوا ہے لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ بارہا عہد و پیمان کے بالمقابل معاویہ کی روش کو بیان کرنے کے بعد اب ہم اس موضوع سے (یعنی خلافت مسلمین کیلئے یزید کی تعیین کا موضوع) اس بات کو ذکر کئے بغیر گزر جائیں۔

وہ اس کام سے دین میں سب سے بڑے گناہ اور عمومی مصلحتوں کے باب میں دردناک ترین خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ اس کی اس جسارت آمیز اور غیر متوقع عمل کا آشکار ترین نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اسلام کی حکومت اپنے صحیح راستہ سے باہر نکل گئی اور عوام الناس نے عملی رہبر کو کھو دیا اور انانیت و نفس پرستی سماج و معاشرہ پر حکم فرما ہو گئی سماج و معاشرہ اور افراد کے درمیان اطمینان و اعتماد کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ رہبر اور پیروکار کے درمیان آپس میں تال میل، تائید اور نصرت اور رہبر اور اس کے پیروکاروں میں سے ہر ایک کا ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کا

---

(۱)۔الامامة والسیاسة، ج۱، ص۱۵۲.

رابطہ ختم ہوگیا، ایک دوسرے کے رجحانات بالکل بدل گئے اور راستے بالکل الگ ہوگئے۔اور کام کچھ اس انداز سے آگے بڑھنے لگا کہ سماج ومعاشرہ خونریزی اور اندرونی کشمکش کا شکار ہوگیا۔البتہ ان خطاؤں کی تلافی اور ان امور کی طرف متوجہ کرنے کیلئے یہ کام ضروری تھا۔

چھوڑیئے ان سب باتوں کو جو یزید اور اس کی بُری صفات اور ناپسندیدہ اخلاقی وذاتی خصلتوں کے بارے میں کہی گئی ہیں اور اس کے زمانے سے لے کر آج تک تمام تاریخ نے بہ بانگ دُہل ان کو بیان کیا ہے اور ان تمام دلسوز اور دردناک واقعات کا سرچشمہ اس کی حکومت کا زمانہ ہے ہمارا مقصود ان باتوں کو بیان کرنا نہیں ہے ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں بلکہ ہم ان سنگین خطاوں کو آشکار کرنا چاہتے جس کا معاویہ مرتکب ہوا ہے اور اس گناہ سے جتنے برے نتائج سامنے آئے اور وبال پیدا ہوئے سب کو بے سوچے سمجھے اپنی گردن پر لے لیا۔

معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کیلئے جن تعجب آور امور میں ہاتھ ڈالا ہے (جسے اس کے تمام چاہنے والوں نے بیان کیا ہے) وہ مسلمان ہونے کے عنوان سے (چہ جائیکہ ایک خلیفہ) اس کی حیثیت کو بخوبی آشکار کردیتے ہیں اور ان امور کی انجام دہی تاریخ کے بدترین صفحات کو تشکیل دیتی ہے اور روح ومعنی وہدف کے لحاظ سے اسلام سے دورترین امر کی گواہی ہے اس بحث کے ذریعہ سے معاویہ اور اس کے تابع گروہ کی زندگی کے بہت سارے گوشے آشکار ہوتے ہیں، اگر ہماری بحث اسرار صلح امام حسنؑ کا بیان کرنا نہ ہوتا تو اس بحث کو نہ چھیڑتے اور تیرہ صدیوں تک برملا اور آشکار رسوائی کا جو سامنا ہوا اس کے باوجود ہم اسے پوشیدہ رکھنے کو ہی ترجیح دیتے۔

لیکن اب ہم وضاحت دیئے بغیر مورخین کی عبارتوں کا خلاصہ یہاں پر پیش کررہے ہیں (کیونکہ یہ عبارتیں کسی بھی وضاحت اور حاشیہ کی محتاج نہیں ہیں)

یزید کیلئے معاویہ کا انداز بیعت

ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں: جب معاویہ نے یزید کی بیعت کا ارادہ کیا تو اس کیلئے حسنؑ اور سعد بن ابی وقاص سے زیادہ سنگین کوئی دوسری چیز نہ تھی لہذا مخفی انداز میں ان دونوں کو زہر دیدیا اور اس زہر کے اثر سے دونوں جاں بحق ہوگئے۔(۱)

---

(۱)۔ مقاتل الطالبین، ص۲۹.

ابن قتیبہ دینوری لکھتے ہیں: حسنؑ کی وفات کے بعد معاویہ نے ایک مختصر مدت تک صبر کیا پھر شام میں یزید کیلئے بیعت لے لی۔ اس کے بعد ساری دنیا میں اس کام کا فرمان جاری کر دیا۔(۱)

ابن اثیر لکھتے ہیں: اس کام کا سرچشمہ مغیرہ بن شعبہ تھا: معاویہ نے جب مغیرہ کو کوفہ کی حکومت سے معزول اور اس کی جگہ پر سعید بن عاص کو مقرر کرنا چاہا تو مغیرہ کو اس کی خبر ہوگئی اور اس نے سمجھ لیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ وہ معاویہ کے پاس جا کر حکومت سے مستعفی ہو جائے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ خود اس منصب سے تھک چکا ہے۔ لہذا وہ شام کی طرف روانہ ہو گیا اور جب شام پہنچا تو اپنے دوستوں سے کہا: اگر میں اس زمانے میں تمہارے لئے حکومت و دولت حاصل نہیں کر سکتا تو پھر کبھی بھی حاصل نہیں کر پاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ یزید کے پاس گیا۔(۲) اور اس سے کہا: اصحاب پیغمبر کے تمام بزرگ اور قریش کے سارے بزرگ (۳) دنیا سے گزر چکے ہیں اب صرف ان کی اولاد باقی ہے اور ان کے درمیان تم سب سے زیادہ بافضیلت! بہترین رائے! اور سنت وسیاست میں سب سے زیادہ عالم ہو!! نہیں معلوم کیوں امیر المومنین تمہارے لئے بیعت نہیں لیتے ہیں؟ یزید نے کہا: کیا تمہاری نظر میں یہ کام ہو سکتا ہے؟ مغیرہ: ہاں ہاں ضرور ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر یزید اپنے باپ کے پاس گیا اور جو کچھ مغیرہ نے کہا تھا وہ سب کہہ سنایا۔ معاویہ نے مغیرہ کو بلایا اور اس سے پوچھا: یزید کیا کہہ رہا ہے؟ مغیرہ نے کہا: اے امیر المومنین آپ نے دیکھا کہ عثمان کے بعد کیسی خونریزی ہوئی اور کیسی کیسی تفرقہ اندازیاں ہوئیں اور یزید تو جانشینی کی صلاحیت رکھتا ہے! پس اس کیلئے بیعت لے لیجئے تا کہ اگر آپ کیلئے کوئی حادثہ پیش آجائے تو وہ لوگوں کی پناہ گاہ اور آپ کا جانشین رہے اور اس کے بعد نہ تو کوئی خونریزی ہوگی!! اور نہ ہی کوئی فتنہ اُبھرے گا!! معاویہ نے کہا: اس میں ہماری مدد کون کرے گا؟ مغیرہ: کوفہ میرے ذمہ اور بصرہ زیاد کے ذمہ اور ان دونوں شہروں کے بعد کوئی بھی آپ کی مخالفت نہیں کرے گا۔ یہ سن کر معاویہ نے کہا: اپنے کام پر لوٹ جاؤ اور مورد اعتماد لوگوں سے

---

(۱)۔ الامامة والسیاسة ج۱، ص۱۶۰.

(۲)۔ کتاب المحاسن والمساوی میں ج۱، ص۱۰۸ پر بیہقی نے مغیرہ کی اس سازش کو ذکر کیا ہے لیکن ایک روایت یا اپنے شخصی استنباط کی بنیاد پر معتقد ہے کہ اس نے پہلے ہی خود معاویہ سے اس موضوع پر بات کی تھی اور معاویہ کو جب اس پر اطمینان ہو گیا تو اس سے کہا: تم دوبارہ اپنے کام کی طرف پلٹ جاؤ اور اپنے بھتیجے کیلئے راستہ ہموار کرو... اس مطلب کو ایک تیز رو قاصد کے ہمراہ لکھ کر اسے روانہ بھی کیا.

(۳)۔ ذرا ملاحظہ کیجئے کہ مغیرہ کی منطق میں بزرگی کا کیا معیار ہے.

اس سلسلے میں گفتگو کرو اور فکر کرو میں بھی سوچوں گا۔

مغیرہ، اس سے رخصت ہوا اور اپنے دوستوں کے پاس آیا تو ان لوگوں نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو اس نے جواب دیا: اس ذلیل انسان کے پاؤں کو ایسی رکاب میں قرار دیا کہ جو امت محمد کیلئے یہ کام بڑے برے نتائج کا حامل ہوگا!! اور ان کے درمیان ایسی درار کو ایجاد کر دیا ہے جسے کبھی بھی بھرا نہیں جا سکتا۔(۱)

معاویہ نے ہر قوم وقبیلہ کی اس سرکردہ شخصیت سے جو اس کی خیر خواہ تھی سے اس مطلب پر ساز باز کی کہ ان میں سے ہر شخص خطبہ پیش کرے اور اس میں یزید کے فضائل بیان کرے!!

چونکہ تمام وفود جو مختلف شہروں سے آکر سب شام میں یکجا ہوئے (احنف بن قیس بھی ان کے درمیان موجود تھے) لہذا معاویہ نے ضحاک بن قیس فہری کو طلب کیا اور اس سے کہا: جب میں منبر پر بیٹھ جاؤں اور کچھ دیر تک گفتگو اور موعظہ کر چکوں تو تم اجازت طلب کرنا اور جب میں اجازت دیدوں تو تم خدا کی حمد وستائش کرنا اور اس کے بعد یزید کا نام لے کر جس قدر سزاوار ہے اس کی تعریف وتمجید کرو اس وقت مجھ سے گزارش کرنا کہ میں اس کو اپنا ولی عہد بنادوں۔ اس کے بعد عبدالرحمن بن عثمان ثقفی، عبید اللہ بن مسعدہ فزاری، ثور بن معن سلمی اور عبداللہ بن عصام اشعری کو بلا کر حکم دیا کہ جب ضحاک اپنی بات تمام کرلے تو یہ سب کے سب کھڑے ہو کر اس کی بات کی تصدیق کریں! یہ سارا گروہ کھڑا ہوا اور یزید کی ستائش میں جملے ادا کرنے لگا!! یہاں تک کہ احنف بن قیس کی نوبت آئی (لیکن یہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جنہیں معاویہ نے پہلے سے اس کام کیلئے آمادہ کر رکھا ہو وہ اٹھے اور کہا:

خدا امیر کو سلامت رکھے، لوگوں نے برے اور ناپسند روزگار کے بعد اچھے اور پسندیدہ ایام گزارے ہیں دفتر زمانہ کے اوراق اور اس کے امور آزمائش کے مرحلہ میں پہنچ چکے ہیں۔ جسے تم اپنے بعد حکمران بنا رہے ہو اس کو بخوبی پہچان لو اور اس وقت جو بھی تم کو ناحق امر کرے اس کی اطاعت نہ کرو کہیں مشورت دینے والے جو تمہاری مصلحت سے آشنا نہیں ہیں وہ تمہیں دھوکہ نہ دیدیں۔

---

(۱)۔الکامل / ابن اثیر، ج۲، ص۱۹۸۔۲۰۱. اس حدیث سے اس صحابی رسول کی امت محمدیہ سے محبت اور تعصب کی مقدار بطور کامل دریافت کی جا سکتی ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد یہ جان لو کہ اہل حجاز وعراق ان باتوں پر راضی نہیں ہوں گے جو ان لوگوں نے بیان کی ہیں اور جب تک حسنؑ زندہ ہیں یزید کی بیعت نہیں کریں گے پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا:

''یقیناً یہ بات تم جانتے ہو کہ عراق کو تم نے تلوار کے زور پر فتح نہیں کیا ہے اور اطاعت کے ذریعہ اس پر غلبہ حاصل نہیں کیا ہے لیکن تم نے حسنؑ بن علی سے جیسا کہ تم خود جانتے ہو ایک خدائی عہد و پیمان باندھا ہے کہ حکومت تمہارے بعد ان کا حق ہوگی (۱) اب اگر اس عہد و پیمان سے وفا کرتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر غداری اور دھوکہ بازی کے ساتھ ان کی طرف رخ کروگے تو خدا کی قسم حسنؑ کی پشت پر نجیب گھوڑے، مضبوط بازو اور برندہ تلواریں ہیں اگر ایک بالشت بھی مکاری کے ساتھ ان کی طرف جاؤ گے تو فتح وظفر کی علامت ان میں دو چنداں پاؤ گے۔ تم یہ بات بخوبی جانتے ہوئے کہ اہل عراق نے جب سے تم سے دشمنی کی ہے ایک لحہ کیلئے بھی تمہاری محبت کے بارے میں فکر نہیں کی ہے اور جس زمانے سے علی وحسن سے محبت کی ہے ایک لحہ کیلئے بھی ان کی دشمنی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی ہے۔ آسمان سے ابھی تک تغیر وتبدل کی بارش نہیں ہوئی ہے وہی لوگ جنہوں نے صفین اور علی کی رکاب میں تمہارے لئے تلواریں کھینچی تھیں وہ اس وقت ان کے دوش پر ہیں اور وہی قلوب جس میں ان لوگوں نے تمہارے لئے بغض وعداوت کو جگہ دی ہے اس کی تپش ابھی بھی ان کے دلوں میں موجود ہے۔ (۲)

مؤلف: احنف کا یہ بیان صریحی طور پر اس مطلب پر دلالت کرتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی زندگی ہی سے معاویہ نے یزید کی بیعت کیلئے اقدامات شروع کردیے تھے۔ جبکہ مورخین کے ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حسن بن علی علیہما السلام کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کا مرحلہ انجام پذیر ہوا۔ یہاں تک کہ ابو الفرج لکھتے ہیں:

معاویہ نے حسن اور سعد بن ابی وقاص کو زہر دیا تا کہ یزید کی بیعت کا راستہ ہموار ہو سکے۔ لہذا ہم

---

(۱)۔ بہت سارے قلمکار، زمانے کے اس حصہ کی شناخت میں غلط فہمی کے شکار ہوگئے ہیں منجملہ حسن مراد ہیں جنہوں نے اپنی کتاب الدولۃ الامویہ کے ص ۷۰ پر لکھا ہے: یہاں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یزید کی ولیعہدی کا موضوع ایک غیر متوقع موضوع نہ تھا!! جبکہ محترم قاری، احنف کی گفتگو اور گزشتہ بحثوں کے پیش نظر بخوبی اس موضوع کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ موضوع بہت ہی زیادہ غیر متوقع تھا۔

(۲)۔ ابن قتیبہ، ج ۱، ص ۱۵۶۔۱۵۸۔ مسعودی (حاشیہ ابن الیر، ج ۶، ص ۱۰۰۔۱۰۲۔

یہ نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں کہ معاویہ نے دو مرحلہ میں اس کام کو انجام دیا ہے۔ پہلا مرحلہ امام حسن علیہ السلام کی زندگی میں انجام پایا جبکہ وہ قسمیں اور عہد و پیمان موجود تھے۔ ہاں چونکہ اس مرحلہ میں قرارداد صلح کے دوسرے فریق موجود تھے لہذا یہ سازش شکست و ناکامی کی نذر ہوگئی اور دوسرا مرحلہ آپ جناب کی شہادت کے بعد انجام پذیر ہوا اس مرحلہ میں وہ ناپاک سازش ظالمانہ ذرائع کی مدد سے جسے اکثر مورخین نے لکھا ہے اپنے نتیجہ تک پہنچ گئی۔

مروان کو مدینہ کی حکومت سے اس لئے معزول کر دیا کہ وہ یزید کیلئے بیعت نہ لے سکا اور اس کی جگہ پر سعید بن العاص کو مدینہ کا گورنر بنا دیا اور اس نے سختیوں کو اپنا شیوہ بنالیا اور لوگوں کو سختیوں میں ڈال دیا اور جو لوگ بیعت میں کوتاہی کر رہے تھے ان پر سختی سے برتاؤ کیا لیکن اس کے باوجود ایک مختصر گروہ کے علاوہ کوئی بھی یزید کی بیعت کے آگے تسلیم نہ ہوا خصوصاً بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی بیعت نہ کی۔

غصہ سے بھرا مروان شام آیا اور معاویہ سے مفصل بحث و جدال کا بازار گرم کیا منجملہ اس سے یہ کہا: اپنی حکومت کی حفاظت کرو اے ابوسفیان کے بیٹے! اور بچوں کو امیر بنانے سے اپنا ہاتھ کھینچ لو اور یہ جان لو کہ تمہاری قوم میں تمہارے ہم رتبہ افراد موجود ہیں جن میں سے ہر ایک تم سے دشمنی میں ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔

لیکن اس کے بعد پھر کچھ نہیں کہا کیونکہ معاویہ نے ہر مہینہ اس کیلئے ہزار دینار مقرر کر دیا تھا!!

معاویہ نے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن جعفر اور حسینؑ بن علیؑ کے نام خطوط لکھے اور ان سب کو یزید کی بیعت کی دعوت دی۔

امام حسین بن علی علیہ السلام کے نام خط اس طرح تھا:

امابعد: تمہارے سلسلے میں مجھ تک ایسی خبریں پہنچی ہیں کہ ہرگز مجھے اس کا گمان نہ تھا اور میں تمہیں اس سے دور سمجھتا تھا وفاداری میں سب سے زیادہ وہ شائستہ ہے جو خدادادی شرف اور مقام و منزلت میں تمہاری حد تک ہو، جدائی کی فکر میں مت رہو اور تقوائے الٰہی اختیار کرو!! اور اس امت کو فتنہ میں مت ڈالو!!... اور اپنی، اپنے دین اور امت محمد کی مصلحت کی فکر میں رہو اور کبھی اس بات کی اجازت نہ دو کہ جو اہل یقین نہیں ہیں وہ تم کو برانگیختہ کریں!!

امام حسین علیہ السلام نے جواب میں اسے اس طرح تحریر فرمایا:

اما بعد فقد جاء نی کتابک تذکر فیه انها انتهت الیک منی أمور لم تکن تظننی بها

رغبةً بی عنها، و ان الحسنات لا یهدی لها ولا یسدد علیها الا الله تعالی. واما ما ذکرت انه رقی الیک عنی، فانما رقاه الملاقون المشاؤون بالنمیمة، المفرقون بین الجمع. وکذب الغاوون المارقون، ماأردت حربا ولاخلافاً. وانی اخشی الله فی ترک ذلک منک و من حزبک القاسطین المحلین، حزب الظلم وأعوان الشیطان الرجیم. الست قاتل حجر و أصحابه العابدین المخبتین، الذین کانوا یستفظعون البدع، ویأمرون بالمعروف و ینهون عن المنکر؟ فقتلتهم ظلما وعدوانا، من بعد ما أعطیتم المواثیق الغلیظة والعهود المؤکدة، جراءة علی الله واستخفافاً بعهده، أو لست بقاتل عمرو وبن الحمق الذی أخلقتْ و أبلت وجهه العبادة؟ فقتلته من بعد ما أعطیته من العهود ما لو فهمته العصم لنزلت من شعف الجبال. أو لست المدعی زیاداً فی الاسلام فزعمت أنه ابن ابی سفیان؟، و قد قضی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، أن الوالد للفراش وللعاهر الحجر، ثم سلطته علی أهل الاسلام یقتلهم ویقطع أیدیهم وأرجلهم من خلاف ویصلبهم علی جذوع النخل!. سبحان الله یا معاویة، لکأنک لست من هذه الامة والیسوا منک!!. أو لست قاتل الحضرمی الذی کتب فیه الیک زیاد أنه علی دین علی؟، و دین علی هو دین ابن عمه صلی الله علیه وآله وسلم الذی أجلسک مجلسک الذی انت فیه، ولولا ذلک کان أفضل شرفک وشرف آبائک تجشم الرحلتین، رحلة الشتاء والصیف، فوضعها الله عنکم بنا، منةً علیکم!.

وقلت فیما قلت: لا تردَّ هذه الامة فی فتنة. و انی لا أعلم فتنة لها أعظم من امارتک علیها.

وقلت فیما قلت: انظر لنفسک ولدینک ولامة محمد صلی الله علیه وآله وسلم، وانی والله ما أعرف أفضل من جهادک(ای: قتالک)، فان أفعل، فانه قربة الی ربی، و ان لم أفعل، فاستغفر الله لذنبی، و اسأله التوفیق لما یحب ویرضی.

وقلت فیما قلت: متی تکدنی أکدک، فکدنی یا معاویة فیما بدالک، فلعمری

لقديما يُكاد الصالحون، وانى لارجو ان لا تضر الا نفسک، ولا تمحق الاّ عملک، فکدنی ما بدا لک!

"واتق الله يا معاوية! واعلم ان الله كتابا لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الاّ أحصاها! واعلم ان الله ليس بناس لک قتلک بالظنة وأخذک بالتهمة، وامارتک صبيا يشرب الشراب ويعلب بالكلاب!! ما أراک الاّ وقد أوبقت نفسک، وأهلكت دينک، وأضعت الرعية، والسلام"

امابعد تمہارا خط اس مضمون کے ساتھ کہ: "میری طرف سے تمہیں ایسی خبر ملی ہے جس کی تمہیں مجھ سے توقع نہ تھی" مجھ کو موصول ہوا ہے۔ خدا کی ہدایت اور مدد کے بغیر اچھے کام کی طرف کبھی بھی قدم آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ لیکن تم نے جو یہ لکھا ہے کہ میرے سلسلے میں تمہیں خبر ملی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ خبریں تمہیں چغل خوروں اور آگ بھڑکانے والوں کے ذریعہ ملی ہیں۔ ان دین سے خارج اور گمراہ لوگوں نے تم سے کذب بیانی کی ہے، میں تم سے دشمنی اور جنگ پر آمادہ نہیں ہوں میں نے اس کام کو چھوڑ دیا ہے اور تمہارے اور تمہارے برے ظالم وخلاف کار یار وانصار کہ جو ظلم کے طرفدار اور شیطان رجیم کے اعوان ومددگار ہیں ان کی مخالفت پر کمر نہیں باندھی ہے میں خوف الٰہی رکھتا ہوں... کیا تو حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کا قاتل نہیں ہے؟ وہ عابد وخاشع افراد جو بدعت کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتے تھے اس کے باوجود ان سے محکم پیمان اور تاکیدی عہد لیا تھا لیکن دشمنی اور ستمگری کی بنیاد پر انہیں قتل کر دیا اور خداوند عالم کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کیا اور اس کے عہد کو معمولی شمار کیا۔ کیا تو عمرو بن حمق خزاعی کا قاتل نہیں ہے عبادت خدا کی وجہ سے جس کا جسم مردہ اور ان کا بدن لاغر ہو گیا تھا؟ اس کے باوجود تو نے ان سے ایسا عہد و پیمان باندھا تھا کہ اگر ہرنوں سے بھی ایسے عہد و پیمان باندھے جاتے تو وہ بھی پہاڑوں سے نیچے آجاتے۔ کیا تو وہ نہیں ہے جس نے عہد اسلام میں زیاد کو خود سے منسوب کر لیا اور ایسا ظاہر کیا کہ وہ ابوسفیان کا بیٹا ہے؟ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زنا کار کیلئے سوائے، پتھر کے کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد اسے اہل اسلام پر مسلط کر دیا کہ وہ ان لوگوں کو قتل کر دے اور ان کے ہاتھ پیروں کو کاٹ ڈالے اور انہیں درخت خرمہ کی شاخوں پر لٹکا دے!

سبحان اللہ اے معاویہ! گویا تو اس امت کا ایک فرد نہیں ہے اور یہ لوگ تیرے نہیں ہیں!!

کیا تو اس حضرمی کا قاتل نہیں ہے کہ زیاد نے جن کے بارے میں تجھ کو لکھا تھا کہ وہ لوگ علیؑ کے آئین پر ہیں؟، علیؑ کا دین و آئین تو اس کے چچازاد بھائی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے کہ تو ابھی جس کی مسند پر براجمان ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو آج تیرے اور تیرے آباء واجداد کا سب سے زیادہ فخر وہ دو سفر ہیں جو موسم گرما اور سرما میں زحمتیں اٹھانا ہوتا تھا خدا نے اس دین کے صدقے میں تم لوگوں پر احسان کیا اور اس رنج ومحن کو تم سے دور کر دیا۔

تو نے اپنے خط کے ایک جملہ میں یہ لکھا ہے کہ اس امت کو فتنہ سے دوچار نہ کرو! میں اس امت کیلئے کسی فتنہ کو تیری حکومت سے بڑا فتنہ نہیں سمجھتا۔

پھر تو نے اپنے خط میں یہ لکھا ہے کہ اپنے، دین اور امت محمد کی مصلحت کے بارے میں فکر کرو.... خدا کی قسم میں کسی بھی مصلحت کو تجھ سے جہاد کرنے کی مصلحت سے بالاتر نہیں سمجھتا اگر میں اس کام میں ہاتھ ڈال دوں تو یہ کام میرے لئے خدا کے نزدیک تقرب کا ذریعہ ہوگا اور اگر یہ کام انجام نہ دوں تو خدا کی بارگاہ میں اس گناہ سے معذرت طلب کروں گا اور اس سے درخواست کروں گا کہ مجھے توفیق عطا کرے تا کہ جو چیز اس کی نظر میں محبوب اور پسندیدہ ہے اس پر عمل کر سکوں۔

تو نے یہ بھی لکھا ہے کہ تم جتنی مجھ سے دشمنی کرو گے میں بھی تم سے دشمنی کروں گا... تو، تو جس قدر کو دشمنی کرنا چاہتا ہے کر لے، کیونکہ صالحین ہمیشہ مورد دشمنی قرار پائے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تو اپنے علاوہ کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور اپنے علاوہ کسی دوسرے کے عمل کو برباد نہیں کرے گا.... تو جس قدر دشمنی کرنا چاہتا ہے کر لے!

اے معاویہ! خدا سے ڈر اور جان لے کہ خدا کے پاس ایک ایسا نامہ اعمال ہے جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل تحریر ہے۔ اور جان لے کہ خدا تیرا یہ کام بھول نہیں سکتا کہ تو بے گناہوں کو تہمت اور بدگمانی کی بنیاد پر گرفتار کرتا ہے اور شراب خور اور کتوں سے کھیلنے والے لونڈے کو تو حکومت سونپ رہا ہے۔ میں اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھتا کہ تو نے خود کو بدبختی میں ڈال دیا ہے، اپنے دین کو تباہ کر دیا اور رعایا کے حقوق کو ضائع کیا ہے والسلام۔(۱)

اس کے بعد معاویہ مدینہ میں شامیوں کے مجمع کے ساتھ وارد ہوا جسے ابن کثیر نے ایک ہزار سوار شمار کیا ہے وہ کہتے

---

(۱)۔ ابن قتیبہ، ج۱، ص۶۳۔۶۵.

ہیں کہ اس کے بعد معاویہ، عائشہ کے پاس گیا (اور عائشہ کو یہ خبر مل چکی تھی کہ معاویہ نے حسینؑ اور ان کے یار وانصار کے بارے میں کہا ہے کہ اگر وہ لوگ بیعت نہ کریں گے تو میں ان لوگوں کو قتل کر ڈالوں گا) جیسے ہی عائشہ کے پاس پہنچا عائشہ نے منجملہ کلام میں سے یہ جملہ کہا: ان لوگوں کے ساتھ مدارا کرو انشاء اللہ جو چاہتے ہو وہ لوگ اسے قبول کرلیں گے۔(۱)

دینوری معاویہ کے مدینہ وارد ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد رقمطراز ہیں (۲): پھر دوسرے دن معاویہ بیٹھا اور اپنے کاتبوں کو اس طرح بیٹھایا کہ وہ جو بھی حکم دے وہ اسے سن سکیں۔

اس کے بعد حاجب و دربان کو حکم دیا کہ کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ دیں اگر چہ وہ مقرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد کسی کو حسین بن علی علیہما السلام اور عبداللہ بن عباس کو بلانے کیلئے روانہ کیا۔ ابن عباس جلدی آ گئے تو انہیں اپنے بائیں جانب بٹھایا اور ان کو باتوں میں پھنسائے رہا یہاں تک کہ حسینؑ آ گئے جیسے ہی آپ وارد ہوئے تو معاویہ نے آپ کو اپنے داہنے جانب بٹھایا، امام حسنؑ کے بچوں کے بارے میں سوال کیا اور ان کے سن وسال کو دریافت کیا امام حسینؑ نے سب کا جواب دیا۔

پھر معاویہ نے ایک خطبہ دیا۔ شروع میں خدا اور رسول کی حمد وثنا کی پھر شیخین اور عثمان کا تذکرہ کیا اس کے بعد یزید کی بیعت اور یہ کہ وہ اس کوشش میں ہے اس کی بیعت کے ذریعہ اجتماع کے شگاف کو بھر دے، کے سلسلے میں گفتگو کی پھر قرآن وسنت سے اس کی دانائی کے موضوع پر گفتگو کی نیز یہ بھی کہا کہ وہ حلم و بردباری سے آراستہ ہے مناظرہ وسیاست میں بھی ان لوگوں پر ترجیح رکھتا ہے اگر چہ وہ لوگ سن وسال کے اعتبار سے اس سے بہت بڑے ہیں (۳) اور رشتہ داری میں اس سے برتر ہیں۔ پھر غزوہ ذات السلاسل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عمر بن عاص کو ابوبکر وعمر اور اکابر صحابہ پر امارت عطا کی تھی اسے دلیل کے عنوان سے پیش کیا اور آخر میں ان

---

(۱)۔ اس انداز گفتگو سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خود ام المومنین نے بھی اس بات کو قبول کرلیا تھا جو معاویہ چاہتا تھا۔

(۲)۔ ابن قتیبہ، ج۱، ص۱۶۸، ۔۱۷۲۔

(۳)۔ اس سے پہلے ہم نے یہ مشاہدہ کیا کہ معاویہ نے زیادہ سن وسال والا ہونے کی بنیاد پر خود کو امام حسنؑ پر خلافت میں ترجیح دینے کی دلیل قرار دیا تھا اور یہ وہ اکلوتی دلیل تھی جسے معاویہ اپنے لئے خلافت کی صلاحیت کیلئے بیان کر رہا تھا۔ مقام سوال یہ ہے کہ کس طرح یہ دلیل اس مورد میں کارگر نہیں ہے؟!

لوگوں سے درخواست کی کہ وہ لوگ اس کا جواب دیں۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں: ابن عباس کلام کرنے پر آمادہ ہوئے تو حسینؑ نے ان سے کہا: تم صبر کرو اس کا مقصود میں ہوں (۱) اور تہمت میں میرا حصہ زیادہ ہے۔ پھر آپ اٹھے، خدا کی حمد وثنا کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجا اور فرمایا:

اما بعد : یا معاویه . فلن یودی القائل وان أطنب فی صفة الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من جمیع جزء ا، وقد فهمت ما لبست به الخلف بعد رسول الله من ایجاز الصفة، التنکب عن استبلاغ البیعة. وهیهاتِ هیهات یا معاویة، فضح الصبح فحمة الدجا، وبهرت الشمس انوارِ السُرُج، ولقد فضلت حتی افرطت ،واستأثرت حتی اجحفت ومنعت حتی بخلت، وجرت حتی جاوزت، ما بذلت لذی حق من اسمِ حقه من نصیب، حتی أخذ الشیطان حظه الاوفر، ونصیبه الاکمل.

"وفهمت ما ذکرته عن یزید من اکتماله وسیاسته لامة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تریدأن توهم الناس فی یزید، کأنک تصف محجوبا أو تنعت غائبا، أو تخبر عما کانک احتویته بعلم خاص، وقد دل یزید من نفسه علی موقع رأیه، فخذ لیزید فیما أخذ به من استقرائه الکلاب المهارشة عنه التحارش، والحمام السُبَّق لاترابهن، والقینات ذوات المعازف، وضروب الملاهی تجده ناصراً.

ودع عنک ما تحاول!!. فما أغناک ان تلقی الله بوزر هذا الخلق بأکثر مما أنت لاقیه، فوالله ما برحت تقدح باطلا فی جور، و حنقا فی ظلم، حتی ملئت الاسقیة، وما بینک وبین الموت الآ غمضة،فتقدم علی عمل محفوظ فی یوم مشهود، ولات حین مناص.

"وذکرت القیادة الرجل القوم بعهد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما صار ذلک لعمرو یومئذ،

---

(۱)۔ کیونکہ امام حسنؑ کے بعد صاحب خلافت آپ جناب ہی تھے اولاً اپنے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریحی دلیل کے مطابق اور ثانیاً صلح نامہ کے متن کے مطابق.

حتى أنف القوم امرته، وكرهوا تقديمه، وعدوا عليه أفعاله، فقال رسول الله ﷺ: لاجرم معشر المهاجرين، لا يعمل عليكم بعد اليوم. فكيف تحتج بالمنسوخ من فعل الرسول في أوكد الاحوال و أولاها بالمجمع عليه من الصواب؟ أم كيف ضاهيت بصاحب تابعاً؟ و حولك من يؤمن في صحبته، ويعتمد في دينه و قرابته، تتخطاهم الى مسرف مفتون، تريد أن تلبس الناس شبهة، يسعد بها الباقي في دنياه، وتشقى بها في آخرتك. ان هذا لهو الخسران المبين، واستغفر الله لي ولكم".

قال: " فنظر معاوية الى ابن عباس، فقال: ما هذا يا ابن عباس؟ ولما عندك أدهى وأمرا. فقال ابن عباس: لعمر الله، وانه لذرية الرسول، وأحد أصحاب الكساء، ومن البيت المطهر فالهُ عما تريد، فان لك في الناس مقنعا، حتّى يحكم الله بأمره، وهو خير الحاكمين.

امابعد: رسول خدا ﷺ کے اوصاف کو بیان کرنے والا کتنا ہی مفصل بیان کرے لیکن چند فضائل کے مجموعہ کے علاوہ کچھ بھی بیان نہیں کرسکتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد ان کے جانشین کے سلسلہ میں، میں نے تیری مغالطہ آمیز باتوں کو سمجھ لیا۔ (۱) کہ مختصر بیان کیا اور سلسلہ کلام کو بیعت تک پہنچانے سے اجتناب کیا (۲) هیهات اے معاویہ سپیدہ سحری نے شب کی تاریکی کو رسوا کردیا اور سورج نے چراغوں کے نور کو محو کردیا تو نے اس گفتگو میں کچھ لوگوں کو برتری دیدی اور اس میں افراط کا راستہ اختیار کیا اور کچھ لوگوں سے منصب کو مخصوص کردیا اور اس راہ میں ظلم کیا۔ حق کو اس کے مالک سے چھین لیا اور بخل و کنجوسی سے کام لیا۔ تو نے ستم کیا اور تجاوز سے کام لیا۔ اور اس

---

(۱)۔ اس جملہ کے ذریعہ معاویہ کی مغرضانہ صفت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ خلفاء کی شمارش میں آپ کے بابا علیؑ کا نام نہیں لیا۔

(۲)۔ اس جملہ کی عربی عبارت یہ ہے: "والتنكب عن استبلاغ البيعة" اس جملہ میں بہت زیادہ دقت کے بعد مندرجہ بالا ترجمہ کے علاوہ کوئی دوسرا ترجمہ ذہن میں نہیں آیا مرکزی نقطہ نظر لفظ استبلاغ البیعہ جو کتاب لغت اقرب الموارد میں موجود نہیں ہے کسی دوسری لغت یا کسی ایسے عربی دان سے رابطہ کا موقع نہیں ہے جو ان عبارتوں سے آشنا ہو۔

میرے گمان کے مطابق تو امامؑ کا مقصود یہ ہے کہ گزشتہ تین خلفا حضرات کا ذکر کرنے کے بعد سلسلہ کلام کو اس خلیفہ تک تو نہیں لے گیا جو مجموعی بیعت کے ذریعہ خلیفہ ہوا تھا (حضرت علیؑ)۔ عبارت فہم اور زبان آشنا سے امید ہے کہ اس جملہ کے قطعی معنی سے آشنائی کی صورت میں مجھے مطلع کریں گے (فارسی مترجم)

ذات کا حصہ جو اس کا حق تھا نہیں دیا یہاں تک کہ شیطان نے اپنا حصہ بطور کامل حاصل کرلیا۔(۱)

تو نے جو یزید اور اس کے کمال اور اس کی سیاست کے بارے میں امت محمد کیلئے بیان کیا میں نے سمجھ لیا، تو اس کلام کے ذریعہ یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو اس کے سلسلہ میں غلط فہمی کا شکار کردے۔ گویا تو کسی ناواقف شخص کے سلسلے میں گفتگو کررہا ہے یا کسی پوشیدہ چیز کا وصف بیان کررہا ہے یا کسی ایسی چیز کے بارے میں خبر دے رہا ہے جس کے سلسلے میں تیرے علاوہ کوئی آگاہ ہی نہیں ہے!

یزید نے اپنی حقیقت و شخصیت کو خود ظاہر کردیا ہے! بہتر ہے کہ اس کے سلسلے میں وہ چیزیں بیان کر جن کیلئے وہ ہمیشہ کوشاں رہتا ہے؛ کتوں سے کھیل کود، شکاری کتوں کو دوڑانا، کبوتر بازی، گانے بجانے والی کنیزوں کو اکٹھا کرنا اور اسی قسم کے دوسرے عیش ونوش کے واقعات کو اس کیلئے بیان کر۔ ایسی صورت میں تیرا بیان سچائی پر مشتمل ہوگا۔

جو سودا تیرے سر میں ہے اس سے صرف نظر کرلے! تیری مصلحت میں نہیں ہے کہ مخلوق الٰہی کا بوجھ اٹھائے اور اس کا ذمہ دار ہو اور اس سے زیادہ تو خدا کی بارگاہ میں لے جائے! خدا کی قسم باطل کے راستہ پر تو اس قدر ظالمانہ انداز سے گامزن ہے اور قوم وملت پر اس قدر ظالمانہ انداز میں غیض وغضب سے پیش آتا ہے کہ اب صبر کے پیمانے لبریز ہوچکے ہیں۔ جبکہ تیرے اور موت کے درمیان ایک پلک جھپکنے سے زیادہ کا فاصلہ نہیں ہے... اس باقیماندہ زندگی میں ایسے کام انجام دے کہ تیرے روز جزا کیلئے ذخیرہ ہوسکے کیونکہ اس دن بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

عہد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو نے اس لشکر کے درمیان سپہ سالار کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ منصب عمرو کو جس وقت دیا گیا اسی وقت اس جماعت نے اسے اپنے لئے ننگ وعار شمار کیا اور اس کی سپہ سالاری کو ناپسند کرنے لگے اور اس کے برے کارناموں کو شمار کرنے لگے، یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنابریں اے گروہ مہاجر! اس کے بعد وہ تم پر کسی قسم کی حکومت کا حامل نہیں ہوگا۔ پس تو کس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل سے استدلال کرتا ہے جو اسی حساس ترین حالات میں اسی وقت منسوخ ہوگیا تھا؟ یا یہ کہ جو تابعین میں ہے اسے صحابہ کے برابر قرار دیتا ہے؟ جبکہ تیرے اطراف وہ افراد موجود ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت میں مورد اطمینان اور دین وپیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱)۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ معزضانہ ظلم شیطان کی ارزو کو جو نفاق اور تفرقہ ایجاد کرنا ہے، کامل کرتا ہے۔

قرابت میں مورد اعتماد ہیں۔تو ان لوگوں کو ایک تجاوز گر، خطا کار اور گمراہ شخص کیلئے دعوت دے رہا ہے۔ تو لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ دنیا میں اپنے بیٹے (یزید) کو خوشبخت کرنا چاہتے ہو اور اپنے آپ کو آخرت میں روسیاہ اور بد بخت کرنا چاہتے ہو حقیقتاً یہ واضح و آشکار خسارت اور گھاٹا ہے۔خدا سے اپنے اور تیرے لئے مغفرت کا طالب ہوں۔

راوی کا بیان ہے: معاویہ نے ایک نگاہ ابن عباس کی طرف کی اور کہا: کیا کہتا ہے اے فرزند عباس؟! یقیناً جو تیرے دل میں ہے وہ اس سے بھی سخت اور تلخ ہے! ابن عباس نے جواب دیا: خدا کی قسم وہ فرزند رسول، اصحاب کساء کے ایک فرد اور اس پاک و پاکیزہ خاندان سے وابستہ ہیں۔تو جس چیز کی فکر میں ہے اس سے ہاتھ کھینچ لے یہی لوگ تیرے لئے کافی ہیں تا کہ خدا اپنے فرمان کے مطابق حکم کرے اور وہ بہترین حکم کرنے والا۔

ابن اثیر اور دوسرے مورخین کے بیان کے مطابق اس کے بعد معاویہ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔اس سے قبل حسین بن علیؑ، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمن بن ابوبکر اور ابن عمر مکہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ جب مکہ میں اس کی اقامت کے آخری ایام قریب آئے تو اس نے ان لوگوں کو بلوایا.....اور ان لوگوں سے کہا: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ پہلے ہی سے یہ بات تم لوگوں کے گوش گزار کر دوں کہ جو شخص پہلے سے ڈرائے اس کے پاس عذر ہے اس سے پہلے میں تم لوگوں کے درمیان خطبہ دیا کرتا تھا تو تم میں سے کوئی کھڑا ہو جاتا تھا اور لوگوں کے درمیان مجھے جھٹلا دیتا تھا لیکن میں اسے برداشت کر لیتا تھا اور اس کو درگزر کر دیتا تھا۔اب مجھے پھر لوگوں سے کچھ گفتگو کرنی ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ تم میں سے اگر کوئی بھی اس گفتگو کی مخالفت میں ایک حرف بھی بولے گا تو اس کا جواب سننے سے قبل تلوار اس کے سر پر ہوگی، اپنی جان کی فکر میں رہو!

اس کے بعد اس نے اپنی سپاہ کے سردار کو بلایا اور ان لوگوں کے سامنے اس سے کہا: ان لوگوں میں سے ہر ایک کے سر پر تلوار اٹھائے ہوئے افراد کو کھڑا کر دو۔ان میں سے جو بھی میری تصدیق یا تکذیب میں کچھ کہے تو بلا فاصلہ وہ دو افراد اس شخص پر تلوار چلا دیں۔

اس کے بعد معاویہ باہر آیا اور وہ لوگ بھی اس کے ساتھ باہر آئے، معاویہ منبر پر گیا اور حمد و ثنا الٰہی کے بعد اس طرح گویا ہوا: یہ لوگ مسلمانوں اور نیک کرداروں کے سرور و سالار ہیں کوئی کام بھی ان لوگوں کے نظریہ کے بغیر

انجام پذیر نہیں ہونے دیتا اور کوئی بھی حکم ان کے مشورہ کے بغیر صادر نہیں ہوتا اور یہ لوگ راضی ہو چکے ہیں اور انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے!! خدا کے نام سے تم سب بیعت کر لو!... اور اس طرح لوگوں نے بیعت کر لی۔

اس شدید سختی اور زبردستی کے ساتھ وہ منصوبہ اور دشمن ساز بیعت معرض وجود میں آئی اور اس کی پیدائش میں بزرگوں کے سروں پر برہنہ تلواریں کھینچنے کے علاوہ کوئی دوسری چیز موثر نہیں تھی، پس یہ بیعت سازشوں، دشمنیوں اور دھمکی کا نتیجہ ہے۔ جب اسلامی خلافت اس شکل اور ترتیب کے ساتھ جامہ عمل پہنے تو پھر ایسے اسلام پر سلام بھیج دینا چاہیے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہر وہ حکمران جو مسلمانوں کے ایک گروہ کے امور کو اپنے ہاتھوں میں لے اور ان امور میں خیانت کرے تو خدا بہشت کو اس پر حرام کر دے گا۔

۳۔ تیسری شرط سے وفا (حضرت علیؑ کو برا کہنے سے روکنا)

ابن اثیر رقمطراز ہیں:

"معاویہ جب بھی قنوت پڑھتا تھا تو علیؑ، ابن عباس، حسن و حسین اور مالک اشتر پر لعنت بھیجا کرتا تھا۔"(۱)

اور ابو عثمان جاحظ نے اپنی کتاب "الرد علی الامامیہ" میں لکھا ہے کہ:

معاویہ اپنے خطبہ کے آخر میں کہا کرتا تھا: خدایا! ابوتراب (یعنی علیؑ) تیرے دین میں ملحد ہو گیا ہے اس نے لوگوں کو تیرے راستہ سے روک دیا ہے پس اس پر لعنت کر ایسی لعنت جو شدید اور عذاب والی ہو وہ بھی دردناک عذاب۔ اسی عبارت کو اس نے تمام شہروں میں لکھ کر روانہ کیا اور یہی کلمات تمام منبروں سے بیان کئے جاتے تھے۔(۲)

مروان سے کہا گیا: ان کو منبروں سے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ہماری حکومت اس عمل

---

(۱)۔ النصائح الکافیہ/تالیف، ابن عقیل، ص ۱۹۔۲۰۔

(۲)۔ وہی سابق حوالہ۔

کے بغیر استوار نہیں ہو سکتی۔

اس راہ میں معاویہ کی کارکردگی اور کوشش نے سیر و تاریخ کی تمام کتابوں کو بھر ڈالا ہے۔ لہذا وہ، سب سے پہلا ایسا شخص ہے جس نے پیغمبر اکرم کے صحابہ پر اعلانیہ طور پر گالی دینے کی بدعت کو رائج کیا ہے اور اس باب کو مستقبل کیلئے کھول دیا معاویہ سے پہلے ہم کسی ایسی ذات کو نہیں پہچانتے جو اسی عمل کا مرتکب ہوا ہو ہاں عائشہ کے سلسلے میں ملتا ہے کہ وہ کہا کرتی تھی: ''نعثل'' کو مار ڈالو وہ کافر ہو گیا ہے'' اور علمائے اسلام کے درمیان ہم کسی کا بھی سراغ نہیں رکھتے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی عائشہ یا معاویہ کو (اس دلیل کی بنیاد پر کہ صحابہ کو برا بھلا کہنا جائز سمجھا ہے حتیٰ معاملہ تکفیر اور کافر بنانے تک پہنچا دیا) کافر سمجھا ہو اور دین سے خارج کے عنوان سے شناسائی کرائی ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے کام ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں اور زمانے کے اختلاف سے تغیر پذیر نہیں ہوتے ہیں لہذا وہ لوگ جو معاویہ یا کسی دوسرے صحابی کو گالیاں دیا کرتے ہیں یا لعنت بھیجا کرتے ہیں۔ وہ بھی کسی کم و زیادتی کے بغیر اسی حکم میں آتے ہیں جس میں معاویہ اور عایشہ، علی اور عثمان کو گالیاں دے کر اور ان پر لعنت بھیج کر شامل ہیں۔

اب رہا سوال اس جعلی حدیث کا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول سے بیان کی جاتی ہے کہ میرے جس صحابی کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے تو وہ اس حد تک تخصیص کی حامل ہو گئی کہ اس کی عمومیت حجیت سے گر گئی! اور اگر یہ روایت بطور عام حجت ہوتی تو وہ اصحاب رسول خدا جنہوں نے دوسرے صحابیوں کو برا بھلا کہا ہے وہ دوسروں سے پہلے اس پر عمل کرتے۔ اگر معاویہ، ستارگان آل محمدؑ کو برا بھلا کہنے سے اپنی زبان کو (کہ خود اسے اپنے مقصد تک پہنچنے کیلئے ان کی پیروی کرنا چاہیے تھا) روک لیتا تو لوگ اس پر اور اس جیسے دوسرے ستمگروں پر لعن طعن سے خود کو روک لیتے، اس طرح تعصب آمیز چیخ پکار خاموش ہو جاتی اور صلح مسلمانوں کی مصلحت پر تمام ہو جاتی۔

لیکن یہ وہ گندا بیج تھا جسے معاویہ نے جان بوجھ کر ڈالا تھا اور خود اس نے اور اس کے قریبی لوگوں نے اس کی آبیاری اور تربیت کی ہے یہاں تک کہ تاریخ اسلام میں یہ کام کانٹوں کے جال کی طرح پھیل گیا۔ اس کام کے ذریعہ سادہ لوح افراد کو دھوکہ دیا گیا اور جاہلوں کو اس سے گمراہ کیا گیا اور تاریخی ننگ و عار کو اسلامی سنت بتایا گیا۔ اس انفرادی کام کو اجتماعی بنا دیا گیا اور اسے بہت اہمیت دیدی گئی اور اگر کوئی اسے ترک کرتا تھا تو لوگ احتجاج

کرتے تھے اور اس کیلئے دلیلیں پیش کرتے تھے۔(۱)

خدا کی بارگاہ اور مسلمانوں کے درمیان معاویہ کے پاس کوئی ایسا عذر نہیں جو ان بری یادگاروں کی توجیہ کر سکے اور اس کے تاریخی ریکارڈ میں چھوٹی سے چھوٹی کوئی سربلندی اور شکوہ وعظمت موجود نہیں ہے جو دوسروں کے رشک یا اس کی نیک نامی اور آبرومندی کا ذریعہ بن سکے۔ اگر چالاکی، کام سے آشنائی اور دھاء اسی معنی میں ہے کہ انسان خود کو ہمیشہ کیلئے ذلیل ورسوا اور زمین بوس کر لے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ معاویہ چالاک ترین اور مکار ترین انسان تھا۔

معاویہ کی چالاکی اور امور سے آشنائی کا ایک سب سے جالب نمونہ یہی صورتحال ہے جو امام حسن علیہ السلام کے ساتھ صلح کی صورت میں اس کیلئے پیش آئی اور گرفتاری ورسوائی وبدبختی وفضاحت جو اس کی ساری زندگی اور مرنے کے بعد بھی اس کیلئے وبال جان ہوگئی۔

صلح (وہی صلح جس کے وقوع پر معاویہ کو اتنا اصرار تھا کہ جس کی خاطر تمام ذرائع ووسائل کا سہارا لے رہا تھا) لوگوں کی نگاہ میں اس معنی میں تھی کہ اسلحہ توڑ دیے جائیں اور عیب جوئی کرنے والوں کی زبان بند ہو جائے اور ہر شخص انہیں حدود ومشخصات کے مطابق عمل پیرا ہو جسے صلح نامہ کی قرارداد معین کرے۔ صلح نامہ کی تیسری شرط یہ حکم کر رہی تھی کہ ناسزا اور گالی گفتہ کا دروازہ بند رہے۔ پس اگر معاویہ واقعی صلح کا طالب ہے یا واقعا ان قسموں اور عہد وپیمان کی بنیاد پر صلح نامہ میں درج شرائط سے وفا کا قصد رکھتا ہے تو اس کو اس حکم پر گردن جھکا دینی چاہیے تھی اور سب وشتم کی زبان کو بند کر دینا چاہیے تھا۔

لیکن وہ ذلیل انسان صلح کو صرف اس لئے چاہتا تھا کہ اس کی فوج ایک مدت کیلئے آسودہ خاطر ہو جائے اور خود وہ فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کے دردسر سے نجات پا جائے (جیسا کہ ہم نے پہلے ہی عرض کیا) وہ صلح کی ان شرائط کی رعایت کرنے کا کوئی قصد نہیں رکھتا تھا یا خود کو ان عہد وپیمان کی انجام دہی پر ملتزم نہیں سمجھتا تھا اس نے صلح کے کاغذ پر دستخط تو کر دیا لیکن یہ دستخط صرف کاغذ پر ایک نقش تھا۔ قسمیں کھائیں، عہد وپیمان باندھے لیکن یہ تمام باتیں صرف زبان کی حد تک محدود رہیں اس کے پیچھے کسی بھی ذمہ داری اور تعہد کا احساس باقی نہیں تھا۔

---

(۱)۔ بحث کی وضاحت آخذ کے ذکر کے ساتھ ۱۴ویں فصل میں گزر چکی ہے۔

کوفہ آیا اور منبر پر جا کر علیؑ و حسنؑ کو برائی سے یاد کیا اور جب امام حسینؑ جواب دینے کیلئے اٹھنے لگے تو امام حسنؑ نے ان کو بیٹھا دیا اور جو کچھ کہنا چاہیے تھا وہ بڑے حکیمانہ انداز میں خود بیان فرمایا (اور یہ خطبہ اور وہ بیان جو اس سے قبل معاویہ نے پیش کیا تھا وہ ۱۸ویں فصل میں گزر چکا ہے)

وہ جواب جو لوگوں نے امام حسنؑ کو ان کے خطبہ کا دیا فتح کے خمار میں مست معاویہ کو اچھا نہ لگا۔ اس نے احساس کیا کہ نئے طریقہ سے ایک نئے حملہ کو پرورش دینے کیلئے ایک ایسے خلق وخو کو فراہم کیا جائے کہ ہرگز تاریخ میں کوئی اس پر رشک نہ کر سکے (اور وہ وہی فحاشی وطعن وبدزبانی کی خلق خو تھی) یہ طریقہ بالکل اسلامی اخلاقیات کے برخلاف اور دین کی ان تعلیمات کے بالکل برعکس تھا جس میں گالی دینے اور برا بھلا کہنے کی مذمت کی گئی ہے اور مہربانی وبرادری ومحبت کی دعوت دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ دین کا بیان یہ ہے: مومن کبھی بھی برا بھلا کہنے والا، گالیاں دینے والا، طعنہ دینے والا اور لعنت بھیجنے والا نہیں ہوسکتا۔

ابو الحسن علی بن محمد بن ابو یوسف مدائنی کتاب ''الاحداث'' میں رقمطراز ہے:

سال جماعت (۱) کے بعد معاویہ نے تمام شہروں کو بہ یک زباں لکھا: ہر اس شخص سے امان اٹھالی گئی ہے جو ابو تراب اور ان کے خاندان کے فضائل میں کوئی بھی حدیث نقل کرے۔ اس فرمان کے بعد خطباء نے ہر آبادی اور شہر میں منبروں سے علیؑ پر لعنت اور ان سے اظہار بیزاری کیلئے زبانیں کھول دیں اور ان کے اور ان کے خاندان کے بارے میں ناروا بیانات جاری کرنے لگے۔ اس زمانے میں سب سے زیادہ مصیبتوں میں گرفتار اہل کوفہ تھے کیونکہ اس شہر میں علیؑ کے بہت سارے شیعہ اقامت گزین تھے۔ (۲)

صلح کے بعد معاویہ نے جب مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا والی بنانا چاہا تو اسے بلایا اور اس سے کہا: آج سے پہلے اس بردبار انسان کیلئے بہت ساری مشکلات سامنے آئیں اور اس نے تمہیں تعلیمات کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں دی میں تمہیں بہت سارے کاموں کی تلقین کرنا چاہتا تھا لیکن تیری سیاست کے پیش نظر اُن سے چشم پوشی کرتا ہوں صرف ایک سفارش سے دست بردار نہیں ہوسکتا: علیؑ پر سب وشتم (مذمت کو ہرگز

---

(۱)۔ وہ سال جس میں امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان صلح ہوئی تھی۔

(۲)۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۵۔

ترک نہ کرنا)۔(۱)

مغیرہ کے بعد زیاد کو کوفہ پر مسلط کیا وہ لوگوں کو اپنے محل میں جمع کرتا تھا اور علی علیہ السلام پر لعنت بھیجنے کے سلسلے میں آمادہ کرتا تھا اور جو بھی اس سے انکار کرتا تھا تلوار کا لقمہ بن جاتا تھا۔(۲)

بصرہ میں بسر بن ارطاہ کو حکومت پر منصوب کیا وہ منبر پر خطبہ دیا کرتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا: میں قسم دیتا ہوں کہ جو بھی مجھے اس بات میں سچا سمجھتا ہے وہ میری گفتگو کی تصدیق کرے اور جو مجھے جھوٹا سمجھتا ہے وہ جھٹلا دے، طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''یہ سن کر ابوبکرہ چیخ اٹھا ہم تجھے جھوٹے کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھتے! یہ سن کر بسر نے حکم دیا: اسے مار ڈالو۔ لیکن چند لوگوں نے مل کر اسے حکومت کے کارندوں سے نجات دلائی۔''(۳)

مدینہ کا والی جو مروان بن حکم تھا وہ کسی جمعہ کو بھی منبر پر علی علیہ السلام کو گالیاں دینا ترک نہیں کرتا تھا۔ ابن حجر مکی لکھتے ہیں: حسنؑ اسے جانتے تھے لہذا نماز کے وقت کے علاوہ مسجد میں نہیں جاتے تھے۔ مروان اس پر بھی راضی نہ ہوا اور کسی کو حسن علیہ السلام کے گھر پر روانہ کیا تا کہ وہ وہاں جا کر انہیں اور ان کے باپ کو بے شمار گالیاں دے۔(۴) ''صلح کے بعد معاویہ حج پر گیا تو ایک دن طواف میں سعد بن ابی وقاص اس کے ساتھ تھے جب وہ طواف سے فارغ ہوا تو ''دار الندوہ'' کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچ کر سعد کو بھی اپنے پاس تخت پر بیٹھایا اور علی علیہ السلام پر سب وشتم کیلئے زبان کھول دی۔ ناگہاں سعد کھڑے ہو گئے اور اپنے راستہ پر چلنے لگے اور بولے: مجھے اپنے پاس بیٹھاتے ہو اور پھر علیؑ کو گالیاں دیتے ہو؟ خدا کی قسم اگر علیؑ کے اوصاف وخصائل میں ایک خصلت مجھ میں ہوتی تو میں خود کو سورج کی روشنی جن جن چیزوں پر چمکتی ہے اگر وہ میری ہوتی تو میں ان سب سے زیادہ اس خصلت پر راضی ہوتا۔ خدا کی قسم اگر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داماد ہوتا یا میرے بچے علی کے بچوں جیسے ہوتے تو سورج جن چیزوں

---

(۱)۔ابن اثیر، ج۴، ص۱۸۷، طبری، ج۶، ص۱۴۱.

(۲)۔مسعودی (حاشیہ ابن اثیر) ج۶، ص۹۹.

(۳)۔ طبری، ج۲، ص۹۶، ابن اثیر ج۳، ص۱۰۵.

(۴)۔ النصایح الکافیۃ، ص۷۳، پر رجوع کریں۔ چاپ اول.

پر چمکتا ہے اس سے زیادہ مجھے یہ بات محبوب ہوتی، خدا کی قسم اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے وہی کہا ہوتا جو جنگ خیبر میں علی کیلئے کہا تھا (کل میں علم اس کے سپرد کروں گا جس سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت کرتے ہیں اور وہ خدا اور رسول سے محبت کرتا ہے) تو میرے لئے یہ چیز جن جن چیزوں پر سورج چمکتا ہے اس سے زیادہ محبوب ہوتی۔ خدا کی قسم اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے وہی کہا ہوتا جو جنگ تبوک میں علی سے کہا تھا (کیا راضی نہیں ہو کہ میں اور تم موسیٰ اور ہارون کی طرح رہیں مگر یہ کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے؟) تو یہ چیز سورج کی روشنی جن جن چیزوں پر پڑتی ہے اس سے زیادہ میرے لئے یہ بات قیمتی ہوتی۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں تیرے گھر پر قدم بھی نہیں رکھوں گا۔" (۱)

مسعودی نے سعد کو دیئے گئے معاویہ کے جواب کو بھی ذکر کیا ہے لیکن وہ اتنا گندہ اور ناپسند ہے کہ میں قلم کو اس کی تصریح سے برتر سمجھتا ہوں۔ بہر حال یہ بھی اس کے اخلاقی اور روحانی انحطاط اور پستی کی ایک دوسری دلیل ہے۔

۴۔ چوتھی شرط وفا (دارابجرد کا خراج)

طبری کا بیان ہے:

اہل بصرہ، حسنؑ کو دارابجرد کا خراج دینے سے مانع ہو گئے اور کہنے لگے: یہ ہمارا فائدہ ہے: (۲)

ابن اثیر رقمطراز ہیں:

ان کی (یعنی اہل بصرہ کی) مخالفت بھی معاویہ ہی کے حکم سے تھی!! (۳)

۵۔ پانچویں شرط سے وفا (امنیت)

یہ شرط تمام مسلمانوں خاص طور پر شیعیان علی کیلئے تھی اور یہ کہ حسن و حسین علیہما السلام اور ان کے خاندان کیلئے آشکار یا پوشیدہ طریقہ سے ان کی زندگی کے خاتمہ کے ارادہ سے کوئی سازش نہ رچی جائے۔

---

(۱)۔ مسعودی حاشیہ ابن اثیر، ج۶، ص۸۱۔۸۲.

(۲)۔ طبری، ج۶، ص۹۵.

(۳)۔ ابن اثیر، ج۳، ص۶۱۲.

اس شرط سے مربوط موضوعات میں مورخین کے بیانات بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بعض ان عظیم حادثوں اور دردناک واقعات کی توصیف ہے جو معاویہ کے زمانے میں اموی حکام کے ہاتھوں شیعوں کے ساتھ روا رکھی گئی۔ ان میں سے بعض ان واقعات کا تذکرہ ہے جس میں خصوصی طور پر معاویہ نے اصحاب امیر المومنین کی ممتاز شخصیتوں کے ساتھ انجام دیا ہے اور آخر کار ان خیانتوں کا تذکرہ بھی ہے جو اس نے امام حسنؑ اور ان کے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ کی ہیں۔

ہم ان گفتگوؤں کو مذکورہ ترتیب کے ساتھ مطالعہ کرنے والوں کی خدمت میں پیش کریں گے۔

● ساتویں فصل :

معاویہ اور علی علیہ السلام کے شیعہ

وہ اموی سیاست جس کی بنیاد معاویہ نے رکھی تھی اور اس کے بعد دوسرے اموی حکمرانوں نے جس کا سلسلہ جاری رکھا، وہ یہ تھی کہ لوگوں کے درمیان اپنی طرف سے ایسے سرور وسردار بنائیں کہ تمام اچھے اوصاف منحصر طور پر انہیں سے مخصوص ہوں اور حلم ودرایت وشجاعت وفصاحت ان میں سے صرف ایک خداداد عطیہ ہے جو منحصر طور پر انہیں لوگوں میں موجود ہے اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے!!

اس پالیسی کو مستحکم کرنے کیلئے ان لوگوں نے ایک بے بنیاد تاریخ بنائی جس کے سر سے پاؤں تک جعلی حدیثیں، گھڑی ہوئی کہانیوں، رنگ برنگے جھوٹ، اور بے بنیاد دعاؤں کا ایک سلسلہ تشکیل دیا تھا اس کے بعد ضمیر فروش واعظ اور اسلامی مملکت کے تمام شہروں کے مدارس میں معلمین کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ ان تحریر شدہ مطالب کو جو بے جا ستائش اور خلاف واقع بدگوئیوں پر مشتمل تھے بحث ومذاکرہ کے مرحلہ میں قرار دیں اور جہاں تک ان کی قدرت تھی اپنی فعالیت کو نوعمر بچوں کی محبت حاصل کرنے اور ان نونہالوں کی ایمانی حس کو برانگیختہ کرنے کیلئے ان کی درایت اور کارآشنائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری طاقت صرف کردی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نئی نسل ایک کوتاہ مدت کے بعد ایک ایسی عظیم سپاہ میں تبدیل ہوگئی جو اپنے پاک خون کو آسانی سے اموی پرستی کے ناپاک مقاصد پر قربان کرنے کیلئے آمادہ تھی اور خون کا سیلاب زمین کو رنگین کر رہا تھا اور اس طرح وہ نوکر وخدمت گزار اور کارکن افراد جو اس فاتح کمیٹی کے سربراہ ہوتے تھے اپنے اموی ارباب کی خدمت کیا کرتے تھے۔

اس گروہ کی نگاہ میں واحد مقصد جو تھا وہ یہ کہ دنیا کی سرداری، حکومت، ثروت اور دیگر دنیاوی لذتیں اور بے مقدار نعمتیں اپنے ہاتھوں میں لے لیں جو انہیں پر منحصر ہوں اور یہ وہ چیز تھی جس پر دیندار اور دین خواہ افراد یعنی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان اور بااخلاص ومستحکم افراد کبھی بھی اس پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان دو گروہوں

یعنی بااخلاص مسلمین اور اسلامی میراث کے حاملین اور اموی حاکمین کے گروہ کے درمیان دائمی مخاصمت اور کشمکش یہاں سے وجود میں آتی ہے۔

طبری نے اپنی تاریخ میں زید بن انس کے حوالے سے معاویہ کے دور میں عمومی طور پر شیعوں کی گھٹن اور اضطراب کی صورتحال کو مختصر تشریح کے ساتھ ذکر کیا ہے، منجملہ شیعوں میں سے ایک کی زبانی کسی دوسرے کو خطاب کے عنوان سے یوں ذکر کیا ہے:

''تم لوگوں کو خاندان پیغمبر سے دوستی کی بنیاد پر قتل کیا کرتے تھے؛ تمہارے ہاتھ اور پیروں کو کاٹ دیا کرتے تھے؛ تمہاری آنکھوں کو باہر نکال لیا کرتے تھے اور تمہارے جسموں کو کھجور کے درخت پر آویزاں کر دیتے تھے لیکن اس کے باوجود تم لوگ اپنے گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھے اپنے دشمنوں کی فرمانبرداری کیا کرتے تھے۔''(۱)

یہ روایت اختصار کے باوجود تعجب آور ماحول اور ہولناک مناظر کی منظر کشی کرتی ہے کہ مسعودی نے (وہ عبارت جو اس سے پہلے نقل کی جا چکی ہے) ان میں سے کچھ مطالب کے علاوہ روایت نہیں کی ہے۔

مدائنی (متوفی ۲۲۵ھ) اور سلیم بن قیس (متوفی ۷۰ھ) دونوں میں سے ہر ایک نے ان دہشت بار مناظر اور غم انگیز مظالم کا بطور کامل نقشہ کھینچا ہے ''سلیم بن قیس'' جو معاویہ کے زمانے میں زندگی بسر کر رہے تھے اور معاویہ کی موت کے ۱۰ سال

بعد دنیا سے رخصت ہوئے ہیں خود ان واقعات کے عینی شاہد اور ان عمومی رعب اور گھٹن کے شکنجہ میں رہے ہیں، عینی شاہد سے بہتر کون گواہ ہو سکتا ہے؟ لہذا اس مرحلہ میں ان کی عبارت ترجیح رکھتی ہے گرچہ شاید مدائنی کے بیان میں ان کے بیان سے ذرہ برابر بھی اختلاف نہ ہو۔

وہ لکھتے ہیں:

معاویہ اپنی خلافت کے زمانے میں یعنی امیر المومنین کی شہادت اور امام حسنؑ سے صلح کے بعد حج کو گیا۔ اہل مدینہ منجملہ قیس بن سعد (جو انصار کی بزرگ شخصیت اور بزرگ انصار کے

---

(۱)۔ تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۰۴۔

فرزند تھے)اس کے استقبال کو گئے ۔ معاویہ اور قیس کے درمیان تبادلہ سخن ہوا یہاں تک کہ یہ دونوں خلافت کے موضوع پر پہنچے ۔قیس نے کہا: میں قسم کھاتا ہوں کہ علیؑ اور اولاد علی کی موجودگی میں انصار یا قریش بلکہ عرب وعجم میں کسی کیلئے بھی خلافت میں کوئی حق نہیں ہے یہ سن کر معاویہ غضبناک ہوگیا اور اپنے تمام کارکنوں کو بیک زبان لکھ کر روانہ کیا: '' جان لو! کہ جو بھی علی اور ان کے خاندان کی فضیلت نقل کرے گا امان اس سے اٹھالی گئی ہے۔''

خطباء نے ہر آبادی اور ہر مکان میں منبروں پر جا کر علیؑ اور ان کے خاندان پر لعنت کیلئے زبان کھول دی اور ان سے اظہار براءت کیا اور انہیں بہت برا بھلا کہا اور ان پر لعنتیں بھیجنے لگے۔

پھر معاویہ قریش کے ایک گروہ کی طرف سے گزرا تو ان سب نے جب اسے دیکھا تو ابن عباس کے علاوہ سارے کے سارے اس کے احترام میں کھڑے ہوگئے معاویہ نے کہا: اے ابن عباس کوئی چیز بھی تمہارے لئے مانع نہ تھی کہ تم اپنے دوسرے رفیقوں کی طرح کھڑے ہوجاتے مگر جنگ صفین کا کینہ۔اے فرزند عباس! حق تو یہ ہے کہ میرے چچازاد بھائی عثمان کو مظلومیت کے ساتھ قتل کیا گیا۔ابن عباس نے کہا: عمر بھی مظلومیت ہی کے عالم میں قتل کئے گئے تھے پس حکومت ان کے پسماندگان کو دے دو اور یہ ان کا بیٹا ہے۔معاویہ نے جواب دیا: عمر کو کافر نے قتل کیا تھا: ابن عباس: تو عثمان کو کس نے قتل کیا۔معاویہ: مسلمانوں نے ابن عباس: یہ بات تو تمہاری حجت ودلیل کو باطل کرنے کیلئے بہتر ہے، اگر انہیں مسلمانوں نے قتل کر کے چھوڑ دیا تو چار وناچار یہ کام صحیح تھا۔ معاویہ: میں نے ساری دنیا کو لکھ دیا ہے کہ کوئی بھی علیؑ اور ان کے خاندان کی فضیلت بیان نہ کرے، ابن عباس اپنی زبان کو سنبھالو!

ابن عباس نے جواب دیا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو مجھے قرآن پڑھنے سے روک رہا ہے؟ معاویہ: نہیں، ابن عباس: تو پھر تاویل قرآن سے منع کر رہا ہے؟ معاویہ: ہاں: ابن عباس: اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پڑھوں اور سوال نہ کروں کہ خدا کا مقصود کیا ہے۔معاویہ: ہاں! ابن عباس: آیا قرآن پڑھنا زیادہ واجب ہے یا اس پر عمل کرنا؟ معاویہ: عمل زیادہ واجب ہے۔ابن عباس: جب تک ہم آیات سے خداوند عالم کے مقصود نہیں سمجھیں گے اس پر عمل کیسے کریں گے۔معاویہ: قرآن کو ان لوگوں سے پوچھو جو تمہاری اور تمہارے گھرانے کی روش پر تفسیر نہ

کرتے ہوں۔ ابن عباس: قرآن میرے گھرانے پر نازل ہوا اور تم کہتے ہو کہ میں اس کی تفسیر آل ابوسفیان اور آل ابو معیط سے پوچھوں، معاویہ: قرآن پڑھو لیکن خداوند عالم نے جو تمہارے بارے میں یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اس بارے میں کہا ہے اس کی روایت نہ کرو۔ دوسری چیزوں کی روایت کرو۔ ابن عباس: خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں جبکہ خدا اپنے نور کو کامل کرکے رہے گا گرچہ کافروں کو یہ بات نہ پسند ہو۔'' معاویہ: اے عباس کے لڑکے! اپنی زندگی کو میرے انتقام سے بچالے اور اپنی زبان کو میرے طرف سے پلٹالے! اگر کچھ کہنے پر مجبور ہو تو خاموشی سے کہو کسی کو سننے کا موقع نہ دو! اس کے بعد وہ اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ گیا اور ہر جگہ پر علیؑ اور ان کے خاندان اور ان کے شیعوں اور پیروکاروں پر بلا و مصیبت کی بارش ہونے لگی۔ ان تمام شہروں کے درمیان سب سے بری حالت کوفہ کی تھی کیونکہ شیعوں کا ایک خاص حصہ وہاں ساکن تھا۔ معاویہ نے وہاں زیاد بن ابیہ کو کارکن بنایا اور کوفہ و بصرہ دونوں جگہ کی حکومتیں اس کے حوالے کردیں وہ بھی شیعوں کی تلاش میں لگ گیا اور چونکہ وہ خود اسی شہر کے شیعوں میں سے تھا لہذا ان سب کو اچھی طرح پہچانتا تھا اس طرح وہ لوگ جس گوشہ اور جس پتھر اور سائبان کے نیچے تھے سب پر دست رسی حاصل کرلی۔ کچھ کو قتل کردیا تو کچھ کو بے پناہ اور بے گھر کردیا رعب و دہشت کو دلوں میں ڈال دیا۔ کچھ لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹ کر کھجور کے درخت پر لٹکا دیا اور کچھ لوگوں کو اندھا کردیا.....

معاویہ نے اپنے ججوں اور والیوں کو تمام جگہوں پر یہ لکھ کر روانہ کردیا کہ ان لوگوں کی گواہی ہرگز قبول نہ کی جائے جو علی علیہ السلام کے فضائل کی روایت کرتے ہیں اور ان کی برتری کی گفتگو کرتے ہیں۔ اس نے اپنے کارکنوں کو پھر لکھا: غور کرو جو بھی عثمان کے چاہنے والوں اور اس کے پیروں کاروں میں سے تمہارے نزدیک اور اس کی فضیلت کو نقل کرتا ہو اور اس کی برتری اور افضلیت کا قائل ہو اس کی تکریم کرو اور دوسروں پر اس کو فوقیت دو اور جو بھی اس سلسلے میں کوئی حدیث روایت کرے تو اس راوی کا نام اور پتہ لکھ کر میرے پاس روانہ کرو.... اور پھر ان سب کے جزا اور انعامات روانہ کئے اور عرب و موالی کیلئے بیت المال سے ایک حصہ مقرر کیا لہذا اس قسم کے افراد کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی اور ان کے درمیان گھروں اور دولتوں میں رقابتوں کا اضافہ ہوگیا اور دنیا ان لوگوں کیلئے فراخ اور کشادہ ہوگئی۔

اس نے اپنے کارکنوں کو پھر ایک خط لکھا: عثمان کے سلسلے میں حدیث بہت ہو چکی ہے جب میرا یہ خط تم لوگوں تک پہنچے تو لوگوں کو ابوبکر و عمر کے سلسلے میں حدیث کیلئے دعوت دو۔ تمام قاضیوں اور والیوں نے اس خط کو لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور لوگ ان لوگوں کے حالات و فضائل کے سلسلے میں حدیثیں بیان کرنے لگے۔ پھر اس نے ان سب کے مجموعے کو ایک کتاب کی شکل دے دی اور اس کتاب کو اپنی ولایت کے تمام کارکنوں تک روانہ کیا اور حکم دیا کہ منبروں پر تمام آبادی و شہروں اور مسجدوں میں اسی کو پڑھا جائے اور یہ لکھا کہ مدارس کے اساتذہ کو حکم دیا جائے کہ یہ کتاب بچوں کو پڑھائیں اور بچے جس طرح قرآن پڑھتے ہیں اسی طرح اس کتاب کو بھی پڑھیں اور روایت کریں حتیٰ لڑکیوں اور کنیزوں کو بھی اس کی تعلیم دی جائے۔ اس کے بعد پھر اپنے کارکنوں کو یہ لکھ کر روانہ کیا: جو بھی شہادت دے یہ شخص علیؑ اور خاندان علیؑ کا چاہنے والا ہے اس کا نام دیوان سے مٹا دو۔ پھر ایک خط اور لکھا: جو بھی علی کی محبت میں متہم ہو ہر چند اس کیلئے گواہ موجود نہ ہو اسے قتل کر دو۔ اس کے بعد حالت یہ ہوئی کہ لوگ ہر جگہ تہمت و گمان و شبہ کی صورت میں قتل کئے جانے لگے نوبت یہ پہنچی کے لوگ ایک کلمہ کے جرم میں قتل کئے جانے لگے !! روز بروز بلاؤں میں شدت پیدا ہو رہی تھی۔ دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جھوٹی حدیثیں برملا روایت ہو رہی تھیں اور لوگ اسی کیفیت و حالت میں پروان چڑھ رہے تھے اور ان جھوٹی باتوں کے علاوہ کسی دوسری چیز کی تعلیم حاصل نہیں کر رہے تھے۔

اس کے درمیان سب سے بدتر، ریاکار اور ظاہر پرست قاریوں کی حالت تھی کہ جو دکھاوے کیلئے بڑے ہی خضوع و خشوع سے عبادت کیا کرتے تھے اور جھوٹی باتیں بیان کیا کرتے تھے تاکہ خود کو حکام کے نزدیک مقرب ثابت کر سکیں اور اس طریقہ سے پیسہ، دولت اور گھر اپنے لئے فراہم کر لیں۔ آہستہ آہستہ یہ حدیثیں ان لوگوں تک پہنچ گئیں جو انہیں صحیح سمجھتے تھے اور ان لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی اس کی تعلیم دی اور تدریجی طور پر یہ حدیثیں ان دینداروں کے ہاتھ لگ گئیں جو جھوٹ کو جائز نہیں سمجھتے تھے چونکہ صحت و صدق کا گمان اس میں ان کیلئے تھا لہذا ان لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ اگر ان لوگوں کو معلوم ہوتا کہ یہ باطل اور جھوٹ ہے تو کبھی اس کی روایت نہ کرتے اور اس پر اعتقاد نہ رکھتے۔ اور جب حسن بن علی علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو فتنہ اور بلا میں روز افزوں اضافہ ہو گیا اور یہ کام پہلے سے بھی کہیں زیادہ شدید ہو گیا۔

مؤلف : ابو الحسن مدائنی نے بھی (۱) بعینہ اسی متن کی روایت کی ہے اور آخر میں اس طرح ذکر کیا ہے:

''کام اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ حسن بن علی علیہ السلام شہید ہو گئے تو اس وقت بلا اور فتنہ میں اور اضافہ ہو گیا اور اس گروہ میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا مگر یہ کہ یا تو اپنی جان سے خوف زدہ تھا یا آوارہ وطن اور سرگرداں گھوم رہا تھا۔''

یہ وہ صورتحال ہے جو آپس میں دشمنی رکھنے والے دو گروہ کے حالات کی تحقیق کے بعد ممکن دکھائی دیتی ہے اور مسلسل حوادث کی رونمائی میں تاریخی تناسب اس بات کی تصدیق کیلئے کافی ہیں لہذا دوسرے مورخین کی چشم پوشی اور اس سے غفلت اس مطلب کے ضعف اور اس کی سستی کا سبب نہیں بن سکتی کیونکہ وہ لوگ (البتہ ان لوگوں کے عذر کو اس سلسلے میں قبول کر لینا چاہیے) صرف حکومت وقت کی قدرت کے منافع کی راہ میں (یا کم از کم اس حد تک کہ ان قدرتوں کے نقصان میں نہ ہو) اپنی تحریروں کو فراہم کرتے تھے۔

اس سے قبل ہم نے ملاحظہ کیا کہ طبری اور مسعودی نے بھی ان تمام مطالب کی طرف بڑے اختصار سے اشارہ کیا۔ لہذا اس سلسلے میں ہمارے مدارک و ماخذ صرف سلیم بن قیس، مدائنی، ابن ابی الحدید، طبری اور مسعودی کی تحریریں ہیں۔

خدا کی راہ میں کتنے لوگ اپنے خون میں نہائے اور کتنے اجتماع پراگندہ ہوئے، کتنے گھر ویران اور اس کے ساکن آوارہ وطن اور بے گھر ہوئے یا بکریوں کے ریوڑ کی طرح قتل گاہ کی طرف کھینچے گئے۔ بعض افراد نے زندگی سے ہاتھ دھولیا تو بعض اپنی تقدیر کے انتظار میں باقی رہ گئے لیکن اپنی روش کو تبدیل نہیں کیا۔

یہ تھی وہ تدبیر کہ خلافت کو حاصل کرنے کیلئے معاویہ نے اپنے اور اپنے بچوں کیلئے جس کی فکر کی تھی۔

اور یہ تھی وہ نئی روش کہ جسے خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان سے وفا کرنے کیلئے اس نے انجام دیا تھا۔

---

(۱)۔ابن ابی الحدید کے بیان کے مطابق (ج ۳، ص ۱۵۔۱۶)

اس کے بعد سلیم بن قیس لکھتے ہیں:

''معاویہ کی موت سے ایک سال قبل حسین بن علیؑ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر حج کو گئے بنی ہاشم کے مرد وزن اور ان کے موالی اور انصار میں سے جو بھی حسینؑ کے ہمراہ آیا تھا اور حسینؑ اسے اور اس کے گھر والوں کو پہچانتے تھے سب کو آپ نے ایک جگہ جمع کیا پھر کچھ لوگوں کو روانہ کیا اور ان کو یہ کام سپرد کیا کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے جو خیر وصلاح اور عبادت میں معروف ہیں اور اس سال خانہ خدا کی زیارت کیلئے حج کو آئے ہیں ان سب کو آپ کی خدمت میں لے کر آئیں۔ ۷۰۰/ سے زیادہ تابعین اور ۲۰۰/ کے آس پاس صحابہ منیٰ میں امام حسینؑ کے خیمہ میں جمع ہو گئے۔

اس وقت آنحضرت خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے اور حمد وثنای الٰہی کے بعد فرمایا: تم سب نے دیکھا۔ جانا اور سمجھ لیا ہے۔ اب میں تم سے سوال کرتا ہوں اگر میں سچ کہوں تو میری تصدیق کرنا اور جھوٹ بولوں تو میری تکذیب کرنا۔ میری باتوں کو غور سے سنو اور میری گفتگو کو لباس تحریر سے آراستہ کرو پھر اپنے شہروں اور قبیلوں کی طرف پلٹ کر ہر اس شخص کو جس پر تمہیں اعتماد ہے ہمارے اس حق کی طرف دعوت دو جسے تم جانتے ہو کیونکہ اس بات کا خوف ہے کہ کہیں یہ امر فراموشی کی نذر نہ ہو جائے اور حق مٹا دیا جائے اور مغلوب کر دیا جائے جبکہ خدا اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے گرچہ یہ بات کافروں کو ناپسند ہو۔''

اس کے بعد آپ نے ان تمام آیات کو جو آپ لوگوں کے سلسلے میں نازل ہوئی تھیں ان سب کی تلاوت فرمائی اور تفسیر کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ بھی آپ کے پدر بزرگوار، آپ کی مادر گرامی آپ کے برادر گرامی اور خود آپ کیلئے بیان فرمایا تھا سب کچھ بیان کر دیا ان سب مطالب میں صحابہ بہ یک آواز کہہ رہے تھے ہاں یہ بات صحیح ہے ہم

نے یہ بات خود سنی ہے اور خود دیکھی ہے اور تابعین کہہ رہے تھے: ہاں ان حقائق کو ہمارے لئے ان اصحاب نے نقل کیا ہے جو ہماری نگاہ میں موردِ وثوق و تصدیق تھے۔ اس وقت حضرت نے فرمایا: پس میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ان مطالب کو ہر اس شخص سے بیان کرو جس پر اور اس کے دین پر تم کو اطمینان ہو۔

● آٹھویں فصل :

معاویہ اور شیعوں کی معزز شخصیتیں

صلح کے بعد شیعوں کی نمایاں شخصیتوں کے مدمقابل معاویہ کا جو چہرہ سامنے آیا وہ ایسے انتقام لینے والے کا چہرہ تھا جس کے ہاں ترحم اور عہد و میثاق کا لحاظ اسے روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

وہ خوف جو اسے ان بزرگوں اور معزز شخصیتوں کی موثر تبلیغات سے ستا رہا تھا، وہ ان لوگوں کو اذیت پہنچانے، شہر بدر کرنے، قتل کرنے اور جڑ سے اکھاڑ دینے کی کوشش میں بہت موثر ثابت ہوسکتا تھا۔ اس وقت ہم ان تمام مظالم اور جنایتوں کو بیان کرنا نہیں چاہتے جن کا معاویہ ان بزرگ افراد کے سلسلے میں مرتکب ہوا ہے۔ یا وہ تمام وسیع و عمیق سازش جنہیں معاویہ نے ان بزرگوں کے سلسلے میں رچی تھی صرف ان کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ بس اس حد تک کہ اس اموی مرد کی اپنے عہد و پیمان اور قسموں سے وفا کی میزان آشکار ہو جائے اس سلسلے میں اس کے بعض اقدامات، بعض سازشوں اور نیتوں کو بیان کریں گے اور یہی مختصر سی گفتگو قاری کو اس تفصیل سے جس تک ہماری رسائی نہ ہوسکی یا رسائی کے باوجود ہم نے اسے ذکر نہ کرنے کو ترجیح دیا، بے نیاز کر دے گی۔

آئندہ آنے والے زمانے میں ان برزگ شخصیتوں کے حالات مورخین کی ناانصافی کا شکار ہو گئے (مورخین سے دادانصاف نہ لے سکی) اور گند تعصب اس پرفراز تاریخ کے درخشاں پہلو کو چھپانے میں (کہ جو خود نسلوں کی عبرت کا سرمایہ ہوسکتا تھا) اہم کردار ادا کر گیا اور حکومت وقت کی قدرت نے ان تاریخی تحریروں ان کے مطالب کو جو حدیث کی صورت میں لکھے جاتے تھے جہت دینے میں بہت کام کیا اور شیعہ ائمہ کے سلسلے میں (چہ جائیکہ شیعوں کی بڑی شخصیتیں یا معمولی افراد) جو چاہا وہ کہا اور لکھا۔

ابن عرفہ معروف بہ ''نفطویہ'' جو بزرگ اور سرشناس مورخین میں شمار کیا جاتا ہے اس نے اپنی تاریخ میں ایک ایسی بات لکھی ہے جو ہماری بیان کردہ باتوں سے مناسبت رکھتی ہے۔

اس کا بیان ہے: اکثر و بیشتر حدیثیں جو صحابہ کے سلسلے میں گھڑی گئیں وہ بنی امیہ کے زمانے میں گڑھی گئیں اور ان کا تقرب حاصل کرنے کیلئے فراہم کی گئیں؛ کیونکہ ان لوگوں کا گمان تھا کہ اس کام کے ذریعہ یہ لوگ بنی ہاشم کو کچل سکتے ہیں۔

مدائنی معاویہ کے زمانے کے حالات کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہے: بہت زیادہ جعلی حدیثیں اور رائج و معروف جھوٹ وجود میں آئے اور فقہاء و قضاۃ و حکام نے اس پر عمل کیا۔ اس درمیان ریاکار قاریوں کی بلائیں کہ جو خضوع و خشوع اور عبادت کا اظہار کرتے تھے، بہت زیادہ تھیں۔

یہ لوگ حکام سے تقرب اور دربار میں راستہ پانے کیلئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور اس راستہ سے اتھاہ مال و ثروت حاصل کرتے تھے. پھر یہ روایتیں ان دین باور افراد تک پہنچتی تھیں جو جھوٹ اور بہتان کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور وہ لوگ اسے قبولیت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے اور اس گمان میں رہتے تھے کہ یہ سچ اور صحیح ہے لہذا ان روایتوں کو نقل کر دیا کرتے تھے. اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ روایتیں باطل اور غیر صحیح ہیں تو نہ ہی ان کی روایت کرتے اور نہ ہی اس پر عقیدہ رکھتے۔(۱)

ابن ابی الحدید کا بیان ہے: ہمارے استاد ابو جعفر اسکافی نے فرمایا: معاویہ نے صحابہ میں کچھ لوگوں اور تابعین کی کچھ شخصیتوں کو ایسی بری اور ناپسند روایتوں کو علی علیہ السلام کے سلسلے میں نقل کرنے کیلئے برانگیختہ کیا جو لعنت اور براءت کا سبب ہوں۔ اس کے بالمقابل ان کیلئے قابل ذکر پاداش بھی مقرر کی اور ان لوگوں نے ہر اس چیز کو گھڑ ڈالا جو اس کی خوشنودی کا سبب ہو سکتی تھی۔ منجملہ ان افراد میں ابو ھریرہ، عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ قابل ذکر ہیں اور تابعین میں عروہ بن زبیر کا نام لیا جا سکتا ہے۔(۲)

مؤلف: تھوڑی سی دقت اور تعصب کی نگاہ سے ہٹ کر اگر نتیجہ حاصل کیا جائے تو یہ نتیجہ کافی ہوگا کہ ہر شخص کو اس نتیجہ تک پہنچا دے کہ درحقیقت وسیع و عریض تصرفات نے ایک ساتھ حدیث اور تاریخ دونوں کو تحریف کا مرکز بنا دیا ہے۔ وہ بھی اس حد تک کہ ہر محقق اسلام کے ابتدائی دور میں بڑے ہی افسوس کے ساتھ اس بات کا

---

(۱)۔شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۶.

(۲)۔شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۳۵۸.

مشاہدہ کرتا ہے کہ اس زمانے میں اسلامی تاریخ کے اہم واقعات میں سے کوئی بھی واقعہ ایسا نہیں ہے جو یک رنگ اور تاریخی تسلسل کے لحاظ سے ان چیزوں کی ملاوٹ سے سالم رہ گیا ہو جو اسے شک وتردید کا ہم نشین بنا سکتی ہیں اور عمومی راستے سے ہٹا سکتی ہیں۔

ان مذکورہ عبارتوں کے تذکرہ کے بعد کوئی ضرورت نہیں ہے کہ جعل وتحریف (۱) کے رواج اور جعال (گھڑنے والے) افراد کی کثرت کے سلسلے میں گواہیوں اور تصریحات کو بیان کیا جائے کیونکہ ہر واقعہ کے بہترین گواہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نزدیک سے انہیں دیکھا ہے۔

امام حسن علیہ السلام کا ماجرا بھی اپنے تمام متعلق واقعات اور حاشیہ آمیز قضیوں کے ساتھ انہی واقعات میں سے ایک ہے جو ہوا وہوس اور سیاسی تمایلات کی باد سموم کے حوالے کر دیا گیا اور حوادث میں اضافہ کرنے، کم کرنے اور کچھ ملانے کے لحاظ سے تصرف اور تحریف کی مسموم ہواؤں کا شکار ہو گیا اور اس افسوسناک کھیل نے (البتہ اس میں سب کے سب عمداً نہ تھے جیسا کہ سب کے سب اتفاقی بھی نہ تھے) اپنے واقعی شکوہ وجمال کو اپنے ہاتھوں کھو دیا اور اس حالت کا طبیعی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے حاصل شدہ نتائج مختلف اور اس کے سلسلے میں بے حد وحساب گفتگو ہو۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے واقعات میں سے مظالم کا یہ صرف ایک نمونہ ہے کہ جس پر تاریخ نے ظلم کیا ہے اور اس پر تاریکی کا ایک پردہ ڈال دیا ہے۔

وہ لوگ جو امام حسن علیہ السلام کے سلسلے میں قلم فرسائی کر رہے تھے وہ بخوبی ان کو پہچانتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ اسلامی دنیا کی دو گراں بہا اور بے نظیر شخصیتوں میں سے ایک ذات کے سلسلے میں زبان کھول رہے ہیں۔

اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ واقعات جو ایسی خصوصیت کے حامل نہ ہوں اور ان کا موضوع ایک امام کی شخصیت کی حد تک نہ پہنچتا ہو اس کا نتیجہ معلوم ہے کہ کیا ہو گیا۔

---

(۱)۔ علامہ امینی نجفی نے اپنی کتاب الغدیر میں ج ۵، ص ۱۸۵ تا ۳۲۹ پر ان جعل سازوں اور جھوٹوں کے سلسلے میں ایک بہت ہی اہم اور قیمتی بحث پیش کی ہے اور وہاں ۶۲۰ ایسے جھوٹے حدیث گڑھنے والوں کا تذکرہ کیا ہے جنہیں حدیث وتاریخ کی روایت کرنے والوں میں شمار کیا گیا ہے۔

فارسی مترجم: جس زمانے میں یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں یہ وہ ہفتہ ہے جس میں عالم اسلام، اس علامہ محقق ومجاہد سے محروم ہو گیا آپ اور آپ کے آثار کی ناتمامی کا داغدار بنا بیٹھا ہے۔

لہذا اس کی امید نہیں رکھنی چاہیے کہ ''معاویہ اور شیعوں کی معزز شخصیتوں'' کے موضوع پر ان تمام حقائق کی طرف رسائی ہو جائے جو کسی بحث کے تمام زاویوں اور پہلوؤں کو مکمل کرتے ہیں اور وہ دقیق اعداد و شمار جو دامن بحث کے شامل حال ہوں اور مدائنی کی روایت اور سلیم بن قیس کی گفتگو سے مناسب ہوں ہمارے لئے مہیا کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ اس قسم کا ہر مطلب بلکہ بطور کلی شیعہ تاریخ کا واقعی مطلب ہر زمانے میں عداوت آمیز تصرفات کے ساتھ مورد تجاوز قرار پایا ہے اور جلوہ گر جھوٹ نے اسے مسخ کر دیا ہے۔

ایسی صورت میں ہمارے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم تاریخ کی وادی میں دوبارہ قدم رکھیں اور یہاں وہاں سے ٹکڑے ٹکڑے منتخب کریں اور ان پراگندہ اور منتشر اجزاء سے ایک میدان بحث (جو اپنی تمام برائیوں اور خرابیوں کے ساتھ ہے) کی شکل وصورت عطا کریں البتہ یہ کام واقعیت کا ایک گوشہ اور بہت ساری واقعیات میں سے بہت کم حقیقت سے پردہ ہٹالے گا۔

آئندہ صفحات میں ان بزرگ مرد صحابہ یا تابعین کی زندگی کے مراحل کی اندوہناک فہرست قاری کے سامنے پیش کی جائے گی اور اس کی روشنی میں صلح نامہ کی پانچویں شق کا جواب جو معاویہ نے دیا ہے وہ روشن ہو جائے گا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے متفرق فصلوں میں اس شق کے مختلف حصوں پر تحقیق ہوتی رہے گی۔

الف: وہ شہداء جو بے دفاع قتل کیے گئے

۱۔ حجر بن عدی کندی

آپ کو لوگ حجر خیر (نیک سرشت حجر) کے نام سے پہچانا کرتے تھے۔ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور آپ کے والد عدی بن حرث بن عمرو بن حجر تھے جو "زھرہ خوار" (اہل کندہ کا بادشاہ) کے لقب سے معروف تھے۔ بعض مورخین نے آپ کے آباء واجداد کے سلسلہ کو اس طرح ذکر کیا ہے: عدی بن معاویہ بن جبلة بن عدی بن ربیعہ بن معاویہ کہ ان میں سے ہر ایک قبیلہ کندہ کی بزرگ اور شرافتمند ہستیاں شمار ہوتی تھیں۔(۱)

---

(۱)۔ قبیلہ کندہ، بنی کھلان کی نسل سے ہے جو ابتداء میں یمن میں ساکن تھا لیکن بعد میں اس قبیلہ کے بہت سارے بزرگ ہجرت کر کے عراق آ گئے تھے۔ "کھلان" اور "حمیر" سباء بن یشحب بن یعرب بن قحطان کے بیٹے تھے اور سباء کا نام ان دونوں قبیلوں کے سلسلہ نسب میں ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ بات معروف تھی کہ عرب ھاشم بن عبد منافؑ کے خاندان کے بعد دوسرے چار قبیلوں کو شرافت اور بزرگی میں یاد کیا کرتے تھے خاندان قیس فزاری، خاندان دار میین، خاندان بنی شیبان اور یمنی خاندانوں میں حارث بن کعب کا خاندان لیکن کندہ ان خاندانوں میں شمار نہیں کئے جاتے تھے بلکہ بادشاہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور وہ گمراہ بادشاہ "امراء القیس" انہیں میں سے تھا۔

یہ گروہ حجاز اور یمن دونوں میں حکمراں تھا۔ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کی شان وشوکت اپنی جگہ برقرار تھی اسلامی انقلابات اور فتوحات میں ان میں سے بعض کا نام یاد کیا جاتا تھا ان میں سے بعض گورنر کے درجہ پر فائز تھے۔ بعض حسین بن حسن حجری قضاوت کے منصب پر فائز تھے۔ بعض جعفر بن عثمان مکفوف کی طرح پایہ کے شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ ھانی بن جعد بن عدی (حجر کے بھتیجے) اشراف کوفہ میں شمار ہوتے تھے۔ اشعث اور عباس بن جعفر امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کے شیعوں میں سے تھے لیکن خود اشعث کوفہ کے سب سے بڑے منافقین میں سے تھا۔ اسلام لایا پھر پیغمبر کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا پھر دوبارہ اسلام لایا تو ابوبکر نے اس کے اسلام کو قبول کر لیا اور اپنی بہن جو محمد بن اشعث کی ماں تھی اس سے شادی کر دی اور امام حسنؑ نے اس کی بیٹی کو اپنے حبالہ عقد میں لیا اور یہی وہ عورت ہے جس نے معاویہ کے دھوکہ میں آ کر امام حسنؑ کو زہر دیدیا۔

آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نیز حضرت علی وامام حسنؑ کے بزرگ اصحاب اور کوفہ کے مسلمانوں کی معزز شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔

آپ اور آپ کے بھائی ھانی بن عدی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے۔

کتاب استیعاب میں مرقوم ہے: حجر صحابہ کی بافضل شخصیتوں اور ان میں سن رسیدہ لوگوں کے درمیان سنی اعتبار سے چھوٹے تھے۔'' اسی قسم کی بات اسد الغابہ میں بھی موجود ہے حاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متقی و پارسا شخصیتوں میں سے بھی تھے جب وضو ٹوٹ جاتا تھا تو وضو کرتے تھے اور روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا تقویٰ اور پارسائی نمایاں اور آپ کی دعا مستجاب تھی (۱) آپ برگزیدہ ترین افراد کے درمیان مورد اعتماد تھے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دیا وہ بھی اس حد تک کہ قتل ہونے کیلئے آمادہ ہوگئے۔ لیکن اپنے امام سے اظہار براءت نہیں کیا اور یہ وہ مرحلہ ہے جہاں قدموں میں تھرتھری آجاتی ہے اور تمناؤں کا وہاں گزر نہیں ہے۔

وہ سپاہ جس نے شام کو فتح کیا اور وہ فوج جس نے قادسیہ کو فتح کیا اس میں آپ جنگجو افراد کی صف میں تھے۔ جنگ جمل میں بھی حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ جنگ میں شریک تھے۔ جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے اور جنگ نہروان میں میسرہ (بائیں محاذ) کے سردار تھے۔ آپ وہی شیر بیشہ شجاعت ہیں جس نے '' تدمر '' کے جنوبی علاقے میں ضحاک بن قیس کو دھول چٹائی اور وہی ہیں جو کہا کرتے تھے: ہم فرزندان جنگ ہیں اسی کو بار آور اور تناور درخت بناتے ہیں اور پھر اس سے پھل حاصل کرتے ہیں اس نے ہم کو آزمالیا ہے اور ہم نے بھی اسے آزمالیا ہے۔

آخر کار اسلام کے آپ وہ پہلے سپاہی ہیں جو بے دفاع قتل کر دیئے گئے۔

---

(۱)۔ الاصابۃ ج ۱، ص ۳۲۹ پر تحریر ہے: اسیری کے عالم میں آپ مجبب ہوگئے تو سپاہی سے کہا کہ پانی دو تا کہ طہارت کرلوں اور اس کے بدلے میں مجھے کل پانی مت دینا۔ تو سپاہی نے کہا: مجھے خوف ہے کہ پیاس کی شدت سے آپ کہیں مر نہ جائیں اور اس وجہ سے معاویہ مجھے قتل کردے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ سن کر حجر نے دعا کی اور خدا سے پانی طلب کیا، ناگہاں بادل آیا اور بارش ہونے لگی اور وہ جس قدر پانی چاہتے تھے وہ حاصل کرلیا۔ یہ دیکھ کر ان کے ساتھیوں نے کہا: آپ دعا کریں کہ خدا ہمیں نجات عطا فرمائے تو انہوں نے فرمایا: خدایا جس میں ہماری بہتری ہے ہمیں عطا فرما۔

معاویہ نے آپ کو اور آپ کے چھ (۶) ساتھیوں کو ۵۱ ہجری میں دمشق کے غوطہ نامی علاقے سے ۱۲ میل قبل مرج عذرا کے مقام پر شہید کر دیا۔ آپ کی قبر بھی نمایاں اور معروف ہے اور اس پر ایک سیدھا گنبد ہے جس سے اس کے قدیم ہونے کی علامت واضح ہے۔ اسی قبر کے پاس ایک وسیع مسجد ہے اور چھ (۶) افراد جو آپ کے ساتھ شہید کیے گئے تھے وہ بھی اسی ضریح میں آپ کے ساتھ مدفون ہیں ان کے بارے میں بھی ہم کچھ بیان کریں گے۔ کوفہ میں آپ کے گھر کو زیاد بن ابیہ نے ویران کر دیا۔

حجر کے قتل کا سبب

جب مغیرہ اور زیاد، حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہتے تھے تو آپ ان کی باتوں کو رد کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ جس کی تم لوگ مذمت کر رہے ہو وہ تعریف و تمجید کا زیادہ مستحق ہے اور جس کی تعریف کر رہے ہو وہ مذمت کا زیادہ مستحق ہے۔'' اور یہ مرحلہ ایسا تھا کہ جب حجر اس جملہ کو با آواز بلند کہا کرتے تھے تو دو تہائی لوگ ان کے ہم آواز ہو کر کہا کرتے تھے۔ ''خدا کی قسم حجر نے سچ کہا اور بہت اچھا کہا۔''

مغیرہ اپنی حکومت کے دوران حجر کی موقعیت و اہمیت کو واقعیت کی روشنی میں تولتا تھا اور آپ کو ایک فاضل صحابی کی نگاہ سے جو شیعوں کی ایک سربراہ شخصیت ہے اور وہ عرب نسل کا امیر ہے جس کے پاس قبیلہ کندہ کی ریاست آباء و اجداد سے ارث میں پہنچی ہے، دیکھا کرتا تھا۔ اس نے خود اپنے کانوں سے ان لوگوں کے نعروں کو سنا تھا جو اس سے اور اموی حکومت کی سطوت سے ڈرے بغیر حجر کی تایید کیا کرتے تھے۔ لہذا اس نے مصلحت اس میں دیکھی کہ آپ کے کام میں تامل اور غور و خوض سے کام لے اور اپنے ان مشاوروں کو جو مسلسل حجر کو سزا دینے کے سلسلے میں اپنا نظریہ پیش کیا کرتے تھے کسی نہ کسی طرح قانع کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان لوگوں سے کہا: میں نے حجر کو قتل تک پہنچا دیا۔ ان لوگوں نے پوچھا: تمہارا مقصود کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے بعد ایک امیر آئے گا تو حجر اس کو بھی میری ہی طرح سمجھے گا اور اسی طرح جو دیکھے گا رفتار کرے گا اور وہ شخص اسے پہلے ہی مرحلہ میں گرفتار کرے گا اور بدترین حالت میں اسے قتل کر دے گا۔

مغیرہ حجر کے سلسلے میں مدبرانہ اور نفاق آمیز رویہ اپنائے ہوئے تھا مستورد بن علفہ خارجی کے فتنہ میں ۴۳ ہجری میں صعصعہ بن صوحان کو دیے گئے جواب میں بھی وہی نفاق آمیز روش مدنظر تھی۔ اس نے

صعصعہ سے کہا:

''ہرگز میں نہ سنوں کہ آشکار طور پر تم علیؑ کے فضائل زبان پر لاؤ کیونکہ تم علیؑ کی فضیلت میں کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جس سے میں آشنا نہ ہوں بلکہ میں ان کے فضائل میں تم سے زیادہ دانا ہوں لیکن ابھی یہ صاحب قدرت (یعنی معاویہ) ہم پر مسلط ہے اور ہمیں علیؑ کی عیب جوئی پر برانگیختہ کئے ہے لیکن ہم اس میں اکثر و بیشتر چیزوں کو چھوڑ چکے ہیں صرف ان چیزوں کو جن سے گریز نہیں ہے بیان کرتے ہیں تا کہ ہماری جان محفوظ رہے۔''(۱)

۵۰ یا ۵۱ ہجری میں مغیرہ کی موت کے بعد سمیہ کا لڑکا (زیاد) کوفہ کا والی ہوا اور اس نے ضروری سمجھا کہ بنی امیہ سے موہوم نسبت کا خیال رکھتے ہوئے حجر بن عدی کو قتل کر ڈالے اور امویوں کو اپنے سب سے بڑے مخالف اور بغاوت کرنے والے سے آسودہ خاطر کر دے۔ جبکہ وہ اس سے غافل تھا کہ جب تک حجر اور بنی امیہ کا نام باقی ہے اس مخالفت اور بغاوت کا خون ہمیشہ ان لوگوں کیلئے ننگ تاریخ رہے گا۔

نئے حاکم نے خطبہ جمعہ کو اتنا طول دیا کہ نماز جمعہ کا محدود وقت تنگ ہو گیا حجر (جو ان کی جمعہ و جماعت میں حاضر ہوتے تھے) پکار اٹھے: نماز! لیکن زیاد نے خطبہ کو جاری رکھا۔ دوبارہ حجر کی آواز بلند ہوئی: نماز! لیکن زیاد نے خطبہ کو پھر بھی جاری رکھا۔ حجر جنہیں خوف تھا کہ کہیں جمعہ کا فریضہ۔ فوت نہ ہو جائے انہوں نے ہاتھ سے ایک مشت ریگ اٹھائی اور وہاں سے نماز کی خاطر دوسری جگہ پر آ گئے آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

حجر کی اجتماعی حیثیت اور عبادت اور پارسائی کی روح ایسی نہ تھی کہ وہ دینی امور میں سستی کو جگہ دیتے یا سستی کرنے والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آتے۔

وہ خود میں یہ فکر کیا کرتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کے اصحاب میں سے کچھ افراد اس بھیڑ میں ہوں گے جن پر ممکن ہے کہ یہ یاد دہانیاں اثر انداز ہوں اور شاید اگر ناپسند کاموں کی برائی اس کے ہمراہ ہو تو یہ نفع بخش ہو۔ یہی سبب تھا جس کی بنیاد پر حق کی حمایت اور مخالفین کی برائی میں زبان کھولی تھی اور دین و امام و نماز کی راہ میں زبان سے جہاد کیلئے اسی طرح قیام کیا جس طرح اس سے قبل اسلامی فتوحات میں تلوار کے ذریعہ جہاد کیا تھا۔

---

(۱)۔ طبری، ج ۶، ص ۱۰۸۔

بنی امیہ کی حکومت میں ان کے جرائم کی فائل میں صرف دو جرم تھے ایک یہ کہ علی کو برا بھلا کہنے والوں کی طرف ان کی ناسزا گفتار کو پلٹا دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ نماز کے اول وقت کا دفاع کرتے ہیں۔ بس یہی جرم تھا اور اس کے علاوہ کوئی جرم نہ تھا!

زیاد نے اپنے مطیع اطرافیوں اور بے دام غلاموں کو بلایا جو اس کی حکومت میں دنیاوی نعمت کے مقابلہ میں خدمت کا تبادلہ کر چکے تھے۔ ان ضمیر فروشوں میں سے عمر بن سعد (امام حسینؑ کا قاتل) منذر بن زبیر، شمر بن ذی الجوشن عامری، طلحہ بن عبداللہ کے دو بیٹے اسماعیل اور اسحاق، خالد بن عرفطہ شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، عمرو بن حجاج اور زجر بن قیس وغیرہ قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے افراد جو مروت اور جوانمردی کو تین طلاق دے چکے تھے ان سب کو زیاد نے اپنے پاس جمع کیا کل ملا کر یہ سب ستر افراد تھے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں ان میں سے ہر ایک کا نام پیش کیا ہے (۱) ان لوگوں کے درمیان ابو موسیٰ اشعری کے لڑکے ابو بردہ (جو اس کی نگاہ میں سب سے ضعیف تھا یا معاویہ کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب تھا) کو منتخب کیا اور اس سے کہا: لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، خداوند عالم کے نزدیک یہ ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری کی گواہی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حجر بن عدی نے اطاعت سے نافرمانی کی ہے اور مسلمین کی جماعت سے نکل گیا ہے، خلیفہ پر لعنت کی ہے اور لوگوں کو جنگ کی دعوت دی ہے۔ چند گروہوں کو اپنے اردگرد جمع کیا ہے اور انہیں بیعت پر برانگیختہ کیا ہے اور خدائے عزوجل سے واضح طور پر کفر کیا ہے!!

ان ستر (۷۰) لوگوں سے بھی کہا کہ تم لوگ بھی اسی قسم کی گواہی دو۔ پھر کہنے لگا: خدا کی قسم میں اس کوشش میں ہوں کہ اس احمق خائن کی رگ حیات کو قطع کر دوں....

اشراف کوفہ اور بزرگ قبیلوں سے وابستہ افراد میں سے ستر (۷۰) افراد نے اس خیانت آمیز حماقت بار تحریر پر دستخط کیا۔ اس وقت اس نے خود بھی حجر کے سلسلے میں معاویہ کو ایک خط لکھا اور ان کے سلسلے میں بہت باتیں لکھیں۔ معاویہ نے جواب میں لکھا: اسے زنجیر سے جکڑ کر میرے پاس بھیج دو!

---

(۱)۔ ملاحظہ ہو ج ۶، ص ۱۵۰۔۱۵۱۔

یہاں پر ضروری ہے کہ کوفہ کے ان بزرگ قبیلوں سے وابستہ افراد کے سوابق کو امام حسن علیہ السلام کے ماجرے میں ان کی خلافت کے دوران ذکر کریں اور پھر حساب کریں کہ ''مسکن'' میں جنگ سے بھاگنے والے، مدائن میں فساد برپا کرنے والے، اور امام حسن علیہ السلام سے خیانت کرنے اور آنحضرت کو معاویہ کے سپرد کرنے کیلئے اسے خط لکھنے والے افراد اس گروہ کے علاوہ کوئی اور لوگ تھے؟ پھر یہ نتیجہ حاصل کریں کہ جس نے اطاعت سے نافرمانی کی اور مسلمانوں کے جتھے سے باہر نکل گیا اور بیعت توڑ ڈالی وہ حجر بن عدی ہیں یا یہ خیانت کے خوگر افراد...!!

اسی طرح اس گروہ کا کردار امام حسین علیہ السلام کے افسوسناک واقعہ میں یاد کریں کہ یہ لوگ اموی جباروں کے برندہ اسلحے تھے اور ان تمام دردناک حوادث کی ذمہ داری (جو عربی و اسلامی تاریخ میں بے نظیر ہے) انہیں لوگوں کی گردن پر ہے۔

حجر کے واقعہ میں کوفہ کی حالت

اگر حجر ترجیح دیتے کہ ہجوم آور طاقتور کے سامنے مسلحانہ مقاومت کو انجام دیں تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کوفہ میں ایک ایسی خونی بغاوت بپا ہو جاتی جو معاویہ کی آنکھوں سے چین کی نیند سلب کر لیتی۔ معاویہ خود اس موضوع کو سمجھ چکا تھا لہذا حجر کی شہادت کے بعد کہا کرتا تھا: اگر حجر زندہ رہتے تو خوف تھا کہ ایک دوسری جنگ کا سامنا ہوتا۔ زیاد بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا لہذا حجر کو بھیجنے کے بعد قاصد کو معاویہ کے پاس روانہ کیا اور اس سے کہا: معاویہ کے پاس جلدی سے جاؤ اور اس سے کہو: اگر اپنی حکومت سے محبت ہے تو حجر کا کام تمام کر دو!

لیکن یہ شیعہ رہبر جس نے دوسروں کی جان کی خاطر جانثاری کا درس مکتب امام حسن بن علی علیہ السلام سے حاصل کیا تھا، صریحی طور پر اپنی قوم کو جنگ سے روک دیا۔

اس کے باوجود آپ کے اعوان و انصار کے ایک گروہ نے ابواب کندہ پر اور دوسرے گروہ نے آپ کے گھر کے سامنے زیاد کی فوج کا مقابلہ کیا۔ منجملہ ان دو مقابلہ کے دلاوروں میں عبداللہ بن خلیفہ طائی، عمرو بن حمق خزاعی (ان دونوں کے بارے میں آئندہ گفتگو کی جائے گی) عبدالرحمن بن محرز طمعی، عائذ بن حملہ تمیمی، قیس بن یزید، عبیدہ بن عمرو، قیس بن شمر اور عمیر بن یزید کندی معروف بہ ابو العمر طہ قابل ذکر ہیں۔ ابو العمر طہ کی تلوار وہ سب سے پہلی تلوار تھی

جو کوفہ میں حجر کے واقعہ میں کھینچی گئی تھی۔ ''قیس بن فھدان کندی'' گدھے پر سوار ہو کر کندی سماج کا چکر لگاتا تھا اور انہیں جنگ کی ترغیب دلاتا تھا۔

اہل کوفہ نے زیاد کو سنگسار کیا (۱) اور یہ اس کی ماں سمیہ کا شرعی دین تھا جسے وہ ادا کر رہا تھا۔

لیکن حجر نے کافی اصرار پر اپنی قوم کو مجبور کیا کہ وہ اپنی تلواروں کو نیام میں رکھیں اور ان سے کہا: جنگ مت کرو۔ مجھے پسند نہیں ہے کہ میں تمہیں قتل کی ڈگر پر لگا دوں... اب یہ کوفہ کی گلیاں ہیں جو چھپنے کی جگہ ہو سکتی ہیں۔

زیاد کے جاسوس جو تمام مقامات پر حجر کے پیچھے لگے تھے ان کو گم کر گئے کیونکہ سب کے سب یا دو تہائی افراد حجر کے اردگرد تھے اور انہیں ان جاسوسوں کی نظر سے دور رکھے ہوئے تھے۔

زیاد نے حجر اور ان کے ساتھیوں کے امور کو سخت کرنا شروع کیا۔ اشراف کوفہ کو جمع کیا اور ان سے کہا: اے اہل کوفہ! تم لوگ ایک ہاتھ سے زخم لگاتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے اس پر مرہم، تمہارے جسم میرے ساتھ ہیں اور تمہارا دل حجر کے ساتھ ہے۔ تم خود تو ہمارے ساتھ اور تمہارے بھائی بچے اور رشتہ دار حجر کے ہمراہ ہیں خدا کی قسم یہ تمہارا نفاق اور دورخی ہے۔ تم کو اس سے اپنی بیزاری ثابت کرنی ہوگی ورنہ دوسرے لوگوں کو لاؤں گا اور تمہارے انحراف اور کجروی کی ان لوگوں کے ذریعہ اصلاح کروں گا۔ پھر کہا: اب تم میں سے ہر شخص اس بھیڑ میں جائے جس نے حجر کے اردگرد یہ سایہ بنایا ہے اور اپنے بھائی، بیٹے اور رشتہ داروں اور جو بھی اپنے گھر والوں کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے وہ انہیں وہاں سے لیکر باہر آ جائے۔

اس وقت اس نے اپنی پولیس کے سربراہ شداد بن ھیثم ھلالی کو حجر کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا اور چونکہ اسے معلوم تھا کہ پولیس اس کام کو انجام نہیں دے سکتی ہے لہذا محمد بن اشعث کندی کو بلایا اور اس سے کہا: اے ابو ہیثاء! خدا کی قسم تمہیں حجر کو میرے نزدیک ہر حال میں حاضر کرنا ہے ورنہ میں تمہارے کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالوں گا، تیرے گھر کو ویران کر دوں گا اور پھر تیرے بدن کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا! محمد نے کہا:

---

(۱)۔ طبری کا بیان ہے: اس دن سے اس نے اپنے لئے مقصورہ بنایا۔ ج ۶، ص ۱۳۲.

ایک حصار جو امام جماعت کے محراب کو مامومین کی صف سے جدا کر دیتا ہے اسی طرح برے ارادوں سے بچنے کیلئے ایک جگہ کو بھی مقصورہ کہا جاتا ہے. (فارسی ترجم)

مہلت دو تا کہ اسے تلاش کرسکوں۔ زیاد: تین دن کی تمہیں مہلت دیتا ہوں۔ اگر اسے لے آئے تو ٹھیک ورنہ خود کو قتل شدہ سمجھنا۔

مؤلف: سچ مچ اتنا غیض وغضب اور کینہ کس لئے تھا؟ دین کیلئے تھا؟ کیا سمیہ کے لڑکے کو اس صحابی رسول سے زیادہ دین کا درد ہے جو ایسا عابد تھا کہ روزانہ ہزار رکعت نمازیں پڑھا کرتا تھا اور جس کا گناہ امر بہ معروف ونہی از منکر اور وقت پر نماز ادا کرنے پر زور دینے کے علاوہ کچھ نہ تھا؟ یا یہ کینہ دنیا کیلئے تھا....؟ یعنی وہی شرمناک مقصد جو سبب بنا کہ اپنا آخری اعتبار اور آبرو بھی تاریخ میں حجر کے قتل کے ساتھ برباد کردیں؟!

زیاد کی سازش یہ تھی کہ قبیلہ کندہ کو آپس میں ایک دوسرے سے لڑادے اسی لئے اس نے محمد بن اشعث کو حجر کی گرفتاری پر مامور کیا تھا اور یہ وہی سب سے پرانا اور رائج ترین طریقہ کار ہے جسے فاتح حکام مغلوب قوموں کے درمیان بروئے کار لاتے ہیں۔

حجر نے زیاد کی سازش کو سمجھ لیا اور اپنے آپ سے کہا: تو اب ہم تسلیم ہوئے جاتے ہیں حکومت کے سپاہی سرشناس افراد اور حجر کے ہواخواہوں کی گرفتاری کیلئے نکل پڑے اور (مسعودی کی روایت کے مطابق) اہل کوفہ میں سے نو (۹) افراد اور اس کے علاوہ دوسرے چار لوگوں کو گرفتار کیا۔

ابن اثیر نے گرفتار شدہ افراد کے اسماء گرامی اس طرح لکھے ہیں:

حجر بن عدی کندی، ارقم بن عبدالله کندی، شریک بن شداد حضرمی، صیفی بن فسیل شیبانی، قبیضه بن ضبیعه عیسی، کریم بن عفیف خثعمی، عاصم بن عوف بجلی، ورقاء بن سمی بجلی، کدام بن حیان عنزی، عبدالرحمن بن حسان عنزی، محرز بن شهاب تمیمی و عبدالله بن حوبه سعدی تمیمی.

پھر ابن اثیر کا بیان ہے:

ان ۱۲/ افراد سے دو دوسرے افراد کو بھی جو ایک قبیلہ سعد بن بکر کے عتبہ بن اخن اور دوسرے قبیلہ همدان کے سعد بن نمران تھے، ملحق کردیا اس طرح گرفتار کئے گئے افراد کی تعداد ۱۴ ہوگئی۔

اس درمیان چغل خوروں اور جاسوس صفت افراد (جن کی تعداد اس شہر میں کم نہ تھی) اپنے کام پر لگ گئے۔

حجر دس دن تک کوفہ کے قید خانہ میں رہے اور اسی مدت میں بقیہ مذکورہ یار و انصار بھی ان سے ملحق ہو گئے اس وقت ان سب کو شام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ تمام چیزیں کوفہ میں اس بات کی تائید کر رہی تھیں کہ حالات، حوادث کے اس طرح حامل ہیں کہ اس کی تاثیر کی کیفیت حاکم و محکوم دونوں کیلئے مجہول ہے۔ زیاد جس نے حالات کی ناامنی کو محسوس کر لیا تھا حکم دیا کہ قیدیوں کو رات میں شہر سے باہر نکالا جائے اور اس فضاحت بار اور رسوا کن ظلم کو چھپانے کیلئے شب کی تاریکی کے پردہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اسی وقت جب ان لوگوں کو شہر سے باہر لے جایا جا رہا تھا تو قبیصہ بن ربیعہ (حجر کے ایک ساتھی) جن کا گھر اس راستہ میں پڑتا تھا انہوں نے اپنی بیٹیوں کو دیکھا کہ دریچہ سے انہیں دیکھ رہی ہیں اور زار زار آنسو بہا رہی ہیں۔ آپ نے چند جملہ ان سے گفتگو کی اور جیسا کہ ہم آپ کے شرح احوال میں ذکر کریں گے کہ آپ نے ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا اور اپنے راستہ پر چل پڑے۔

انہیں تاریک راتوں میں سے ایک رات حجر کی بیٹی کو باپ کی فکر ستانے لگی تو اس نے چاند کو خطاب کر کے چند اشعار اس مضمون میں کہے(۱):

ترفع أيها القمر المنير — لعلك أن ترى حجراً يسير

اے چاندنی رات ! اور بلند و سر بلند ہو۔ — شاید حجر پر تیری نگاہ پڑ جائے کہ جو رات میں سفر کر رہے ہیں

يسير الى معاوية بن حرب — ليقتله كما زعم الامير

جو حرب کے بیٹے معاویہ کی طرف روانہ ہیں — تاکہ جیسا کہ امیر نے گمان کیا ہے وہ انہیں قتل کر دے

ويصلبه على بابى دمشق — وتأكل من محاسنه النسور

اور دروازۂ دمشق پر انہیں پھانسی دیدے — اور گوشتخوار جانور ان کی خوبصورتیوں کو کھا جائیں

تجبرت الجبابر بعد حجر — وطاب لها الخورنق والسدير

حجر کے بعد، جبار افراد بزرگی بیچیں گے — اور خورنق وسدیر ان پر خوشگوار ہوگا

---

(۱)۔ بعض لوگوں کی نظر یہ، یہ ہے کہ مذکورہ اشعار حجر کے سلسلے میں ہند انصاری بنت زید کے ہیں.

وأصبحت البلاد له محولاً	كأن لم يحيها مزن مطير
شہران کے مطیع وفرمانبردار ہوجائیں گے	جیسا کہ تم نے کہا سحاب رحمت نے ہرگز ان کو زندہ نہیں کیا ہے
ألا يا حجر حجر بني عدي	تلقتك السلامة والسرور
آگاہ ہو جاؤ اے حجر ! حجر بنی عدی	تم نے سلامتی اور شاد مانی کے ساتھ زندگی گزاری
أخاف عليك ما أردى عليا	وشيخا في دمشق له زئير
مجھے تم پر اس سے خوف ہے کہ جنہوں نے علی کو زمین پر گرادیا	وہ ضعیف جو دمشق میں تھا اور جس کا نعرہ شیر کی طرح تھا
فان يهلك فكل عميد قوم	من الدنيا الى هلك يصير
اگر تو قتل کردیا گیا تو ہر قوم کا بزرگ	آخر کار موت کے علاوہ دوسرا انجام کار نہیں دیکھ پائے گا

وہ لوگ اور ان کے ساتھیوں کو مقام عذرا پر کہ جو دمشق سے ۱۲/ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا لے گئے اور وہیں ان لوگوں کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ زیاد اور معاویہ کے درمیان پیغاموں کے تبادلہ کے بعد ان لوگوں پر اور زیادہ سختی کی جانے لگی اور آخر کار معاویہ کا ذلیل ورسوا مزدور چند جلادوں کے ہمراہ فرمان قتل اور کچھ کفن لیے وہاں پہنچا اور حجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے گمراہی کے سرچشمہ اے کفر ونفاق کے معدن !! اے ابوتراب کے شیدائی ! امیر المومنین نے حکم صادر کیا ہے کہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل کردوں مگر یہ کہ اپنے کفر سے پلٹ جاؤ اور اپنے رفیق پر لعنت بھیجو اور اس سے بیزاری کا اعلان کرو۔ حجر اور ان کے ساتھیوں نے کہا: تلواروں کی تیزی اور کاٹ ہمارے لئے اس سے بہتر ہے جسے تم لوگوں نے بیان کیا ہے اور خدا و پیغمبر اور ان کے وصی کی بارگاہ میں حاضری جہنم کی آگ میں جانے سے زیادہ ہمیں محبوب ہے۔

قبریں کھودی گئیں... حجر اور ان کے ساتھی ساری رات عبادت میں مشغول رہے دوسرے دن صبح کو ان لوگوں کو قتل کیلئے آمادہ کیا گیا... حجر نے کہا: مجھے تھوڑی دیر چھوڑ دو تا کہ وضو کرسکوں اور اس سے نماز پڑھ سکوں کیونکہ میں نے کبھی بھی وضو نہیں کیا ہے مگر یہ کہ اس سے نماز ضرور پڑھی ہے۔ ان لوگوں نے حجر کو نماز پڑھنے کیلئے چھوڑ دیا۔ نماز کے بعد آپ نے کہا: خدا کی قسم اس انداز میں اب تک نماز نہیں پڑھی ہے اگر یہ نہ ہوتا کہ تم لوگ میرے سلسلہ میں خوف وہراس کا گمان کرتے تو میں اس سے زیادہ نماز پڑھتا۔

پھر فرمایا: بارالہا! اپنی امت کی شکایت تیرے پاس لاتا ہوں۔ اہل کوفہ نے ہمارے خلاف گواہی دی ہے اور اہل شام نے ہم کو قتل کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے مجھے اس وادی میں قتل کیا تو جان لو کہ میں وہ سب سے پہلا مسلمان جنگجو ہوں جو اس وادی میں قتل کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کا سب سے پہلا فرد ہوں جس پر اس وادی کے کتے بھونکے ہیں۔(۱)

اس وقت "ھدیه بن فیاض قضاعی" تلوار کھینچے آپ کی طرف بڑھا۔ حجر لرز اٹھے تو ان لوگوں نے کہا: تم تو کہتے تھے کہ میں موت سے نہیں ڈرتا! بس اب اپنے محبوب سے بیزاری کا اعلان کردو تاکہ تم کو آزاد کردیں!! یہ سن کر حجر نے کہا: کیوں نہ ڈروں جبکہ قبر کھدی ہوئی ہے کفن پھیلا ہے اور تلوار کھنچی ہے... لیکن خدا کی قسم اگر موت سے ڈروں تب بھی ایک کلمہ ایسا نہیں کہوں گا جو خدا کے غیض وغضب کا سبب ہو۔

حجر کے سات (۷) ساتھیوں کیلئے ان کے رشتہ داروں اور قریبی لوگوں نے جو معاویہ کے دربار میں مقرر تھے سفارش کی جس کے نتیجے میں وہ بچ گئے بقیہ لقمہ شمشیر ہوگئے۔ حجر کے جملوں میں سے منجملہ یہ جملہ بھی تھا: میری آہنی زنجیر کو نہ کھولنا اور خون کو میرے جسم سے نہ دھونا کیونکہ کل میری معاویہ سے ملاقات ہے اور وہاں اس سے اس دن مقابلہ کروں گا!

معاویہ نے مرتے وقت حجر کی اس بات کو یاد کیا تو غم میں ڈوب گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا! میرا اور تیرا معاملہ بہت طولانی ہوگا اے حجر!

مسلمانوں کی نگاہوں میں اس واقعہ کی اہمیت:

معاویہ حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بعد حج کو گیا۔ ایک دن اس کا گزر عائشہ کے گھر سے ہوا، اجازت لے کر وارد ہوا جیسے ہی بیٹھا عائشہ نے کہا: تو مطمئن ہے کہ میں نے کسی کو تیرے قتل کیلئے مخفی نہیں کیا ہے؟

---

(۱)۔ کامل بن اثیر، ج۳، ص۱۹۲. ابن سعد اور "مصعب زبیری" نے (حاکم کے بیان کے مطابق) حجر کے شرح حال میں ذکر کیا ہے کہ حجر، معاویہ کے حکم سے عذرا کے چمن زار میں قتل ہوئے اور وہ خود وہ تھے جنہوں نے اس جگہ کو فتح کیا تھا.

مؤلف: اور خود آپ کے اس جملہ کا مطلب کہ "میں سب سے پہلا وہ مسلمان مرد ہوں جس پر اس وادی کے کتے بھونکے ہیں" بھی یہی ہے یعنی اس سرزمین کو فتح کرنے کے دن.

معاویہ: میں نے گھر امن میں قدم رکھا ہے۔اس وقت عائشہ نے کہا: خدا کا تو نے خوف نہیں کیا معاویہ کہ تو نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا؟!(۱) پھر کہا: اگر ایسا نہ ہوتا کہ میں نے جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا وہ دشوار ہو گیا تو میں قتل حجر کے سلسلے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرتی۔(۲)

شریح بن ھانی نے معاویہ کو ایک خط لکھا اور اس میں حجر کا تذکرہ کیا اور ان کی جان و مال کے حرمت کا فتویٰ دیا۔اس میں یہ لکھا:

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حجر ان لوگوں میں سے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں ہر سال حج وعمرہ کو جاتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور ان کی جان اور ان کا مال حرام اور محترم ہے۔''(۳)

خلیفہ دوم کا بیٹا گرفتاری کے زمانے سے مسلسل حجر کی خبر لے رہا تھا جب ان کی شہادت کی خبر کو سنا تو اس وقت بازار میں تھا۔یہ سنتے ہی سارے کاموں کو چھوڑ دیا اور روتا ہوا وہاں سے پلٹ گیا۔(۴)

حجر اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام معاویہ کے پاس آیا اور اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کب سے تو نے ابوسفیان کی بردباری کو ہاتھوں سے کھو دیا ہے؟ معاویہ نے جواب دیا: جس زمانے سے تم جیسے قوم کے بردباروں سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔سمیہ کے جائے نے مجھے اس کام پر بھڑکایا اور میں نے بھی اسے قبول کر لیا!!

عبدالرحمن نے کہا: خدا کی قسم اس کے بعد عرب نہ تو تمہارے لئے کسی حلم کو پہنچانیں گے اور نہ ہی کسی نظریہ اور رائے کو کیسے تم راضی ہو گئے کہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو جو تمہارے پاس اسیر بنا کر بھیجا گیا تھا انہیں قتل کر ڈالو؟!

مالک بن ھبیرہ سکونی کیلئے جب معاویہ راضی نہ ہوا کہ حجر کو انہیں بخش دے تو کندہ اور سکون

---

(۱)۔ تاریخ طبری، ج۶، ص۱۵۶.

(۲)۔ کامل ابن اثیر، ج۳، ص۱۹۳.

(۳)۔ تاریخ طبری، ج۶، ص۱۵۳.

(۴)۔ تاریخ طبری، ج۶، ص۱۵۳.

کے اپنے قبیلہ اور اہل یمن کی اس بھیڑ کو مخاطب کرتے ہوئے جو اس کے پاس تھی کہا:

''خدا کی قسم معاویہ سے ہماری بے نیازی، اس کی ہم سے بے نیازی سے زیادہ ہے۔ ہم اس کے رشتہ داروں میں (۱) اسے پہچانتے ہیں جو اس کی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے لیکن وہ تمام لوگوں میں ہمارے بجائے کسی کو منتخب نہیں کرسکتا۔''

ابو اسحاق سبیعی سے لوگوں نے پوچھا: کس دن لوگ ذلیل ہوگئے؟ اس نے جواب دیا: جس دن حسن دنیا سے گزر گئے، زیاد، ابوسفیان کا بیٹا کہا جانے لگا اور حجر بن عدی قتل ہوگئے۔ (۲)

حسن بصری نے کہا:

''معاویہ میں ایسی چار خصلتیں تھیں جن میں سے ہر ایک اس کی بدبختی کیلئے کافی تھیں ایک تو یہ کہ سفی ہے اور نادانوں کی مدد سے حکومت پر سوار ہوا اور خلافت کو امت کی مشورت کے بغیر (جبکہ ان لوگوں کے درمیان باقیماندہ اصحاب اور صاحبان فضیلت موجود تھے) سنبھال لیا۔ دوسرا یہ کہ اپنے بیٹے (جو ایسا مست شراب خوار تھا جو ریشم پہنا کرتا تھا اور ڈھولک بجایا کرتا تھا) کو اپنا ولی عہد بنادیا۔ تیسرا یہ کہ زیاد کو اپنا بھائی بنالیا جبکہ رسول خدا کا فرمان ہے: فرزند اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زنا کار کا حصہ پتھر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ چوتھا یہ کہ حجر کو قتل کردیا۔ پھر دوبارہ کہا: وائے ہو معاویہ پر حجر اور ان کے ساتھیوں سے، وائے ہو معاویہ پر حجر اور ان کے ساتھیوں سے'' (۳)

ربیع بن زیاد حارثی جو معاویہ کی طرف سے خراسان کا کارکن تھا۔ حجر کی خبر شہادت کے غم میں مرگیا۔ **ابن اثیر** کا بیان ہے: (ج ۳، ص ۱۹۵)

''اس کی موت اس غیض وغضب اور غم واندوہ کی وجہ سے تھی جو حجر کے قتل سے اسے حاصل ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ کہا کرتا تھا: اس کے بعد عرب بے دفاع قتل کئے جائیں گے۔ اگر اس کے قتل کے ماجرے میں سب کے سب یکجا ہوجاتے اور قیام کرلیتے تو بے شک وتردید

---

(۱)۔ یعنی بنی ہاشم.

(۲)۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۱۸.

(۳)۔ تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۵۷.

اس کے بعد ایک شخص بھی اس طرح قتل نہ ہوتا۔ لیکن ان لوگوں نے آرام کیا اور خاموش رہے تو اب بے شک وتردید یہ سب کے سب ذلت وخواری کے ساتھ رہیں گے۔ اس گفتگو کے بعد ایک جمعہ تک اور زندہ رہا اور جمعہ کے دن لوگوں کے سامنے حاضر ہوا اور کہا: اے لوگو! میں اس زندگی سے ملول ہو چکا ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں تم سب آمین کہو۔ اس وقت نماز کے بعد دعا کیلئے ہاتھ بلند کیا اور کہا: بارالٰہا! اگر تیرے نزدیک میرے لئے کوئی اچھائی ہے تو اب بہت جلد مجھے موت دیدے... سب لوگوں نے آمین کہا۔ جب وہ مسجد سے باہر نکلا تو ابھی اس کا لباس دکھائی دے رہا تھا کہ زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔"(۱)

امام حسین علیہ السلام نے اپنے ایک مکتوب میں معاویہ کو لکھا: کیا تو **حجر بن عدی** اور ان کے ساتھیوں کا قاتل نہیں ہے؟ وہی نماز گزار عابد، ظلم کی برائی کرنے والے، بدعت کو بزرگ شمار کرنے والے اور وہ کہ جو خدا کی راہ میں ملامت گروں کی ملامت کو کچھ نہیں سمجھتے تھے کیا تو وہی نہیں ہے جس نے شدید قسموں اور مستحکم عہد و پیمان کے بعد ظلم و دشمنی کی بنیاد پر ان لوگوں کو قتل کر ڈالا؟ (صلح نامہ کی پانچویں شق کی طرف اشارہ ہے)۔(۲)

آخر کار آئندہ جب تاریخ کی نوبت آئی تو **نصر بن مزاحم منقری اور لوط بن یحییٰ بن سعد ازدی** (۳) دونوں نے جدا جدا کتابیں ان کے دردناک قتل کے سلسلے میں لکھ ڈالیں اور اس کے بعد **ہشام بن محمد سائب کلبی** نے ایک کتاب ان کے بارے میں اور ایک کتاب **رشید و میثم وجویریة بن مسہر** کے قتل کے بارے میں لکھی ہیں۔(۴)

---

(۱)۔ یہ واقعہ ان کتابوں میں بھی لکھا گیا ہے: الاستیعاب، اسد الغابہ، الدرجات الرفیعہ، امالی شیخ.

(۲)۔ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۴۹.

(۳)۔ فہرست ابن ندیم، ص ۱۳۶.

(۴)۔ رجال نجاشی، ص ۳۰۶.

حجر اور ان کے ساتھیوں کے سلسلے میں وارد حدیثیں

ابن عساکر لکھتے ہیں: عائشہ نے حجر کے قتل کی بنیاد پر معاویہ کی ملامت وتوبیخ کرنے کے بعد کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: عذراء (حجر اور ان کے ساتھیوں کا مشہد) میں کچھ لوگ قتل کئے جائیں گے جن کی خاطر خدا اور اہل آسمان غیض وغضب سے پیش آئیں گے۔ یہی حدیث ایک دوسرے طریق سے بھی عائشہ سے نقل ہوئی۔

بیہقی اپنی کتاب الدلائل اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن زبیر غافقی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اہل عراق! تم میں سے ۷/لوگ مقام عذراء میں قتل کئے جائیں گے کہ جو اصحاب اخدود کی طرح ہوں گے۔

حجر کے شہید ساتھی

گذشتہ گفتگو سے ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ حجر کے ساتھی الٰہی مردوں میں برجستہ افراد اور دینی رجال میں انگشت شمار چنندہ شخصیتوں میں سے تھے اور امام حسین علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر کے مطابق ایسے نماز گزار عابد تھے کہ جو ظلم کی برائی کیا کرتے تھے، بدعتوں کو بزرگ شمار کیا کرتے تھے اور خدا کی راہ میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے۔

اسی طرح ہم نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ مسلمانوں کی دیگر بزرگ شخصیتیں جب بھی حجر کا نام لیتی تھیں تو ان کا تذکرہ کس انداز میں کرتی تھیں۔

اگر تقدیر کی بازی گری یا اموی حکومت کا کنٹرول کرنے والا گروہ یہ چاہتا تھا کہ ان بزرگ مردوں کو فراموشی کے اندھیرے میں ڈال دے تو اس میں کسی کو بھی تردید وگمان نہ تھا یہ گروہ عقیدہ وفکر کا شہید اور غصب شدہ حق کی قربانی ہے اور تاریخ میں ان کے فضل وشرف ونام آوری کیلئے یہی کافی ہے۔

معاویہ نے ''حج مقبولہ'' !! جو اس نے ان عزیز بزرگوار حضرات کے قتل کے بعد انجام دیا تھا، کے موقع پر مکہ میں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور غرور وتکبر وفرعونی لہجہ میں کہا: تم نے سنا کہ میں نے حجر اور ان

کے ساتھیوں کے ساتھ جو تمہارے باپ کے شیعہ تھے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: کیا کیا؟ معاویہ: ہم نے ان کو قتل کر دیا، کفن پہنا دیا اور ان کے جنازہ پر نماز پڑھ کر انہیں سپرد خاک کر دیا!! یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: وہ لوگ تم پر غالب آ چکے ہیں لیکن اگر ہم تمہارے پیروکاروں کو قتل کریں گے تو نہ ان کو کفن پہنائیں گے نہ ہی ان کے جنازہ پر نماز پڑھائیں گے اور نہ ہی انہیں خاک میں دفن کریں گے۔(۱)

اب ہم ان شہیدوں کے نام الفبائی ترتیب کے ساتھ ان کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہیں اس کی فہرست بیان کرتے ہیں۔

- **شریک بن شداد (یا ثداد)** حضرمی اور ایک قول کے مطابق: "عریک بن شداد"
- **صیفی بن فسیل شیبانی:** حجر کے سرشناس ساتھی جن کا قلب، آہنی، عقیدہ استوار اور جب اسے گرفتار کر کے زیاد کے پاس لایا گیا تو زیاد نے اس کو مخاطب کر کے کہا: ابوتراب کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اے دشمن خدا! جواب دیا: میں ابوتراب کو نہیں پہچانتا۔

زیاد: اسے تو اچھی طرح پہچانتا ہے! صیفی: میں نہیں پہچانتا۔ زیاد: کس طرح تو علی بن ابی طالب علیہ السلام کو نہیں پہچانتا ہے؟ صیفی: کیوں نہیں پہچانتا۔ زیاد: اچھی بات ہے ابوتراب وہی ہے۔ صیفی: بالکل نہیں وہ تو حسن و حسین کے پدر بزرگوار ہیں ان پر درود ہو۔ زیاد کی پولیس کا سربراہ: امیر تجھ سے کہتا ہے کہ وہ ابوتراب ہے اور تو کہتا ہے بالکل نہیں؟! صیفی نے جواب دیا: اگر امیر جھوٹ بولتا ہے تو کیا میں بھی جھوٹ بولوں؟ اور وہ سخن باطل کی گواہی دیتا ہے تو کیا میں بھی اس کی گواہی دوں؟ (دیکھیے، غور سے دیکھیے! اس مسلمان کی پختگی و استواری) زیاد بولا: یہ بھی ایک دوسرا گناہ ہوا، ذرا میرا عصا لے آؤ اس کا عصا لایا گیا، پھر بولا: ٹھیک ہے، علی کے بارے میں تیرا عقیدہ کیا ہے؟ صیفی: وہ بہترین عقیدہ و اعتقاد جو خدا کے بندوں میں سے ایک صالح بندے کیلئے ہو سکتا ہے یہ سن کر زیاد چلا اٹھا: چھڑی سے اس کی گردن پر اتنا مارو کہ یہ زمین پر گر جائے۔ حکم پر عمل ہوا آپ کو اتنا مارا گیا کہ آپ زمین پر تڑپنے لگے۔ اس وقت زیاد بولا: اسے چھوڑ دو اب بتا تیرا عقیدہ کیا ہے؟ صیفی: خدا کی قسم

---

(۱)۔ بحار الانوار اور دوسرے مدارک۔ طبری نے اس روایت کو امام حسن علیہ السلام کے سلسلے میں لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا دردناک واقعہ آنحضرت کی شہادت کے دو سال بعد واقع ہوا ہے۔

اگر تلوار سے تو مجھے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے تو جو مجھ سے سنا ہے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں سن پائے گا۔ زیاد: تجھے اس پر لعنت کرنی ہوگی ورنہ تیری گردن کاٹ ڈالوں گا۔ صیفی: ایسی صورت میں تم میری گردن ہی کاٹو گے اور اگر تو ایسا کرے گا تو خدا کی قسم میں خوش نصیب اور تو بد بخت ہے۔ زیاد چیخ اٹھا: اس کو آہنی زنجیر میں باندھ دو اور قید خانہ میں ڈال دو۔

آخر کار چند دنوں کے بعد آپ بھی کاروان شہادت میں حجر کے ہمراہ عذراء کے شہیدوں میں شمار ہو گئے۔

● **عبدالرحمان بن حسان عنزی:** آپ بھی حجر کے ساتھیوں میں تھے اور آپ ان کے ہمراہ دست بستہ اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے قتل گاہ کی طرف کھینچے گئے۔ جب یہ لوگ عذراء کے چمن زار کی طرف پہنچے تو درخواست کی کہ انہیں معاویہ کے پاس بھیج دیا جائے (گویا اس گمان میں تھے کہ معاویہ، سمیہ کے لڑکے سے بہتر ہے) ☆ جب معاویہ کے پاس آئے تو معاویہ نے ان کو مخاطب کیا اور کہا: علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ **عبدالرحمن:** اس موضوع کو چھوڑ دو اور سوال مت کرو کیونکہ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ معاویہ: نہ! خدا کی قسم میں اس موضوع کو نہیں چھوڑ سکتا۔ عبدالرحمٰن: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی ذات وہ تھی جو خدا کو بہت یاد کرتی تھی۔ حق کا حکم دیا کرتی تھی، عدل قائم کرتی تھی اور لوگوں کو معاف کر دیا کرتی تھی۔ معاویہ: اور عثمان کے بارے میں تیرا عقیدہ کیا ہے؟ وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کا دروازہ بند کر دیا۔ معاویہ: تو نے خود کو قتل کر دیا! **عبدالرحمن** نے جواب دیا: نہیں! بلکہ تجھے قتل کر دیا اور ربیعہ میں سے کوئی وادی میں نہیں ہے (یعنی اس کی شفاعت یا دفاع کیلئے موجود نہیں ہے) معاویہ نے آپ کو کوفہ زیاد کے پاس روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ بہت بری حالت میں ان کو قتل کیا جائے۔

یہ **عبدالرحمن** وہی ہیں کہ جب عذراء کے چمن زار میں معاویہ کے جلادوں نے ان پر حملہ کیا تو انہوں

☆۔ حقیر کا گمان ہے کہ یہ کہنا اس بنیاد پر نہ تھا کہ آپ معاویہ کو سمیہ کے لڑکے سے بہتر سمجھتے تھے بلکہ یہ حضرت علیؑ کے فضائل کی نشر و اشاعت کا ایک نرالا انداز تھا چاہتے تھے کہ حاکم وقت کے منہ پر علی مرتضیٰ کے فضائل بیان کریں تا کہ رہتی دنیا تک ظالم کے گھر حق اور مظلوم کے فضائل بیان کرنا رائج ہو جائے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر وہاں زبان کو روک کر رکھنا چاہیے تھا تا کہ حاکم کچھ رعایت کر سکے وہاں بپھرے ہوئے شیر کی طرح فضائل علی مرتضیٰ بیان کرنا اور ان کے دشمن کی حقیقت کو برملا کرنا اس بات کی تائید ہے کہ معاویہ کے پاس جانے کی درخواست اس کو بہت کچھ سمجھنے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدا کی راہ میں ملامت گر کی ملامت سے خوف نہ کھانے والوں کیلئے نمونہ پیش کرنا مقصود تھا (اردو مترجم)

نے کہا: خدایا مجھے ان لوگوں میں سے قرار دے جن کی ذلت وخواری کو تو عزت عطا کرتا ہے اور ان سے خوشنود ہے، کتنے ایسے زمانے ہیں جس میں، میں نے اپنی جان کو قتل کے مرحلہ میں لا کر کھڑا کیا تھا لیکن خدا نے جو ارادہ کیا تھا اس کے علاوہ کچھ مقدر نہیں کیا۔

حبہ عرنی نے تاریخ کوفہ میں (ص ۲۷۴ پر) آپ کا تذکرہ کیا ہے اس کا بیان یہ ہے:

''عبدالرحمن بن حسان عنزی علی علیہ السلام کے یار وانصار میں سے تھے۔ آپ کوفہ میں مقیم تھے۔ لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ زیاد نے آپ کو گرفتار کیا اور شام روانہ کر دیا۔

معاویہ نے آپ کو علی علیہ السلام سے بیزاری کا اعلان کرنے کو کہا تو اس کے جواب میں عبدالرحمن نے سخت لہجہ میں جواب دیا اس بنیاد پر معاویہ نے آپ کو دوبارہ زیاد کے پاس روانہ کر دیا تو اس نے آپ کو قتل کر دیا۔''

ابن اثیر (ج ۳، ص ۱۲۲ پر) اور طبری، ج ۶، ص ۱۵۵ پر رقمطراز ہیں کہ زیاد نے آپ کو مقام ''قیس الناطف'' (۱) پر زندہ درگور کر دیا۔

مؤلف: اگر معاویہ کو زیاد کے ذریعہ علیؑ کے شیعوں کے قتل ہونے کی کیفیت معلوم ہوتی کہ وہ ہاتھ پیر کاٹنا وہ زبان کاٹ ڈالنا، آنکھیں نکال لینا اور اس قسم کے دوسرے مظالم کی اطلاع ہوتی تو کبھی بھی تاکید نہ کرتا کہ **عبدالرحمن بن حسان** کو بدترین حالت میں قتل کرو۔ کیا اس طرح قتل کرنے اور اس طرح ہاتھ پیر کاٹنے سے زیاد بدتر اور وحشیانہ حالت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ لیکن اس کے باوجود زیاد نے معاویہ کی تاکید پر عمل کیا اور زندہ درگور کر کے ان گزشتہ قتل کی روش میں ایک اور اضافہ کر دیا۔ (۲)

---

(۱)۔ کوفہ کے نزدیک ایک علاقہ ہے جو فرات کے مشرقی علاقے میں ہے اور اس کے سامنے فرات کے مغربی کنارے پر ''مروحہ'' ہے جو اس معروف جنگ میں مختار کے باپ ابوعبیدہ کیلئے واقع ہوا ہے۔

(۲)۔ اس قسم کا قتل وہ بری سنت ہے جس کی بنیاد زیاد نے رکھی ہے اور اس کے بعد جباروں نے اس کی اس سنت میں پیروی کی ہے۔ جب معاویہ دوم (یعنی یزید بن معاویہ کا بیٹا) بنی امیہ پر اعتراض کے عنوان سے اور بنی ہاشم کے حق خلافت کا اعتراف کرتے ہوئے خلافت سے کنارہ کش ہو گیا تو اموی جو اس گناہ کا بانی اس کے مربی عمر مقصوص کو سمجھ رہے تھے اسے گرفتار کیا اور زندہ درگور کر دیا۔ ملاحظہ ہو۔ کتاب حیوۃ الحیوان، تالیف دمیری، ص ۶۲۔ اس کتاب میں دمیری نے معاویہ دوم کا خطبہ بھی ذکر کیا ہے جس میں اس نے وضاحت کے ساتھ اپنی کنارہ کشی کے اسباب کو آشکار طور پر بیان کیا ہے اور خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی پیروی اور تشیع کا اعتراف کیا ہے۔

واقعاً جس دن سب خداوند قہار کی بارگاہ میں آئیں گے اس دن معاویہ ان تاکیدوں اور زیادتی جنایت کاریوں کی کیسی سزا پائے گا؟

● **قبیصہ ابن ربیعہ عیسی** : بعض مورخین نے ربیعہ کے بجائے ضبیعہ لکھا ہے آپ وائل شیر بیشہ وشجاعت ہیں جو اس بات کا مصمم ارادہ رکھتے تھے کہ اپنی قوم کی مدد سے مسلحانہ مقاومت کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ لیکن پولیس کے افسر نے آپ کو امان دے دی اور آپ نے قرارداد پر اعتماد کرتے ہوئے جو ہمیشہ عرب کے درمیان (چہ جائیکہ مسلمان کے نزدیک) اعتماد اور انتہائی احترام کی حامل تھی جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن وہ غافل تھے کہ اسلامی اور عربی برگزیدہ خصلتیں بنی امیہ کے انسائکلو پیڈیا میں بے معنی ومفہوم ہیں۔ ایسی خصلتوں سے صرف ظالمانہ اور زبردستی کی حکومت پر قابض ہونے کیلئے آلہ کار کے عنوان کے علاوہ کسی اور چیز کیلئے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔

قبیصہ کو زیاد کے پاس لایا گیا۔ زیاد نے آپ کی طرف رخ کر کے کہا: خدا کی قسم ایسا کام کروں گا کہ پھر دوبارہ حکومت وقت کے خلاف بغاوت وقیام کی فرصت حاصل نہ کر پاؤ گے (قدرتمندوں کی محدود فکر اور کوتاہ نظری کو ملاحظہ کیجئے!) قبیصہ نے جواب دیا: میں تو امان کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں۔ زیاد چیخ اٹھا: اسے قید خانہ میں لے جاؤ!

آخر کار وہ بھی انہیں اسیروں کے کاروان میں تھے جو ہاتھ پیر باندھ کر بے دفاع قتل گاہ کی طرف روانہ ہوئے... حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو بھی کسی کو امان دے اور پھر اسے قتل کردے تو میں اس سے بیزار ہوں۔ اگر چہ وہ مقتول کافر کیوں نہ ہو۔(۱)

جب یہ کاروان کوفہ کے باہر جارہا تھا تو اسیروں کو قبیصہ کے گھر کی طرف سے لے جایا گیا۔ قبیصہ نے اپنی بیٹیوں کو دیکھا کہ ان کی طرف گردن نکالے زار زار رو رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر قبیصہ نے اپنے دونوں نگہبان وائل اور کثیر سے کہا: ذرا دیر رک جاؤ تا کہ اپنے بچوں کو وصیت کرسکوں جیسے ہی آپ ان تک پہنچے کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا: خاموش ہو جاؤ! لڑکیاں خاموش ہوگئیں اس وقت کہا: تقویٰ اور صبر کا دامن تھامے رہو۔ میں اپنے خدا سے امید رکھتا ہوں کہ اس راہ میں مجھے دو میں سے کسی ایک اچھائی تک پہنچائے گا: یا تو شہادت کہ میری سعادت

---

(۱)۔ الاصابہ ج۴، ص۲۹۴.

اسی میں ہے یا پلٹ کر دوبارہ تمہارے پاس آؤں گا۔ تمہاری زندگی کا ذمہ دار خدا ہے اور وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا (غور کیجئے کہ اس بشری پیکر میں کیسی آسمانی روح اور فرشتہ صفتی پوشیدہ ہے) مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا اور تمہارے وجود میں میرا پاس رکھے گا۔

اس وقت پھر اپنے راستہ پر چل پڑے اور اس ناامید و پریشان گھر کو روتا ہوا اور دعا گو اپنے آنے کے انتظار میں چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ کیسا گھر اور کیسی بیٹیاں کہ اس سیاہ روزگار میں قبیصہ کا گھرانہ اور ان کی بچیاں زندگی بسر کر رہی تھیں۔

طبری رقمطراز ہیں: قبیصہ بن ضبیعہ، ابو شریف بدی کے ہاتھوں لگ گئے۔ قبیصہ نے اس سے کہا: میرے اور تمہارے قبیلے کے درمیان اختلاف نہیں ہے چھوڑ دو کوئی اور مجھے قتل کرے۔ اس نے اس بات کو قبول کر لیا اور پھر قضاعی نے آپ کو شہید کر دیا۔

مؤلف: ایک بار پھر اس بزرگ روح کی طرف غور سے دیکھے کہ ایسے لمحہ میں بھی اس فکر میں ہے کہ دو قبیلوں کے درمیان کدورت و نفاق پیش نہ آئے اور اس کوشش میں ہے کہ برادری اور مسالمت کو محفوظ رکھے۔

● **کدام بن حیان عنزی:**

● **محرز بن شہاب بن بجیر بن سفیان بن خالد بن منقر التمیمی** (۱) آپ قوم کے بزرگوں اور معزز افراد میں شمار ہوتے تھے اور خالص شیعہ اور شیعیت میں معروف تھے۔

۴۳ھ ہجری میں جب **معقل بن قیس** خوارج سے جنگ کر رہا تھا تو محرز اس کی فوج کے میسرہ (بائیں محاذ) کی سپاہ کے سربراہ تھے۔ اس جنگ میں (بروایت طبری، ج۶، ص۱۰۸) معقل کی فوج ۳/ ہزار افراد پر مشتمل تھی اور ان میں سے ہر ایک شیر بیشہ شجاعت اور خالص شیعہ تھے۔

۲۔ عمرو بن حمق خزاعی

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے: عمرو بن الحمق خزاعی بن کاهن بن حبیب

---

(۱)۔ حجر اور ان کے ساتھیوں کے سلسلے میں جو مطالب لکھے گئے ہیں اس کیلئے مندرجہ ذیل مدارک ملاحظہ ہوں: الامامة و السیاسة، کامل، تاریخ طبری، شرح نهج البلاغه، الاستیعاب، النصائح الکافیه اور تاریخ الکوفة.

بن القین بن ذراح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی .

آپ فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے ،آپ وہی نیک سیرت صحابی ہیں جن کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تھی کہ ان کی جوانی پائدار رہے۔زندگی کی اسی (۸۰) بہاریں گزر چکی تھیں لیکن داڑھی کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا اور چونکہ آپ حسین وجمیل بھی تھے لہذا داڑھی کے بالوں کی سیاہی آپ کی درخشندگی اور خوبصورتی میں تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی مصاحبت اختیار کر لی اور آپ کی مخلصانہ محبت اس درجہ کو پہنچی کہ آنحضرت آپ سے فرمایا کرتے تھے۔اے کاش میرے سپاہیوں میں تمہارے جیسے سو(۱۰۰) موجود ہوتے۔جمل وصفین ونہروان کی جنگ میں آپ حضرت علی علیہ السلام کے ہمرکاب تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کے سلسلے میں اس طرح دعا فرمائی:

بارالہا اس کے قلب کو تقویٰ سے روشن کردے اور اسے سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔اور آپ سے فرمایا: اے عمرو! میرے بعد تمہیں قتل کیا جائے گا اور تمہارے سر کو شہر بہ شہر پھرایا جائے گا اور یہ اسلام میں سب سے پہلا سر ہوگا جو شہر بہ شہر پھرایا جائے گا وائے ہو تمہارے قاتل پر۔(۱)

ابن اثیر کا (ج۳ص۸۳) بیان ہے: جب زیاد کوفہ آیا تو عمارۃ بن عقبہ بن ابی معیط نے اس سے کہا: عمرو بن الحمق ابو تراب کے شیعوں کو یکجا اور متمرکز کر رہا ہے۔زیاد نے کسی کو اس کے پاس روانہ کیا کہ تمہارے اردگرد یہ اجتماع کیسا ہے؟ جس سے گفتگو کرنا چاہتے ہو مسجد میں گفتگو کرو۔(۲) اس کے بعد عمرو (طبری کی روایت کے مطابق) ہمیشہ خوف زدہ اور کمین میں رہے یہاں تک کہ حجر بن عدی کا ماجرا در پیش آیا۔اس واقعہ میں آپ نے بہت اچھا امتحان دیا اور درخشاں ہنر کا مظاہرہ کیا الحمراء (زیاد کی پولیس کی ایک فرد) بنام بکر بن عبید نے ایک گرز آپ کے سر پر مارا اور آپ کو زمین پر گرا دیا۔شیعہ حضرات آپ کو معرکہ سے

---

(۱)۔ سفینۃ البحار ج۲،ص۳۶۰.

(۲)۔طبری نے عمارہ بن عقبہ کی چغلخوری کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد اس طرح بیان کیا: بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جس شخص نے عمرو بن حمق کی خبر کو زیاد کے پاس پہنچایا تھا اور یہ کہا تھا کہ اس نے دو شہر کوفہ اور بصرہ میں بغاوت بپا کی ہے وہ یزید بن رویم تھا.

کنارے لے گئے اور قبیلہ ازد کے ایک شخص کے گھر میں چھپا دیا چند دنوں کے بعد خفیہ طور پر کوفہ سے نکل گئے رفاعہ بن شداد جو شیعوں کے ایک سربراہ شخصیت تھے وہ بھی آپ کے ہمراہ ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ کوفے سے باہر نکل گئے شروع میں مدائن گئے پھر وہاں سے موصل کا راستہ اختیار کیا اور اس شہر کے نزدیک ایک پہاڑ میں امن وامان کی سانس لی۔ اس آبادی کا حاکم اس پہاڑ کے آس پاس کے لوگوں کے سلسلے میں مشکوک ہوگیا اور چند سواروں کے ساتھ ان لوگوں کی طرف روانہ ہوا۔ عمرو موصل پہنچنے سے پہلے ہی استسقاء (پیاس کی شدت) کے مرض میں مبتلا ہوگئے تھے اور طبیعی طور پر دفاع کی قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن رفاعہ بن شداد جو طاقتور جوان تھے بے جھجک گھوڑے پر سوار ہوئے اور عمرو سے کہا: میں آپ کی طرف سے دفاع کروں گا۔ عمرو نے کہا: دفاع مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اگر ممکن ہے تو اپنی جان بچالو۔ رفاعہ نے ان لوگوں پر ہجوم کیا اور محاصرہ کی زنجیر کو توڑ دیا اور گھوڑے کو مہمیز کر کے دور ہوگئے، سواروں نے ان کا پیچھا کیا لیکن وہ زبردست تیر انداز تھے جو سوار بھی ان کے نزدیک پہنچتا تھا ایک تیر اس کی طرف چلا دیتے تھے، یا اُسے مجروح کر دیتے تھے یا انہیں بے بس بنا دیتے تھے۔ لہذا سواروں نے ان کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا اور عمرو کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آپ سے پوچھا: تو کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں وہ ہوں کہ اگر مجھے چھوڑ دیا تو یہ کام تمہاری سلامتی سے نزدیک ہے اور اگر قتل کر دیا تو یہ کام تمہارے لئے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ دوبارہ ان لوگوں نے آپ کا نام پتہ پوچھا لیکن آپ جواب دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ابن ابی بلتعہ اس علاقے کے حاکم نے آپ کو موصل کے کارکن عبدالرحمن بن عبداللہ بن عثمان ثقفی کے پاس روانہ کیا، اس نے جیسے ہی عمرو کو دیکھا پہچان لیا اور آپ کے ماجرے کو معاویہ کے پاس لکھ کر روانہ کیا معاویہ نے جواب میں لکھا کہ نیزہ سے نو (۹) ضرب اسے لگاؤ جس طرح اس نے عثمان کو ضرب لگائی تھی! ایسا ہی کیا گیا، اور ایک یا دو ضربت میں آپ جاں بحق ہوگئے۔

ابن کثیر کی روایت، طبری کی روایت سے جو ابھی بیان کی گئی بہت زیادہ مختلف ہے۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ معاویہ کے خصوصی ایلچیوں نے آپ کو ایک غار میں مردہ پایا اور آپ کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس روانہ کر دیا اور یہ اسلام میں سب سے پہلا سر تھا جو شہر بہ شہر گھمایا گیا۔ معاویہ نے آپ کے کٹے ہوئے سر کو آپ کی زوجہ آمنہ بنت شرید جو قیدی تھیں، کے پاس بھیج دیا (وحشی پن اور اس درجہ درندہ صفتی کو اس انسانی لباس میں

ملاحظہ کیجئے) سر کو ان کے دامن پر ڈال دیا گیا۔ آمنہ نے آپ کی پیشانی پر سر رکھا اور آپ کے لبوں کو بوسہ دیا اور بولیں: کتنی دیر سے تم لوگوں نے ان کو مجھ سے دور رکھا ہے اور اب ان کی شہادت کے بعد انہیں مجھے واپس کر رہے ہو؟ اس ہدیہ کا کیا کہنا جو دوستدار بھی ہے اور محبوب بھی۔

امام حسین علیہ السلام نے ایک خط کے ذیل میں معاویہ کو یہ تحریر فرمایا تھا: کیا تو وہی نہیں ہے جس نے عمرو بن حمق صحابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وہ بندہ صالح کہ عبادت الٰہی کی وجہ سے جن کا جسم لاغر اور رنگ زرد پڑ گیا) کو قتل کیا ہے جبکہ انہیں تو نے امان دی تھی وہ بھی ایسا عہد و پیمان کیا تھا کہ اگر کسی پرندہ کو ایسا عہد و پیمان دیدیا جاتا تو وہ بادلوں کے اس پار سے نیچے آ گیا ہوتا؟ تو نے ان کو قتل کر دیا اور خدا کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کیا اور عہد و پیمان کو سبک شمار کیا...۔

مؤلف: اس عہد و پیمان سے مقصود قرارداد صلح کی وہی پانچویں شق ہے۔

سفینۃ البحار کے مؤلف لکھتے ہیں: آپ کا مدفن شہر موصل کے پاس ہے، سیف الدولہ کے چچازاد بھائی ابو عبداللہ سعید بن حمدان نے پہلی بار شعبان کے مہینہ ۳۳۶ ہجری میں اسے بنوایا۔"

اصول التاریخ والادب ج۹، ص۲، پر اس طرح مرقوم ہے: ابو الحسن علی بن ابی بکر هروی کتاب الزیارات میں لکھتے ہیں: شہر موصل کے پاس شہر کے بالائی علاقہ میں عمرو بن حمق کا مدفن ہے آپ کے بدن کو وہاں سپرد خاک کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں یہ سب سے پہلا سر تھا جو شہر بہ شہر گھمایا گیا۔ اس آرامگاہ میں امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے بعض بزرگان بھی دفن ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن یحییٰ حضرمی اور ان کے ساتھی

محمد بن بحر شیبانی کتاب "الفروق بین الاباطیل والحقوق" میں قاسم بن مجیمہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا: معاویہ نے اپنے عہد و پیمان میں سے کسی ایک پر عمل نہیں کیا اور میں نے معاویہ کو لکھے گئے امام حسن علیہ السلام کے خط کو پڑھا ہے جس میں وہ اپنے اور اپنے شیعوں کے سلسلے میں معاویہ کے مظالم کو شمار کرتے ہیں اور سب سے پہلے عبداللہ بن یحییٰ حضرمی اور ان کے ساتھیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ان کے ہمراہ

قتل کیے گئے۔"(۱)

مؤلف: عجلت کی بنا پر حضرمی کے حالات، ان کے قتل کے واقعات اور وہ لوگ جوان کے ہمراہ شہید ہوئے کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ بس ہم اسی حد تک جانتے ہیں کہ آپ امیر المومنین کے قریبی یار وانصار میں سے تھے اور آنحضرت نے جنگ جمل میں آپ سے فرمایا تھا: اے فرزند یحییٰ تمہیں اور تمہارے باپ کو بشارت ہو۔

اسی طرح اس سلسلے میں بعض مورخین کی صراحت ہے کہ حضرت امام حسین بن علی علیہ السلام نے معاویہ کو لکھے گئے خط میں دیگر ساتھیوں پر عبداللہ بن یحییٰ کو مقدم کیوں کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ان سب میں سب سے زیادہ پارسا، دنیاوی زندگی سے کنارہ کش اور گوشہ نشینی سے نزدیک تھے اور آپ کی جانب سے معاویہ کی حکومت کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ان مورخین کا بیان ہے:

"عبداللہ بن یحییٰ اور ان کے ساتھیوں کو جو امیر المومنین کی شہادت سے اندوہ وملال تھا جو والہانہ محبت تھی اور ان کے فضائل کو بہت زیادہ بیان کیا کرتے تھے، معاویہ کو اس کی آگاہی ہوگئی۔ لہذا ان لوگوں کو گرفتار کرلیا اور ہاتھ پیر باندھ کر گردن ماردی۔ وہ کہ جو کسی راہب کو اس کی گوشہ نشینی سے نیچے لاکر بے جرم وگناہ قتل کردے تو یہ مرحلہ اس بات سے زیادہ تعجب آور ہے کہ جو کسی پادری (عیسائیوں کے کلیسا میں تبلیغ کرنے والے روحانی پیشوا) کو کلیسا سے باہر نکال کر قتل کردے کیونکہ پادری تو راہب کی بہ نسبت تلاش وکوشش سے نزدیک ہوتا ہے۔ راہب تو آسمان وزمین کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ لہذا اگر امام حسن علیہ السلام نے ان عابد ومتقی وروشن ضمیر افراد کو ان افراد پر مقدم کردیا کہ جو خود بھی ان اوصاف کے حامل تھے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔"(۲)

عبداللہ بن یحییٰ کا ماجرا مصیبت میں حجر بن عدی سے بہت شباہت رکھتا ہے یہ دونوں بے دفاع قتل کیے گئے دونوں اپنے دوستوں اور ساتھیوں سمیت قتل کیے گئے دونوں کا جرم صرف یہی تھا کہ فضائل اور کمالات میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

---

(۱)۔ بحار الانوار ج ۱۰، ص ۱۰۱۔

(۲)۔ بحار الانوار ج ۱۰، ص ۱۰۱۔

۴۔رشید ھجری (۱)

آپ حضرت علی علیہ السلام کے شاگرد اور ان کے دلباختہ اور پاک سرشت یاور ومصاحب تھے اور ایسے عالم تھے کہ جن کے عالم بلایا ومنایا (لوگوں کی موت اور آئندہ آنے والے واقعات کے عالم) ہونے کے بارے میں سب کو اعتراف تھا ایک کثیر جماعت آپ سے روایت کرتی ہے لیکن ان سب نے اموی حکمراں کے خوف سے ان کا نام لینے سے پرہیز کیا ہے۔صرف جس نے صراحت کے ساتھ آپ کا نام لیا ہے اور آپ سے حدیث نقل کی ہے وہ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے جس نے اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور ان کے کٹے ہاتھ پیر کو جمع کیا ہے۔

وہ بچی جب کٹے ہاتھ پیر جمع کر رہی تھی تو اپنے باپ سے پوچھا: کیا کسی درد کا احساس ہو رہا ہے؟ تو رشید نے جواب دیا: نہیں میری بچی؟ ہاں بس اس حد تک جیسے کوئی کسی بھیڑ میں پھنس جائے!

آپ کو زیاد کے پاس لے جایا گیا۔زیاد نے آپ سے کہا: تیرے محبوب (یعنی علی علیہ السلام) نے اس بلا کے سلسلے میں جس میں، تجھ کو میں مبتلا کروں گا کچھ نہیں کہا ہے؟! رشید نے جواب دیا: تو میرے ہاتھ پیر کاٹے گا اور مجھے دار پر چڑھادے گا۔زیاد بولا: خدا کی قسم اس کی پیشینگوئی کو جھوٹا ثابت کردوں گا۔اسے چھوڑ دو یہ چلا جائے۔ جب آپ جانے لگے تو چلا کر بولا اسے واپس پلٹاؤ تیرے لئے کوئی بلا اس بلا سے بہتر نہیں ہوسکتی جسے تیرے محبوب نے بیان کیا ہے۔حقیقت ہے تو جتنا زندہ رہے گا برائی کے علاوہ کچھ بھی نتیجہ نہیں دے گا۔اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالو ۔آپ کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے گئے اور آپ اسی طرح بولتے جارہے تھے۔زیاد نے حکم دیا ان کو دار پر لٹکا دو اور اسے رسی سے باندھ دو۔رشید نے کہا: ایک کام باقی رہ گیا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں تم لوگ اسے بھول گئے! زیاد نے کہا: اس کی زبان کاٹ ڈالو۔آپ کی زبان بھی کاٹ ڈالی گئی جب آپ کی زبان کو کھینچ کر لوگ باہر لے جانے لگے تو آپ نے کہا: رک جاؤ مجھے ایک بات کہنے دو یہ سنتے ہی آپ کو آزاد کردیا گیا۔آپ نے کہا: خدا کی قسم یہ بھی امیر المومنین کے سخن کی تصدیق ہے۔مجھے انہوں نے میری زبان کٹنے سے بھی باخبر کیا تھا۔

---

(۱)۔رشید عربی میں تصغیر کا صیغہ ہے جو فارسی میں خمین کے وزن پر ہے ہجر (صمد کے وزن پر) یہ بحرین میں ایک علاقہ کی طرف منسوب ہے

ہاتھ پیر کاٹ کر آپ کو مجروح قصر سے باہر پھینک دیا گیا۔ لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے اور اسی رات آپ شہید ہو گئے۔ آپ پر خدا کی رحمت ہو۔

آپ کی بیٹی کا بیان ہے: ایک دن میں نے اپنے بابا سے کہا: بابا جان! آپ کس قدر تلاش و کوشش کرتے ہیں! تو انہوں نے جواب دیا: ہمارے بعد ایسے لوگ آئیں گے جن کی دین میں آگاہی، بصیرت اور بینائی ہماری زحمت و کوشش سے کہیں زیادہ بافضیلت ہوگی۔"

آپ اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے تھے: میری بچی! باتوں کو کچھ اس طرح پوشیدہ رکھنا کہ گویا کوئی بات تھی نہیں اور دل کو امانت کا مرکز بنا ڈالو۔(۱)

۵۔ جویریة بن مسهر عبدی

ابن ابی الحدید کا بیان ہے: ایک دن حضرت علی علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو ان سے فرمایا: جویریہ! نزدیک آؤ! جب بھی میری نگاہ تم پر پڑتی ہے تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اس وقت اسرار آمیز مطالب ان سے بیان فرماتے اور آخر میں فرمایا: اے جویریہ! ہم سے محبت کرنے والے سے اس وقت تک محبت کرو جب تک وہ ہم سے محبت کر رہا ہے اور جب وہ میرا دشمن ہو جائے تو اس سے دشمنی کرو... اور ہمارے دشمن کو جب تک وہ ہمارا دشمن رہے دشمن رکھو اور جب بھی اپنے دل میں ہماری محبت کو جگہ دیدے تو اس سے محبت کرنے لگو۔

حضرت علی علیہ السلام سے آپ کے خاص روابط اس حد تک تھے کہ روایت کرنے والوں نے روایت کی ہے کہ ایک دن آپ آنحضرت کے گھر میں وارد ہوئے۔ حضرت علی علیہ السلام سو رہے تھے اور آپ کے کچھ یار و انصار وہاں موجود تھے۔ جویریہ نے با آواز بلند کہا: اے خوابیدہ ذات! بیدار ہو۔ بے شک وتر دیدا ایسی ضربت آپ کے سر پر لگائی جائے گی جس سے آپ کی داڑھی کے بال رنگین ہو جائیں گے۔ آنحضرت مسکرائے اور فرمایا: میں بھی تمہیں تمہارے انجام سے باخبر کر دوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم کو ایک بدمزاج

---

(۱)۔ سفینة البحار ج۱، ص۵۲۲.

زنازادہ سنگر کے پاس لے جایا جائے گا اور وہ تمہارے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے گا اور ایک درخت کے نیچے ایک کافر تمہیں دار پر چڑھادے گا۔

راوی کا بیان ہے: اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ زیاد نے جویریہ کو گرفتار کیا اور آپ کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور "ابن معکبر" کے درخت کے پاس آپ کو دار پر چڑھادیا گیا۔

مؤلف: اس حدیث کو حبہ عرنی نے بھی نقل کیا ہے اور اضافہ کیا ہے کہ زیاد بن ابیہ وہ ہے کہ جس نے علی علیہ السلام کی دشمنی کے پرچم کو لہرایا اور مسلسل علی علیہ السلام کے چاہنے والوں کی جستجو میں رہتا تھا اور جب انہیں اچھی طرح پہچان لیتا تھا تو انہیں جس گوشہ میں بھی پاتا تھا قتل کر دیتا تھا۔

۶۔ اوفی بن حصین

بنی امیہ کے ظلم کا ایک اور نشانہ اور قربانی... زیاد نے آپ کو اپنے پاس بلایا لیکن آپ نے زیاد کے روبرو ہونے سے انکار کیا۔ ایک دن زیاد لوگوں پر نگاہ دوڑا رہا تھا ناگہاں اس کی نگاہ آپ پر پڑی، پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ اوفی بن حصین ہے۔ زیاد نے آہستہ سے اپنے دل میں کہا: اپنے پیروں سے چل کر دام میں پھنس گیا۔ پھر آپ سے پوچھا: تیرا عقیدہ عثمان کے سلسلے میں کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: عثمان رسول خدا کے داماد اور ان کی دولڑکیوں کے شوہر ہیں۔ زیاد: معاویہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

اوفی: وہ عطا کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔

پھر دوبارہ پوچھا: میرے بارے میں تمہارا نظریہ کیا ہے؟ اوفی: سنا ہے کہ تم نے بصرہ میں کہا ہے کہ "خدا کی قسم بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے میں اور حاضر کو غائب کے بجائے سزا دوں گا"؟

زیاد: ہاں میں نے یہ کہا ہے۔(۱) اوفی: بہت غلط اور لغزش آمیز راستہ اختیار کیا ہے!

مؤلف: اس بلند نظر شخص کی زبردست شخصیت کا اندازہ یہاں سے ہوتا ہے کہ زیاد کو جواب دینے میں تدریجی راستہ کو اختیار کیا اور حکیمانہ اسلوب سے اسے اس کی خطا سے واقف کرانا چاہا۔ اس بات کو بھولنا نہیں چاہیے

---

(۱)۔ زیاد کا یہ خطبہ اکثر و بیشتر مورخین نے لکھا ہے۔ اور ہم نے اس ٹکڑے کو ۱۱ ویں فصل کے حاشیہ سے یہاں پر ذکر کیا ہے۔

کہ اوفی اس لحہ میں اُپی ہوئی تلواروں کے درمیان تھے تو دوسری طرف حق و باطل کے دوراہے پر تھے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے ان دلاور شاگردوں کی نسبت ہمارے تعجب اور تحسین میں اضافہ کا سبب قرار پاتا ہے ۔لیکن یہ موعظہ اوفی کیلئے صرف اس قدر سودمند ثابت ہوسکا کہ زیاد بولا: یہ صور پھونکنے والا دوسروں سے زیادہ شریر نہیں ہے۔(۱) اور پھر آپ کے قتل کا حکم صادر کردیا۔(۲)

سچ بتایئے کہ زیاد نے کس جرم میں اوفی بن حصین کو اپنی شرارت کا ہدف قرار دیا اور ان کے خون کو زمین پر بہایا؟ جبکہ رسول خدا کا فرمان ہے: مسلمان کی تمام چیزیں: اس کی جان، اس کا مال اس کی آبرو دوسرے مسلمان کیلئے حرام اور محترم ہے۔

جیسا کہ آپ نے خود ملاحظہ کیا کہ اس بزرگ مرد نے ان جوابوں میں جو زیاد کو دیا تھا نہ تو کسی پوشیدہ چیز کو برملا کیا اور نہ ہی کسی راز کو آشکار کیا لیکن وہ جو قرآن کی آشکار مخالفت کرتا ہے اور ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (کوئی بھی کسی دوسرے کے وزر و بال (وزن) کو اپنے کاندھے پر نہیں اٹھائے گا) اس پر کان نہیں دھرتا ہو اور کسی بے گناہ کو گنہگار کے بدلے گرفتار کرلیتا ہو تو اس میں تعجب کیا کہ اگر وہ قرآن اور منطق دین کو درک نہ کرے اور آپ جیسی شخصیت کا خون بہادے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ زیاد اس زمانے میں قصر ظلم و بیداد پر بیٹھا تھا اور لوگ اس کے زمانے میں دنیا کی سخت ترین زندگی بسر کررہے تھے۔ اور گروہ در گروہ قید خانہ میں جارہے تھے تو کچھ لوگ جوق در جوق آوارہ وطن ہورہے تھے اور شہر بدر پردیس کی زندگی بسر کررہے تھے اور سینکڑوں افراد وحشیانہ سزاؤں جیسے آنکھیں نکالنے، ہاتھ پیر کاٹنے اور سینہ و پشت (۳) کی ہڈیوں کو چور چور کرنے کیلئے اس کے دربار کے جلادوں کے ہاتھوں قرار پاتے تھے اور کتنی ایسی دوسری قربانیاں تھیں جو ہاتھ پیر بندھوا کر زنجیروں و بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کے ساتھ کوفہ و شام کے

---

(۱)۔ یہ اس بات کا کنایہ ہے کہ یہ شخص اپنی زباندانی اور صریح گوئی کی بنیاد پر دوسروں کے جرم سے زیادہ مجرم نہیں ہے۔ (مترجم) (آیۃ اللہ خامنہ ای)

(۲)۔ کامل بن الیر، ج۳، ص۱۸۳، تاریخ طبری، ج۶، ص۱۳۰۔۱۳۲ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۳)۔ عمیر بن یزید جو حجر کے ایک نزدیکی ساتھی تھے تو جب انہیں زیاد کے پاس لایا گیا۔ تو پہلے زیاد نے ان کی جان اور ان کے مال کو امان دی تھی لیکن جب آپ کو اس کے پاس حاضر کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے زنجیر سے جکڑ دیا جائے اور پھر طاقتور افراد ان کے بدن کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائیں اور پھر زمین پر دے ماریں۔ ان لوگوں نے کئی بار اس کام کی تکرار کی طبری ج۶، ص۱۴۷۔

درمیان رفت وآمد کے مرحلہ میں تھیں۔

کوفہ میں رعب ودہشت اور مرگبار گھٹن اور شام میں ایسے لوگوں کیلئے ہولناک موت کے علاوہ کچھ بھی موجود نہ تھا۔

وہ کوفہ جو ماضی قریب میں بغاوت وسازش کا مرکز تھا، آج اموی ستمگر حکام کے فشار اور زیادتیوں کے نتیجہ میں ایک مجروح شکستہ عضو کی طرح افسردہ، بے حال اور فرمانبردار کی حالت میں تھا، کل کے باغی آج کے مستبد اور خودمختار حاکم تھے اور بغیر کسی پرواہ کے مظلوم ملت پر ظلم وبیداد کا ہاتھ کھولے ہوئے تھے۔ تعجب تو اس پر ہے کہ کیوں اس شہر کو لوگوں کے غیض وغضب کے زلزلہ نے درہم برہم نہیں کیا؟ اور کیوں یکجا ہو کر سب نے اس ستمکدہ سے ہاتھ نہیں کھینچا اور پہاڑوں اور بیابانوں میں کیوں پناہ گزیں نہیں ہو گئے؟

معاویہ اور اس کے باپ کا ناجائز بچہ اور اس کے مکتب ومرام کے گرگے اس نکتہ کو درک نہیں کر پا رہے تھے کہ زبردستی اور گھٹن، خود ان افکار کے رشد کیلئے بہت بڑا عامل ہے کہ مستبد وخودسر وجبار افراد جس سے جنگ کرتے ہیں.... اور اس بات کو وہ لوگ نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ رعب وزبردستی، اس فکر ومکتب کو نابود وریشہ کن نہیں کر سکتے جن پر ابدیت کی مہر لگا دی گئی ہے اور خالص فکر ہی سالم بیج ہے جو تاریخ کے قدم بقدم، نسلوں اور صدیوں کے امتداد کے ساتھ رشد ونمو کرتی ہے اور گزشتہ زمان کے ساتھ مایہ زندگی اور استمرار حیات کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے بعد کروڑوں افراد اس دنیا میں آئے جو اس زمانے کے کوفہ سے یکساں طرز فکر اور معاویہ اور اس کے ایسے ساتھیوں سے زوال ناپذیر کینہ اور بے انتہاء عداوت رکھتے تھے۔

پھانسی کے علاوہ دوسرے شکنجے

اموی سلطنت کے مظالم، قتل، شہر بدری، گھروں کی ویرانی، اموال کو ضبط کرنا، اور لبوں کے سلنے کے علاوہ اور بھی دوسرے مظالم ہیں۔

ابن اثیر، اوفی بن حصین کے قتل کی دردناک داستان کی مناسبت سے لکھتے ہیں: ''تیس (۳۰) یا اسی (۸۰) افراد کے ہاتھ کاٹے جانے کے بعد وہ سب سے پہلے وہ شخص تھے جنہیں قتل کیا گیا۔''

معاویہ نے کوفہ و بصرہ کے تمام گوشہ و کنار میں زبردست جستجو کی اور ان دو بڑے شہروں میں جو بھی قوم کا بزرگ، یا کوئی بہت بڑا تلوار کا دھنی، یا موثر خطیب یا شیعوں کا کوئی بہترین شاعر تھا ان سب کو ان کے مرکز اور ٹھکانے سے ہٹادیا اور اسے ہاتھ پیر باندھ کر قید خانہ روانہ کر دیا یا آوارہ وطن کر دیا اور اس کے گھر کو ویران کر دیا یا زمین پر اس کا خون بہادیا۔

اب ہم یزید کے باپ کے مظالم کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں جو اس نے اس زمانے کی برجستہ شخصیتوں اور شیعوں کی معزز ہستیوں کے ساتھ روا کئے تھے۔

ب: دباؤ اور دھمکی کا راستہ

ا۔ عبداللہ بن ہاشم مرقال

آپ بصرہ میں قریش کے بزرگ اور شیعوں کے سربراہ تھے۔

آپ کے والد ہاشم مرقال (بن عتبہ بن ابی وقاص) وہی شجاع اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے سپہ سالار تھے جنگ صفین میں جن کے ہاتھوں معاویہ کو موت نظر آنے لگی تھی آپ اس دن حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میسرہ (بائیں محاذ) کے سربراہ تھے۔

معاویہ نے اپنے کارکن زیاد کو لکھا: عبداللہ بن ہاشم بن عتبہ کو اپنی نظر میں رکھو اور اسے گرفتار کر کے ہاتھ پیر باندھ کر میرے پاس شام روانہ کر دو۔

زیاد نے رات میں آپ پر حملہ کیا اور آپ کے ہاتھ باندھ کر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر دمشق روانہ کر دیا۔ جب آپ کو معاویہ کے پاس لے جایا گیا تو عمرو عاص وہاں اس کے پاس موجود تھا۔ معاویہ نے عمرو سے پوچھا: اس شخص کو پہچانتے ہو؟ عمرو عاص: ہاں! یہ وہی ہے جس کا باپ جنگ صفین میں کہہ رہا تھا... اور پھر وہ رجز جو ہاشم اس دن جنگ صفین میں پڑھ رہے تھے اسے دھرا دیا اور پھر اس سے تمثیل کی:

کبھی کبھی سبزہ گندگیوں پر اگتا ہے

اور خشم وکینہ اس کے اندر اسی طرح باقی ہے۔(۱)

اس وقت پھر بولا: اے امیر المومنین! اس خاموش وآرام مگر مجھ کو کبھی رہا نہ کیجئے گا؛ اس کے جسم سے اس کی روح کے رابطہ کو ختم کر دیجے اور اسے عراق واپس نہ لوٹایئے۔ کیونکہ وہ ایسا نہیں ہے کہ نفاق واختلاف سے باز آجائے۔ یہ لوگ ہنگامہ ابلیس کے وقت آگ لگانے والے اور اہل مکر وعداوت ہیں۔ اس کے دل میں ایسی محبت ہے جو اس کے جسم پر اسلحہ کو آراستہ کرتی ہے اور اس کے سر میں ایسی فکر ہے جو اسے سرکشی پر برانگیختہ کرتی ہے اور اس کے اردگرد ایسے یار وانصار ہیں جو اس کی مدد کرتے ہیں اور ہر گناہ کی سزا اسی جیسا کام ہے۔

اہل عراق کو اس قسم کے کلمات سے یاد کرنا اور اُن پر طعن وتشنیع اور حملہ کرنا عمرو عاص کی مشہور و معروف اور ہمیشہ کی عادت ہے اور ہم اس سے قبل کسی کو نہیں پہچانتے جس نے اس دشمنی اور خصومت بار انداز میں اہل عراق کی توصیف کی ہو۔

لیکن فرزند مرقال بھی ناتواں بزدل نہ تھے کہ اس قسم کے تند حملوں سے چلتی ہوئی زبان روک لیں۔ وہ ایسے شیر کے بچے تھے جن کا اپنا نسب، قوی پنجہ شیروں تک پہنچا تا تھا۔ لہذا عمرو عاص سے مخاطب ہو کر اس کے جواب میں اس طرح رطب اللسان ہوئے۔

اے عمرو اگر میں قتل کر دیا گیا تو ایسا شخص ہوں جس کے رشتہ داروں نے فروگذشت کر دیا اور اس کی موت کا وقت آ گیا لیکن کیا تو وہ نہ تھا جس نے میدان کارزار سے اپنا منہ موڑ لیا؟

ہم جس قدر تجھے جنگ کی دعوت دیتے تھے اتنا ہی تو بہانہ تلاش کرتا تھا اور ایک سیاہ فام کنیز یا اس بکری کی طرح جو ایک طرف کھینچی جاتی ہے تو پرہیز کر رہا تھا اور پچھلے پاؤں بھاگ رہا تھا اور کم ترین دفاع بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

عمرو نے کہا: خدا کی قسم اب تو ایسے شیر کے پنجہ میں ہے جو ساری دنیا سے بہتر ہے۔ میرا تو یہ گمان ہے کہ امیر المومنین کے چنگل سے تجھ کو رہائی نصیب نہیں ہوگی!

عبداللہ نے کہا: اے عاص کے بچے، خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ آسودگی کے وقت تو خرافات بکتا

---

(۱)۔ اس مثال کو عرب ایسے آراستہ ظاہر کیلئے پیش کرتے ہیں جو باطن کے خلاف ہو۔ یہاں پر عمرو کا مقصود یہ ہے کہ ابھی یہ آرام ہے لیکن اس کے سینہ میں وہی روز صفین کی عداوت اور خشم موجود ہے۔

ہے اور میدان جنگ میں مقابلہ کے وقت تو بزدل اور خوف زدہ ہے۔ جب پیچھے رہتا ہے ظالم جلاد کی طرح ہے اور جب روبرو ہوتا ہے تو ناتوان خوف زدہ ہے! تو اس ٹیڑھی شاخ کی طرح ہے جو کانٹوں کے درمیان اُگے تو تکلیف دہ اور بے ثمر ہے، جو دیر پا تو ہے لیکن بے فائدہ... کیا تو وہی نہ تھا کہ ایک زمانے میں ایسے لوگ تجھ پر مسلط ہوئے تھے جو خردسالی میں تندخوئی میں گرفتار نہیں ہوئے تھے اور بزرگی میں دین سے باہر نہیں ہوئے تھے جن کے بازو قوی اور جن کی زبان تیز تھی، جو کجی کو برطرف کیا کرتے تھے اور گرفتاریوں اور سختیوں کے دروازہ کو کھول دیا کرتے تھے۔ کم کو زیادہ کر دیتے تھے اور تشنگی کو ختم کر دیتے تھے اور ذلیل کو عزت عطا کرتے تھے؟

عمرو نے کہا: خدا کی قسم میں نے اس دن تیرے باپ کو دیکھا کہ ان کا پیٹ پھاڑا جا رہا تھا اور اندر کی چیزیں باہر نکالی جا رہی تھیں اور ان کی پیٹھ کی ہڈیوں کو چکنا چور کیا جا رہا تھا وہ ایسے تھے کہ زخموں سے بھرے جسم پر مرہم لگایا گیا ہو۔!

عبداللہ نے کہا: اے عمرو! ہم نے تجھے اور تیری گفتگو کو آزمالیا ہے۔ تیری زبان بہت جھوٹی اور فریب کار ہے۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول بڑھائے ہوئے ہے جو تجھ سے ہیں اور انہوں نے تیرے کردار کو نہیں آزمایا ہے اگر اہل شام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ زبان کھولے تو اپنی فکر کی تباہی کو سمجھ لے گا اور بولنے کا راستہ تجھ پر بند ہو جائے گا۔

اور اس بیٹھے شخص کی طرح لرزنے لگے گا جس کے بوجھ کی سنگینی سے ران لرزنے لگتی ہے۔''

اس وقت معاویہ نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا: اب بس کرو! پھر حکم دیا کہ عبداللہ کو رشتہ داری کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔

اس واقعہ کے بعد ہمیشہ عمرو عاص اس کاہلی کی وجہ سے معاویہ کی سرزنش کرتا رہتا تھا اور اس مضمون کے اشعار پڑھا کرتا تھا: حکم دیا جس کی اطاعت نہ کی اور ہاشم کے بیٹے کو قتل کرنے سے ہاتھ روک لیا جو خود ایک فتح اور کامیابی تھی۔ کیا اس کا باپ وہ نہ تھا جس نے خونی لمحات میں علی کی مدد کی؟ اور تلوار سے ہاتھ نہ کھینچا یہاں تک کہ صفین میں ہمارے خون کا دریا بہنے لگا۔ اور یہ اسی کا بیٹا ہے اور یہ شخص اپنے باپ جیسا ہے، زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ تم اس خطا کی وجہ سے شرمندہ ہو گے اور اپنے دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹو گے۔

۲۔عدی بن حاتم طائی

آپ ایسے صحابی تھے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا احترام کیا کرتے تھے، آپ بزرگ زعیم، خطیب، سخنور اور شیر بیشہ شجاعت تھے۔

آپ نویں ہجری میں ایمان لائے اور آپ کا اسلام بہت اچھا ہوگیا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں وارد ہوا تو لوگ تلاش وجستجو کی نگاہ سے مجھے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے: عدی بن حاتم ہے!.. رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اسلام کو قبول کرلو تا کہ سلامت رہو! میں نے کہا: میرے پاس خود آئین ہے۔(۱) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میں تمہارے آئین سے تم سے زیادہ دانا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اردگرد لوگوں کی بے سامانی اور سب کو میرے نزدیک ایک جیسا سمجھتے ہو یہی امر تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہے۔

پھر فرمایا: حیرہ گئے ہو؟، میں نے کہا: گیا نہیں ہوں لیکن اس جگہ کو جانتا ہوں۔ فرمایا: بہت جلد ایک ہودج نشین خاتون حیرہ سے باہر نکلے گی اور کسی مرد کی پناہ میں مکہ جائے گی اور خانہ خدا کا طواف کرے گی۔ اس میں کوئی تردید نہیں ہے کہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانہ کا منہ ہم پر کھل جائے۔ میں نے کہا: کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا: ہاں، اس حد تک کہ مال وثروت ہر طرف سے برسے گا اور ہر شخص زکوۃ لینے والے کی تلاش کرنے لگے گا۔

عدی کہتے ہیں: میں نے ان دونوں چیزوں کو دیکھا۔ اس ہودج نشین عورت کو بھی اور کسریٰ کے خزانے کے منہ کھلنے کو بھی اور میں خود ان اولین سواروں میں سے تھا جنہوں نے اس خزانہ پر حملہ کیا تھا اور خدا کی قسم تیسرے کی بھی نوبت آئے گی۔(۲)

پھر بیان کرتے ہیں: اپنے قبیلہ کے کچھ لوگوں کے ہمراہ میں عمر کے پاس آیا۔ وہ کسی کام میں مشغول تھے لہذا میری طرف متوجہ نہیں ہو رہے تھے۔ میں آگے گیا اور کہا: تم مجھے پہچانتے ہو؟ جواب دیا: ہاں تم وہی ہو کہ جب دوسرے کافر ہو رہے تھے تو تم ایمان لائے۔ اس وقت معرفت حاصل کی جب لوگ انکار کر رہے تھے تو تم

---

(۱)۔آئین بہ معنی دین ہے۔

(۲)۔ الاصابۃ، ج۴، ص۲۲۸۔۲۲۹۔

نے اس وقت وفاداری کا ثبوت پیش کیا جب لوگ خیانت کر رہے تھے۔ اور جب لوگ منہ پھیر رہے تھے تو تم سامنے آئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ سب سے پہلا صدقہ جس نے اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخرو کیا وہ قبیلہ طی کا صدقہ تھا۔(۱)

پھر عدی خود ہی کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز برپا ہوئی ہو اور میں باوضو نہ رہا ہوں۔(۲)

جنگ صفین میں عائذ بن قیس حرمزی طائی نے پرچم کے موضوع پر آپ سے تنازعہ کیا اور قبیلہ طی میں حرمزی کی شاخ میں افراد کی تعداد بہ نسبت اولاد عدی کے (۳) (یعنی حاتم کا خاندان) زیادہ ہیں۔ عبداللہ بن خلیفہ طائی اسی درمیان آئے اور کہا: اے حرمزیو! کیا عدی پر بغاوت کر رہے ہو؟ کیا تم لوگوں کے درمیان عدی سے بہتر کوئی ہے؟ یا تمہارے بزرگوں کے درمیان کوئی اس کے باپ جیسا تھا؟ کیا وہ خاندان کا حامی اور وقت ضرورت پانی کا دفاع کرنے والا نہیں ہے؟ کیا وہ صاحب مرباع (۴) کا فرزند اور عرب میں داد و دہش کرنے والے کا بیٹا نہیں ہے؟ کیا وہ اس کا بیٹا نہیں ہے جو اپنی ساری دولت اپنے پناہندہ شخص کے دفاع کیلئے برباد کر دیتا تھا؟ کیا وہ ایسا شخص نہیں ہے جس نے کبھی بھی مکر سے کام نہیں لیا اور فسق و فجور نہیں کیا، نادان نہیں ہے اور نہ ہی کنجوسی سے کام لیا۔ جس نے کبھی بھی احسان نہیں جتایا اور جسے کبھی کوئی خوف نہ تھا؟ اپنے بزرگوں کے درمیان کسی ایک کو اس کے باپ جیسا اور اپنے درمیان کسی کو اس جیسا اگر ہے تو دکھا دو۔ کیا وہ اسلام میں تم سب سے برتر نہیں ہے؟ کیا وہ وہی شخص نہیں ہے جو تم سب لوگوں کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تھا، کیا وہ نخیلہ، قادسیہ، مدائن، جلولاء کے ہنگامہ میں نہاوند اور شوشتر کے واقعات میں تمہارا سردار اور سپہ سالار نہ تھا؟ اب بتاؤ تم کو اس سے کیا نسبت ہے تمہارا اس سے کیا مقابلہ ہے، خدا کی قسم تمہارے خاندان کے قبیلوں میں سے کوئی ایسا قبیلہ نہیں ہے جو ایسی بات کی تمنا کر رہا ہو جیسی تم کر رہے ہو۔

(۱،۲)۔ الاصابۃ، ج ۴، ص ۲۲۸۔۲۲۹۔

(۳)۔ یہ عدی، عدی بن حاتم کے پانچویں بزرگ خاندان سے ہیں۔ اس بنیاد پر عدی بن حاتم صحابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عد بن حاتم بن عبداللہ بن سعد بن االحشرج بن امرء القیس بن عدی۔

(۴)۔ مرباع ایک خاص مالیات کا نام ہے۔ اسلام سے قبل جاہلیت کے زمانے میں قبیلہ کا سردار غنیموں کا چوتھائی حصہ لے لیا کرتا تھا۔

اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کافی ہے اے خلیفہ کے فرزند! تم سب میرے پاس آؤ اور قبیلہ کے تمام افراد کو بھی میرے پاس لے کر آؤ۔ سب کے سب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ نے فرمایا: ان واقعات میں (جنہیں عبداللہ بن خلیفہ نے تمہارے لئے شمار کیا) تمہارا سردار اور سپہ سالار کون تھا؟ سب نے کہا: عدی۔ عبداللہ بن خلیفہ نے کہا: اے امیر المومنین! ان لوگوں سے پوچھیے کہ کیا یہ لوگ راضی و خوشنود نہیں ہیں کہ عدی ان کا سردار اور بزرگ ہو؟

حضرت علی علیہ السلام نے ان لوگوں سے پوچھا تو ان لوگوں نے جواب دیا: کیوں نہیں اس وقت حضرت نے فرمایا: عدی تم لوگوں میں علمداری کیلئے سب سے بہتر ہے علم اسے دے دو (۱) ۵۱ ہجری میں زیاد نے اپنے گرگوں کو روانہ کیا تا کہ کوفہ میں ان کو ان کی مسجد (وہ مسجد جو مسجد عدی کے نام سے معروف تھی) سے جہاں وہ تھے گرفتار کرلیا جائے آپ کو مسجد سے باہر نکال کر قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ شہر میں جو بھی یمن کا رہنے والا تھا اور قبیلہ ربیعہ و مضر سے متعلق تھا اس کی آہ وفغاں بلند ہوگئی۔ لوگ زیاد کے پاس آئے اور عدی کے بارے میں اس سے گفتگو کی اور اس کی اس بات پر مذمت کی کہ اس نے صحابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا کیا ہے۔ زیاد نے عدی سے کہا کہ ''عبداللہ بن خلیفہ طائی'' کو اس کے پاس بلایا جائے یہ عبداللہ حجر کے ساتھیوں اور ان لوگوں میں سے تھے جو زیاد کے گرگوں کے ساتھ (الحمراء) سختی کرتے تھے عدی نے اس سے انکار کیا لہذا آخر کار زیاد بھی اس بات سے راضی ہوگیا کہ عبداللہ کوفہ سے باہر نکل جائے۔ (۲)

ایک دن عدی معاویہ کے پاس آئے۔ آپ معاویہ کی نگاہ میں بہت بزرگ اور پر ہیبت تھے، فتنوں کی لغزش گاہوں میں وہ آپ کو آزما چکا تھا، مشکلات میں آپ کی آگاہانہ ثابت قدمی سے آشنا تھا، آپ کی نافذ روشن فکری اور ماضی کے آپ کے بہت سارے تجربوں سے واقف تھا۔ لہذا آپ سے اپنی گفتگو میں اپنی اسی خاص روش کو اختیار کیا جو بزرگوں اور اپنے مخالفین سے وہ اختیار کیا کرتا تھا۔ بولا: طرفات کہاں ہیں؟ اے عدی! (طرفات سے اس کا مقصود عدی کے تین فرزند: طریف، طارف اور طرفہ تھے) عدی نے جواب دیا: جنگ صفین

---

(۱)۔ طبری ج ۶، ص ۵۔

(۲)۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۸۹۔

میں علی بن ابی طالبؑ کی رکاب میں قتل کر دیئے گئے۔ معاویہ: علی نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا، تمہارے لڑکوں کو تو قتل کی بھینٹ چڑھا دیا اور اپنے بچوں کو بچا لیا۔ عدی: میں نے علی کے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ وہ قتل کر دیئے گئے اور میں زندہ ہوں۔ معاویہ: عثمان کے خون کا ایک قطرہ باقی رہ گیا ہے کہ اہل یمن کے ایک بزرگ کے قتل کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس خون کے دھبہ کو نہیں مٹا سکتی۔ عدی: اے معاویہ! وہ دل جس میں ہم نے تیری دشمنی کو جگہ دی تھی ابھی بھی ہمارے سینے میں ہے اور وہی تلواریں جن کے ہمراہ تیرے مقابلہ میں جنگ کو آیا تھا ابھی بھی ہمارے دوش پر ہے۔ اگر انگلی کے ایک پور کی حد تک تو مکر و فریب کے راستہ سے ہمارے پاس آئے گا تو ایک بالشت کی حد تک ہم دشمنی اور برائی کے راستہ سے تیرے پاس آئیں گے۔ اور یہ جان لے کہ اگر ہمارے حلق چیر دیے جائیں اور ہم جاں بہ لب ہو جائیں تو یہ ہمارے لئے اس بات سے آسان ہے کہ علیؑ کی بدگوئی سنیں۔ تلوار اسی کے حوالے کرو جو اٹھانے کے لائق ہو....“

اس وقت معاویہ نے حاضرین کی طرف رخ کر کے کہا: یہ حکمت آموز کلمات ہیں۔ انہیں لکھو۔ اس طرح عدی کے مقابلہ میں حملہ سے ایک محسوس انداز میں بچ نکلا۔ اس وقت پھر عدی کی طرف رخ کیا اور ہر جہت سے ان سے بات کی۔ تا کہ کہا جائے کہ ان کے درمیان کوئی تند گفتگو کا تبادلہ نہیں ہوا ہے۔(۱)

کچھ لمحہ کے بعد اس نے کہا: علی کی ہمارے لئے توصیف کرو۔ عدی: اگر ممکن ہے تو اس موضوع سے صرف نظر کر۔ معاویہ: میں صرف نظر نہیں کر سکتا۔ تو اس وقت عدی نے بولنے کیلئے لب کھولے اور حضرت علی علیہ السلام کی توصیف میں اس طرح رطب اللسان ہوئے۔

خدا کی قسم علی لامتناہی وجود اور ایک طاقتور انسان تھے۔ سچ اور صحیح باتیں کیا کرتے تھے، عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرتے تھے۔ حکمت ان کے اطراف سے جوش مارتی تھی اور علم و دانش ان کے کردار و گفتار سے ہویدا تھے، دنیا اور اس کی جلوہ نمائی سے وحشت کرتے تھے، راتوں کی خلوت سے مانوس تھے، خدا کی قسم بہت آنسو بہایا کرتے تھے اور فکر بڑی دراز ہوتی تھی، جب تنہا ہوتے تھے تو اپنے حساب کی رسیدگی کرتے تھے اور ماضی پر افسوس کرتے تھے پہننے میں چھوٹا کپڑا اور کھانے میں سخت اور ناملائم غذا پسند کرتے تھے، ہمارے درمیان ہم

---

(۱)۔ تاریخ مسعودی، حاشیہ ابن اثیر، ج۶، ص۶۵۔

لوگوں کی طرح ہوتے تھے۔ جب آپ سے ہم لوگ سوال کرتے تھے تو جواب دیا کرتے اور جب ان کی طرف رخ کرتے تھے تو وہ ہم سے نزدیک ہوتے تھے لیکن اتنی تمام مہربانی اور قربت کے باوجود ان کی ہیبت کی وجہ سے ہم لوگوں کو ان سے یارائے سخن نہیں ہوتا تھا۔ اور ان کی عظمت کے پیش نظر ان کی طرف نگاہ اٹھانے کی تاب نہیں ہوتی تھی۔ جب مسکراتے تھے تو موتی جیسے دانت نمایاں ہو جاتے تھے۔ اہل دین کو بزرگ شمار کرتے تھے اور غریبوں اور مسکینوں سے دوستی کرتے تھے۔ طاقتور ان کے ستم سے نہیں ڈرتے تھے اور ضعیف و ناتواں افراد ان کی عدالت سے ناامید نہیں ہوتے تھے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ایک رات دیکھا کہ اپنی محراب عبادت میں کھڑے ہیں اور رات اپنی تاریکی کا پردہ اوڑھے ہے اور اپنے ستاروں سے پوشیدہ تھی۔ آنسو ان کی آنکھوں سے ان کی محاسن پر گر رہے تھے اور وہ مارگزیدہ شخص (سانپ کا کاٹا ہوا) کی طرح تڑپ رہے تھے اور دردناک انداز میں رو رہے تھے گویا ابھی بھی میرے دونوں کانوں میں ان کی آواز گونج رہی ہے کہ وہ صدا دے رہے ہیں: اے دنیا! تو نے میرا پیچھا کیا ہے اور میرا رخ کیا ہے! تو میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے۔ ابھی تک وہ فرصت تیرے لئے میسر نہیں کہ تو مجھے فریب دے! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں ہیں اب تیرے پلٹنے کا راستہ ہی نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ تیری زندگی پست اور تیری منزلت بہت کم ہے... آہ توشہ و زاد سفر کی کمی اور سفر کی درازی اور کسی مونس و انیس کا نہ ہونا۔

معاویہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، آستین سے اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کو پونچھا اور بولا: خدا ابوالحسن پر رحمت کرے۔ جیسا تو نے کہا ہے وہ ایسے ہی تھے... اب بتا ان کے فقدان میں تیرا صبر کیسا ہے؟ عدی: میرا صبر اس ماں کی طرح ہے جس کی آغوش میں اس کے بچے کو ذبح کر دیا جائے کہ جس کے آنسو خشک نہیں ہوتے اور آنکھوں کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ معاویہ: ان کی یاد میں کس قدر ہو؟ عدی: کیا زمانہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ان کو بھلا دوں۔(۱)

مؤلف: عدی بن حاتم، مختار بن ابو عبیدہ کے زمانے میں ۶۸ ہجری (۲) میں ۱۲۰ سال کی زندگی پا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کی موت سے ایک بزرگ روح جو فرشتوں کے علاوہ کسی دوسرے وجود

---

(۱)۔ المحاسن والمساوی / تالیف، بیہقی، ج۱، ص۳۳.

(۲)۔ تاریخ الکوفہ، ص۳۸۸، الاصابہ، ج۴، ص۱۱۹.

میں نہیں مل سکتی اور ایک متین فکر جو کسی حکیم کے علاوہ کسی دوسرے وجود میں میسر نہیں ہے اور ایک سچا ایمان جو اولیاء الٰہی کے علاوہ کسی دوسرے میں نہیں مل سکتا سب کے سب نے اپنا بستر لپیٹ لیا۔

۳۔ صعصعہ بن صوحان :

آپ عرب کی ایک بزرگ شخصیت ، ان کے سید وسردار اور فضیلت وحسب کے پیشوا تھے ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اسلام لائے لیکن چونکہ خردسال تھے لہذا آنحضرت سے ملاقات نہیں کر پائے ۔ عمر کی خلافت کے زمانے میں خلیفہ پر ایک واقعہ دشوار ہوگیا۔ خلیفہ نے ایک خطبہ دیا اور اس سلسلے میں لوگوں کی رائے معلوم کی ۔ صعصعہ جو ایک نوخیز جوان تھے اپنی جگہ سے اٹھے اور اس مشکل سے پردہ ہٹا دیا اور صحیح راستہ کی راہنمائی کردی اور آپ کی گفتار مورد عمل بھی واقع ہوئی ۔ بہرحال آپ کوفہ میں ایک صاحب عنوان وصاحب شخصیت آدمی تھے اور حضرت امیر المومنین کے ہمراہ جمل اور صفین کی جنگ کو درک کیا۔

کتاب الاصابة (۱) میں مرقوم ہے: مغیرہ (کوفہ کا حاکم) نے صعصعہ کو معاویہ کے حکم سے کوفہ سے جزیرہ بحرین کی طرف شہر بدر کردیا بعض مورخین کا بیان ہے کہ جزیرہ ابن کافان کی طرف روانہ کردیا گیا اور وہیں آپ دنیا سے گزر گئے۔

معاویہ نے صعصعہ بن صوحان عبدی اور عبداللہ بن کواء یشکری اور حضرت علی علیہ السلام کے چاہنے والے کچھ اور لوگوں کو قید خانہ میں ڈال دیا تھا۔ ایک دن قید خانہ میں ان لوگوں کے پاس آیا اور بولا: تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری بات کا جواب سچ اور صحیح کے علاوہ کچھ اور نہ دینا، مجھ کو کیسا خلیفہ سمجھتے ہو؟ ابن کواء نے کہا: اگر تو نے ہمیں قسم نہ دی ہوتی تو ہم تیری بات کا جواب نہ دیتے کیونکہ تو ایسا کینہ توز ستمگر ہے جسے صالحین کے قتل میں خدا کے غیض وغضب کی کوئی فکر نہیں ہوتی ! لیکن اب مجبور ہوکر بولتا ہوں: جہاں تک ہم نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ تیری دنیا فراخ اور تیری آخرت تنگ ہے ۔ تاریکی کو نور بنا کر پیش کرتے ہو اور نور کو ظلمت جلوہ نما کرتے ہو! معاویہ (شاید اس لئے کہ بات کو پلٹ دے) نے کہا: خداوند عالم نے اہل شام کی مدد سے امر خلافت کی عزت رکھ لی جو اس کے حریم کے مدافع اور اس کے محرمات کو ترک کرنے والے ہیں۔ اہل عراق کی

---

(۱)۔ الاصابہ ج ۳، ص ۲۳.

طرح نہیں ہیں کہ جو محارم خدا کو سبک شمار کریں اور حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام جانیں۔عبداللہ: اے ابوسفیان کے بیٹے! ہر بات کا جواب ہے لیکن ہم تیرے قہر وسطوت سے خوف زدہ ہیں اگر تو ہمیں بولنے میں آزاد کردے تو تیز اور برندہ زبان سے (کہ خدا کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت اس کیلئے مانع نہ ہو) ہم اس عراق کا دفاع کریں گے ورنہ صبر کریں گے یہاں تک کہ خدا کا فرمان آجائے اور گشائش کا در فراہم ہو جائے۔

معاویہ: خدا کی قسم اب کبھی بھی تیری زبان کو آزاد نہیں کروں گا۔

اس وقت صعصعہ نے زبان کھولی اور بولے: اے ابوسفیان کے لڑکے تو نے اپنی بات کہہ دی اور اپنے مقصود کو ادا کر دیا اور جو چاہتے تھے اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی لیکن حقیقت وہ نہیں ہے جو تو نے کہا ہے وہ جو کہ زبردستی تخت حکومت پر براجمان ہوا اور لوگوں کے ساتھ کبر وغرور کے ساتھ رفتار کرے اور باطل آلات جیسے جھوٹ اور دھوکہ سے لوگوں پر فوقیت حاصل کرے وہ کہاں اور کیسے خلیفہ ہوسکتا ہے؟

حقیقت تو یہ کہ جنگ بدر میں نہ ہی تو نے ایک ضربت لگائی اور نہ ہی ایک تیر پھینکا بلکہ اس واقعہ میں تو "لاحلی ولا سیری"(۱) کا مصداق تھا۔

تو اور تیرا باپ "عیر" و "نفیر"(۲) میں ان لوگوں میں سے تھے جو لوگوں کو رسول خدا کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔تو اور تیرا باپ خود ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کیا تھا۔تو بھلا کس طرح خلافت آزاد شدہ غلاموں پر زیب دے سکتی ہے؟

معاویہ نے ان باتوں کو سن کر اسی حد تک جواب دیا: اگر ابوطالب کے اس شعر کو جس میں وہ کہتے ہیں:

اُن کی نادانی کا جواب حلم ودرگذشت سے اور قدرت کے ساتھ بخش دینا بزرگواری کی ایک قسم ہے۔

میں نے اپنے لئے سرمشق نہ بنایا ہوتا تو یقیناً تم کو قتل کر دیتا۔

---

(۱)۔گویا یہ ایک ضرب المثل ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دن کسی چیز میں تیرا ہاتھ نہ تھا یا یہ کہ اس دن مجاہدانہ امور کی انجام دہی کے بجائے حیلہ گری اور خیانت آمیز روش کو اختیار کئے ہوئے تھے جس طرح آج بھی اپنی حکومت کے دوران اسی روش کو اختیار کئے ہو بہرحال اس محدود اور بے امکان دور میں ایسی کتابوں کی طرف رجوع کرنا جو ممکن ہے اس جملہ کے معنی کو بیان کردیں میسر نہیں ہے۔اور چند عربی زبان علماء سے دریافت کرنے کے باوجود بھی یہ گرہ کھل نہ پائی (فارسی مترجم)

(۲)۔ابوسفیان کی سربراہی میں قریش کا جو کاروان مکہ کی طرف روانہ تھا بدر کے نزدیک مسلمانوں کی طرف سے مورد ہجوم قرار پایا اس خبر کو سن کر کاروان قریش کے دفاع کیلئے ایک لشکر ان لوگوں کی طرف روانہ ہوا اور آخر کار مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہو کر تباہ ہوا (مترجم)

ایک دوسری نوبت میں معاویہ نے صعصعہ سے پوچھا: صالح اور فاسق کون لوگ ہیں؟

صعصعہ نے جواب دیا: فریب اور دھوکہ کو ترک کرنا صاف گوئی اور بے پردہ گفتگو کرنے میں اچھائی ہے ۔علی اور ان کے ساتھی صالحین کے پیشوا تو اور تیرے گرگے اس دوسرے گروہ سے ہیں ۔ معاویہ نے پوچھا: اہل شام کے بارے میں تمہارا نظریہ کیا ہے؟ صعصعہ: مخلوق کے فرمان کے سامنے سب سے زیادہ فرمانبردار اور خدا کے حکم کے سامنے سب سے زیادہ نافرمان، یہ لوگ خدائے جبار کے فرمان کے گناہگار، قدرت اشرار کی بساط کے طفیلی ہیں۔ ان پر مرگ وتباہی نازل ہو اور ان سے دنیا میں ننگ وسیاہی ہے۔ معاویہ: اے صوحان کے بیٹے! بہت دیر سے تیری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے بس یہ ہے کہ پسر ابوسفیان کا حلم تیرا دفاع کر رہا ہے۔ صعصعہ: یہ خدا کا فرمان اور اس کی قدرت ہے جو میرا دفاع کر رہی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی مجھ پر گزر رہا ہے وہ ازل سے لوح تقدیر پر تحریر ہے۔(۱)

مسعودی کا بیان ہے: صعصعہ بن صوحان کے دلچسپ واقعات اور نہایت فصیح وبلیغ کلمات یادگار کے طور پر باقی ہیں جن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختصر ہیں۔

صعصعہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے اصحاب کے درمیان ایک نمایاں شخصیت کے حامل تھے امیر المومنین نے آپ کو زبردست اور توانا خطیب کی صفت سے متصف فرمایا تھا اور آئندہ آنے والی تاریخ میں جاحظ نے لوگوں کے درمیان ایک فصیح ترین شخص کے عنوان سے آپ کی توصیف کی ہے۔

واقعہ صلح کے بعد معاویہ وارد کوفہ ہوا۔ ایک دن آپ سے کہا: خدا کی قسم میں اس بات سے متنفر ہوں کہ تو میری امان میں آئے آپ نے جواب میں کہا: اور میں بھی اس سے کہ تجھے اس نام سے پکاروں متنفر ہوں اور پھر اسے خلیفہ کہہ کر سلام کیا۔ معاویہ بولا: اگر تو سچ کہتا ہے (اور واقعا مجھے خلیفہ سمجھتا ہے) تو منبر پر جا کر علی پر لعنت بھیجو صعصعہ منبر پر گئے خدا کی حمد وثنا کی اس کے بعد کہا اے لوگو! میں ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو برائی کو مقدم رکھتا اور نیکی میں تاخیر کرتا ہے اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علی پر لعن کروں تو اب تم لوگ اس پر لعنت بھیجو اس پر خدا کی لعنت ہو اہل مسجد نے نعرہ لگایا: آمین۔ جب آپ معاویہ کے پاس آئے تو آپ نے اسے سارا

---

(۱)۔مروج الذهب (حاشیہ ابن الیر) ج۲، ص۱۱۷.

ماجرا سنا دیا تو معاویہ نے کہا: نہیں خدا کی قسم اس میں میرے علاوہ تمہارا کوئی بھی مقصود نہ تھا۔ پلٹو اور اس پر نام لے کر لعنت کرو۔ صعصعہ دوبارہ مسجد کی طرف پلٹے اور بولے: اے لوگو! امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ علی بن ابی طالبؑ پر لعنت بھیجو تو اب تم لوگ اس پر لعنت کرو۔ پھر لوگوں کی آواز بلند ہوئی آمین۔ جب واقعہ معاویہ سے بتایا گیا تو اس نے کہا: خدا کی قسم میرے علاوہ اس کا مقصود کوئی اور نہ تھا اسے باہر نکالو تا کہ وہ میرے ساتھ اس شہر میں نہ رہے اس طرح صعصعہ کو کوفہ سے باہر کر دیا گیا۔(۱)

ابن عبدربہ ابی کا بیان ہے: ایک دن صعصعہ معاویہ کے پاس آئے تو وہاں پر عمرو عاص اس کے پاس تخت پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی صعصعہ وارد ہوئے وہ بولا: انہیں ترابی ہونے (۲) کی وجہ سے جگہ دو! صعصعہ نے جواب دیا: میں ترابی (خاکی) ہوں اور اسی سے پیدا ہوا ہوں اور اسی کی طرف پلٹ کر جاؤں گا اور اسی سے مبعوث کیا جاؤں گا لیکن تو آگ کا لہکتا شعلہ ہوگا۔''

عراق کا ایک وفد معاویہ کے پاس آیا۔ کوفہ کے گروہ کے درمیان عدی بن حاتم اور بصرہ کے گروہ کے درمیان احنف بن قیس اور صعصعہ بن صوحان بھی موجود تھے۔ عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: یہ دنیا اور شیعوں کی اہم شخصیتیں ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو جنگ جمل و صفین میں ان کے ہمراہ جنگ کر رہے تھے۔ ان سے بچ کے رہنا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عبد القیس صعصعہ بن صوحان کے واقعات اتنے زیادہ اور مختلف ہیں کہ ان سب کا ذکر ہمارے مورد نظر اختیار سے سازگار نہیں ہے۔ اسی حد تک ہم نے چاہا کہ گذشتہ بیان کردہ مطالب کے ذریعہ تاریخ کے صفحات سے معاویہ سے آپ کی ملاقات اور دونوں کی طرز گفتار کو قاری کی نگاہوں سے گزار دیں۔

۴۔ عبداللہ بن خلیفہ طائی

ہنگامہ جنگ میں آگ بھڑکانے والے۔ ایسے جنگجو جن کی کارکردگی ''عذیب'' کی پیکار میں، جلولا کی خونی نبرد میں، نھاوند، شوشتر اور صفین کی جنگ میں آپ کی کم نظیر دلاوری کی بیان گر ہے۔

---

(۱)۔ سفینۃ البحار، ج۱، ص۳۱.

(۲) یعنی ابوتراب سے محبت کرنے والے۔ ابوتراب علی کی ایسی کنیت تھی جس سے وہ لوگ آپ کو پکارتے تھے.

ایسا خطیب جس نے جنگ صفین میں عدی بن حاتم سے متعلق علم جنگ کے تنازعہ میں قبیلہ طی کے درمیان اپنی اس بلیغ اور قاطع (جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) تقریر کے ذریعہ ان سب کا جواب دیا اور آخر کار ایسا دلاور جس نے امیر المومنین سے دفاع کرنے میں حجر کے واقعہ میں ان کی بڑی مدد کی۔

زیاد کی پولیس نے (جو اس زمانے میں الحمراء گروہ کے نام سے یاد کی جاتی تھی) آپ پر ہجوم کیا اور آپ نے خود اپنا دفاع کیا اور اپنی قوم اور قبیلہ کے ذریعہ انہیں تباہی سے دوچار کر دیا۔ آپ کی پاکدامن اور پارسا بہن باہر نکلی اور با آواز بلند کہا: اے طی والو! کیا تم اپنے نیزے اور اپنی زبانیں عبداللہ بن خلیفہ کو دو گے؟ اس پیمان آور آواز سے متاثر ہو کر قبیلے والوں نے پولس کے مورچہ کو سخت کر دیا اور اس طرح ان کو تہس نہس کر دیا اس طرح زیاد پر راہ چارہ و تدبیر مسدود ہو گئی کہ مجبور ہو کر ان لوگوں نے قبیلہ کے سردار یعنی عدی بن حاتم کو پکڑ لیا اور قید میں ڈال دیا اور آپ کی آزادی کو اس پر موقوف کیا کہ عبداللہ کو اسے سونپ دیا جائے۔ عدی نے اس کام سے انکار کیا آخر کار زیاد اس پر قانع ہوا کہ عبداللہ کوفہ کو ترک کر دیں۔

عدی نے عبداللہ بن خلیفہ کو کوفہ سے باہر نکلنے کا اشارہ دیا اور وعدہ کیا کہ آپ کو واپس لوٹانے کیلئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کریں گے۔ عبداللہ "جبلین"(۱) یا ایک روایت کے مطابق صنعاء روانہ ہو گئے اور اپنے وطن کی محبت سے لبریز دل لئے ایک زمانہ تک وہیں آوارہ وطن رہے۔

جب ایک زمانہ گزر گیا تو عدی کو ایک خط لکھا اور اس میں آپ سے وعدہ وفائی کی درخواست کی۔ آپ ایسے شاعر تھے جو توصیف میں ماہر تھے۔ آپ کے بہت سارے قصائد و قطعات ہیں جس میں آپ نے عدی کو مورد عتاب قرار دیا ہے اور اپنے سوابق اور اپنی موجودہ حالت کا تذکرہ کیا ہے لیکن عدی کیلئے وعدہ وفائی کا راستہ کھلا نہیں تھا لہذا عبداللہ زندگی کے آخری لمحے تک جلاوطنی کی زندگی گزارتے رہے اور وہیں آپ کی وفات زیاد کی موت سے کچھ پہلے واقع ہوئی آپ پر خدا کی رحمت ہو۔(۲)

---

(۱)۔قبیلہ طی کے دو پہاڑ یعنی "اجاء" اور سلمی، جن کا فاصلہ فدک سے ایک روز، خیبر سے ۵/شب اور مدینہ سے ۳/منزل تھا۔

(۲)۔تاریخ طبری ج ۶، ص ۵، ۱۵۷۔۱۶۰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

اختتام ماجرا

گذشتہ حوادث کے درمیان تاریخ میں ایک آشکار خلاء دکھائی دیتا ہے جسے تاریخ کے موجودہ ماخذ افسانہ تراشی سے پر نہ کر سکے۔

یہاں تک ہم نے معاویہ کی ان وعدہ وفائیوں کو ملاحظہ کرلیا جس کی پابندی کی قسم اس نے خود کھائی تھی۔ اسی طرح ہم قرارداد صلح کے اس مطلب کو بھی سمجھ گئے کہ پانچ شقوں میں سے کوئی ایک شق بھی اس کی جانب سے اس طرح جس انداز میں اس کی قسموں اور پیمان اور میثاق کے متناسب تھی کسی کی بھی رعایت نہیں ہوئی نہ اس وقت جس وقت اس نے حکومت ہاتھ میں لی کتاب خدا اور سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صالح خلفاء کی سیرت پر عمل کیا۔ نہ ہی حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہنے کی رسم کو موقوف کیا بلکہ منبروں کو بھی اس شوم بدعت میں ملوث کر دیا۔ نہ ہی مذکورہ خراج ادا کیا اور نہ ہی علی علیہ السلام کے شیعوں اور ان کے ساتھیوں کو اپنے بزدلانہ حملوں کے آسیب سے نجات دلائی بلکہ ان قسموں اور عہد و پیمان کے باوجود ان لوگوں کی نسبت ایسے ایسے مظالم کا مرتکب ہوا کہ اس سے پہلے اسلام میں اس کا سابقہ نہیں ملتا۔

اسلام میں سب سے پہلے جس کا سر بریدہ شہر بہ شہر پھرایا گیا وہ اسی کے زمانے میں اور معاویہ ہی کے حکم سے ہوا۔

اسلام میں جسے سب سے پہلے زندہ درگور کیا گیا وہ اسی کا دور ہے اور معاویہ ہی کے حکم سے یہ ستم روا ہوا

اسلام میں سب سے پہلی خاتون جو قید خانہ میں ڈالی گئی وہ اسی کا دور تھا اور معاویہ ہی نے اس کا حکم صادر کیا تھا۔

سب سے پہلے شہداء جن کا ہاتھ پیر باندھ کر بے دفاع شہید کئے گئے وہ اسی کا زمانہ ہے اور ان کا قاتل معاویہ ہے۔

المختصر یہ کہ معاویہ نے قرارداد صلح کی تمام شرطوں کو توڑ دیا اور ان مستحکم پیمانوں کی رسیوں کو توڑ ڈالا اور

تعجب اس بات پر ہے کہ اس کے باوجود اسلامی خلافت کا دعوے دار تھا۔

قرارداد صلح کی آخری شرط اس لحاظ سے کہ دقیق ترین اور حساس ترین شرط کو شامل تھی جو لوگوں کی نگاہ میں بھی سنگین ترین شرط تھی جس کو پیروں تلے کچلنا قرآن اور پیغمبر اکرم سے بطور آشکار مخالفت اور معاندت کے برابر تھی کچھ دنوں تک تو اس کی خیانت کے آسیب اور اس عہد شکنی سے کنارہ کش رہا۔ ۸/ سال تک اس شرط کی حفاظت کی لیکن آخر میں اس سے بھی تنگ آ گیا۔ اور اموی خو اور کردار جو ہمیشہ اسے اس قسم کے کاموں کے انجام دینے کی طرف برانگیختہ کرتی تھی اس پر غالب آ گئی اور معاویہ کی اموی گری ثابت ہوگئی اور اس کی ماں ہند جس کی مناسبت سے لوگ اسے جانتے ہیں اور اس سلسلے میں مورخین کی گواہی ہوگئی اور اس میں کوئی شک نہیں بچا کہ معاویہ اموی ابوسفیان کا واقعی بچہ ہے۔

ابوسفیان اور ہند کے جائے کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی کیا پرواہو سکتی ہے؟!

ایسے ظلم وستم جس نے گذشتہ تمام مظالم کو بھلا دیا، وہ ظلم معرض وجود میں ظہور پذیر ہوا جس سے عرب کی ذلت کی ابتداء (جیسا کہ عبداللہ بن عباس نے کہا) ہوگئی یا انسانیت کی رسوائی کا آغاز (جیسا کی ابو اسحاق سبیعی نے کہا) ہوگیا۔

قرارداد صلح کی تمام شرائط میں وہ شرط جو امام حسن علیہ السلام کی جانی حفاظت کی ضامن تھی طبیعی طور پر وہ شرط خیانت سے دور اور موجودہ صورتحال میں رعایت کیلئے زیادہ مناسب تھی۔ اس شرط کو اس وقت توڑا جب تلواریں نیام میں ہوں، بساط جنگ پٹی جا چکی ہو اور صلح کی شرطوں کا دوسرا فریق شرائط پر بطور کامل پابند ہو یقیناً وہ سب سے بڑا ظلم ہے کہ معاویہ ظالمانہ زندگی میں اس سے بڑے ظلم سے مرتکب نہیں ہوا نہ ہی مدینہ میں کہ جو امام حسن علیہ السلام کی اقامت گاہ تھی، نہ ہی خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، نہ ہی شیعوں کے درمیان اور نہ ہی ان تمام لوگوں میں جو کسی نہ کسی سببی یا نسبی رشتہ کی بنیاد پر امام حسن علیہ السلام سے وابستہ تھے کوئی ایسا واقعہ جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ کوئی کام معاویہ کی دنیا کے خلاف انجام دیا جا رہا ہے وقوع پذیر نہیں ہوا۔

ایسی صورت میں یہ غداری کیوں؟ اور کس عذر اور بہانہ کی بنیاد پر؟

وہ تمام عہد و پیمان اور قسمیں کیا ہوئیں جن سے زیادہ سنگین اور تاکیدی عہد و پیمان اور قسمیں دنیا کی کسی لغت میں تلاش نہیں کی جاسکتی ہیں؟

کیا صحیح ہے کہ معاویہ کیلئے بھی ہم وہی بہانہ تراشیں جسے دھوکہ کھانے والے نام نہاد مسلمانوں نے اس کے بیٹے یزید کیلئے بنایا ہے اور انہیں لوگوں کی طرح جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے قتل سے یزید کا دفاع کرنے کیلئے توجیہ کی ہے معاویہ کیلئے بھی توجیہ کریں یزید کیلئے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ایک مغرور جوان تھا، بندروں سے کھیل کود، نے اسے سرگرم کر دیا اور شراب خواری نے اسے گناہوں کی طرف کھینچ لیا، اگر یہی صحیح عذر معاویہ کیلئے بھی بنایا جائے تو پھر تدبیر و ہوشیاری اور پختہ فکری کی نسبت جو اسے دی گئی ہے کیسے صحیح مانا جاسکتا ہے کیا یہ دونوں باتیں آپس میں سازگار ہیں؟

باپ ہی کی یہ عظیم جنایت تھی جس نے بیٹے کی سرکش روح کو بھی اسی کے پیچھے ایسے عمل کیلئے اکسایا۔ ان باپ بیٹے کے گٹھ جوڑ نے تاریخ اسلام میں سب سے بڑے ظلم کی بنیاد رکھنے والوں کے وجود کو آشکار کر دیا۔ یہ ظلم جوانان جنت کے دونوں سردار کا قتل ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کے تنہا واسطوں کو ختم کرنا ہے یعنی حقیقت میں امتداد تاریخی کے اعتبار سے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا ہے۔

ہاں، بڑے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں قاتل تھے پیغمبر کے خلیفہ بھی ہیں و دریغا از اسلام کہ جس کے پیغمبر کے خلفاء اس قماش کے ہوں۔

معاویہ کی درایت اور امور سے آشنائی اسی حد تک خود کو بچا سکی کہ اس نے آدم کشی کی راہ سے ایک مخصوص راستے کو اختیار کیا کہ اس کے بعد اس کا بیٹا یزید اس راستہ کو اختیار نہ کر سکا۔ لہذا یہ ایک مغرور جوان اور وہ ایک باتجربہ کار آزمودہ سیاستداں کے نام سے پہچنوایا گیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ابوسفیان کی زندگی ان دو لوگوں تک باقی رہتی تو وہ مطمئن ہو جاتا کہ ان دونوں نے بخوبی اس منصوبہ کو مقصد تک پہنچایا ہے جس کی آرزو وہ اپنے خاندان کیلئے کر رہا تھا۔

اب معاویہ نے مروان بن حکم (۱) کو مامور کیا کہ اشعث بن قیس کندی کی بیٹی جعدہ کو جو امام حسن علیہ السلام کی بیوی تھی آنحضرت کو زہر دینے پر اکسائے اور اس سے عہد کرے کہ اگر حسنؑ دنیا سے رخصت ہو گئے تو معاویہ اسے یزید کی بیوی بنا دے گا اور ایک لاکھ درہم بھی اسے دینے کیلئے کہا۔

"اشعث بن قیس" وہی معروف منافق ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد ذلت آمیز حالت میں مرتد ہو گیا تھا پھر حالات کی زبردستی نے اسے اسلام کی طرف کھینچا اور جعدہ ایسے پلید وجود سے منسوب ہونے کی وجہ سے روحی طور پر ایسے ننگ کام کو انجام دینے میں سب سے زیادہ نزدیک تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اشعث امیر المومنین کے خون میں شریک تھا۔ اس کی بیٹی نے حسنؑ کو مسموم کیا اور اس کے بیٹے محمد کا ہاتھ حسینؑ کے خون سے آلودہ ہوا۔

اس طرح معاویہ کے مقصود نے عملی جامہ پہنا۔ اس عمل سے امت کی تقدیر بدل گئی اور بدبختی و تباہی نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا خود معاویہ اور اس کا خاندان ہمیشہ کیلئے انتقام اور خونریزی کے آشوب میں گرفتار ہو گیا۔

آخر کار اس عمل کے ذریعہ قرارداد صلح کی شرطوں کی آخری سطر بھی معاویہ کے ہاتھوں ٹوٹ گئی۔

امام حسن علیہ السلام نے زندگی کے آخری لمحات میں اس کیلئے اس طرح فرمایا: اس کا جام لبریز ہو گیا اور وہ اپنی

---

(۱)۔ مسعودی (حاشیہ ابن اثیر، ج۵، ص۱۹۸) اور بیہقی (ج۱ ص۶۴) نے امام حسن علیہ السلام کی اس کوشش و جستجو کا واقعہ نقل کیا ہے جس میں آپ نے مروان کو بچانے کیلئے کہ جو جنگ جمل میں اسیر کر لیا گیا تھا یا کسی عورت کے گھر میں چھپ گیا تھا، کس قدر زحمت اٹھائی تھی۔

شریف رضیؒ نہج البلاغہ (ج۱، ص۱۲۱) میں کہتے ہیں: لوگوں کا بیان ہے کہ جمل میں مروان اسیر ہو گیا، حسن و حسین علیہما السلام نے امیر المومنین کی خدمت میں اس کی سفارش کی اور آنحضرت نے اسے رہا کر دیا، حسن و حسین علیہما السلام نے کہا: اے امیر المومنین یہ آپ کی بیعت کرے گا؟ آپ نے فرمایا: کیا عثمان کے قتل کے بعد اس نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ مجھے اس کی بیعت کی ضرورت نہیں ہے اس کا ہاتھ یہودی کا ہاتھ ہے ابھی بیعت کرے گا اور کچھ دیر کے بعد خیانت کرے گا۔ جان لو کہ وہ حکومت کرے گا لیکن اتنی کم مدت کیلئے کہ جتنی مقدار میں کتا اپنی ناک رگڑتا ہے اور وہ چار بکریوں کا باپ ہے اور یہ امت اس سے اور اس کی اولاد سے خون آشام دن دیکھے گی۔ مروان نے امام حسن علیہ السلام کی اس کوشش کا جواب جو آپ نے اس کی جان کی حفاظت کیلئے کی تھی، یہ دیا معاویہ اور جعدہ کے درمیان آپ کے قتل کا واسطہ بن گیا کوزہ سے وہی چیز باہر آتی ہے جو اُس میں ہوتی ہے۔

☆ "عرب ہر خیانت کار ہاتھ اور ہر دھوکہ باز انسان کو یہودی کا ہاتھ کہتا ہے" (مترجم)

آرزو تک پہنچ گیا۔ خدا کی قسم اس نے اپنے وعدہ کو وفا نہیں کیا اور اپنی گفتگو میں سچ نہ بولا۔(۱)

مروان کے قاصد نے اس کے کامیاب زہر آگین دسیسہ کی خبر پہنچائی اور بولا: تعجب ہے: حسن نے شہد کا وہ شربت پی لیا جو رومۃ (۲) کے پانی سے بنایا گیا تھا اور اس کے نتیجے میں اپنی جان کھو بیٹھے۔(۳)

معاویہ خوشی وسرور کے اظہار سے خود کو نہ روک سکا۔ اس وقت وہ سبز محل میں تھا۔ اس کی تکبیر کی آواز بلند ہوئی، محل میں رہنے والوں نے بیک آواز صدائے تکبیر بلند کی۔ اہل شام میں سے جنہوں نے تکبیر کی آواز سنی با آواز بلند کہا: الله اکبر۔ فاختہ معاویہ کی بیوی جو قرظة بن عمرو بن نوفل بن عبد مناف کی بیٹی تھی اپنے حجرے سے باہر آئی اور بولی: اے امیر المومنین! خدا آپ کو خوش رکھے۔ کون سی خبر سن لی جو اس قدر خوشحال ہیں؟ معاویہ: حسن بن علی کی موت کی خبر۔ فاختہ نے آواز دی: انا للہ وانا الیہ راجعون. اس وقت جبکہ رو رہی تھی بولی: مسلمانوں کے سرور وسالار دختر پیغمبر ﷺ کے فرزند دنیا سے گزر گئے؟ معاویہ بولا: کتنا اچھا اور بھلا کام تم نے انجام دیا ہے۔ شک نہیں ہے کہ وہ ویسے ہی تھے جیسا تم کہہ رہی ہو شایستہ ہے کہ ان پر آنسو بہایا جائے۔

ابن قتیبہ نے اس روایت میں اس طرح اضافہ کیا ہے: جب یہ خبر معاویہ کو ملی تو اس نے شادمانی اور خوشحالی کا اظہار کیا اور سجدہ ریز ہو گیا اور جتنے لوگ اس کے ساتھ تھے سب سجدے میں گر پڑے۔ عبداللہ بن عباس جو اس زمانے شام میں تھے اس واقعہ سے باخبر ہوئے اور معاویہ کے پاس گئے۔ جیسے ہی آپ بیٹھے معاویہ نے کہا: حسن بن علیؑ مر گئے۔ اے ابن عباس! ابن عباس نے جواب دیا: ہاں مر گئے اور پے در پے تکرار کی انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم خدا کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں) پھر کہا: سنا ہے کہ ان کی وفات پر تو نے خوشیوں کا اظہار کیا ہے۔ خدا کی قسم ان کا جسم تیری قبر کو نہیں بھرے گا اور ان کی موت تیری زندگی میں اضافہ کا سبب نہیں ہوگی۔ حسن بن علی علیہما السلام نے وفات پائی جبکہ وہ تجھ سے بہتر تھے اور ہم اگر ابھی ان کے عزادار ہیں تو اس سے قبل ان سے بہتر شخصیت کے عزادار ہو چکے ہیں ان کے جد بزرگوار رسول خدا ﷺ کے عزادار۔ لیکن خدا نے

---

(۱)۔ تاریخ مسعودی (حاشیہ ابن اثیر، ج۶، ص۵۵۔۵۶.

(۲)۔ مدینہ کے نزدیک ایک کنواں. (مترجم)

(۳)۔ ابن عبد البر.

ان کی عزا کی تلافی کردی اور ان کے بعد بہترین انداز میں ہماری عزت رکھی۔

اس وقت ابن عباس نے ایک چیخ ماری اور دربار میں بیٹھے سب رونے لگے معاویہ بھی آنسو بہانے لگا۔

راوی کا بیان ہے: کبھی میں نے اس حد تک آنکھوں کو روتے نہیں دیکھا ہے۔ معاویہ نے سوال کیا: حسنؑ نے کتنے سال زندگی پائی ابن عباس: وہ اس سے بزرگتر ہیں کہ کوئی ان کی تاریخ ولادت سے آشنا نہ ہو۔

راوی کا بیان ہے: معاویہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا: ان کے بعد تم اپنی قوم کے بزرگ ہو گئے۔

ابن عباس نے کہا: جب تک ابو عبداللہ حسین زندہ ہیں، نہیں۔(۱)

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں امام حسن علیہ السلام کی شہادت نے کوفے میں جو اثر دکھایا اور سلیمان بن صرد شیعوں کی بزرگ شخصیت کے گھر جو اجتماع ہوا اور ان سب نے امام حسین علیہ السلام کو ایک بلیغ اور غم انگیز خط کے ذریعہ تسلیت پیش کی تھی، سب کا تذکرہ کیا ہے۔(۲)

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کی خبر بصرہ (زیاد بن سمیہ جہاں کا گورنر تھا) پہنچی خبر کے پہنچتے ہی سب رونے لگے، نالہ وشیون کی آواز چاروں طرف بلند ہونے لگی۔ ابو بکرہ (زیاد کا مادری بھائی) جو بستر بیماری پر تھا اس نے جب لوگوں کے شور وغل کو سنا تو بولا: خدا نے ان کو بہت سارے شر سے آزاد کر دیا اور لوگ آپ کی وفات کی وجہ سے بہت ساری اچھائیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے خدا حسنؑ پر رحمت کرے۔(۳)

آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے آپ کے بے جان جسد اطہر پر یہ مرثیہ پڑھا:

خدا رحمت کرے آپ پر اے ابو محمد! اگر آپ کی زندگی عزیز اور ارجمند تھی تو آپ کی موت بھی دشمن شکن ہے۔ خوشا بحال اس روح کا جو آپ کے جسم کو زندگی بخشے تھی اور خوشا بحال اس بدن کا جسے کفن اپنی آغوش میں لئے ہے... اور کیوں ایسا نہ ہو؟؟ آپ فرزند ہدایت اور باقیماندہ اہل تقویٰ اور اہل کساء کے چوتھے فرد ہیں۔

آپ نے حقیقت کے ہاتھوں تربیت پائی اور آغوش اسلام میں پرورش پائی اور پستان ایمان سے شیر نوشی کی۔ خوش نصیب اس زندگی کا اور اس وفات کا۔ آپ پر خدا کا درود اور اس کی رحمت ہو۔ آپ کی زندگی کی یادیں۔

---

(۱)۔ابن قتیبہ متوفی سنہ ۲۷۶، ص ۱۵۹۔۱۶۰. یعقوبی اور طبری نے بعض کلمات میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۲۔۳)۔ج ۲، ص ۲۰۳.

ہماری یادوں سے کبھی محو نہ ہوں گی اور آپ کی اچھی بہرہ مندی کے سلسلے میں ہمیں کبھی شک وتردید نہ ہوگی۔(۱)

وہ دستاویز جو معاویہ کے ذریعہ امام حسن علیہ السلام کے مسموم ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ ایک روشن ترین تاریخ کی طرح متواتر اور غیر قابل تردید ہیں۔

منجملہ جن لوگوں نے اس مطلب کو ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: الاستیعاب، الاصابہ، الارشاد، تذکرۃ الخواص، دلائل الامامہ (۲) مقاتل الطالبیین، شعبی، یعقوبی، ابن سعد اپنی الطبقات میں، مدائنی، ابن عساکر، واقدی، ابن اثیر، مسعودی، ابن ابی الحدید اور سید مرتضی تنزیہ الانبیاء میں شیخ طوسیؒ امالی میں شریف رضی دیوان شعر میں، اور حاکم اپنی کتاب مستدرک... میں، سب نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

البدء والختام کے مؤلف لکھتے ہیں: حسن نے ۴۹/ہجری میں وفات پائی۔ جعدہ اشعث کی بیٹی نے آپ کو مسموم کیا اور اس زہر کو معاویہ نے اس کیلئے بھیجا تھا اور اسے اپنے بیٹے یزید سے شادی کا وعدہ دیا تھا لیکن پھر اس نے اس وعدہ کو وفا نہیں کیا۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

''معاویہ نے بارہا آپ کو مسموم کیا۔''

مدائنی کہتے ہیں:

''حسن چار بار مسموم کئے گئے۔''

حاکم مستدرک میں لکھتے:

''حسن بن علی بارہا مسموم ہوئے ہر بار آپ موت سے بچ جایا کرتے تھے لیکن آخری مرتبہ آپ کا کلیجہ کٹنے لگا اور آپ دنیا سے گزر گئے۔''(۳)

---

(۱)۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۴.

(۲)۔ یعقوبی ج۲، ص۲۰۰، مسعودی (حاشیہ ابن اثیر ج۶ ص۵۷) بعض کلمات میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ.

(۳)۔ مستدرک، ج۶، ص۵، مطبوعہ، پیرس.

یعقوبی لکھتے ہیں:

''جب آپ کی موت کا لمحہ قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی حسین سے فرمایا: یہ تیسری اور آخری بار ہے کہ میں مسموم کیا گیا ہوں اور اس آخری مرتبہ جیسا زہر کوئی نہ تھا۔ آج میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ جب میں دنیا سے چلا جاؤں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں مجھے دفن کرنا کیونکہ کوئی بھی مجھ سے زیادہ ان کے پہلو میں رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ہاں اگر اس وقت کوئی مانع ہو جائے تو ایسی صورت میں زمین پر ایک قطرہ خون بھی نہ بہنے دینا۔''

ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

''حسین اپنے بھائی حسنؑ کے پاس آئے آپ نے حسینؑ سے کہا: میرے بھائی: مجھے اب تک ۳/بار زہر دیا جا چکا ہے لیکن اس بار کی طرح کوئی زہر نہ تھا اب میرا کلیجہ تباہ و برباد ہو چکا ہے۔''

حسینؑ نے دریافت کیا: میرے بھائی آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟!

آپ نے فرمایا: کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا جنگ کرنا چاہتے ہو؟ ان لوگوں کو خدا پر چھوڑ دو۔''

طبری دلائل الامامہ، ص ۶۱ پر رقمطراز ہیں:

''آپ کی وفات کا سبب یہ تھا کہ معاویہ نے آپ کو ۷۰/مرتبہ زہر دیا تھا اور کسی مرتبہ بھی زہر آپ پر کارگر نہ ہوا۔ یہ وہ موقع تھا جہاں اس نے ایک قاصد جعدہ بن اشعث بن قیس کندی کی لڑکی کے پاس روانہ کیا اور ۲۰/ہزار دینار اور کوفہ کی زمینوں اور زراعتوں میں سے دس (۱۰) قطعہ زمین اسے بخش دی اور اس بات کی ضمانت لی کہ اپنے بیٹے یزید کے ہمراہ اس کی شادی کر دے گا۔ لہذا جب حسنؑ آئے تو جعدہ نے شکر میں سونے کا برادہ ملا کر مسموم کر دیا۔''

خدای عزوجل کا فرمان ہے:

''پس اس بات کی امید رکھتے ہو کہ جب ہٹو گے تو زمین پر فساد برپا کرو گے اور خویشاوندی ورشتہ کے رابطہ کو درہم برہم کر دو گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے پس ان کے کان کو بہرہ اور آنکھوں کو نابینا بنا دے۔''

خاتمہ سخن

حسن و حسین علیہما السلام کے حالات کا تقابلی جائزہ:

بہت سارے لوگ اس بات کے معتقد ہیں کہ اس ہاشمی روح کی مناعت اور شہامت جو ایک بلند پرواز عقاب کی طرح ہے جو ہمیشہ سر بلند چوٹیوں کو اپنے پروں تلے رکھتا ہے، وہ امام حسن علیہ السلام کی رفتار سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کی رفتار سے مناسب ہے۔

یہ نظریہ بہت ہی ابتدائی، سطحی اور دقت و گہرائی سے دور ہے۔

امام حسن علیہ السلام کی زندگی بھی دوسرے مواقع اور میدانوں میں اسی شکوہ مند اور بلند پرواز ہاشمی وجود کی طرح تھی جو افتخارات میں اپنے باپ اور بھائی کی طرح شمار کئے جاتے تھے۔ اور یہ تینوں افراد مسلکی مصلحین کی تاریخ میں نمونہ کامل اور عالی مثال تھے۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک کا جہاد، ذمہ داری اور کردار اسی ذات سے مخصوص تھا جو ان کے موجودہ حالات کی گہرائیوں سے جوش مارتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کا عمل اپنی جگہ پر بے سابقہ اور ابتکاری تھا اب چاہے وہ جہاد کا مرحلہ ہو یا مجد و بزرگی کا یا غصب شدہ حق کی جستجو۔

امام حسین علیہ السلام کے حالات کے پیش نظر ان کا جام شہادت نوش فرمانا اور امام حسن علیہ السلام کے حالات کے پیش نظر ان کا صلح کے ذریعہ سرمایہ زندگی کی حفاظت کرنا مکتب کی جاویدانی و بقاء اور دشمن کی محکومیت کیلئے یہ دو وسائل اور منصوبہ وہ تنہا منطقی اور عاقلانہ راستہ تھا کہ دونوں موقعیت میں سے ہر ایک کی مشکلوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان دونوں کی انجام دہی ناگزیر تھی اور اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ ان دونوں راستوں میں سے ہر ایک راستہ تقرب خدا کا بہترین ذریعہ اور اس کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کا بہترین وسیلہ تھا۔ اگر چہ دنیاوی لحاظ سے اس میں محرومیت کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ اس کے علاوہ دونوں راستے وہ حتمی اور قطعی فتح تھی جس نے تاریخ کی رہگزر میں اپنے جلوہ کی بطور آشکار نمائش کی۔ ہاں جب یہ واقعہ رونما ہو رہا تھا تو اس وقت محرومیت اور قدرت اور تہی دامانی کے علاوہ اس کا مظہر کچھ اور نہ تھا۔

یہ دو فداکاری یعنی امام حسین علیہ السلام کے واقعہ میں جان کی قربانی اور امام حسن علیہ السلام کی داستان میں حکومت وقدرت سے چشم پوشی وہ آخری مرحلہ ہے کہ مسلکی رہبر اپنی انسانی ذمہ داریوں اور مجاہدانہ کردار سے جہاں رسائی حاصل کرتے ہیں۔

حکومت وقت دونوں بھائیوں کے زمانے میں ایک ایسی واحد عامل تھی جو اپنی خاص شرائط کے پیش نظر ایک یار وانصار کے لحاظ سے اور دوسرا دشمن اور معارضین کے لحاظ سے خاص شرائط جو ان کیلئے وجود میں آئی تھیں وہ تمام شرائط اس دوسری شخصیت سے بالکل مختلف تھیں اور تھوڑی سی بھی شباہت موجود نہیں تھی اور یہ واضح ہے کہ شرائط کی دوگانگی کا طبیعی لازمہ جہاد کی شکل وصورت میں دوگانگی اور آخر کار نتیجہ اور اس فرجام میں بھی دوگانگی ہوگی جو ان دونوں مختلف شرائط کے نتائج ہیں۔

یار وانصار کے لحاظ سے ہر ایک کی خاص صورت حال

امام حسین علیہ السلام کے واقعہ میں کوفہ کے لوگوں کی خیانت آپ کیلئے اس درخشاں تاریخی شان وشوکت تک پہنچنے کیلئے ایک کامیاب قدم تھا لیکن امام حسن علیہ السلام کے ماجرے میں یہی خیانت (جو مسکن اور مدائن میں واقع ہوئی) آپ کی فوج کی صفوں کو درہم برہم کرنے میں ایک ایسی کاری ضرب تھی جس نے جہاد کیلئے آمادگی کے راستہ کو آپ کیلئے بند کر دیا تھا۔

وضاحت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی نسبت کوفیوں کی بیعت شکنی کا حادثہ آپ کی جنگ کیلئے آمادگی سے قبل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک چھوٹے سے لشکر کے باوجود اس وقت ان لوگوں کی یگانگت جو نبرد کیلئے آمادہ تھے کسی بھی گمان کے شائبہ سے دور تھی جو دغدغہ اور پریشانی کا سبب ہو اور یہ فوج ان فداکار سپاہیوں سے زیادہ مشابہ تھی جن کا امام اور رہبر اہداف ومقاصد اور بڑے آئڈیالوجی کا حامل ہو۔

جبکہ امام حسن علیہ السلام کے ماجرے میں وہ اصلی عامل جو آپ کی فوجی کامیابی سے ناامیدی کا سبب تھا وہ وہی فوج تھی جس کے دو تہائی افراد میدان جنگ سے بھاگ چکے تھے اور معاویہ کی دسیسہ کاریوں کے بازیچہ بن چکے تھے اور امام حسن علیہ السلام کے محاذ کو یہ لوگ ہرج ومرج اور آشوب وعصیان کی بادتند کے حوالے کر چکے تھے۔

یہاں سے یہ بات مکمل طور پر قبول کی جاسکتی ہے کہ وہ یار وانصار جنہوں نے امام حسن علیہ السلام سے بیعت کی تھی اور سپاہیوں کی طرح جن لوگوں نے آپ کی چھاونی میں حاضری دی تھی اور پھر بیعت کو توڑ کر دشمن کی طرف

بھاگ گئے تھے یا اپنے امام کے خلاف بغاوت کی تھی یہ لوگ ان لوگوں سے بدتر اور زیادہ خطرناک تر تھے۔ جنہوں نے آپ کے بھائی امام حسین علیہ السلام سے آمنا سامنا ہونے سے پہلے بیعت توڑ دی تھی۔

لہذا امام حسین علیہ السلام نے کوفہ کے حوادث کے بعد جس نے آپ کے یار و انصار کو آزمائش کی بھٹی میں ڈال دیا تھا اور نیک و بد کو اس میں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز کر دیا تھا، ایسی سپاہ فراہم کی جو مختصر ہونے کے باوجود اخلاص و فداکاری کے لحاظ سے تاریخ کی یاد میں ممتاز ترین سپاہ تھی۔

لیکن امام حسن علیہ السلام حتی اپنے با اخلاص شیعوں کے درمیان بھی ایسے یار و انصار کو فراہم نہ کر سکے جو ہر جہت سے مورد اطمینان ہوں۔ (کیونکہ جیسا کہ یہ بات گزشتہ فصلوں میں گزر چکی ہے کہ) آشفتگی اور ہرج و مرج جس طرح آپ کی چھاونی پر حاکم تھے اس کی بنیاد پر کام کے سلسلے کو باقی رکھنا ممکن نہ تھا۔

دونوں بھائیوں کے دوستوں اور یار و انصار کے درمیان اس سے بڑھ کر فرق اور کیا ہوگا؟

دشمن کے اعتبار سے ہر ایک کی خاص حالت

امام حسن علیہ السلام کا دشمن معاویہ تھا اور امام حسین علیہ السلام کا دشمن یزید ان دونوں باپ بیٹوں کے درمیان فرق کیلئے تاریخ گواہ ہے کہ (بیٹا کتنا احمق و بیوقوف) اور (باپ کتنا ہوشیار اور تیز بین) اور بعض لوگوں کے گمان کے مطابق تیز ہوشی میں نابغہ پہچنوایا ہے۔

ان دونوں دشمنوں کی خصومت حسن و حسین علیہما السلام کے ساتھ اور دور کے شرائط اور حالات سے مربوط نہ تھی۔ بلکہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان دشمنی کا سلسلہ طویل مدت سے پہلے سے جاملتا ہے۔

ان تمام مدتوں میں ایک دن بھی ایسا نہ تھا کہ بنی امیہ ہم وزن و ہم طراز بنی ہاشم ہوسکیں۔ بنی ہاشم کے مقابلہ اس کی صورتحال ایک ایسے حقیر دشمن کی حالت تھی جو اپنے طاقتور رقیب سے واہمہ رکھتا ہو اور اس سے بے امان خصومت رکھتا ہو اور یہی امر سبب قرار پایا کہ بنی ہاشم کے بالمقابل امویوں کا نام شروع میں لوگوں کی زبان پر اور پھر مورخین اور واقعہ نگار افراد کے قلم پر جاری ہو اور نہ کس طرح ہوس کی طغیانی کو، فضیلتوں کے آئیڈیل سے اور پلید ترین نسب کو ان لوگوں کے ہم ردیف قرار دیا جائے جن کی پاکدامنی کا گواہ قرآن ہے۔

اور کیسے ممکن ہے کہ شہوت و قدرت پرستی اور انحصار طلبی اور گناہ کے مجسمے کو ان لوگوں سے جو اخلاقی ملکات

کے مظہر، اخلاقی طور پر برتر اور پاک عنصر ہیں جو ایسے معلم ہیں کہ جنہوں نے انسانی فکر کو معرفت اور ثقافت کے عالی درجہ پر مستقر کر دیا ہو اور انسانی صلاحیتوں پر ختم نہ ہونے والی بے شمار ثروت کا اضافہ کیا ہو؟ یعنی بنی ہاشم وہی نور کے پیام آور اور دنیا کو روشن کرنے والے، کا تقابل کیسے کیا جا سکتا ہے؟

وہ لوگ کہاں اور یہ لوگ کہاں؟

امام حسن علیہ السلام اپنے تاریخی دشمن معاویہ بن ابی سفیان بن حرب کے ساتھ جس نتیجہ کا اندازہ لگا رہے تھے اور معاویہ سے مقابلہ کی صورت میں آئندہ کی صورت حال کا جو مشاہدہ فرما رہے تھے وہ کافی معقول اور واقعیت سے نزدیک تھی۔ قوی گمان ہے کہ اس جنگ کا سلسلہ اسلام کیلئے بہت بڑی مصیبت اور قاطع ترین ضربہ قرار پاتا۔ اور اس طرح آخر کار ایسی ذات کی نابودی پر یہ کام تمام ہو جاتا کہ جس کی خالص اسلامی طرز فکر اور علوی مکتب کیلئے تمام قلوب گرویدہ تھے۔ اور ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ معاویہ (وہ علیؑ و مکتب علوی کا نمایاں دشمن) اس قسم کی منصوبہ بندی اور اپنے قدیمی و تاریخی حساب بے باک کرنے میں عجیب و غریب صلاحیت کا حامل تھا۔

گزشتہ بحثوں میں کافی حد تک اس سلسلے میں وضاحت کی جا چکی ہے لیکن امام حسین علیہ السلام کیلئے اپنے سلسلے میں اس اندازہ اور حدس کو باطل کرنے کیلئے کافی تھا کہ آپ اس بات کو ذہن میں لے آتے کہ آپ کا دشمن ایک ایسا ناز پرور بچہ ہے کہ کسی بھی صورت میں وہ مشکلوں کے حل امواج مخالف کے مہار کرنے اور کسی وسیع منصوبہ بندی کی صلاحیت نہیں رکھتا خلافت کے ماجرے اور اپنے رقیبوں سے مقابلہ کی صورت میں جو چیز اس کیلئے مہم ہے وہ یہ ہے کہ ایک سلطنت بے شمار خزانوں کے ساتھ اس کے اختیار میں آجائے۔ اگر چہ آبرو اور اعتبار کے لحاظ سے ویسے ہو جیسے اخطل شاعر نے (بیہقی کی روایت کے مطابق) اس کے روبرو کہا تھا:

حق تو یہ ہے کہ تیرا دین گدھے کے دین کی طرح بلکہ تو ہر مزسے بھی زیادہ کافر ہے۔"

ایک دوسرا موضوع جو اس حدس کے مدمقابل امام حسین علیہ السلام کیلئے اس پر اقدام کا باعث ہو سکتا تھا وہ ایسا تازیانہ دباؤ اور دھمکی تھی جو سارے کوفہ اور اس کے اطراف میں شیعوں کو خوف و ہراس میں ڈالے ہوئے تھی اور شیعہ بزرگوں میں سے بہت سارے افراد جو اہل بیت کی پیروی اور ان کے ہم خیال تھے اور ان چیزوں کو عزیز و گران بہا گنجیوں کی طرح آئندہ نسلوں کیلئے بچائے ہوئے تھے وہ سب کے سب اندھیرے قید خانوں، دربدری

اور غار کے اندر کی زندگی پر مجبور تھے۔

اس طرح کسی دغدغہ اور تشویش کے بغیر بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے مقاصد اور اپنے مکتب و مرام کے مستقبل کیلئے اس راستہ کو اختیار کر سکتے تھے جو ان کے اہداف و مقاصد کو منزل مقصود تک پہنچا سکے۔

لیکن امام حسن علیہ السلام کیلئے ایسا کوئی اطمینان اور ایسی کوئی آسودہ خاطری موجود نہ تھی جس کی بنیاد پر اپنی اور اپنے مکتب و مرام کی آئندہ زندگی پر اپنی شہادت کے بعد یقین رکھتے۔ آپ کے دشمنوں کی صف میں معاویہ تھا اور وہ خوفناک مثلث جو آپ کو اپنے احاطہ میں لئے تھا اور منصوبہ بندیاں جو انتہائی درجہ تک عداوت آمیز تھیں۔

آخر کار امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کی غلطیوں جیسے امن و امان الٰہی پر ہجوم، صلح نامہ کے سلسلے میں اس کی خلاف ورزیاں، امام حسن علیہ السلام کو زہر دینا، اپنے بیٹے یزید کیلئے بیعت لینا اور اس کے علاوہ اور دیگر غلطیوں سے فائدہ حاصل کیا۔ اور اس طرح رائے عامہ کے سامنے امویت کی طاقت و اصلیت اور اموی مخالف انقلاب کے انطباق میں اسلامی قوانین میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔

اس کے علاوہ آپؑ نے معاویہ کے جانشین کی لغزشوں سے جو ایک ایسا جوان تھا جو شراب خواری اور بندروں سے کھیل کود اور فسق و فجور میں مبتلا تھا، بہت فائدہ اٹھایا اور یہ تمام چیزیں یکجا ہو کر آپ کے مقصد کو نتیجہ تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوئیں۔

دشمنوں اور دوستوں دونوں کے لحاظ سے آپؑ کی صورت حال اس جہت سے ایک جیسی تھی کہ دونوں نے مل کر آپ کو آپؑ کی ذمہ داری ادا کرنے، آپؑ کی درخشاں کامیابی، بارگاہ خداوندی میں آپؑ کی سربلندی اور تاریخ کی قضاوت میں آپؑ کی مدد فرمائی۔

لیکن امام حسن علیہ السلام کی صورتحال (جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے) دوستوں کے اعتبار سے ایسی تھی جس نے شہادت کا راستہ آپ پر بند کر دیا تھا اور دشمنوں کے لحاظ سے ایسی تھی جس نے ان سے مقابلہ اور جنگ کو (جو مکتب اسلام کی نابودی کا سبب تھا) ممتنع کر دیا۔

اسی لئے آپؑ نے احساس کیا کہ لازمی طور پر آپؑ کو اپنے جہاد کی روش کو تبدیل کرنا چاہیے اور جنگ کے میدان کو صلح کے راستہ سے آراستہ کرنا چاہیے۔

صلح نامہ کی شرائط میں آپ نے ایسے دھماکہ خیز مواد ڈالے تھے (یعنی وہی عہد و پیمان جس پر معاویہ نے قسم کھائی تھی) جو سب کے سب ایسے دقیق وسائل و ذرائع تھے جس سے معاویہ، اس کے گرگے اور اس کے ہم فکر گروہ کو بڑی بری حالت میں محکوم اور ذلیل کیا تھا۔

اس بیان کے بعد واقعی دشوار ہے کہ تشخیص دی جاسکے کہ ان دونوں بھائیوں (خدا کا ان دونوں پر درود وسلام ہو) میں سے کس کی مجاہدت زیادہ موثر تھی اور مقصد تک پہنچنے میں کون زیادہ کامیاب، کون زیادہ پیش رو اور کس کی ضربت دشمن پر زیادہ قاطع، کاری اور زبردست تھی۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہی ہے کہ بنی امیہ کی بدبختیوں اور ذلت آمیز تاریخ جس میں صلح کے ذریعہ امام حسن علیہ السلام نے کردار پیش کیا ہے وہ سب کے سب آپ جناب سے مربوط ہیں، آپ کے منصوبہ کے مرہون اور تدبیروں کے زائیدہ ہیں۔ اگر یہ کامیاب منصوبہ (جس کی شکل اور طبیعی صورتحال کا لازمہ کامیابی تک رسائی تھا اور اس کے نتیجہ میں دشمنوں کیلئے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر خود اپنے ہی ہاتھوں اس کی مدد کریں) اس صورت میں انجام پذیر نہ ہوتا تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دشمن کو ذلیل و رسوا کردینے والے یہ حوادث جو رونما ہوئے وہ کبھی وجود میں نہ آتے۔

تمت بالخیر

اللھم صل علی محمد و آل محمد اللھم اللعن قتلة امیر المومنین و الحسن و الحسین و آئمة المعصومین من ولد الحسین علیہم السلام

والسلام

العبد

سید مرادرضا رضوی

۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

اتمام تطبیق و تصحیح شب ولادت حضرت علی اکبر علیہ السلام ۱۱ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ

سید محمد حسن نقوی

کتابنامه

(ا)

۱). الابانة: – لابن بطة.
۲). اسعاف الراغبين: – للشبلنجي.
۳). أبو جعفر النقيب – للدكتور مصطفى جواد.
۴). اصول التاريخ والادب: – لمصطفى جواد
۵). الاتحاف بحب الاشراف : – للشبراوى.
۶). أصول كافي: – لمحمد بن يعقوب الكليني.
۷). الاحتجاج: – للطبرسي.
۸). اعلام الورى: – للطبرسي.
۹). الاحداث : – للمدائني.
۱۰). أعيان الشيعة: – للسيد محسن الامين العاملي.
۱۱). الاحكام السلطانية: – للماوردى.
۱۲). الاغاني: – لابى الفرج الاصفهاني.
۱۳). احياء علوم الدين: – لابى حامد الغزالى
۱۴). الالواح: – مجلة. (نشريه)
۱۵). أخبار الحسن : – لابى استحق ابراهيم الاصفهانى الثقفى.
۱۶). الاسلام بى السنة و الشيعة: – لهاشم الدفتر دار و رفيقيه.
۱۷). أخبار الحسن: – للهيثم بن عدى الثعلبى
۱۸). الامالى: – للشريف المرتضى.
۱۹). الاربعين: – لسعد بن ابراهيم الحنبلى.
۲۰). الامالى: – للشيخ الطوسى.
۲۱). الارشاد: – لمحمد بن محمد بن النعمان (المفيد)
۲۲). الامامة والسياسة: – لابن قتيبة الدينورى.
۲۳). الاستيعاب: – لابن عبدالبر المالكى.
۲۴). امر الحسن: – لعبد العزيز بن يحيى البصرى
۲۵). أسد الغابه فى معرفة الصحابه: – للحافظ على عز الدين بن محمد (ابن الاثير).
۲۶). الاصابة فى تمييز الصحابة: – للقاضى احمد شهاب الدين العسقلانى.
۲۷). الانساب: – للسمعانى.
۲۸). أوج البلاغه: –شيخ راضى آل ياسين.
۲۹). آيات الاحكام: – للشيخ أحمد الجزائرى.
۳۰). أيام الحسين: – لعبد الله العلايلى.

(ب)

۳۱). البداية والنهاية: – لابن كثير.
۳۲). البداية والنهاية: – لابن كثير.
۳۳). البداية والنهاية: – لابن كثير.
۳۴). البيان: – للحافظ الكنجى.
۳۵). بلاغات النساء: – لابى الفضل أحمد بن أبى طاهر البغدادى.
۳۶). بهجة المستفيد: – لجعفر بن محمد الهمدانى.

(ت)

۳۷). تاريخ ابن البيع.
۳۸). تاريخ ابن الخشاب.

CamScanner

۳۹).تاریخ ابن خلدون.
۴۱).تاریخ الاسلام السیاسی: – للدکتور حسن ابراهیم حسن.
۴۳).تاریخ الخلفاء: – للسیوطی.
۴۵).تاریخ الفخری: – لابن طباطبا الطقطقی.
۴۷)تاریخ الیقوبی.
۴۹). تذکرة الخواص: – لسبط ابن الجوزی.
۵۱).تحفة الباری فی شرح صحیح بخاری : لشیخ الاسلام زکریا الانصاری.
۵۳).التمهید: – لابی بکر الباقلانی.
۵۵).تنزیه الانبیاء:– للشریف المرتضی.

(ج)

۵۷).الجامع: – لأبی داود.
۵۹).الجمع بین الصحیحین: – للحمیدی.

(ح)

۶۰).حضارة الاسلام: – لجمیل مدور.
۶۲).حلیة الاولیاء:– للحافظ أبی نعیم الاصفهانی.

(خ)

۶۳).الخرایج والجرایح:– للراوندی.

(د)

۶۵). دراسات فی الاسلام.
۶۷).الدر المنثور:– للسیوطی.
۶۹).دائرة معارف القرن العشرین:– لفرید وجدی.
۷۱).دلائل الامامة:– للطبری.

(ر)

۷۳).ربیع الابرار: – للزمخشری.
۷۵).الرد علی الامامیة:– للجاحظ.

(ز)

۷۷).زهد الحسن:– لمحمد بن علی بن بابویه.

۴۰).تاریخ بغداد: – للخطیب البغدادی.
۴۲).تاریخ الامم و الملوک: – لابن جریر الطبری.
۴۴).تاریخ دمشق: – لابن عساکر.
۴۶).تاریخ الکوفة: – للسید حسین البراقی.
۴۸).تذکرة الحفاظ: – للذهبی.
۵۰).تلخیص المستدرک: – للذهبی.
۵۲). التنبیه فی الرد علی أهل الاهواء والبدع:– لمحمد بن احمد الملطی.
۵۴).التنبیه والاشراف:– للمسعودی.
۵۶).التهذیب:– للنووی.
۵۸).الجامع:– للترمذی.
۶۱).حیاة الحیوان: – للدمیری.
۶۴).خواص الائمة: – لسبط ابن الجوزی.
۶۶). الدرجات الرفیعة:– للسید علی خان.
۶۸).الدلائل:– للبیهقی.
۷۰)..الدولة الاموية فی الشام والاندلس:– لحسن مراد.
۷۲).دیوان الشریف الرضی.
۷۴).الرجال:– للشیخ الطوسی.
۷۶).روضة الشهداء.
۷۸).الزیارات:– للهروی.

(س)

۷۹).سفینة البحار:- للشیخ عباس القمی.
۸۰).السقیفة:- لسلیم بن قیس
۸۱).سنن البیهقی.
۸۲).سنن الدار قطنی.
۸۳).السقیفة وفدک:- لابی بکر أحمد بن عبدالعزیز الجوهری.

(ش)

۸۴).شرح صحیح مسلم:- النووی.
۸۵).شرح النهج البلاغه:- لابن أبی الحدید.
۸۶).شرح نهج البلاغة:- لمحمد عبده.
۸۷).شعب الایمان: - البیهقی.

(ص)

۸۸).صحیح بخاری.
۸۹).صحیح الترمذی.
۹۰).صحیح مسلم.
۹۱).صلح الحسن: - العبدالرحمن بن کثیر الهاشمی.
۹۲).صلح الحسن و معاویة:- لاحمد بن محمد السبیعی الهمدانی.
۹۳).الصواعق المحرقة: - لشهاب الدین أحمد بن حجر الهیثمی.

(ط)

۹۴).الطبقات:- لابن سعد.

(ع)

۹۵).العالم العربی- مجلة - .(نشریه)
۹۶).العقد الفرید: - لابی عبد ربه الاندلسی.
۹۷).علل الشرائع:- لمحمد بن علی بن بابویه.
۹۸).عمدة الطالب:- لابن المهنا.
۹۹).عیون الاخبار:- لعبدالله بن مسلم بن قتیبة الدینوری.

(غ)

۱۰۰).الغدیر:- لبولس سلامة.
۱۰۱).الغدیر:- للشیخ عبدالحسین الامینی.

(ف)

۱۰۲).فتوح البلدان:- للبلاذری.
۱۰۳).فردوس الاخبار:- لابن شیرویه الدیلمی.
۱۰۴).فصل الخطاب:- للحافظ البخاری.
۱۰۵).فضائل الصحابة: - للبیهقی.
۱۰۶).الفهرست: - لابن الندیم.
۱۰۷).فهرست الرجال: - للنجاشی.
۱۰۸).فتح الباری فی شرح صحیح البخاری:- للزرقانی.
۱۰۹).فرائد السمطین:- لابراهیم بن محمد الحموینی الشافعی.
۱۱۰).الفروق بین الاباطیل والحقوق:- للشیبانی.
۱۱۰).الفصول المهمة:- لابن الصباغ المالکی.

(ق)

۱۱۱).قیام الحسن: - لابراهیم بن محمد بن سعید الثقفی.
۱۱۲).قیام الحسن:- لهشام بن محمد بن السائب.

۱۱۳). قوت القلوب: – لابی حامد الغزالی.

(ک)

۱۱۴). الکامل: – لابن الاثیر.
۱۱۵). کنز العمال: – لعلی المتقی الهندی الحنفی.
۱۱۶). کتاب الجمل: – لمحمد بن محمد بن النعمان (المفید)
۱۱۷). کشف الغمة فی معرفة أحوال الائمة: – لعلی بن عیسی الاربلی.
۱۱۸). کفایة الطالب: – لابی عبدالله محمد القرشی الکنجی الشافعی.

(م)

۱۱۹). المتفق والمفترق: – للخطیب البغدادی.
۱۲۰). المثالب: – لابن السائب.
۱۲۱). مثالب بنی امیة: – لابن السمان.
۱۲۲). المجالس: – للشیخ الطوسی.
۱۲۳). المحاسن والسماوی: – للبیهقی.
۱۲۴). الملاحم والفتن: – لسید علی بن طاووس.
۱۲۵). المختصر: – لابی الفداء.
۱۲۶). مسند الامام أحمد بن حنبل.
۱۲۷). المعارف: – لابن قتیبة الدینوری.
۱۲۸). معالم التنزیل: – لابی القاسم البغوی.
۱۲۹). معجم البلدان: – لیاقوت الحموی.
۱۳۰). معجم الصحابة: – لابی القاسم البغوی.
۱۳۱). مقاتل الطالبیین: – لابی الفرج الاصفهانی.
۱۳۲). المقدمة: – لابن خلدون.
۱۳۳). المناقب: – للخطیب البغدادی.
۱۳۴) مناقب ابن شهر آشوب.
۱۳۵) مناقب ابن مردویة.
۱۳۶). مناقب ابن المغازلی.
۱۳۷). المنهاج: – لابن تیمیة.
۱۳۸). منتخب کنزل العمال: – للمتقی الهندی.
۱۳۹). مختصر تاریخ العرب والتمدن الاسلامی: – لأمیر علی الهندی.
۱۴۰). المراجعات: – للسید عبدالحسین شرف الدین.
۱۴۱). مروج الذهب (علی هامش ابن الاثیر): – للمسعودی.
۱۴۲). مستدرک الصحیحین: – للحاکم النیسابوری
۱۴۳). مصابیح السنة: – للحسین بن مسعود البغوی الشافعی.

(ن)

۱۴۴) نزهة المجالس: – للصفوری الشافعی.
۱۴۵). النصائح الکافیة: – لمحمد بن عقیل (ط. الهند)
۱۴۶). نور الابصار: – للصبان.
۱۴۷). نقض الکتاب العثمانیة: – لابی جعفر الاسکافی.

(ی)

۱۴۸). ینابیع المودة: – لسلیمان الحنفی القندوزی.
۱۴۹). الیواقیت والجواهر: – للعارف الشعرانی.

دونوں کی دستخط کے ہمراہ قرار داد صلح کا متن

◆ پہلی شرط: یہ حکومت معاویہ کو اس شرط پر سونپی جارہی ہے کہ کتاب خدا، سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شائستہ وصالح خلفاء کی سیرت پر عمل کرے۔

◆ دوسری شرط: معاویہ کے بعد حکومت حسن" سے متعلق ہے اور اگر حسنؑ کیلئے کوئی حادثہ پیش آجائے تو حسینؑ سے متعلق ہے۔ معاویہ کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ کسی کو اپنے بعد جانشین معین کرے۔

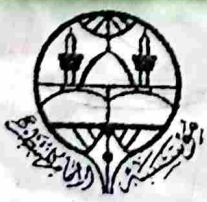
◆ تیسری شرط: معاویہ کیلئے ضروری ہے امیر المومنین کو برا بھلا کہنا اور نمازوں میں ان پر لعنت بھیجنا ترک کرنا پڑے گا اور انہیں نیکی اور اچھائی کے علاوہ کسی دوسری چیزوں سے یاد نہ کرے۔

◆ چوتھی شرط: کوفہ کا بیت المال، جس کی موجودہ مالیت ۵۰ لاکھ درہم ہے وہ مستثنیٰ ہے، یہ رقم حکومت کے شامل حال نہیں ہے اور ہر سال معاویہ کو ۴۰ لاکھ درہم حسینؑ کیلئے روانہ کرنا ہوگا، بنی ہاشم کو بخشش و ہدیے میں بنی امیہ پر امتیاز دینا ہوگا اور جنگ صفین اور جمل میں شہید ہونے والے افراد کے پسماندگان کے درمیان دس لاکھ درہم تقسیم کرنا ہے اور یہ سارے کے سارے اخراجات "دار ابجرد" کی مالیات سے ادا کئے جائیں۔

◆ پانچویں شرط: بلوگ خدا کی زمین کے ہر گوشہ و کنار میں (شام ہو یا عراق یا یمن یا حجاز) امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کریں، سیاہ فام اور سرخ فام دونوں نسل کے افراد امنیت کا احساس کریں اور معاویہ کو ان تمام لوگوں کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنی ہوگی۔ اور کسی کو بھی اس کی گزشتہ غلطیوں کی بنیاد پر مواخذہ نہیں کرنا ہے، اور اہل عراق کو گزشتہ بغض وکینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے۔ اصحاب علیؑ جس جگہ بھی ہوں امن وامان میں ہوں، اور حضرت علیؑ کے چاہنے والوں میں سے کسی کو بھی اذیت وتکلیف نہ پہنچائی جائے، اور علیؑ کے یار ومددگار اپنی جان، مال عزت اور آبرو سے خوف زدہ نہ ہوں، کوئی ان کا پیچھا نہ کرے اور انہیں تھوڑا سا بھی نقصان نہ پہنچائے، اور ہر حق دار کا حق اس تک پہنچایا جائے اور جو کچھ بھی اصحاب علیؑ کے پاس ہے اسے چھینا نہ جائے۔ حسن بن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ بن علیؑ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں سے کسی ایک کے خلاف پوشیدہ یا آشکار طور پر سازش نہ رچی جائے، اور عالم اسلام کے کسی بھی حصہ میں ان کو مرعوب اور خوف زدہ نہ کیا جائے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں: پھر عبداللہ بن عامر (جو معاویہ کی طرف سے آیا تھا) نے امام حسنؑ کی قیود وشروط کو اسی طرح معاویہ کیلئے لکھا جس طرح آپ نے اس سے بیان فرمایا تھا اور پھر روانہ کردیا معاویہ نے ان سب کو ایک کاغذ پر اپنی تحریر میں لکھا اور اس پر مہر لگائی اور تاکید آمیز عہد وپیمان اور شدید قسموں کا اس پر اضافہ کیا اور شام کے تمام سربراہ افراد کو اس پر گواہ قرار دیا اور پھر اسے اپنے نمائندہ عبداللہ بن عامر کے پاس روانہ کیا اور اس نے اسے حسنؑ کی خدمت میں پیش کردیا۔

دوسرے مورخین اس جملہ کو جس میں معاویہ نے صلح نامہ کے آخر میں کچھ لکھا تھا اور اس کے بعد خدا سے اس پر وفا کا عہد وپیمان باندھا تھا اس طرح ذکر کیا ہے: خدائی عہد وپیمان اور ہر وہ جس کی وفاداری کیلئے خدا نے لوگوں کو مجبور کیا ہے معاویہ بن ابوسفیان کی ذمہ داری ہے کہ اس قرار داد پر عمل کرے۔ یہ واقعہ صحیح ترین روایات کے مطابق ۱۵ جمادی الاول ۴۱ ہجری کو وقوع پذیر ہوا۔

ISBN:978-964-7403-97-4



مؤسسة الامام المنتظر عليه السلام

خیابان چهارمردان - کوچه ۱۷ مقابل مسجد گذر قلعه

تلفن: ۰۰۹۸ ۲۵۱ ۷۷۳۶۷۶۰ / قم - ایران